ولا تلبسوا الحق القرآن

حدیث

اور أهلِ تقلید

بجواب

حدیث اور اہل حدیث

جلد دوم

مؤلفہ

أبو صهیب محمد داؤد ارشد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

❀❀❀ توجہ فرمائیں! ❀❀❀

کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب............

- عام قاری کے مطالعے کے لیے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد اَپ لوڈ (UPLOAD) کی جاتی ہیں۔
- متعلقہ ناشرین کی اجازت کے ساتھ پیش کی گئی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کی خاطر ڈاؤن لوڈ، پرنٹ، فوٹو کاپی اور الیکٹرانک ذرائع سے محض مندرجات کی نشرواشاعت کی مکمل اجازت ہے۔

❀❀❀ تنبیہ ❀❀❀

- کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔
- ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی وشرعی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر
تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

نشرواشاعت، کتب کی خرید وفروخت اور کتب کے استعمال سے متعلقہ کسی بھی قسم کی معلومات کے لیے رابطہ فرمائیں

ٹیم کتاب وسنت ڈاٹ کام

webmaster@kitabosunnat.com

وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ

حدیث اور اہل تقلید

بجواب

حدیث اور اہل حدیث

جلد دوم

مؤلف

ابو صہیب محمد داؤد ارشد

ناشر

مکتبہ اہلِ حدیث
امین پور بازار فیصل آباد
Ph:041-2624007

واحد تقسیم کار

صہیب اکیڈمی
کوٹلی وڑکاں نزد نارنگ منڈی ضلع شیخوپورہ

جمیع الحقوق محفوظۃ

نام کتاب ---------- حدیث اور اہل تقلید بجواب حدیث اور اہل حدیث

تالیف ---------- ابو صھیب محمد داؤد ارشد

تعداد ---------- 1100

ناشر ---------- مکتبة اهل حديث

قیمت ---------- /- روپے

اسٹاکسٹ
طیبہ قرآن محل' مکہ سنٹر گلی نمبر 5 منشی محلہ امین پور بازار' فیصل آباد
Ph.: 041-2629292,2624007

مکتبہ محمدیہ قذافی سٹریٹ الفضل مارکیٹ اُردو بازار لاہور
Mob.: 0300-4826023

ملنے کے پتے

اردو بازار لاہور
مکتبہ اسلامیہ' غزنی سٹریٹ' 7244973 ⊛ دار الکتب السلفیہ' شیش محل روڈ 7237184
اسلامی اکیڈمی الفضل مارکیٹ فون نمبر: 7357587 ⊛ مکتبہ قدوسیہ رحمٰن مارکیٹ۔ غزنی سٹریٹ۔
نعمانی کتب خانہ حق سٹریٹ فون: 7321865 ⊛ محمدی پبلشنگ ہاؤس' ایوان علم پلازہ 7223046
دار الفرقان' الفضل مارکیٹ' اردو بازار' لاہور فون 7231602 ⊛ کتاب سرائے الحمد مارکیٹ' غزنی سٹریٹ'

فیصل آباد
مکتبہ اسلامیہ۔ بیرون امین پور بازار بالمقابل شیل پٹرول پمپ ⊛ رحمانیہ دار الکتب' امین پور بازار
مکتبہ اہل حدیث، بالمقابل مرکز جامع مسجد اہل حدیث امین پور بازار ⊛ مکتبہ قدوسیہ' امین پور بازار

گوجرانوالہ
والی کتاب گھر اُردو بازار 055-4441613 ⊛ مکتبہ نعمانیہ' اردو بازار

ملتان
فاروقی کتب خانہ بیرون بوہڑ گیٹ 061-4541809

اوکاڑہ
مکتبہ تفہیم السنہ شیر ربانی ٹاؤن۔ غازی روڈ 044-2528621

چیچہ وطنی
اسلامی کتب خانہ' ڈاکخانہ بازار' نزد پانی والی ٹینکی چیچہ وطنی ضلع ساہیوال 0301-4085081

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست حدیث اور اہل تقلید جلد دوم

(۳۶) باب جلسہ استراحت ۱۱
فصل اول ۱۱
فصل دوم ۱۸
کیا خلفائے راشد جلسہ استراحت نہیں کرتے تھے ۲۳
کیا ابن ابی لیلیٰ بھی جلسہ استراحت نہیں کرتے تھے ۲۵
(۳۷) باب نماز میں اٹھتے وقت ہاتھوں پر ٹیک لگانا ۲۸
فصل اول ۲۸
فصل دوم ۳۰
(۳۸) باب آخری تشہد میں تورک کرنا ۳۷
فصل اول ۳۷
فصل دوم ۳۹
(۳۹) باب قعدہ اولیٰ میں درود شریف کا مسئلہ ۴۷
فصل اول ۴۷
فصل دوم ۴۹
(۴۰) باب فرض نمازوں کے بعد اجتماعی طور پر ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا ۵۵
فصل اول ۵۵
فصل دوم ۶۱
(۴۱) باب مردوں اور عورتوں کی نماز ۷۶
فصل اول ۷۶
فصل دوم ۷۶
انواری دلائل یا ظلمت ۷۸

(۴۲) باب نا بالغ کی امامت ۸۹
فصل اول ۸۹
فصل دوم ۹۴
(۴۳) باب مرزائی وغیرہ بدعتی کی امامت ۹۹
فصل اول ۹۹
فصل دوم ۱۰۰
(۴۴) باب پیش امام اگر غلطی سے نماز بغیر طہارۃ کے پڑھا دے تو مقتدی کی نماز ہو جاتی ہے ۱۰۲
فصل اول ۱۰۲
فصل دوم ۱۰۸
(۴۵) باب کندھے سے کندھا اور قدم سے قدم ملانا سنت ہے ۱۱۷
فصل اول ۱۱۷
فصل دوم ۱۲۷
(۴۶) باب ایک ہی مسجد میں دوسری جماعت ۱۳۲
فصل اول ۱۳۲
فصل دوم ۱۴۲
حرف آخر ۱۵۳
(۴۷) باب نماز میں مصحف شریف سے دیکھ کر قرأۃ کرنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی ۱۵۴
فصل اول ۱۵۴
فصل دوم ۱۵۸
(۴۸) باب اگر غلطی سے نماز میں کمی بیشی ہو اور سلام پھیر دیا جائے تو اس دوران اصلاح نماز کے لیے کلام کرنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی ۱۶۵
فصل اول ۱۶۵
فصل دوم
(۴۹) باب وتر فرض و واجب نہیں بلکہ سنت ہیں
فصل اول

فصل دوم
تلک عشرة کاملة ۲۰۴
(۵۰) باب رکعات وتر ۲۱۵
فصل اول ۲۱۵
فصل دوم ۲۳۱
آثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ۲۵۳
تابعین عظام کے اقوال ۲۶۰
(۵۱) باب قنوت وتر کا مقام ۲۶۶
فصل اول ۲۶۶
فصل دوم ۲۶۸
(۵۲) باب اقامت کے بعد سنت فجر پڑھنی جائز نہیں ۲۸۳
فصل اول ۲۸۳
فصل دوم ۲۹۵
(۵۳) باب سنت فجر پڑھ کر دائیں کروٹ لیٹنا مسنون ہے ۳۰۸
فصل اول ۳۰۸
فصل دوم ۳۱۲
(۵۴) باب فجر کی سنتیں فرضوں کے بعد اور طلوع آفتاب سے قبل پڑھنا ثابت ہے ۳۲۳
فصل اول ۳۲۳
فصل دوم ۳۲۸
(۵۵) باب اذان مغرب کے بعد دو رکعت نفل ثابت ہیں ۳۴۵
فصل اول ۳۴۵
فصل دوم ۳۵۲
(۵۶) باب رکعات تراویح ۳۶۳
فصل اول ۳۶۳
انکار حدیث کے لئے مزید عذرات ۳۶۹

فصل دوم ٣٧٤
بیس رکعات پر اجماع کا جھوٹا دعویٰ ٣٩٠
امام ترمذی کے کلام میں تحریف ٣٩١
غیر متعلقہ عبارات ٣٩٢
(٥٧) باب تہجد و تراویح الگ الگ قرار دینے کے دلائل ٣٩٣
کیا امام بخاری تہجد اور تراویح میں فرق کے قائل تھے ٤١٣
(٥٨) باب قصداً چھوڑی ہوئی نماز کی قضاء نہیں توبہ ہے ٤١٥
فصل اول ٤١٥
فصل دوم ٤٢١
(٥٩) باب سجدہ سہو سلام سے قبل کرنا بھی سنت ہے ٤٣٠
فصل اول ٤٣٠
فصل دوم ٤٣٤
(٦٠) باب مقتدی کا سہو ٤٤٦
(٦١) باب سجدہ تلاوت بغیر وضو بھی جائز ہے ٤٤٩
فصل اول ٤٤٩
فصل دوم ٤٤٩
(٦٢) باب مسافت قصر ٤٥٢
فصل اول ٤٥٢
فصل دوم ٤٥٤
(٦٣) باب مدت قصر ٤٦٣
فصل اول ٤٦٣
فصل دوم ٤٦٤
(٦٤) باب نماز قصر رخصت ہے یا عزیمت؟ ٤٦٨
فصل اول ٤٦٨
فصل دوم ٤٧٤

(۶۵) باب نماز قصر میں سنتوں کا پڑھنا لازم نہیں ۴۷۹
فصل اول ۴۷۹
فصل دوم ۴۸۳
(۶۶) باب جمعہ ہر مسلمان پر فرض ہے شہری ہو یا دیہاتی ۴۹۱
فصل اول ۴۹۱
فصل دوم ۴۹۸
(۶۷) باب شرائط جمعہ ۵۱۹
تفسیر بالرائے ۵۳۴
(۶۸) باب نماز جمعہ کا وقت ۵۳۷
فصل اول ۵۳۷
فصل دوم ۵۴۱
(۶۹) باب جمعہ کی پہلی اذان مسجد میں دینا جائز نہیں ۵۴۷
فصل اول ۵۴۷
اذان عثمانی کہاں ہوتی تھی ۵۴۷
مقام زوراء کی تحقیق ۵۴۸
اذان کیوں جاری ہوئی ۵۴۹
سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا عمل ۵۵۱
سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ کی رائے ۵۵۱
امام حسن بصری تابعی کی رائے ۵۵۱
امام زہری تابعی کی رائے ۵۵۱
سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا عمل ۵۵۲
امام عطاء بن ابی رباح تابعی کی تحقیق ۵۵۲
مجدد وقت امام شافعی کی رائے ۵۵۳
الشیخ ابوالفضل محمد بن ناصر البغدادی ۵۵۰ھ کا عمل ۵۵۳
علامہ احمد شاکر مصری کی رائے ۵۵۴

علامہ محمود محمد خطاب السبکی کی رائے ۵۵۴
خلاصہ بحث ۵۵۵
فصل دوم ۵۵۶
انوار صاحب کا پہلا اعتراض ۵۵۶
دوسرا اعتراض ۵۵۶
تیسرا اعتراض ۵۵۷
چوتھا اعتراض ۵۵۷
(۷۰) باب تقریر خطبہ جمعہ غیر عربی میں کرنا ۵۵۹
فصل اول ۵۵۹
فصل دوم ۵۶۱
(۷۱) باب دوران خطبہ تحیۃ المسجد ادا کرنا ۵۷۶
فصل اول ۵۷۶
فصل دوم ۵۸۰
(۷۲) باب نماز جمعہ سے قبل سنتیں ثابت نہیں ۵۹۹
فصل اول ۵۹۹
فصل دوم ۵۹۹
(۷۳) باب جمعہ و عید ایک دن اکٹھے ہو جائیں تو جمعہ کی رخصت ثابت ہے ۶۰۹
فصل اول ۶۰۹
فصل دوم ۶۱۰
الزامات خورشید ۶۱۴
(۷۴) باب نماز عیدین میں تکبیرات زوائد کی تعداد ۶۱۶
فصل اول ۶۱۶
فصل دوم ۶۲۲
کیا چھ تکبیریں بدعت ہیں ۶۳۵
(۷۵) باب تکبیرات جنازہ میں رفع یدین کرنا ۶۳۶

فصل اول ۶۳۶
فصل دوم ۶۳۹
بزرگان دین ۶۴۱
(۷۶) باب نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ کی قرأت ۶۴۴
فصل اول ۶۴۴
فصل دوم ۶۵۰
• صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا کسی چیز کو سنت کہنے کا مطلب ۶۵۹
(۷۷) باب نماز جنازہ بلند آواز سے پڑھنا ۶۶۱
فصل اول ۶۶۱
فصل دوم ۶۶۲
(۷۸) باب مسجد میں نماز جنازہ پڑھنا مکروہ نہیں ۶۶۶
فصل اول ۶۶۶
فصل دوم ۶۷۱

(۳۶) باب جلسہ استراحت

فصل اول

(۱) عن ابی قلابة قال، جاء نا مالك بن الحويرث فصلی بنا فی مسجدنا هذا، فقال انی لا صلی بكم وما ارید الصلاة ولكننی ارید ان اریكم كيف رایت رسول الله ﷺ یصلی، قال ایوب، فقلت لا بی قلابة و كيف كانت صلاته؟ قال، مثل صلاة شيخنا هذا، يعنی عمر و بن سلمة، قال ایوب، وكان ذلك الشيخ يتم التكبير واذا رفع راسه عن السجدة الثانية جلس و اعتمد علی الارض ثم قام۔

امام ابوقلابہ فرماتے ہیں کہ ہمارے پاس سیدنا مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور ہماری اس مسجد میں ہمیں نماز پڑھائی، کہنے لگے کہ میں آپ کو نماز پڑھاتا ہوں میری نیت (محض) نماز پڑھنے کی نہیں ہے، بلکہ میں آپ کو یہ بتلانا چاہتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ کو میں نے کیسے نماز پڑھتے دیکھا، امام ایوب سختیانی کہتے ہیں کہ میں نے امام ابو قلابہ سے پوچھا سیدنا مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ نے کس طریقہ سے نماز پڑھائی؟ انہوں نے کہا کہ ہمارے شیخ سیدنا عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ کی طرح، امام ایوب فرماتے کہ سیدنا عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ پوری (بائیس) تکبیریں کہتے اور جب دوسرا سجدہ کرکے سر اٹھاتے تو بیٹھ جاتے پھر زمین پر (ہاتھوں کی) ٹیک لگاتے پھر اٹھتے تھے۔

(بخاری کتاب الاذان کیف یعتمد علی الارض اذا قام من الرکعة، الحدیث ۸۲۴)

(۲) عن مالك بن الحويرث الليثی انه رای النبی ﷺ يصلی فاذا كان فی و ترمن صلاته لم ينهض حتى يستوی قاعدا،

سیدنا مالک بن حویرث لیثی رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ انہوں نے نبی مکرم ﷺ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا، آپ علیہ التحیۃ والسلام جب طاق رکعت پڑھ لیتے تو (سیدھے) کھڑے نہ ہوتے جب تک ٹھیک طرح بیٹھ نہ جاتے تھے۔

(بخاری کتاب الاذان باب من استوی قاعدفی و ترمن صلاته ثم نهض الحدیث ۸۲۳)

(۳) عن ابی قلابة قال، كان مالك بن الحويرث ياتينا فيقول، الا احدثكم عن صلاة رسول الله صلی الله عليه وسلم فيصلی فی غير وقت الصلاة، فاذا رفع راسه من السجدة الثانية فی اول الركعة استوى قاعدا ثم قام فاعتمد علی الارض۔

امام ابو قلابہ فرماتے ہیں کہ سیدنا مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ ہمارے پاس تشریف لایا کرتے تھے اور کہا

کرتے تھے میں آپ کو رسول اللہ ﷺ کی نماز نہ بتلاؤں؟ پھر وہ بے وقت نماز (نفل) پڑھتے تھے اور جب پہلی رکعت کا دوسرا سجدہ کرکے سر اٹھاتے تو پہلے سیدھے بیٹھ جاتے پھر زمین پر (ہاتھوں سے) ٹیک لگا کر کھڑے ہوتے تھے:

(سنن نسائی کتاب التطلیق باب الاعتماد علی الارض عند النهوض، الحدیث ١١٥٢)

(۴) عن ابی هریرة رضی اللہ عنہ ان رجلا دخل المسجد، و رسول الله ﷺ جالس فی ناحیة المسجد، فصلی ثم جاء فسلم علیه، فقال له رسول الله ﷺ، و علیکم السلام، ارجع فصل فانك لم تصل، فرجع فصل ثم جاء فسلم فقال، و علیك السلام فارجع فصل فانك لم تصل، فقال فی الثانیة اوفی التی بعدها، علمنی یا رسول الله ﷺ فقال، اذا قمت الی الصلاة فاسبغ الوضوء، ثم استقبل القبلة فکبر، ثم اقرأ ما تیسر معك من القرآن، ثم ارکع حتی تطمئن راکعا، ثم ارفع حتی تستوی قائما، ثم اسجد حتی تطمئن ساجدا، ثم ارفع حتی تطمئن جالسا، ثم اسجد حتی تطمئن ساجدا، ثم ارفع حتی تطمئن جالسا، ثم افعل ذلك فی صلاتك کلها۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ ایک شخص مسجد میں آیا اور رسول اللہ ﷺ مسجد کے کونے میں بیٹھے ہوئے تھے (آنے والے) اس شخص نے نماز پڑھی پھر آ کر نبی مکرم ﷺ کو سلام کہا آپ علیہ التحیۃ والسلام نے کہا، وعلیک السلام، فرمایا جا کر نماز پڑھ تو نے نماز نہیں پڑھی، وہ پھر گیا دوبارہ نماز ادا کی اور آ کر سلام کہا آپ نے، وعلیک السلام، کہا (اور) فرمایا کہ جا کر نماز پڑھ تو نے نماز نہیں پڑھی، وہ گیا اور تیسری مرتبہ اس نے نماز پڑھی پھر آ کر آپ کو سلام کہا آپ نے فرمایا، وعلیک السلام، نماز پڑھ تو نے نماز نہیں پڑھی، آخر دوسری یا تیسری مرتبہ اس نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ مجھے نماز پڑھنا سکھلائیں، آپ علیہ الصلوۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ جب تو نماز کے لیے کھڑا ہو تو پہلے اچھا وضو کر، پھر قبلہ رخ ہو کر اللہ اکبر، کہہ پھر جو قرآن آسانی سے پڑھ سکے وہ پڑھ، پھر اطمینان کے ساتھ رکوع کر پھر سر اٹھا کر سیدھا کھڑا ہو جا، پھر اطمینان سے سجدہ کر، پھر سجدہ سے سر اٹھا کر اطمینان سے بیٹھ جا، پھر دوسرا سجدہ اطمینان سے کر پھر سر اٹھا کر اطمینان سے بیٹھ جا، اسی طرح پوری نماز ادا کر،

(بخاری کتاب الاستئذان باب من رد فقال علیك السلام، الحدیث ٦٢٥١)

(۵) عن اسحاق بن ابراهیم قال قلت لابی اسامة أحدثکم عبید الله بن عمر عن سعید المقبری عن ابی هریرة قال دخل رجل المسجد و رسول الله ﷺ جالس فی ناحیة المسجد فصلی ثم جاء فسلم علیه فقال و علیك السلام، ارجع فصل فانك لم تصل فرجع فصل ثم جاء فسلم علیه فقال له مثل ذلك فقال له فی الثالثة، فعلمنی یا رسول الله ﷺ قال

اذا قمت الی الصلوة فاسبغ الوضوء واستقبل القبلة و کبر ثم اقرأ ما تیسر من القرآن ثم ارکع حتی تطمئن راکعا ثم ارفع راسك حتی تعدل قائم ثم اسجد حتی تطمئن ساجد ثم ارفع حتی تطمئن قاعدا ثم اسجد حتی تطمئن ساجدا ثم اقعد حتی تطمئن قاعدا ثم افعل کذلك فی کل رکعة و سجدة فاقربه ابو اسامة وقال نعم۔

امام اسحاق بن ابراہیم فرماتے ہیں کہ میں نے امام ابو اسامہ سے سوال کیا کہ کیا آپ عبیداللہ بن عمر العمری (کی سند سے) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث نقل کرتے ہیں؟ کہ ایک شخص مسجد میں داخل ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد کے ایک کونے میں تشریف فرما تھے، اس شخص نے نماز پڑھی پھر آپ علیہ التحیۃ والسلام کو سلام عرض کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، وعلیک السلام، جا کر دوبارہ نماز پڑھ تو نے نماز نہیں پڑھی، اس نے لوٹ کر نماز ادا کی اور دوبارہ آ کر سلام عرض کیا تو آپ علیہ التحیۃ والسلام نے وہی کہا جو پہلی مرتبہ ارشاد فرمایا تھا، تیسری بار اس نے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے گذارش کی کہ آپ مجھے نماز کا طریقہ بتلائیں میں کیسے نماز پڑھوں، تو آپ علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا کہ جب نماز کے لیے کھڑا ہو تو پہلے اچھی طرح وضو کر کے پھر قبلہ رخ ہو کر تکبیر کہہ پھر جو قرآن سے آسانی سے پڑھ سکے تو پڑھ، پھر رکوع کر اطمینان سے، پھر رکوع سے سر اٹھا کر سیدھا کھڑا ہو جا، پھر سجدہ کر اطمینان سے پھر سر اٹھا کر اطمینان سے بیٹھ جا پھر دوسرا سجدہ بھی اطمینان سے کر پھر سجدہ سے اٹھ کر اطمینان سے بیٹھ جا، پھر ہر رکعت وسجدہ میں اسی طرح ہی کر، ابو اسامہ نے یہ سن کر کہا کہ واقعی میں نے یہ حدیث بیان کی ہے۔

السنن الکبری للبیھقی ص۱۲۶ ج۲ و مسند اسحاق بن راھویه بحواله فتح الباری ص۲۲۲ ج۲

(۲) عن محمد بن عمرو بن عطاء عن ابی حمید الساعدی، قال، سمعته وهو فی عشرة من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم احدهم ابو قتادة بن ربعی یقول، انا اعلمکم بصلاة رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم، قالوا، ماکنت اقدمنا له صحبة ولا اکثرنا له اتیانا، قال، بلی، قالوا، فاعرض، فقال، کان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم اذا قام الی الصلاة اعتدل قائما و رفع یدیه حتی یحاذی بها منکبیه، فاذا اراد ان یرکع رفع یدیه حتی یحاذی بهما منکبیه، ثم قال، الله اکبر، و رکع، ثم اعتدل، فلم یصوب راسه ولم یقنع، و وضع یدیه علی رکبتیه، ثم قال، سمع الله لمن حمده، و رفع یدیه و اعتدل، حتی یرفع کل عظم فی موضعه معتدلا، ثم هوی الی الارض ساجدا، ثم قال، الله اکبر، ثم جا فی عضدیه عن ابطیه وفتح اصابع رجلیه، ثم ثنی رجله الیسری وقعد علیها، ثم اعتدل حتی یرجع کل عظم فی موضعه معتدلا ثم هوی ساجدا، ثم قال، الله اکبر، ثم ثنی رجله وقعد، و اعتدل حتی یرجع کل عظم فی موضعه، ثم نهض، ثم صنع فی الرکعة الثانیة مثل ذلك، حتی اذا قام من السجدتین کبر و رفع یدیه حتی یحاذی بهما منکبیه کما صنع

حین افتتح الصلاۃ ثم صنع کذلك حتی کانت الرکعة التی تنقضی فیها صلاته اخر رجله الیسری وقعد علی شقه متورکا، ثم سلم۔

امام محمد بن عمرو بن عطاء فرماتے ہیں کہ میں نے سیدنا ابو حمید الساعدی رضی اللہ عنہ سے دس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں، جن میں سے ایک سیدنا ابو قتادہ بن ربعی رضی اللہ عنہ بھی تھے (یہ حدیث) سنی، سیدنا ابو حمید رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں رسول اللہ ﷺ کی نماز آپ سب لوگوں سے زیادہ جانتا ہوں، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فرمانے لگے، آپ نہ تو ہم سے زیادہ قدیم صحبت والے ہو اور نہ ہی ہم سے زیادہ آپ ﷺ کی خدمت میں رہنے والے ہو، سیدنا ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ نے کہا ہاں (یہ بات تو درست ہے) صحابہ کرام کہنے لگے، اچھا نماز پیش کرو۔

سیدنا ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ فرمانے لگے، کہ جب رسول اللہ ﷺ نماز کا ارادہ کرتے تو سیدھے کھڑے ہو جاتے، اور دونوں ہاتھوں کو اپنے کندھوں کے برابر اٹھاتے، اور جب رکوع جانے کا اردادہ کرتے تو ہاتھوں کو کندھوں کے برابر اٹھاتے، اور اللہ اکبر کہتے ہوئے رکوع میں چلے جاتے، اور رکوع میں پیٹھ بالکل سیدھی رکھتے سر کو نیچے کی طرف جھکاتے اور نہ ہی اوپر کو اٹھاتے، ہاتھوں کو گھٹنوں پر رکھتے ، پھر، **سمع الله لمن حمده،** کہتے ہوئے ہاتھوں کو اٹھاتے (رفع یدین) اور بالکل سیدھے کھڑے ہو جاتے یہاں تک کہ ہر جوڑ اپنی جگہ پر سیٹ ہو جاتا، پھر سجدہ کے لیے زمین کی طرف جھکتے اور، اللہ اکبر، کہتے اور (سجدہ میں) بازوں کو بغلوں سے علیحدہ رکھتے اور پاؤں کی انگلیوں کو کشادہ رکھتے پھر (سجدہ سے اٹھ کر بائیں پاؤں کو موڑ کر سیدھے اس پر بیٹھ جاتے یہاں تک ہر جوڑ اپنی جگہ پر سیٹ ہو جاتا، پھر سجدہ کے لیے جھکتے اور اللہ اکبر کہتے پھر (سجدہ سے اٹھ کر) بائیں پاؤں کو موڑ کر سیدھے اس پر بیٹھ جاتے کہ ہر ہڈی اپنی جگہ پر پہنچ جاتی، پھر اٹھتے، پھر دوسری رکعت بھی اسی طرح ادا کرتے، جیسا کہ پہلی رکعت ادا کی تھی، یہاں تک جب دو رکعتیں پڑھ کر کھڑے ہوتے تو اللہ اکبر کہتے اور دونوں ہاتھوں کو کندھوں کے برابر اسی طرح اٹھاتے جیسا کہ شروع نماز کے وقت اٹھاتے، یہاں تک کہ وہ رکعت جس میں نماز پوری ہو جاتی ہے، (تشہد میں) بائیں پاؤں کو پیچھے ہٹاتے اور سرین پر بیٹھ جاتے پھر سلام پھیر دیتے تھے۔

(سنن ترمذی کتاب الصلاۃ باب (ممایلی) ما جاء فی وصف الصلاۃ، الحدیث ٣٠٤)

(۷) قالوا، صدقت ھکذا کان یصلی رسول اللہ ﷺ، الحدیث۔

تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کہنے لگے کہ آپ نے درست کہا واقعی رسول اللہ ﷺ اسی طرح ہی نماز پڑھا کرتے تھے۔

(ابن ماجه کتاب اقامة الصلاۃ باب اتمام الصلاۃ، الحدیث ١٠٦١)

(۸) عن ابن عباس ان رسول الله ﷺ قال للعباس بن عبدالمطلب، يا عباس يا عماه! ألَا اعطيكَ؟ ألَا امنحك؟ الا احبوك؟ الا أفعل بك عشر خصال اذا انت فعلت ذلك غفر الله لك ذنبك اوله وآخره قديمه و حديثه خطاه و عمده، صغيره و كبيره سره و علاعنيته، عشر خصال، ان تصلي اربع ركعات تقرأ في كل ركعة فاتحة الكتاب و سوره، فاذا فرغت من القرأة في اول ركعة وانت قائم قلت، سبحان الله والحمد لله ولا إِلٰهَ الا الله و الله اكبر، خمس عشرة مرة، ثم تركع فتقولها، وانت راكع عشرا ثم ترفع راسك من الركوع فتقولها عشرا ثم تهوى ساجدا فتقولها وانت ساجدا عشرا ثم ترفع راسك من السجود فتقولها عشرا ثم تسجد فتقولها عشرا ثم ترفع راسك فتقولها عشرا فذلك خمس و سبعون، في كل ركعة تفعل ذلك في اربع ركعات ان استطعت ان تصليها في كل يوم مرة فافعل، فان لم تفعل ففي كل جمعة فان لم تفعل ففي كل شهر مرة، فان لم تفعل ففي كل سنة مرة، فان لم تفعل ففي عمرك مرة۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا عباس بن عبدالمطلب سے فرمایا، اے عباس، اے چچا، کیا میں آپ کو عطیہ نہ دوں، کیا میں آپ کو (قیمتی چیز) مفت عطا نہ کروں کیا میں آپ کے لیے دس باتیں نہ بیان کروں جب آپ وہ کرلیں، تو اللہ تعالیٰ آپ کے، پہلے اور پچھلے، پرانے اور نئے، بھول کر کیئے ہوئے اور جان بوجھ کر ہونے والے، چھوٹے اور بڑے، ظاہر اور پوشیدہ، تمام گناہ معاف کر دے، وہ دس باتیں یہ ہیں کہ آپ چار رکعات نماز ادا کریں ہر رکعت میں سورہ فاتحہ اور کوئی بھی سورۃ پڑھو، پہلی رکعت میں قراۃ سے فارغ ہو کر کھڑے کھڑے ہی پندرہ بار یہ کلمات پڑھو۔

سبحان الله والحمد لله ولا اله، الا الله و الله اكبر۔

اللہ تعالیٰ پاک ہے تمام تعریفیں اسی کے لیے ہیں اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور وہ سب سے بڑا ہے۔

پھر رکوع کرو اور رکوع میں دس بار یہ کلمات کہو، پھر رکوع سے سر اٹھا کر دس بار یہ پڑھو، پھر سجدہ کرو تو سجدہ میں دس بار یہ پڑھو، پھر سجدہ سے سر اٹھا کر دس بار یہی کلمات کہو، پھر سجدہ کر اور دس بار یہ الفاظ سجدہ میں کہو، پھر دوسرے سجدہ سے سر اٹھا کر (سیدھے بیٹھ جاؤ اور کھڑے نہ ہوں یہاں تک کہ) دس بار یہی الفاظ پڑھ لو، یہ ہر رکعت میں پچھتر بار ہوا اسی طرح تم چاروں رکعتوں میں کرو، اگر ممکن ہو تو ہر روز اسے پڑھو، اگر ایسا نہ کر سکو تو ہر جمعہ میں ایک بار پڑھ لو، اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو ہر مہینہ میں ایک بار پڑھو، اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو زندگی میں ایک بار کر لو۔

(سنن ابی داؤد کتاب التطوع باب صلاۃ التسبیح، الحدیث ۱۲۹۷، و ابن ماجه کتاب اقامة الصلاة باب ما

جاء فی صلاة التسبیح الحدیث ۱۳۸۷و ابن حزیمه ص۲۲۳ ج۲ الحدیث ۱۲۱۶ و بیهقی ص۵۱ ج۳ و مستدرك حاكم ص۳۱۸ ج۱)

(۹) عن ابی رافع قال قال رسول اللهﷺ للعباس، یا عم الاحبوك، الانفعك، الاصلك، قال، بلی، یا رسول الله قال، فصل اربع ركعات، تقرأ فی كل ركعة بفاتحة الكتاب و سورة، فاذا انقضت القرأة فقل، سبحان الله والحمدلله ولا اله الا الله والله اكبر، خمس عشرة مرة قبل ان تركع، ثم اركع فقلها عشرا، ثم ارفع راسك فقلها عشرا، ثم اسجد فقلها عشرا، ثم ارفع راسك فقلها عشرا، ثم اسجد فقلها عشرا، ثم ارفع راسك فقلها عشرا قبل ان تقوم، فتلك خمس و سبعون فی كل ركعة، وهی ثلاثمة مائة فی اربع ركعات، فلو كانت ذنوبك مثل رمل عالج، غفرها الله لك، قال، یا رسول الله ومن لم یستطع یقولها فی یوم؟ قال، قلها فی جمعة فان لم تستطع فقلها فی شهر، حتی قال، فقلها فی سنة۔

سیدنا ابو رافع رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا اے چچا کیا میں تم کو محبت کا صلہ نہ دوں، کیا میں آپ کو فائدہ نہ پہنچاؤں کیا میں آپ سے صلہ رحمی نہ کروں یا صلہ نہ دوں، انہوں نے عرض کی کیوں نہیں یا رسول اللہ ﷺ؟ آپ علیہ التحیۃ والسلام نے فرمایا کہ آپ چار رکعت پڑھیں، اور ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے ساتھ ایک) اور سورت (بھی) تلاوت کریں، جب قرأۃ ختم ہو جائے تو کہہ، سبحان الله والحمد لله ولا اله الا الله والله اكبر، پندرہ بار رکوع سے پہلے پھر رکوع کر، اور کوع میں دس بار اسی کلمہ کو کہہ پھر سر اٹھا اور اس کو دس بار کہہ پھر سجدہ کر اور اس میں دس بار کہہ پھر سجدہ سے سر اٹھا اور اس کو دس بار کہہ پھر سجدہ کر اور سجدہ میں دس بار کہہ پھر سجدہ سے سر اٹھا کر کھڑے ہونے سے پہلے دس بار کہہ، تو یہ پچھتر بار ہر رکعت میں ہوئے اور تین سو چاروں رکعتوں میں، پھر اگر تیرے گناہ ریت کے ذروں جتنے بھی ہوئے تو بھی اللہ معاف کر دے گا، سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ جو شخص اس نماز کو ہر روز نہ پڑھ سکے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہر جمعہ کو ایک بار پڑھ لے، اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو ہر مہینہ میں پڑھ لے یہاں تک کہ فرمایا سال میں پڑھ لے۔

(سنن ابن ماجه كتاب اقامة الصلوت باب ما جاء فی الصلوة التسبیح الحدیث ۱۳۸٦)

قارئین کرام مذکورہ احادیث سے یہ مسئلہ ثابت ہے کہ دوسرے سجدہ سے سر اٹھانے کے بعد رسول اللہ ﷺ جلسہ استراحت کر کے اٹھا کرتے تھے، اور اسی بات کا ہی نبی مکرم ﷺ نے اس صحابی کو حکم دیا تھا جس نے جلدی جلدی نماز ادا کی تھی، جیسا کہ حدیث نمبر ۴٬۵ میں صاف بیان ہوا ہے، اور یہی حکم ارشاد آپ علیہ السلام نے اپنے چچا محترم سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کو نماز تسبیح میں دیا ہے جیسا کہ حدیث نمبر ۸٬۹ سے

ثابت ہے۔

اسی حکم نبوی کی تعمیل میں سیدنا مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ عامۃ الناس کو نماز سکھلایا کرتے تھے جیسا کہ حدیث نمبر ۱،۳ کا مفاد ہے، اور اسی پر صحابی رسول سیدنا عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ کا عمل تھا جیسا کہ حدیث نمبر ۱ میں بیان ہوا ہے، اسی طریقہ و کیفیت کے ساتھ سیدنا ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ نے دس صحابہ کرام کی موجودگی میں نماز پڑھ کر بتائی تو تمام صحابہ کرام نے تصدیق کی جیسا کہ حدیث نمبر ۷ میں بیان ہوا ہے جلسہ استراحت کے قائلین میں امام شافعی اور عام اہل حدیث اور ایک روایت میں امام احمد کا قول ہے اور اسی کو امام ابوداؤد اور امام حماد بن زید نے اختیار کیا ہے۔

(المحلی بالاثار ص٤٠ ج٣ مساله نمبر ٤٥٤، و فتح الباری ص٢٤٠ ج٢ و مرعاة ص٥٣ ج٣ و حلبی کبیر ص٣٢٣)

اس کے برعکس انوار صاجب کہتے ہیں کہ خیر القرون میں اس کا رواج نہ تھا، اس کا تفصیل سے رد تو فصل دوم میں انوار صاحب کی چوتھی دلیل میں آ رہا ہے، سرِ دست آپ اتنا جان لیں کہ احادیث صحیحہ کے بالمقابل بداج کوئی دلیل نہیں ہے، باقی رہا انوار صاحب کا یہ کہنا کہ ہاں اگر کوئی شخص عذر کی وجہ سے ایسا کرے تو کوئی حرج نہیں ص ۴۴۸، تو یہ ان کی زیادتی ہے، کسی حدیث صحیح تو کجا ضعیف میں بھی یہ صراحت نہیں کہ امام الانبیاء سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم جلسہ استراحت بوجہ عذر کرتے تھے، یہ بات ملحوظ رہے کہ جلسہ استراحت کے راوی سیدنا مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ ہیں اور انہیں نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تھا کہ جس طرح مجھے نماز پڑھتے دیکھا ہے اسی طرح ہی نماز ادا کرنا۔

(بخاری کتاب الاذان باب الاذان للمسافرین ......الحدیث ٦٣١)

علامہ ابن نجیم حنفی فرماتے ہیں۔

ممحمول علی حالة الکبر کمافی الهداية ویرد علیه ان هذا الحمل یحتاج الی دلیل وقد قال علیه الصلاة والسلام لمالك بن الحویرث لما اراد ان یفارقه صلوا کما رایتمونی اصلی، ولم یفصل فکان الحدیث حجة للشافعی۔

یعنی ہدایہ میں ہے کہ (جلسہ استراحت کی احادیث) آپ علیہ الصلوۃ والسلام کے بڑھاپے پر محمول ہیں، اور اس کی تردید اس طرح کی گئی ہے کہ اسے بڑھاپے (عذر) پر محمول کرنا دلیل کا محتاج ہے (اور دلیل ہے نہیں) اور تحقیق نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ کو اس وقت حکم دیا تھا جبکہ وہ واپس جانے کا ارادہ کر رہے تھے کہ نماز اسی طرح ادا کرنا جس طرح مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے، اس حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جلسہ استراحت کو مستثنا نہیں کیا لہذا یہ حدیث امام شافعی کی دلیل ہے۔

(البحر الرائق ص٣٢٢ ج١ مطبوعه مکتبه رشیدیه کوئٹه)

فصل دوم

(۱) عن عباس اوعیاش بن سهل الساعدی انه کان فی مجلس فیه ابوه و کان من اصحاب النبی ﷺ و فی المجلس ابو هریرة و ابو حمید الساعدی و ابو اسید فذکر الحدیث و فیه ثم کبر فسجد ثم کبر فقام ولم یتورك۔

(ابو داؤد ص۱۰۷ ج۱)

عباس یا عیاش بن سہل ساعدی سے روایت ہے کہ وہ ایک ایسی مجلس میں تھے جس میں ان کے والد بھی تھے جو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابہ میں سے تھے، اور اسی مجلس میں حضرت ابو ہریرہ حضرت ابوحمید ساعدی اور حضرت ابو اسید رضی اللہ عنہم بھی تھے، انہوں نے حدیث ذکر کی جس میں یہ بیان کیا کہ پھر آپ ﷺ نے تکبیر کہی پھر سجدہ کیا پھر تکبیر کہی تو آپ سیدھے کھڑے ہوگئے بیٹھے نہیں۔

(حدیث اور اهل حدیث ص۴۳۶)

الجواب اولاً: اس کی سند میں عیسی بن عبداللہ راوی ہے امام علی بن مدینی فرماتے ہیں کہ مجہول ہے۔ (تهذیب ص۲۱۷ ج۸)

اسی وجہ سے علامہ البانی نے اس پر ضعیف کا حکم لگایا ہے۔ (ضعیف ابو دائود ص۷۰)

ثانیاً اسی روایت سیدنا ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ میں جلسہ استراحت کا ذکر ہے، اور یہ مُسلّمہ اصول کی ثبوت نفی پر مقدم ہوتا ہے، راجع مقدمہ

(۲) عن ابی هریرة قال کان النبی ﷺ ینهض فی الصلوٰة علی صدور قدمیه، قال ابو عیسی حدیث ابی هریرة علیه العمل عند اهل العلم یختارون ان ینهض الرجل علی صدور قدمیه، الخ۔

(ترمذی ص۴۵ ج۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نماز میں پاؤں کے پنجوں کے بل کھڑے ہوتے تھے، امام ترمذی فرماتے ہیں کہ اہل علم کے نزدیک حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث پر ہی عمل ہے اور وہ اسی کو اختیار کرتے ہیں کہ آدمی (نماز میں دوسری، تیسری رکعت کے لئے، پاؤں کے پنجوں کے بل کھڑا ہو۔

(حدیث اور اهل حدیث ص۴۳۷)

الجواب: اس کی سند میں، خالد بن ایاس راوی ہے، اس کے متعلق امام احمد فرماتے ہیں۔ متروک الحدیث ہے امام ابن معین کا کہنا ہے کہ ہیچ محض ہے اس کی روایات لکھی ہی نہ جائیں، امام ابو حاتم کا

کہنا ہے کہ ضعیف الحدیث منکر الحدیث ہے امام ابو زرعہ فرماتے ہیں کہ ضعیف وغیر قوی ہے امام بخاری ارشاد فرماتے ہیں کہ منکر الحدیث اور ہیچ محض ہے، امام نسائی فرماتے ہیں کہ متروک الحدیث ہے دوسری بار فرمایا ثقہ نہیں اور اس کی مرویات لکھی ہی نہ جائیں امام ابن عدی فرماتے ہیں کہ اس کی تمام مرویات غرائب اور افراد ہیں باوجود ضعیف کے اس کی مرویات کو لکھا جائے، امام ترمذی امام ابن شاہین امام محمد بن عمار امام ساجی امام ابن مثنی نے ضعیف قرار دیا ہے امام ابن حبان فرماتے ہیں کہ ثقات سے موضوع اور من گھڑت روایات نقل کرتا ہے، اور دل اس طرف مائل ہوتا ہے کہ جان بوجھ کر روایات وضع کرتا تھا، امام حاکم فرماتے ہیں سعید المقبری وغیرہ سے موضوع روایات نقل کرتا ہے، ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ تمام محدثین کرام کے نزدیک ضعیف ہے۔

(تہذیب ص ۸۱ ج ۳)

حافظ ابن حجر اور علامہ البانی رحمہما اللہ نے اس روایات کو ضعیف قرار دیا ہے

(فتح الباری ص ۲۴۱ ج ۲ و ارواء الغلیل ص ۸۱ ج ۱)

(۳) عن عبدالرحمن بن غنم ان ابا مالك الاشعرى جمع قومه فقال يامعشر الاشعريين اجتمعوا نساء كم وابناء كم اعلمكم صلاة النبی ﷺ صلى لنا بالمدينة (فذكر الحديث بطوله و فيه) ثم قال سمع الله لمن حمده واستوى قائما ثم كبر و خر ساجدا ثم كبر فرفع راسه ثم كبر فسجد ثم كبر فانتهض قائما۔

(الحدیث مسند احمد ص ۳۴۳ ج ۵)

حضرت عبدالرحمٰن بن غنم سے روایت ہے کہ حضرت ابو مالک اشعری نے اپنی قوم کو جمع کر کے فرمایا کہ اے اشعریین کی جماعت خود بھی جمع ہو جاؤ اور اپنی عورتوں اور بچوں کو بھی جمع کر لو تاکہ میں تمہیں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نماز سکھلا دوں جو آپ ہمیں مدینہ منورہ میں پڑھایا کرتے تھے، آپ نے پوری حدیث ذکر کی جس میں یہ بھی ہے کہ پھر آپ سمع اللہ لمن حمدہ، کہہ کر سیدھے کھڑے ہو گئے پھر تکبیر کہہ کر سجدے میں چلے گئے۔ پھر تکبیر کہہ کہ سجدے سے سر اٹھایا پھر تکبیر کہہ کہ سجدہ کیا، پھر تکبیر کہہ کر سیدھے کھڑے ہو گئے۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۸۳۴)

الجواب اولاً: اس روایت میں، جلسہ استراحت، نہ کرنے کا ذکر قطعاً نہیں، یہ انوار صاحب کی زیادتی ہے، اور عدم ذکر سے عدم شئی لازم نہیں آتا، تفصیل مقدمہ میں گزر چکی ہے، اگر انوار صاحب اس روایت پر ہی غور کرتے تو اس میں بھی اس اصول کا ذکر ہے، انوار صاحب تعصب کی عینک اتار کر حسب ذیل الفاظ کو پڑھیں،، **حتى لما ان فاء الفئى والكسر الظل،** جب سایہ ظاہر ہو گیا، روایت

کے اگلے الفاظ یہ ہیں، قام فاذن، تو آپ نے کھڑے ہو کر اذان دی، صف بندی کے بعد، ثم اقام الصلوٰۃ، پھر اقامت ہوئی۔

(ترجمه از حدیث اور اهل حدیث ص ٤٠١)

ان تمام قرائن سے ثابت ہوا کہ یہ نماز ظہر تھی، سورج کا ڈھلنا، اذان و اقامت کا کہنا، اس کا کھلا ثبوت ہے، مگر روایت مذکورہ میں چار رکعت کی بجائے دو رکعت کا ذکر ہے، حالانکہ پوری امت مرحومہ کے نزدیک نماز ظہر چار رکعت ہی ہے اور آخری اطلاعات آنے تک خود حنفی بھی ظہر کی چار رکعت نماز فرض ادا کرتے ہیں اب اگر انوار صاحب جیسا مجتہد ذیشان یہ نقطہ اٹھا لے کہ چونکہ اس روایت میں چار رکعت کی بجائے دو رکعت کا ذکر ہے لہذا نماز ظہر کی فرض رکعتیں صرف دو ہی ہیں، ایسے مجتہد کو علمائے دیوبند جو بھی جواب دیں گے وہی جواب ہماری طرف سے جلسہ استراحت کا سمجھ لینا، یہ بات ملحوظ رہے کہ، فانتهض قائما، کے الفاظ سے جلسہ استراحت کی نفی ثابت نہیں ہوتی، کیونکہ، نہض بمعنی ایک حالت سے دوسری حالت میں آنا بھی مستعمل ہے، عربی لغت کی جدید ڈکشنری، المعجم الوسیط ص ۹۵۸ میں ہے، نهض من مكانه الي كذا، علامہ فیومی فرماتے ہیں، نهض عن مكانه ارتفع عنه (المصباح المنیر ص ۶۲۸) لغت عرب کے مُسلّم، امام علامہ زمخشری فرماتے ہیں

نهض، نهض له واليه نهضا ونهوضا وانتهض، وحانت منه نهضه الىٰ موضع كذا۔

(اساس البلاغه ص٤٧٠)

اس لغوی معنی کو پیش نظر رکھا جائے تو حدیث کے الفاظ

ثم كبر فانتهض قائما، کا یہ مفہوم بنتا ہے کہ تکبیر کہہ کر سجدہ کی حالت سے قیام کی طرف آئے، ظاہر ہے کہ اس سے جلسہ استراحت کی نفی نہیں ہوتی، زیادہ سے زیادہ اس میں عدم ذکر ثابت ہوتا ہے، جو نفی کو مستلزم نہیں۔

ثالثا: سیدنا ابو مالک رضی اللہ عنہ کا مقصود فقط تکبیرات انتقال اور رکوع و سجود کی تعلیم دنیا ہے، پوری نماز کا طریقہ بتلانا مدنظر نہیں، ہمارے اس دعوٰی کی دلیل آپ کے یہ الفاظ ہیں۔

احفظوا تكبيري و تعلموا ركوعي و سجودي فانها صلاة رسول الله ﷺ،

میری تکبیر کو یاد کرلو اور میرا رکوع و سجود سیکھ لو، کیونکہ یہ رسول اللہ ﷺ کی وہ نماز ہے۔

(ترجمه انوار خورشید)

ہمارے دعوٰی کے لیے یہ کھلا ثبوت ہے جو کسی حاشیہ آرائی کا محتاج نہیں۔

رابعا: اس کی سند میں شہر بن حوشب، راوی متکلم فیہ ہے، حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں۔ صدوق تو ہے مگر کثرت سے اوہام و ارسال کرتا ہے (تقریب ص ۱۴۷)

(۴) عن ایوب عن ابی قلابة ان مالك بن الحويرث قال لا صحابه الا انبكم صلوٰة رسول الله ﷺ قال و ذاك فی غیر حین صلوٰة فقام ثم رکع فکبر ثم رفع راسه فقام هنية ثم سجده ثم رفع راسه هنيه فصلى صلوٰة عمرو بن سلمة شيخنا هذا قال ايوب كان يفعل شيئا لم ارهم يفعلونه كان يقعد فى الثالثة او الرابعة، الحديث۔

(بخاری ص ١١٣ ج ١)

حضرت ایوب سختیانی حضرت ابو قلابہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں سے کہا کیا میں تمہیں رسول اللہ ﷺ کی نماز بتلاؤں؟ حضرت ابو قلابہ کہتے ہیں کہ یہ کوئی فرض نماز کا وقت نہ تھا، چنانچہ آپ کھڑے ہوئے پھر رکوع کیا اور سجدہ سے سر اٹھایا اور تھوڑی دیر ٹھہرے رہے پھر آپ نے سجدہ کیا پھر سجدہ سے سر اٹھا کر تھوڑی دیر ٹھہرے رہے غرض انہوں نے ہمارے شیخ عمر و بن سلمہ کی طرح نماز پڑھی حضرت ایوب سختیانی فرماتے ہیں کہ عمر و بن سلمہ نماز میں ایک ایسا کام کرتے تھے جو میں نے اور لوگوں کو کرتے ہوئے نہیں دیکھا وہ یہ کہ وہ تیسری رکعت کے بعد یا چوتھی رکعت کے شروع میں بیٹھتے تھے۔

(حدیث اور اهل حدیث ص ٤٣٩)

ص ۴۴۸ پر وجہ استدلال میں فرماتے ہیں کہ

خیر القرون میں جلسہ استراحت کا رواج نہیں تھا، کیونکہ حضرت ایوب سختیانی متوفی ۱۳۱ھ جو جلیل القدر تابعین میں سے ہیں، انہوں نے حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث جس میں ان کے جلسہ استراحت کرنے کا ذکر ہے، بیان کی تو فرمایا کہ حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ نے ہمارے شیخ عمر و بن سلمہ جیسی نماز پڑھی، عمر و بن سلمہ نماز میں ایک ایسا کام کرتے تھے جو میں نے لوگوں (صحابہ و تابعین) کو کرتے ہوئے نہیں دیکھا، وہ یہ کہ عمرو بن سلمہ جلسہ استراحت کرتے تھے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دور میں جلسہ استراحت کا بالکل رواج نہیں تھا۔

الجواب اولاً: سیدنا مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ جلسہ استراحت کر کے اسے نماز نبوی قرار دیتے ہیں، اور ان کے احباب (جو صحابہ کرام اور تابعین عظام تھے) میں سے کوئی اس کی نفی نہیں کرتا، باقی رہا آپ کا یہ اعتراض کہ خیر القرون میں اس کا رواج نہ تھا انوار صاحب وضاحت کیجئے حنفیہ کے نزدیک سنت مقدم ہے یا رواج مقدم ہے؟ اگر آپ سنت کو مقدم سمجھتے ہیں تو آپ کا اعتراض باطل ہے، اگر آپ یہ کہہ دیں کہ سنت نہیں بلکہ رواج مقدم ہے تو یہ اتنا بڑا کلمہ کفر ہے جو آپ جیسے پڑھے لکھے شخص کو زیب نہیں دیتا، آپ ماشاء اللہ مدرس ہیں اور تدریس میں جوانی سے بڑھاپے میں قدم رکھ چکے ہیں داڑھی میں چاندی اتر چکی ہے، مگر اتنی سطحیت! آخر آپ سنن کو چھوڑ کر بریلوی بدعات کو کیوں قبول نہیں کرتے؟ قل و دسواں و چالیسوں اپنانے میں آپ کو کیا عذر ہے؟ اگر آپ ایران تشریف لے جائیں تو وہاں صحابہ

کرام پر تبرا اور ماتم حسین وغیرہ کرنے میں غالباً آپ کو تامل نہ ہوگا، شام میں آپ کو آغا خانیت قبول کرنے میں کوئی روک ٹوک نہ ہوگی کیوں؟ اس لیے کہ وہاں اسی کا ہی رواج ہے، امریکہ میں جائیں گے تو عیسائیت کو قبول کر لینا، اسرائیل میں جا کر یہودی بن جانا اور چناب نگر (ربوہ) میں جا کر مرزائیت قبول کر لینا کہ وہاں اسی کا ہی رواج ہے، لا حول ولا قوة الا بالله العلی العظیم۔

ثانیاً: اگر آپ کہہ دیں کہ خیر القرون کا رواج سنت پر مقدم ہے، تو یہ بیان بھی علم سے کورہ اور جہالت سے لبریز ہے، سنئے کہ خیر القرون میں ہی تکبیرات انتقال کو لوگوں نے ترک کر دیا تھا، حتی کہ امام عکرمہ جو جلیل القدر تابعی ہیں انہوں نے سیدنا ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں مکہ مکرمہ میں نماز پڑھی تو سیدنا ابو ھریرہؓ نے (ظہر کی نماز میں تکبیرات انتقال) بائیس کہیں امام عکرمہ فرماتے ہیں۔

قلت لابن عباس انه احمق فقال ثکلتك امك سنة ابی القاسم صلی اللہ علیہ وسلم الحدیث۔

میں نے سیدنا عبداللہ بن عباس رضی الله عنهما سے کہا کہ یہ بڈھا بے وقوف ہے، تو سیدنا ابن عباسؓ نے کہا تیری ماں تجھ پر روئے یہ تو سیدنا محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔

(بخاری کتاب الاذان باب التکبیر اذا قام من السجود، الحدیث ۷۸۸)

واضح رہے کہ امام عکرمہ جلیل القدر تابعی ہیں ۱۰۷ھ میں ان کی وفات ہوئی تھی، زمانہ کے اعتبار سے امام ایوب سے مقدم ہیں، انہوں نے تکبیرات انتقال کے ترک کا رواج دیکھا، لہذا انوار صاحب جو بھی اس کا جواب دیں گے وہی ہماری طرف سے ترک جلسہ استراحت کے رواج کا سمجھ لینا۔

ویسے انوار صاحب کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ دلائل شرعیہ میں رواج کوئی دلیل نہیں فقہ حنفی میں بھی، قرآن وسنت، اجماع اور قیاس کو دلائل قرار دیا گیا ہے، رواجی دلیل جناب کی ایجاد کردہ ہے، ہمیں ڈر ہے کہ مولانا اس میں ترقی کرتے کرتے کہیں داڑھی منڈوا کر ٹائی نہ لگالیں کہ عامۃ الناس میں رواج اسی کا ہی ہے۔

(۵) حدیث مسی الصلوٰۃ میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ثم اسجد حتی تطمئن ساجدا ثم ارفع حتی تستوی قائما ثم افعل ذالك فی صلوتك كلها (بخاری ص۹۸۶ ج۲)

پھر اطمینان سے سجدہ کرو پھر سجدہ سے اٹھ کر اطمینان سے بیٹھ جاؤ پھر اطمینان سے سجدہ کرو پھر سجدہ سے اٹھ کر سیدھے کھڑے ہو جاؤ اور اسی طرح ساری نماز میں کرو۔

(حدیث اور اهل حدیث ص ٤٤٠)

الجواب: آپ کی پیش کردہ حدیث میں اختصار ہے، پوری حدیث میں جلسہ استراحت کا حکم نبوی موجود ہے، آپ علیہ التحیۃ والسلام ارشاد فرماتے ہیں

ثم اسجد حتی تطمئن ساجدا، ثم ارفع حتی تطمئن جالسا، ثم اسجد حتی تطمئن ساجدا، ثم ارفع حتی تطمئن جالسا، ثم افعل ذلك فی صلاتك كلها۔

پھر سجدہ کر اطمینان سے پھر سجدہ سے اٹھ کر اطمینان سے بیٹھ جاؤ پھر سجدہ اطمینان سے پھر سجدہ کر اطمینان سے سجدہ سے اٹھ کر جلسہ استراحت کر (پھر سیدھا کھڑا ہو جا) اور اسی طرح پوری نماز میں کرو۔

(بخاری کتاب الاستئذان باب من ردفقال، علیك السلام، الحدیث ۶۲۵۱)

کیا خلفائے راشد جلسہ استراحت نہیں کرتے تھے:

عن الشعبی ان عمر و علیا و اصحاب رسول اللہ ﷺ کانوا ینھضون فی الصلوۃ علی صدور اقدامھم۔ (مصنف ابن ابی شیبه ص۳۹۴ ج۱)

حضرت امام شعبیؒ سے روایت ہے کہ حضرت عمر حضرت علی اور رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام نماز میں اپنے قدموں کے پنجوں کے بل کھڑے ہوا کرتے تھے، (حدیث اور اہل حدیث ص۴۴۱)

الجواب اولاً: حدیث مرفوع کے بالمقابل موقوف حجت نہیں، راجع مقدمہ

ثانیاً: اس کی سند میں عیسی بن میسرہ راوی ہے، جو کہ متروک ہے، امام یحیٰی بن سعید فرماتے ہیں منکر الحدیث ہے، امام عمرو بن علی، امام ابو داؤد امام نسائی امام دارقطنی فرماتے ہیں متروک الحدیث ہے امام ابن معین فرماتے ہیں، ہیچ محض ہے اس کی مرویات لکھی ہی نہ جائیں، امام ابو حاتم فرماتے ہیں قوی نہیں مضطرب الحدیث ہے، امام ابن عدی فرماتے ہیں کہ اس کی روایات کے متن اور سند کا کوئی بھی (ثقہ) متابع نہیں ہے، امام عجلی امام ساجی امام عقیلی امام یعقوب وغیرہ نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔

(تہذیب التهذیب ص۲۲۵ ج۸)

الغرض یہ روایت سخت ضعیف ہے۔

کیا سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جلسہ استراحت نہ کرتے تھے

عن عبدة بن ابی لبابة قال سمعت عبداللہ بن یزید یقول رمقت عبداللہ بن مسعود فی الصلوۃ فرأیته ینھض ولا یجلس قال ینھض علی صدور قدمیه فی الرکعة الاولی والثالثة۔

(معجم طبرانی کبیر ص۲۶۶ ج۹ و سنن کبرٰی بیهقی ص۱۲۵ ج۲)

عبدۃ بن ابی لبابۃ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو نماز میں بغور دیکھا، میں نے دیکھا کہ آپ (پہلی اور تیسری رکعت کے بعد سیدھے) کھڑے ہو جاتے ہیں۔ بیٹھتے نہیں، عبدالرحمٰن بن یزید کہتے ہیں کہ آپ اپنے قدموں کے پنجوں کے بل کھڑے ہوتے تھے پہلی اور تیسری رکعت کے بعد۔

(حدیث اور اهل حدیث ص۴۴۱)

الجواب اولاً: ہم نحو میر کے طلباء کو اس ترجمہ خورشیدی کی طرف توجہ دلاتے ہیں کہ جامعۃ مدنیہ کا مدرس یقول، کا فاعل عبدۃ بن ابی لبابۃ، کو بنا رہا ہے، پھر متن میں تو، عبداللہ بن یزید نقل کرتے ہیں جو کہ غلط ہے مگر ترجمہ میں، عبدالرحمٰن بن یزید، درج کرتے ہیں، اسے قصور علم کہیں یا غفلت سے تعبیر کریں، بہر حال جو بھی ہو، ہیں اغلاط ہی'' جب آپ نے اتنا سمجھ لیا تو اب سنئے کہ جیسے مولانا صاحب نے ترجمہ میں غلطی کی ہے اور عبدالرحمٰن کی بجائے متن میں عبداللہ تحریر کیا ہے، اسی طرح جلسہ استراحت نہ کرنا سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی خطاء تھی، جو مرفوع حدیث کے بالمقابل حجت نہیں ہے۔

امام بیہقی فرماتے ہیں:

هو عن ابن مسعود صحيح و متابعة السنة اولى، یعنی سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے مگر پیروی کے لحاظ سے سنت خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم اولیٰ ہے۔

(السنن الکبری ص١٢٦ ج٢)

یہی جواب سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے آثار کا ہے، جو انوار صاحب نے صفحہ ۴۴۲ پر بحوالہ ابن ابی شیبہ درج کیئے ہیں، انوار صاحب نے بحوالہ بیہقی ص ۱۲۵ ج ۲ جو سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا اثر نقل کیا ہے اس کی سند میں، عبدالواحد بن زیاد راوی ہے جو بلا شبہ ثقہ و ثبت ہیں مگر الاعمش کی روایت میں، مقال، ہے (تقریب ص۲۲۱) انوار صاحب نے جو اثر بحوالہ بیہقی سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابو سعید الخذری نقل کیا ہے، اسے بیان کرنے والے، عطیہ العوفی، ہیں جو کہ سیئی الحفظ ہیں، امام احمد ابو حاتم امام نسائی اور ابن حبان وغیرہ نے ضعیف قرار دیا ہے۔

(تهذيب ص٢٢٥ ج٧)

کیا تمام صحابہ کرام جلسہ استراحت نہ کرتے تھے عن النعمان بن ابی عیاش قال ادرکت غیر واحد من اصحاب النبی صلی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فکان اذا رفع راسه من السجدة فی اول رکعة و الثالثة قام کماهو ولم یجلس۔

(مصنف ابن ابی شیبه ص٣٩٥ ج١)

حضرت نعمان بن ابی عیاش رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بے شمار صحابہ کرام کو پایا ہے کہ وہ جب پہلی اور تیسری رکعت کے سجدے سے اپنا سر اٹھاتے تھے تو ویسے ہی سیدھے کھڑے ہو جاتے تھے، بیٹھتے نہیں تھے۔

(حدیث اور اهل حدیث ص٤٤٤)

الجواب اس کی سند میں ابن عجلان ہے، جو کہ مدلس ہے (طبقات المدلسین ص۴۴) اور مذکورہ روایت کی سند میں سماع کی صراحت نہیں بلکہ معنعن ہے لہذا ضعیف ہے

کیا ابن ابی لیلیٰ بھی جلسہ استراحت نہیں کرتے تھے:

عن محمد بن عبدالله قال كان ابن ابی لیلیٰ ینهض فی الصلوٰة علی صدور قدمیه۔

(مصنف ابن ابی شیبه ص۳۹٤ ج۱)

محمد بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن ابی لیلیٰ نماز میں اپنے پاؤں کے پنجوں کے بل کھڑے ہوتے تھے۔

(حدیث اور اهل ص٤٤٥)

الجواب اولاً: امام ابن ابی لیلیٰ تابعی ہیں، ظاہر ہے کہ تابعی کا قول مرفوع حدیث کا معارض نہیں ہو سکتا اور نہ ہی قول تابعی کی وجہ سے حدیث کو چھوڑا جا سکتا ہے جیسا کہ مقدمہ میں تفصیل گزر چکی ہے، اور یہی امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہے جس کی بحوالہ صراحت آگے ابراہیم نخعی کے قول میں آ رہی ہے۔

ثانیاً: اس کی سند میں، الاعمش، راوی مدلس ہے، جیسا کہ پچھلی روایت میں بحوالہ تفصیل گزر چکی ہے، علاوہ ازیں، الاعمش سے روایت کرنے والا راوی حفص بن غیاث بھی مدلس ہے۔

(طبقات المدلسین ص۲۰)

جبکہ زیر بحث سند میں تحدیث کی صراحت نہیں ہے، الغرض یہ قول تابعی بھی ضعیف اور نا قابل حجت ہے۔

کیا ابراہیم بھی جلسہ استراحت نہ کرتے تھے

عن ابراهیم انه کان یسرع فی القیام فی الرکعة الاولی من آخر سجدة۔

(مصنف ابن ابی شیبه ص۳۹۵ ج۱)

حضرت ابراہیم نخعی سے مروی ہے کہ وہ پہلی رکعت کا دوسرا سجدہ کرکے قیام میں جلدی کرتے تھے۔

(حدیث اور اهل حدیث ص ٤٤٥)

الجواب اولاً: سجدہ سے اٹھ کر جلدی جلدی قیام کرنا، جلسہ استراحت، کی نفی کو مستلزم نہیں، یہ آپ کی زیادتی خبط اور خلط مبحث ہے۔

ثانیاً: اس کی سند میں، امام سفیان ثوری ہیں، جو کہ مدلس ہیں، (ان کی تدلیس کی صراحت بحوالہ مسئلہ رفع الیدین میں گزر چکی ہے) اور زیر بحث روایت میں سماع کی صراحت نہیں، جس کی وجہ سے ضعیف،

ثالثاً: انوار صاحب نے جو نتیجہ نکالا ہے، اگر اسے تسلیم بھی کر لیا جائے، اور سند کے ضعف کو بھی نظر انداز کر دیا جائے، تو تب بھی تابعی کا قول حجت نہیں، سنئے آپ کے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

جب تابعین کا قول (ہمارے فیصلے کے خلاف آتا ہے تو) اس سے مزاحمت کرتے ہیں (الجواہر المضیئة ص ۲۵۰ ج ۲ و مقدمہ انوار الباری ص ۴۵ ج ۱)

جب معاملہ ابراہیم، شعبی، حسن اور عطاء کی طرف آیا تو جیسے انہوں نے اجتہاد کیا اسی طرح میں بھی کرتا ہوں

(مناقب الامام ابی حنیفۃ ص ۲۰)

الغرض ابراہیم نخعی تابعی کا قول خود حنفیہ کے نزدیک بھی دلیل شرعی نہیں،

خلاصہ کلام: انوار صاحب نے اس پر کل دلائل جو نقل کیئے ہیں ان میں سے پانچ مرفوع احادیث ہیں، ان میں سے جو صحیح احادیث ہیں ان سے انوار صاحب کا مؤقف و مذہب ثابت نہیں ہوتا، اور جن سے ثابت ہوتا ہے وہ ضعیف ہیں، چنانچہ پہلی دونوں روایات ضعیف ہیں، تیسری میں عدم ذکر ہے، چوتھی حدیث سے جلسہ استراحت ثابت ہے پانچویں حدیث میں اختصار ہے، مفصل حدیث میں جلسہ استراحت کرنے کا حکم نبوی موجود ہے، تفصیل گزر چکی ہے، باقی رہا انوار صاحب کا مختلف آئمہ کرام سے اس کی نفی نقل کرنا اس کے متعلق عرض ہے کہ حدیث مرفوع کے بالمقابل جب موقوفات صحابہ کرام حجت شرعی نہیں تو تابعین اور تبع تابعین کے اقوال کو نقل کرنا ہی خلاف دیانت ہے، انوار صاحب ہماری کتاب دین الحق حصہ دوم کا مطالعہ کریں جہاں ہم نے بیس ایسے مسائل کی نشان دہی کی ہے کہ قرآن و حدیث اور صحابہ کرام کے فتاویٰ موجود ہونے کے علاوہ جمہور امت بھی حنفیہ کے خلاف ہیں، لیکن یہاں تو چند آثار ہیں، احادیث مرفوعہ سے ہماری تائید ہوتی ہے، صحابہ کرام کا عمل اور تابعین کے فتاویٰ بھی منقول ہیں آئمہ مجتہدین و محدثین اس پر عمل پیرا ہیں (تفصیل گزر چکی ہے)

اس کے باوجود انوار صاحب کی سینہ زوری ملاحظہ کیجئے کہ ان تمام چیزوں کی نفی کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ حدیث کی موافقت ہے یا مخالفت؟ (حدیث اور اہل حدیث ص ۴۵۰)

مولانا گرجاکھی کا جھوٹ یا انوار صاحب کی بد دیانتی انوار صاحب فرماتے ہیں۔ لگے ہاتھ خالد گرجاکھی صاحب کا ایک جھوٹ ملاحظہ فرماتے چلیں وہ لکھتے ہیں۔

بعض لوگ جلسہ استراحت کے قائل نہیں ہیں، حالانکہ یہ سنت ثابتہ ہے، فقہ حنفی میں اس کا سنت ہونا موجود ہے۔

(ہدایہ ص ۳۸۳ ج ۱ (صلاۃ النبی ص ۱۷۴)

ہدایہ میں کوئی ایسی بات موجود نہیں لہذا خالد صاحب کا اسے ہدایہ کے حوالہ سے بیان کرنا جھوٹ ہے۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۴۵۰)

مولانا خالد صاحب حفظہ اللہ تعالیٰ[1] فرماتے ہیں کہ ہمارے حوالے اردو ہدایہ کے ہیں جس کا ترجمہ مولانا امیر علی صاحب نے کیا ہوا ہے، اور اسی طبع کے فوٹو سے اب بھی شائع شدہ موجود ہے، ان بے چاروں کو اپنے گھر کا علم نہیں ہوتا اور جھوٹا دوسرے کو کہہ دیتے ہیں

(حدیث اور غیر اهل حدیث ص۸)

مولانا گرجاکھی صاحب کی اس وضاحت کے بعد حق تو یہ تھا کہ انوار صاحب اپنی غلطی کا اعتراف کر لیتے اور کتاب سے یہ مضمون نکال دیتے، لیکن افسوس کہ مولانا صاحب کی وضاحت کو دس سال بیت چکے ہیں، مگر انوار صاحب نے تا حال اصلاح نہیں کی، ہم اکابر دیوبند اور ان کے مفتی حضرات سے سوال کرتے ہیں کہ وضاحت کریں کہ کاذب و بد دیانت کون ہے؟

ہاں مولانا خالد صاحب نے جو اردو ہدایہ کا حوالہ دیا ہے، وہ بالکل درست اور صحیح ہے، البتہ معترض کے دماغ میں کوئی خلل ضرور ہے، جو بزرگوں کی پگڑیاں اچھال کر مبتدعین دیابنہ سے میڈل حاصل کرنا چاہتا ہے انوار صاحب ان لوگوں نے آپ کو کیا دینا ہے، تقوی کو اختیار کیجئے انشاء اللہ رب تعالیٰ کے حضور آپ کی قدر ہوگی، وہاں ان دھڑے بندیوں نے کام نہیں آیا، اور نہ ہی مجادلوں نے کچھ فائدہ دینا ہے، وہ مولا کریم جو غفور و حلیم ہے، سینوں کے حالات سے واقف ہے، اس کی آس باندھو، وہ اپنی رحمت سے انسان کو سب کچھ عطا کرنے کا اختیار رکھتا ہے۔

([1] پروف پڑھتے وقت وہ فوت ہو چکے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی خطاؤں کو معاف فرمائے اور اپنی رحمت کے سایہ میں رکھے۔ امین یا الہ العلمین)۔

(۳۷) باب نماز میں اٹھتے وقت ہاتھوں پر ٹیک لگانا

فصل اول

(۱) عن ابی قلابة قال جاء نا مالك بن الحويرث فصلى بنا فى مسجدنا هذا، فقال، انى لا صلى بكم وما اريد الصلاة ولكننى اريد ان اريكم كيف رايت رسول الله ﷺ يصلى، وقال ايوب، فقلت لا بى قلابة، و كيف كانت صلاته؟ قال، مثل صلاة شيخنا هذا، يعنى عمرو بن سلمة، قال ايوب و كان ذلك الشيخ يتم التكبير واذا رفع راسه عن السجدة الثانية جلس واعتمد على الارض ثم قام۔

امام ابو قلابہ فرماتے ہیں کہ ہمارے پاس سیدنا مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور ہماری اس مسجد میں ہمیں نماز پڑھائی، کہنے لگے کہ میں آپ کو نماز پڑھاتا ہوں میری نیت (محض) نماز پڑھنے کی نہیں بلکہ میں آپ کو یہ بتلانا چاہتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ کو میں نے کیسے نماز پڑھتے دیکھا (راوی حدیث) امام ایوب سختیانی کہتے ہیں کہ میں نے امام ابو قلابہ سے پوچھا کہ سیدنا مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ نے کس طرح نماز پڑھائی؟ انہوں نے کہا کہ ہمارے شیخ سیدنا عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ کی طرح. امام ایوب فرماتے ہیں کہ سیدنا عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ پوری (بائیس) تکبیریں کہتے اور جب دوسرا سجدہ کر کے سر اٹھاتے تو بیٹھ جاتے پھر زمین پر ہاتھوں سے ٹیک لگا کر اٹھتے تھے،

(بخاری کتاب الاذان باب کیف یعتمد علی الارض اذا قام من الرکعة، الحدیث ۸٦٤)

(۲) عن ابی قلابة قال كان مالك بن الحويرث ياتينا فيقول، ألا احدثكم عن صلاة رسول الله ﷺ فيصلى فى غير وقت الصلاة فاذا رفع راسه من السجدة الثانية فى اول الركعة استوى قاعدا ثم قام فاعتمد على الارض

امام ابو قلابہ راوی ہیں کہ سیدنا مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ ہمارے پاس تشریف لایا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ کیا میں تم سے رسول اللہ ﷺ کی نماز (کا طریقہ) نہ بیان کروں پھر وہ بے وقت نماز پڑھتے تھے (یعنی نفل پڑھتے) تو جب پہلی رکعت کا دوسرا سجدہ کر کے سر اٹھاتے تو سیدھے بیٹھ جاتے پھر زمین پر ہاتھوں کی ٹیک لگا کر اٹھتے۔

(سنن نسائی کتاب التطبیق باب الاعتماد علی الارض، الحدیث ۱۱۵٤ وابن ابی شیبه ص۳۹٦ ج۱ و بیهقی ص ۱۲٤ ج۲ و مسند شافعی ص۹٤ و صحیح ابن خزیمه ص۳٤۲ ج۱ و مسند السراج ص۳۹۷ رقم الحدیث ۱۳۰۰)

(۳) عن الازرق بن قيس قال، رايت ابن عمر فى الصلاة يعتمد اذا قام، فقلت، ماهذا؟

قال، رايت رسول الله ﷺ يفعله،

امام ازرق بن قیس فرماتے ہیں کہ میں نے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ جب نماز میں کھڑے ہوتے تو ہاتھوں پر (زمین پر) ٹیک لگا کر اٹھتے تھے، میں نے ان سے کہا یہ کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے کہ وہ اسی طرح کیا کرتے تھے،

(المعجم الاوسط الطبرانی ص٢١٠ ج٤ رقم الحديث ٣٣٧١)

(٤) عن الازرق بن قيس قال رايت ابن عمر اذا قام من الركعتين اعتمد على الارض بيديه، فقلت لولده ولجلسائه، لعله يفعل هذا من الكبر؟ قالوا، لا ولكن هكذا يكون،

امام ازرق بن قیس راوی ہیں کہ میں نے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ جب دو رکعت نماز پڑھ کر اٹھتے تو ہاتھوں سے زمین پر ٹیک لگا کر اٹھتے تھے، میں نے آپ کے بیٹے اور احباب سے کہا کہ شاید یہ بڑھاپے کی وجہ سے کرتے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا نہیں بلکہ نماز (پڑھنے) کا طریقہ ہی یہ ہے

(السنن الکبریٰ للبیہقی ص١٣٥ ج٢)

(٥) عن الازرق بن قيس رايت ابن عمر يعجن في الصلاة، يعتمد على يديه اذا قام، فقلت له،فقال رايت رسول الله ﷺ يفعله،

امام ازرق بن قیس راوی ہیں کہ میں نے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ آپ نماز میں جب کھڑے ہوتے تو ہاتھ کی مٹھیاں بند کر کے ان پر ٹیک لگا کر اٹھتے تھے، میں نے آپ سے کہا تو آپ نے جواب دیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو اسی طرح کرتے دیکھا ہے،

(غريب الحديث للامام ابو اسحاق الحربی (٥٩٨١) بحواله الضعيفه ص٣٩٢ ج٢)

علامہ البانی فرماتے ہیں کہ اس کی سند حسن ہے۔

(٦) عن نافع عن ابن عمر انه كان يقوم اذا رفع راسه من السجدة معتمداً على يديه قبل ان يرفعهما،

امام نافع فرماتے ہیں کہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جب (دوسرے) سجدہ سے سر اٹھاتے تو ہاتھ اٹھانے سے پہلے ان پر ٹیک لگا کر کھڑے ہوتے تھے۔

(مصنف عبدالرزاق ص١٧٨، ١٧٩ ج٢ رقم الحديث ٢٩٦٤، ٢٩٦٩)

(٧) عن خالد قال رايت ابا قلابة والحسن يعتمدان على ايديهما في الصلوٰة،

امام خالد فرماتے ہیں کہ میں نے ابو قلابہ اور حسن بصری کو دیکھا ہے کہ وہ نماز میں ہاتھوں پر ٹیک لگا کر اٹھتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص٣٩٥ ج١)

(۸) عن الهذيل بن هلال قال رايت عطاء يعتمد اذا نهض،

امام ہذیل فرماتے ہیں کہ میں نے امام عطاء بن ابی رباح کو دیکھا کہ وہ جب نماز میں کھڑے ہوتے تو (ہاتھوں پر) ٹیک لگا کر اٹھتے۔

(مصنف ابن ابی شیبه ص۳۹۵ ج ۱)

قارئین کرام مذکورہ حدیث و آثار سے ثابت ہوا کہ نماز میں اٹھتے وقت ہاتھوں کو ٹیک لگانا ہمارے پیارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور پیارا طریقہ ہے، صحابہ کرام اسی پر عمل کرتے تھے، تابعین عظام کو یہی طریقہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سکھایا ہے، تابعین نے بھی اسے ہی اپنایا ہے،

اور یہی بفضلہٖ تعالیٰ جماعت محدثین کا مسلک و مذہب ہے، امام شافعی نے بھی یہی اختیار کیا ہے، آپ فرماتے ہیں،

و بهذا ناخذ، فنامرمن قام من السجود او جلوس فى الصلاة ان يعتمد على الارض بيديه معاً اتباعاً للسنة،

یعنی ہم نے اسی کو ہی اختیار کیا ہے اور اسی کا حکم دیتے ہیں کہ نمازی جب سجدہ یا بیٹھنے سے نماز میں اٹھے تو وہ اتباع سنت میں ہاتھوں پر ٹیک لگا کر اٹھے (کتاب الام ص۱۰۱ ج۱)

ہم پورے جزم و یقین کے ساتھ یہ بات عرض کرتے ہیں کہ کسی بھی صحیح حدیث میں نہ تو قدموں پر کھڑے ہونے کا ثبوت ہے اور نہ ہی کسی میں یہ صراحت ہے کہ آپ علیہ التحیۃ والسلام یہ عمل بوجہ بڑھاپا یا دیگر کسی عذر سے کرتے تھے، انوار صاحب نے اس سلسلہ میں جو بھی زیب رقم فرمایا ہے وہ سب سینہ گزٹ اور جھوٹ و افترا ہے، بلکہ فقہ حنفی کے بعض اکابر کے نزدیک بلا عذر کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے، فتاوٰی ظہیریہ خلاصہ اور تاتار خانیہ میں ہے،

اذا فرغ من التشهد الاول واراد القيام الى الثالثة فلا باس ان يعتمد بيديه على الارض

یعنی پہلے تشہد سے فارغ ہونے کے بعد تیسری رکعت کے لئے کھڑے ہونے کے لیے ہاتھوں پر ٹیک لگانے میں کوئی حرج نہیں (بحوالہ السعایہ ص۲۳۰ ج۲)

فصل دوم

(۱) عن نافع عن ابن عمر قال نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم ان يعتمد الرجل على يديه اذا نهض فى الصلوٰة۔

(ابو داؤد ص۱٤۲ ج ۱)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں (دوسری رکعت کے لیے اٹھتے

وقت) دونوں ہاتھوں کو زمین پر ٹیک کر اٹھنے سے منع فرمایا ہے (حدیث اور اہل حدیث ص ۴۵۰)

الجواب: یہ روایت منکر ہے، تفصیل حسب ذیل ہے، امام ابو داؤد فرماتے ہیں کہ امام عبدالرزاق سے ان کے چار شاگردوں نے یہ حدیث بیان کی ہے، امام احمد بن حنبل امام احمد بن محمد بن شبویہ امام محمد بن رافع اور محمد بن عبدالمالک الغزال نے ان چاروں کے الفاظ میں اختلاف ہے،

(۱) امام احمد کے یہ الفاظ ہیں،

نهي رسول الله ﷺ ان يجلس الرجل في الصلاة وهو معتمد على يده

یعنی رسول اللہ ﷺ نے نماز کی حالت میں ہاتھ سے ٹیک لگا کر نماز پڑھنے سے منع کیا ہے،

(۲) امام احمد بن محمد بن شبویہ کے الفاظ حسب ذیل ہیں،

نهي ان معتمد على يده في الصلاة، یعنی نماز کی حالت میں ہاتھ پر ٹیک لگانے سے منع فرمایا ہے

(۳) امام محمد بن رافع کی روایت میں یہ الفاظ ہیں

نهي ان يصلي الرجل وهو معتمد على يده، وذكره في باب الرفع من السجود،

یعنی سجدوں سے اٹھتے وقت ہاتھوں پر ٹیک لگا کر اٹھنے سے منع کیا،

(۴) اور الغزال کی روایت کو خود انوار صاحب نے درج کر کے ترجمہ کیا ہے،

(سنن ابی داؤد کتاب الصلاۃ باب کراھة الاعتماد فی الصلاۃ، الحدیث ۹۹۲)

ساری بحث سے یہ بات واضح ہوئی کہ یہ حدیث ایک ہی ہے کیونکہ اس کی ایک ہی سند ہے، ہاں امام عبدالرزاق کے بعد اس کی سند مختلف ہے اور انہیں راویوں سے ہی الفاظ مختلف مروی ہیں، جو کہ آپس میں متعارض ہیں، ان میں پہلی صورت تطبیق کی ہے اور دوسری صورت اوثق کی روایت کو صحیح قرار دیکر مخالف روایت کو شاذ قرار دینے کی ہے، پہلے تطبیق سن لیجئے کہ امام احمد کی روایت میں صراحت ہے کہ بیٹھنے کی حالت میں ہاتھوں پر ٹیک نہ لگائے، اور یہ تشہد اور دونوں سجدوں کے درمیان کی حالت میں کسی ایک کے متعلق ہے، اور چوتھی روایت (انوار صاحب کی نقل کردہ) پہلے تشہد کے بارے ہے (دوسری اور تیسری میں اختصار ہے) لہذا ان میں تعارض نہیں ہے، جس کی وجہ سے یہ انوار صاحب کی دلیل نہیں ہے، یہ تطبیق کی صورت تب ہے جب انوار صاحب کی پیش کردہ روایت کو بالفرض درست تسلیم کرلیا جائے۔

تطبیق کے بعد اب یہ بھی جان لیں کہ امام احمد کی روایت صحیح ہے اور ابن عبدالمالک کی (جو انوار صاحب نے نقل کی ہے) شاذ و منکر ہے، کیونکہ امام احمد ثقہ وثبت ہیں جو اپنے حفظ وضبط اور اتقان میں مشہور ہیں، اور پوری امت مرحومہ کے نزدیک حجۃ اللہ ہیں، اس کے برعکس محمد بن عبدالمالک الغزال

راوی گو ثقہ ہیں مگر کثرت سے خطائیں کرتے تھے جیسا کہ امام مسلمہ نے صراحت کی ہے (تہذیب ص۳۱۶ ج۹)

ثقہ جب اوثق کی مخالفت کرے تو اس کی روایت شاذ ہوتی ہے، لہذا ابن عبدالمالک کی روایت شاذ ہے جس کی وجہ سے حجت نہیں ہے،

ملحوظ رہے کہ امام احمد نے اپنی مسند ص۱۴۷ ج۲ میں اسی طرح روایت کی ہے جس طرح ان سے امام ابو داؤد نے نقل کی ہے، اور ان الفاظ کو بیان کرنے میں امام احمد کا ثقہ متابع امام اسحاق بن ابراہیم الدبری، مصنف عبدالرزاق کا راوی ہے کیونکہ یہ حدیث امام احمد کے بیان کردہ الفاظ سے ہی (مصنف عبدالرزاق ص ۱۹۷ ج۲ رقم الحدیث ۳۰۵۴) میں ہے۔

امام عبدالرزاق نے اس پر یہ عنوان لگایا ہے، **باب الرجل یجلس معتمدا علی یدیه فی الصلوٰۃ**، اور اسی طرح ہی امام بیہقی نے (السنن الکبریٰ ص۱۳۵ ج۲) میں مسند احمد اور ابو داؤد کی سند سے یہی الفاظ نقل کیے ہیں۔ علاوہ ازیں امام عبدالرزاق نے یہ روایت معمر سے نقل کی ہے اور امام معمر سے یہ حدیث امام ہشام بن یوسف نے بھی نقل کی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں۔

ان النبی ﷺ نهی رجلا وهو جالس معتمد علی یده الیسری فی الصلاة فقال انها صلوة الیهود،

یعنی نبی مکرم ﷺ نے اس شخص کو منع فرمایا جو نماز میں دائیں ہاتھ سے ٹیک لگا کر بیٹھا ہوا تھا اور اسے فرمایا کہ یہ طریقہ نماز یہود کا ہے،

(مستدرک حاکم ص۲۷۲ ج۱ و بیهقی ص۱۳۶ ج۲)

حاکم و ذہبی نے اسے صحیح کہا ہے، اور یہ فی الواقعہ بھی صحیح ہے، اس پر امام ہشام بن سعد کی روایت بھی دلالت کرتی ہے جو انہوں نے امام نافع کے واسطہ سے سیدنا ابن عمر ؓ سے نقل کی ہے کہ

ان رسول الله ﷺ رای رجلا ساقطا یده فی الصلاة، فقال، لا تجلس هکذا انما هذه جلسة الذین یعذبون،

یعنی رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا جو نماز میں ہاتھ سے ٹیک لگا کر بیٹھا ہوا تھا تو آپ علیہ السلام نے اسے فرمایا کہ ایسے نہ بیٹھا کرو کیونکہ نماز میں اس طرح بیٹھنے کا طریقہ ان لوگوں کا ہے جنہیں عذاب دیا جائے گا۔ (مسند احمد ص۱۱۶ ج۲)

گو یہ روایت ابو داؤد (۹۹۴) وغیرہ میں موقوف ہے، مگر اسے مرفوع بیان کرنے والا راوی ثقہ ہے اور ثقہ کی زیادتی بالاتفاق مقبول ہے بالخصوص جب اسماعیل بن امیہ کا طریق بالاتفاق مرفوع ہے، اس پوری تفصیل سے یہ بات ثابت ہوئی کہ سیدنا عبداللہ بن عمر ؓ کی جو حدیث صحیح اور محفوظ ہے وہ نماز

میں بیٹھے ہوئے ہاتھ سے ٹیک لگانے کی ممانعت کے بارے ہے اور ابن عبدالملک الغزال کی روایت شاذ بلکہ منکر ہے، اس نے سوء حفظ کی وجہ سے ثقہ راویوں کی مخالفت کی ہے علامہ البانی نے اس روایت کو منکر ہی قرار دیا ہے، اور یہ پوری بحث راقم نے اختصار کے ساتھ ان سے ہی نقل کی ہے (الضعیفہ ۹۶۷)

(۲) عن وائل بن حجر رایت النبیﷺ اذا سجد وضع رکبتیه قبل یدیه واذا نهض رفع یدیه قبل رکبتیه۔

(ابو داؤد ص۱۲۲ ج۱)

حضرت وائل بن حجرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیکھا کہ جب آپ سجدے میں جاتے تو زمین پر پہلے گھٹنے رکھتے پھر ہاتھ اور جب سجدے سے کھڑے ہوتے تو پہلے ہاتھ اٹھاتے پھر گھٹنے (حدیث اور اہل حدیث ص ۴۵۱)

الجواب: اولاً عاصم بن کلیب سے یہ الفاظ نقل کرنے میں، شریک بن عبداللہ القاضی راوی منفرد ہے، جبکہ ایک جماعت حفاظ نے صفۃ الصلاۃ کی حدیث عاصم سے نقل کی ہے مگر کسی ایک راوی نے بھی یہ الفاظ نقل نہیں کیئے،

دیکھئے، مسند احمد ص۳۱۸ ج٤ و ابو داؤد رقم الحدیث ۷۲۷ و نسائی رقم الحدیث ۸۹۰ و ۱۲۶۹ ۱۲۶۶ ۱۱۰۳ و بیہقی ص۲۷ ۲۸ ۱۳۲ ج۲ دارمی ص۳۶۲ ج۱ (۱۳۵۷) وابن ماجه (۹۱۲) وغیرہ،

ایک جماعت کے بالمقابل شریک ان الفاظ کو نقل کرنے میں منفرد ہے، امام دارقطنی فرماتے ہیں کہ

تفرد به یزید عن شریك ولم یحدث به عن عاصم بن کلیب غیر شریك وشریك لیس بالقوی فیما ینفرد به

یعنی شریک سے نقل کرنے میں یزید بن ہارون راوی منفرد ہے اور ایسا ہی عاصم بن کلیب سے نقل کرنے میں شریک منفرد ہے اور شریک قوی نہیں (بالخصوص) جس میں منفرد ہو۔

(سنن دارقطنی ص۳٤٥ ج۱)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تقریب التہذیب میں فرماتے ہیں کہ شریک صدوق ہے مگر کثرت سے خطائیں کرتا ہے، اور ایسے راوی جب ایک جماعت حفاظ کے بالمقابل روایت کریں تو ان کی روایات قابل اعتماد نہیں ہوا کرتیں، بلکہ شاذ و منکر کہلاتیں ہیں،

ثانیاً: شریک مدلس بھی ہے جیسا کہ امام دارقطنی نے صراحت کی ہے، (طبقات المدلسین ص۳۳) جبکہ زیر بحث روایت معنعن ہے، لہذا حجت نہیں

ثالثاً: سنن ابی داؤد میں ہے کہ شفیق راوی نے یہی روایت عاصم بن کلیب سے مرسل بیان کی ہے اورخود انوار صاحب نے ص۴۵۱ پر نمبر۳ پر اسے نقل کیا ہے گویا یہ روایت جہاں شاذ ہے وہاں ہی اس کی سند میں بھی اضطراب ہے،

(۳) عن عبدالجبار بن وائل عن ابیه ان النبی ﷺ فذکر حدیث الصلوٰة قال فلما سجد وقعتا رکبتاه الی الارض قبل ان یقعا کفاه قال همام ناشفیق حدثنی عاصم بن کلیب عن ابیه عن النبی ﷺ بمثل هذا وفی حدیث احدهما واکبر علمی انه فی حدیث محمد بن جحادة واذا نهض نهض علی رکبتیه واعتمد علی فخذه۔

(ابو داؤد ص۱۳۲ ج۱)۔

حضرت وائل بن حجرؓ سے روایت ہے انہوں نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نماز کی حدیث کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ جب آپ نے سجدہ کیا تو آپ کے گھٹنے ہتھیلوں سے پہلے زمین پر لگے، ہمام (راوی حدیث) کہتے ہیں کہ ہمیں شفیق نے اور شفیق کہتے ہیں کہ مجھے عاصم بن کلیب نے اپنے والد کے واسطے سے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اسی کے مثل حدیث بیان کی ہے اور ان دونوں میں سے کسی ایک کی حدیث میں ہے اور میرا زیادہ علم یہی ہے کہ وہ محمد بن جحادۃ کی حدیث ہے کہ جب حضور علیہ الصلوۃ والسلام اٹھتے تو گھٹنوں کے بل پر اٹھے اور اپنی رانوں پر سہارا لیا (حدیث اور اہل حدیث ص۴۵۲)

الجواب اولاً (۱) شفیق کی روایت مرسل ہے کیونکہ عاصم کے والد کلیب بن شہاب تابعی ہیں (تقریب ص۲۸۶) (۲) اس کی سند میں اضطراب ہے، جیسا کہ پہلے تفصیل عرض دی گئی ہے (۳) شفیق مجہول ہے (میزان ص۲۸۹ ج۲)

ثانیاً: رہی انوار صاحب کی روایت محمد بن حجادۃ راوی کی،، تو یہ منقطع ہے کیونکہ عبدالجبار بن وائل نے یہ روایت اپنے والد سے نقل کی ہے اور عبدالجبار کا اپنے والد سے سماع ثابت نہیں امام نووی فرماتے ہیں۔

حدیث ضعیف، لان عبدالجبار بن وائل اتفق الحفاظ علی انه لم یسمع من ابیه شیئا ولم یدرکه،

یہ روایت ضعیف ہے کیونکہ تمام آئمہ کا اس پر اتفاق ہے کہ عبدالجبار نے اپنے والد سے کچھ بھی نہیں سنا اور نہ ہی انہیں (وائلؓ بن حجر) دیکھا ہے،

(المجوع شرح المهذب ص۴۴۶ ج۳ و الضعیفه ص۳۳۰ ج۲)

خود حنفیہ کے نزدیک بھی عبدالجبار کا اپنے والد سے سماع ولقاء ثابت نہیں جیسا کہ مولانا عبدالعزیز صاحب نے، (بغیۃ الالمعی ص۳۷۱ ج۱) میں مولانا سرفراز خاں صفدر نے، (خزائن السنن ص۸۱ ج۲)

میں ماسٹر امین اوکاڑوی نے، (تحقیق مسئلہ آمین مندرجہ مجموعہ رسائل ص ۱۴۷ ج ۱) میں اور ڈیروی نے، (اظہار التحسین ص ۱۶۰) میں صراحت کی ہے،

الغرض یہ روایت منقطع ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔

(۴) عن ابی جحیفة عن علی رضی اللہ عنہ قال ان من السنة فی الصلوٰة المکتوبة اذا نهض الرجل فی الرکعتین الاولیین ان لایعتمد بیدیه علی الارض الا ان یکون شیخا کبیرا لا یستطیع

(مصنف ابن ابی شیبه ص ۳۹۵ ج ۱)

حضرت ابو جحیفہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا فرض نماز میں سنت یہ ہے کہ آدمی پہلی دو رکعتوں میں زمین پر ہاتھ ٹیک کر نہ اٹھے الّا یہ کہ وہ بہت بوڑھا ہو جسے اس کے بغیر اٹھنے کی ہمت ہی نہ ہو۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۴۵۲)

الجواب اولاً: انوار صاحب نے متن روایت کے ترجمہ میں بددیانتی کی ہے، درست ترجمہ یہ ہے، جب پہلی دو رکعتوں سے اٹھے، اس معنی کی مزید وضاحت اس اثر سے ہوتی ہے جو عبدالرحمٰن بن اسحاق واسطی نے، نعمان بن سعد کے واسطہ سے نقل کیا ہے،

عن علی قال من السنة ان لا تعتمد علی یدیك حین ترید ان تقوم بعد القعود فی الرکعتین۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سنت یہ ہے کہ جب دو رکعتوں کے بیٹھنے کے بعد اٹھنے کا ارادہ کرے تو ہاتھ پر ٹیک نہ لگائے (السنن الکبریٰ للبیهقی ص ۱۳۶ ج ۲)

ان الفاظ کا کھلا یہ مفاد ہے کہ صرف پہلے تشہد سے اٹھتے وقت ہاتھوں پر ٹیک لگا کر نہ اٹھے، مگر انوار صاحب متن روایت میں معنوی تحریف کرکے حنفیت کا دفاع کر رہے ہیں۔

ثانیاً: انوار صاحب کی پیش کردہ روایت کی سند میں، عبدالرحمٰن بن اسحاق واسطی راوی ضعیف و متروک ہے اور زیاد بن زید سوائی مجہول ہے۔ تفصیل سینہ پر ہاتھ باندھنے کے باب کی فصل دوم میں انوار صاحب کی پانچویں دلیل میں گزر چکی ہے،

علامہ البانی نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے (الضعیفه ۹۶۸)

(۵) عن الحارث عن ابراهیم انه کان یکره ذالك الا ان یکون شیخا کبیرا او مریضا۔

(مصنف ابن ابی شیبه ص ۳۹۵ ج ۱)

حضرت ابراہیم نخعی سے مروی ہے کہ وہ نماز میں زمین پر ہاتھ ٹیک کر اٹھنے کو مکروہ سمجھتے تھے الّا یہ کہ

آدمی بہت بوڑھا ہو یا بیمار ہو (حدیث اور اہل حدیث ص ۴۵۲)

الجواب اولاً: کس چیز کو مکروہ جانتے تھے؟ اثر میں اس کا سرے سے کوئی ذکر نہیں، رہا انوار صاحب کا معنوی تحریف کرکے اپنا اُلو سیدھا کرنا تو یہ ان کی بددیانتی ہے کیونکہ اثر میں کوئی لفظ ایسا نہیں جس کا معنی انوار صاحب نے نصف سطر کیا ہے۔ نماز میں زمین پر ہاتھ ٹیک کر اٹھنے کو، ہم کہتے ہیں کہ آپ کا خصم اس کا یہ مفہوم بھی بیان کرنے کا حق رکھتا ہے کہ وہ نماز میں زمین پر ہاتھ نہ ٹیک کر اٹھنے کو مکروہ سمجھتے تھے،

اس صورت میں احادیث صحیحہ مرفوع اور قول ابراہیم میں موافقت ہو جاتی ہے لہذا یہی صحیح ہے،

ثانیاً: اس کی سند میں، ھشیم بن بشیر واسطی ہیں جو کہ بلاشبہ ثقہ ہیں مگر زبردست مدلس ہیں (طبقات المدلسین ص ۴۷)

اور زیر بحث سند میں تحدیث کی صراحت نہیں لہذا ضعیف ہے،

خلاصہ کلام انوار صاحب نے جس قدر مرفوع احادیث نقل کی ہیں وہ تمام کی تمام شاذ و منکر اور ضعیف ہیں، آخر میں ان کا پیش کردہ قول ابراہیم نخعی سنداً ضعیف ہے اور اس سے ان کا مئوقف و مذہب بھی ثابت نہیں ہوتا، مگر انوار صاحب نہایت ڈھٹائی سے کہتے ہیں۔

عام صحابہ کرام اور تابعین عظام کا عمل بھی یہی ہے (حدیث اور اہل حدیث ص ۴۵۳)

اے جی جھوٹ نہ بولیں آپ نے عام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تو کجا کسی ایک بھی صحابی کا قول و عمل نقل نہیں کیا، صرف سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا ایک قول نقل کیا ہے، جو حکماً مرفوع ہے مگر سنداً ضعیف ہے اور متناً آپ کے موافق نہیں، تابعین میں سے بھی صرف ابراہیم کا قول پیش کیا ہے جس میں آپ نے معنوی تحریف بھی کی ہے اور سنداً بھی ضعیف ہے، تفصیل گزر چکی ہے،

(۳۸) باب آخری تشہد میں تورک کرنا

فصل اول

(۱) عن محمد بن عمرو بن عطاء انه کان جالسا فی نفر من اصحاب رسول اللهﷺ فذکرنا صلاۃ النبیﷺ فقال ابو حمید الساعدی، انا کنت احفظکم لصلاۃ رسول اللهﷺ، رایته اذا کبر جعل یدیه حذو منکبیه، واذا رکع امکن یدیه من رکبتیه ثم هصر ظهره، فاذا رفع راسه استوی حتی یعود کل فقار مکانه، فاذا سجد وضع یدیه غیر مفترش ولا قابضهما واستقبل باطراف اصابع رجلیه القبلة، فاذ اجلس فی الرکعتین جلس علی رجله الیسری و نصب الیمنی واذا جلس فی الرکعة الاخرة قدم رجله الیسری و نصب الاخری و قعد علی مقعدته۔

امام محمد بن عمرو بن عطاء سے روایت ہے کہ وہ نبی ﷺ کے صحابہ کرام کے درمیان بیٹھے ہوئے تھے، رسول اللہ ﷺ کی نماز کا تذکرہ چھڑ گیا تو سیدنا ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ میں آپ سب سے زیادہ رسول اللہ ﷺ کی نماز کو یاد رکھنے والا ہوں، میں نے دیکھا کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام جب تکبیر تحریمہ کہتے تو اپنے دونوں ہاتھ مونڈھوں کے برابر لے جاتے اور جب رکوع کرتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو گھٹنوں پر جما دیتے پھر اپنی پیٹھ جھکا کر سر اور گردن کے برابر کر دیتے پھر سر اٹھا کر سیدھے کھڑے ہو جاتے آپ علیہ التحیۃ والسلام کی پیٹھ کی ہر پسلی اپنی جگہ پر آجاتی اور جب سجدہ کرتے تو دونوں ہاتھ زمین پر رکھتے بازوں بچھاتے نہ سمیٹ کر پہلو سے لگا دیتے اور پاؤں کی انگلیاں کے اطراف قبلہ کی طرف رکھتے جب دو رکعتیں پڑھ کر تشہد بیٹھتے تو بایاں پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھتے اور داہیاں کھڑا رکھتے اور جب آخری تشہد میں بیٹھتے تو بایاں پاؤں بچھا کر داہناں کھڑا رکھتے اور سرین کے بل بیٹھتے تھے۔

(صحیح بخاری کتاب الاذان باب سنة الجلوس فی التشهد، الحدیث ۸۲۸)

(۲) حدثنا محمد بن بشارو محمد بن المثنی قالا، حدثنا یحییٰ بن سعید القطان حدثنا عبدالحمید بن جعفر حدثنا محمد بن عمرو بن عطاء عن ابی حمید الساعدی قال سمعت وهو فی عشرة من اصحاب النبیﷺ احدهم ابو قتادة بن ربعی یقول کان رسول اللهﷺ حتی کانت الرکعة التی تقضی فیها صلاته اخر رجله الیسری وقعد علی شقه متور کا ثم سلم، الحدیث،

امام محمد بن عمرو بن عطاء بیان کرتے ہیں کہ میں نے سیدنا ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ سے دس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں سنا، جس میں سے ایک سیدنا ابو قتادہ رضی اللہ عنہ بھی تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب آخری رکعت پر پہنچتے جس میں نماز پوری ہو جاتی ہے تو تشہد میں بائیں پاؤں کو پیچھے ہٹاتے اور سرین پر بیٹھ کر تورک کرتے، پھر سلام پھیر دیتے تھے،

(ترمذی کتاب الصلاة باب (ممایلی) ما جاء فی وصف الصلاة الحدیث ۳۰۴)

(۳) سمعت ابا حمید الساعدی فی عشرة من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منہم ابو قتادة قال ابو حمید کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حتی اذا کانت السجدة التی فیہا التسلیم اخر رجلہ الیسری وقعد متورکا علی شقہ الایسر، قالو، صدقت، ہکذا کان یصلی صلی اللہ علیہ وسلم، الحدیث

یعنی میں نے سیدنا ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ سے سنا کہ وہ دس صحابہ کرام کی موجودگی میں بیان کر رہے تھے جن میں سے ایک سیدنا ابوقتادہ رضی اللہ عنہ بھی تھے کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب آخری رکعت میں پہنچتے جس میں نماز پوری ہو جاتی ہے تو بائیں پاؤں کو پیچھے ہٹا کر تورک کرتے اور سرین کے بل بیٹھتے تھے تمام حاضر صحابہ کرام نے کہا کہ (ابوحمید رضی اللہ عنہ تو نے) درست کہا واقعی نبی صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح نماز پڑھا کرتے تھے، الحدیث

(ابو دائود کتاب الصلاة باب افتتاح الصلاة الحدیث ۷۳۰)

اس حدیث کے" اس کے علاوہ بھی اطراف و اسناد ہیں، جن کی بحوالہ تفصیل مسئلہ رفع یدین میں گزر چکی ہے، اسی پر سیدنا ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ کا عمل تھا، اس عمل کی ہی دس صحابہ کرام نے تصدیق کی تھی، سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بھی تورک کے قائل تھے، تفصیل فصل دوم میں آگے آرہی ہے،

امام شافعی امام مالک اور امام احمد بھی تورک کے قائل ہیں البتہ اس کی تفصیل میں ان کے مابین اختلاف ہے کہ تمام جلسات میں بیٹھا جائے یا صرف آخری جلسہ میں، لیکن کتنے ستم کی بات ہے کہ علمائے احناف کے ہاں یہ جائز نہیں بلکہ مکروہ ہے، احناف کے مؤقف کا رد کرتے ہوئے علامہ عبدالحی لکھنوی حنفی فرماتے ہیں،

والا نصاف انہ لم یوجد حدیث یدل صریحا علی استنان الجلوس علی الرجل الیسری فی القعدة الاخیرة و حدیث ابی حمید مفصل فلیحمل المبہم علی المفصل۔

یعنی انصاف یہ ہے کہ کوئی حدیث ایسی نہیں جس سے صراحة ثابت ہوتا ہو کہ آخری تشہد میں بائیں پاؤں پر بیٹھنا سنت ہے، سیدنا ابوحمید رضی اللہ عنہ کی حدیث اس بارے میں مفصل ہے لہذا چاہئے کہ مبہم کو مفصل پر محمول کیا جائے (التعلیق الممجد ص ۱۱۱)

مسئلہ تورک پر علامہ لکھنوی نے، السعایہ، میں بڑی تفصیلی گفتگو کی ہے اور امام طحاوی نے جو بلا سبب سیدنا ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ کی حدیث کو ضعیف قرار دیا تھا اس کا بھی بھرپور جواب تحریر کیا ہے اور کہا کہ

ہمارے علمائے احناف بھی نماز کے متعدد مسائل میں اسی حدیث سے استدلال کرتے ہیں، اور یہ گھر بنانے اور گرانے کا مصداق ہے، آخر میں فرماتے ہیں،

التعلیق الذی یشهد به الوجدان السلیم و یخطر بالبال القویم هو ثبوت التورك فی القعدة الاخیرة بالروایات الصریحة والاسانید الصحیحة

جس تحقیق سے وجدان سلیم اور پختہ عقل سے تائید ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ آخری تشہد میں تورک صریح احادیث اور صحیح الاسناد سے ثابت ہے، (السعایہ ص۲۲۴ ج۲)

فصل دوم

(۱) عن وائل بن حجر قال قدمت المدینة قلت لا نظرن الی صلوٰة رسول اللهﷺ فلما جلس یعنی للتشهد افترش رجله الیسری و وضع یده الیسری یعنی علی فخذه الیسری و نصب رجله الیمنی، قال ابو عیسی هذا حدیث حسن صحیح والعمل علیه عند اکثر اهل العلم۔

(ترمذی ص٦٥ ج ١)

حضرت وائل بن حجرؓ فرماتے ہیں کہ جب میں مدینہ طیبہ آیا تو میں نے (جی میں) کہا کہ میں رسول اللہ ﷺ کو نماز پڑھتے ہوئے ضرور دیکھوں گا (میں نے دیکھا کہ) جب تشہد میں بیٹھے تو آپ نے بایاں پاؤں بچھا کر اپنا بایاں ہاتھ بائیں ران پر رکھ لیا اور دائیں پاؤں کو کھڑا رکھا، امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے اور اہل علم کی اکثریت کا اسی پر عمل ہے۔

(حدیث اور اهل حدیث ص٤٥٥)

الجواب: انوار صاحب کا اس حدیث کو ہمارے خلاف نقل کرنا زیادتی بلکہ بددیانتی ہے، اس لیے کہ اہل حدیث کے نزدیک تورک صرف آخری تشہد میں ہے پہلے قعدہ میں نہیں، خود انوار صاحب نے، دستوار المتقی ص۱۰۲، رسول اکرم کی نماز ص۸۵ اور صلوٰۃ الرسول ص۲۷۴ سے جو عبارات صفحہ ۴۶۰ پر نقل کی ہیں، ان میں اس کی صراحت ہے،

جب آپ نے اتنی بات کو سمجھ لیا ہے تو اب سنئے کہ زیر بحث حدیث پہلے تشہد کے متعلق ہے، جیسا کہ مفصل حدیث میں اس کی وضاحت ہے، چنانچہ انوار صاحب نے جو حدیث نقل کی ہے، وہ **عبدالله بن ادریس عن عاصم بن کلیب عن ابیه عن وائل بن حجر،** کے طریق سے مروی ہے۔

(ترمذی رقم الحدیث ٢٩٢ و تحفة الاشراف ص٩١ ج٩ رقم الحدیث ١١٧٨٤)

جبکہ عبداللہ بن ادریس کی بجائے جو حدیث امام سفیان بن عیینہ نے امام عاصم بن کلیب سے نقل

کی وہ مفصل ہے اور اس میں صاف وضاحت ہے۔

عن وائل بن حجر قال اتیت رسول الله ﷺ فرایته یرفع یدیه اذا افتتح الصلاۃ حتی یحاذی منکبیه، واذا اراد ان یرکع، واذا جلس فی الرکعتین اضجع الیسری و نصب الیمنی وو ضع یده الیمنی علی فخذه الیمنی و نصب اصبعه للدعاء ووضع یده الیسری علی فخذه الیسری، قال، ثم اتیتهم من قابل فرایتهم یرفعون ایدیهم فی البرانس،

سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، میں نے دیکھا کہ آپ نماز شروع کرتے اور رکوع کرتے وقت رفع یدین کرتے اور ہاتھوں کو کندھوں کے برابر تک اٹھاتے، اور جب دو رکعتوں کے بعد بیٹھتے تو بایاں پاؤں بچھاتے اور داہنا کھڑا کرتے، اور داہنا ہاتھ ران پر رکھتے تھے، اور انگلی شہادت کو کھڑا کرتے دعا کے لیے، اور بائیں ہاتھ کو بائیں ران پر رکھتے تھے، سیدنا وائل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب میں اگلے سال آیا تو میں نے صحابہ کرام کو دیکھا کہ جبّوں کے اندر سے رفع یدین کرتے تھے،

(سنن نسائی کتاب التطبیق باب موضع الیدین عند الجلوس للتشهد الاول الحدیث ۱۱۶۰)

امام مزی نے (تحفة الاشراف بمعرفة الاطراف ص۹۱ ج۹ رقم الحدیث ۱۱۷۸۴)

میں امام عبداللہ بن ادریس اور سفیان بن عیینہ کی روایت کو درج کیا ہے جو اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ اسے ایک ہی قرار دیتے ہیں، فرق صرف تفصیل اور اجمال کا ہے۔ الغرض سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی حدیث پہلے تشہد کے متعلق ہے اور اس پر بفضلہٖ تعالیٰ ہمارا عمل ہے، ہاں انوار صاحب بڑھاپے کی وجہ سے بات کو سمجھنے سے قاصر ہیں تو الگ بات ہے۔

(۲) دوسرے نمبر کے تحت انوار صاحب نے مکرر حدیث سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سنن سعید بن منصور اور طحاوی سے درج کی ہے، اس کے متعلق بھی یہی عرض ہے کہ یہ حدیث پہلے تشہد کے بارے ہے جیسا کہ پہلے عرض کر دیا گیا ہے۔

(۳) عن رفاعة بن رافع ان النبی صلی الله عنه وسلم قال للاعرابی اذا سجدت فمکن بسجودك فاذا جلست فاجلس علی رجلك الیسریٰ،

(مسند احمد ص ج، و مصنف ابن ابی شیبه ص و ابن حبان ص بحواله نیل الاوطاؤ ص۲۸۲ ج۲)

حضرت رفاعة بن رافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اعرابی سے کہا کہ جب تو سجدہ کرے تو اچھی طرح سجدہ کر اور جب (تشہد میں) بیٹھے تو اپنے بائیں پاؤں پر بیٹھ۔

(حدیث اور اهل حدیث ص۴۵۶)

الجواب اولاً: یہ حدیث مسی الصلوٰۃ کے نام سے معروف ہے، معلوم نہیں انوار صاحب کو یہ حدیث

اصل کتب حدیث سے کیوں نہیں ملی، حالانکہ راقم الحروف نے دین الحق ص ۴۰۹ ج ۱ میں اس کی مفصل تخریج بھی کی ہے،

ثانیاً: امام شافعی اور اہل حدیث کے نزدیک صرف دوسری تشہد میں تورک ہے، سجدوں کے درمیان اور پہلے قعدہ میں تورک نہیں ہے اور مذکورہ حدیث میں پہلے تشہد یا دونوں سجدوں کے درمیان بیٹھنے کی کیفیت کا ذکر ہے، لہذا انوار صاحب کا اس حدیث کو ہمارے خلاف پیش کرنا زیادتی ہے،

جن حضرات نے اس حدیث کو پہلے تشہد پر محمول کیا ہے ان کی دلیل حسب ذیل حدیث ہے،

عن رفاعةبن رافع عن النبی ﷺ قال...... فاذا جلست فی وسط الصلاة فاطمئن وافترش فخذك اليسرى، الحديث،

سیدنا رفاعۃ بن رافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے اس شخص کو کہا (جس نے جلدی جلدی نماز ادا کی تھی کہ) جب تو پہلے قعدے میں بیٹھے تو بائیں ران کو بچھا کر اطمینان سے بیٹھ، الحدیث،

(ابو داؤد کتاب الصلاۃ باب صلاۃ من لم یقیم صلبه فی الرکوع والسجود، الحدیث ۸۶۰)

واذا جلست فی وسط الصلاة، کا معنی مولانا خلیل احمد دیوبندی نے، **ای قعدة الاولی للتشهد،** یعنی پہلا تشہد کیا ہے، (بذل المجهود ص ۷۵ ج ۲)

اور جن حضرات کا خیال ہے کہ دونوں سجدوں کے درمیان کیفیت کا بیان ہے ان کی دلیل یہ حدیث ہے،

فصلی رکعتین (یعنی جلدی جلدی نماز پڑھنے والے صحابی نے) دو رکعت نماز پڑھی تھی

(سنن نسائی کتاب السهود باب اقل ماتجزی الصلاۃ الحدیث ۱۳۱۵)

اس حدیث سے ظاہر ہے کہ اس صحابی کی نماز میں تو دوسرا تشہد آتا ہی نہیں، لہذا اسے دوسرے تشہد میں تورک کے رد پر پیش کرنا انوار صاحب کا خبط اور خلط مبحث ہے، پہلی حدیث میں علی بن یحیٰی سے روایت کرنے والے، محمد بن اسحاق ہیں جو انوار صاحب کے نزدیک ثقہ ہیں

اور دوسری میں داؤد بن قیس ہیں۔ ہمارے نزدیک تو دونوں روایات ہی صحیح ہیں، دیکھئے انوار صاحب کس کو صحیح قرار دیتے ہیں، بہر حال ان احادیث سے یہ بات یقینی ثابت ہوگئی کہ اس حدیث میں جس بیٹھنے کا تذکرہ ہے وہ آخری تشہد کے متعلق نہیں بلکہ پہلے تشہد یا دونوں سجدوں کے درمیان کے بارے ہے۔

(۴) عن عبدالله وهو بن عبدالله بن عمر عن ابيه قال من سنة الصلوٰة ان تنصب القدم اليمنى و استقباله باصابعها القبلة والجلوس على يسرى۔

(نسائی ص ۱۳۰ ج ۱)

حضرت عبداللہ اپنے والد عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا نماز کی سنت میں سے ہے کہ (تشہد میں) دایاں پاؤں کھڑا کرکے اس کی انگلیاں قبلہ رخ رکھی جائیں اور بائیں پاؤں پر بیٹھا جائے (حدیث اور اہل حدیث ص۴۵۶)

الجواب: یہ روایت پہلے تشہد کے متعلق ہے جیسا کہ امام نسائی نے تبویب ابواب میں صراحت کی ہے اور سیدنا ابوحمید ساعدی کی روایت دوسرے تشہد کے متعلق ہے، لہٰذا یہ حدیث ہمارے خلاف نہیں، خود عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اس سے یہی سمجھا ہے، کیونکہ آپ سے تورک صحیح سند سے ثابت ہے، امام مالک رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پوتے امام قاسم فرماتے ہیں کہ دایاں پاؤں کھڑا اور بایاں بچھا کر، **و جلس علی ورکه الایسری ولم یجلس علی قدمه.** بائیں کولہے پر بیٹھ کر تورک کیا اور پاؤں پر نہ بیٹھا جائے اور فرماتے ہیں کہ مجھے عبیداللہ نے خبر دی کہ میرے والد سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اسی طرح ہی بیٹھا کرتے تھے۔

(موطا امام مالك ص٢٧).

ان دونوں روایات میں یہ تطبیق ہے کہ انوار صاحب کی پیش کردہ روایت کا تعلق پہلے تشہد سے ہے اور موطا کی روایت دوسرے قعدے کے بارے ہے، ظاہر ہے کہ ادلہ میں رفع اختلاف کے وقت پہلی صورت تطبیق کی ہوتی ہے، اور اس کے علاوہ کوئی اور تطبیق درست نہیں ہے لہٰذا اس اثر کو ہمارے رد میں پیش کرنا انوار صاحب کی زیادتی ہے

(۵) عن عائشة رضی الله عنها قالت کان رسول الله ﷺ یستفتح الصلاة بالتکبیر والقرأة بالحمدلله رب العلمین و کان اذا رکع لم یشخص راسه ولم یصوبه و کان بین ذالك وکان اذا رفع راسه من الرکوع لم یسجد حتی یستوی قائما وکان اذا رفع راسه من السجدة لم یسجد حتی یستوی جالسا وکان یقول فی کل رکعتین التحیة و کان یفرش رجله الیسری وینصب رجله الیمنی و کان ینهی عن عقبة الشیطان و ینهی ان یفترش الرجل ذراعیه افتراش السبع و کان یختم الصلوٰة بالتسلیم۔

(مسلم ص١٩٤ ج ١)

عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نماز، اللہ اکبر، کے ساتھ اور قرأت الحمد للہ رب العلمین، سے شروع فرماتے تھے اور جب رکوع کرتے تو اپنا سر مبارک نہ اوپر اٹھاتے تھے اور نہ بالکل نیچے جھکا دیتے تھے، دونوں کے درمیان رکھتے تھے، اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو سجدہ میں نہ جاتے جب تک کہ سیدھے کھڑے نہ ہو جاتے اور جب آپ سجدہ سے سر اٹھاتے تو (دوسرے) سجدے میں نہ

جاتے جب تک کہ سیدھے نہ بیٹھ جاتے اور آپ ہر دو رکعتوں میں التحیات پڑھتے تھے، اور آپ بایاں پاؤں بچھادیتے اور دایاں کھڑا رکھتے تھے، اور شیطان کی طرح بیٹھنے سے منع فرماتے تھے، اور آپ اس سے بھی منع فرماتے تھے کہ آدمی اپنے دونوں بازوؤں کو درندہ کی طرح بچھا دے اور آپ نماز سلام سے ختم فرماتے تھے، (حدیث اور اہل حدیث ص ۴۵۷)

الجواب اولاً: حضور علیہ التحیۃ والسلام نماز کو، اللہ اکبر، سے شروع کرتے، معلوم ہوا کہ حنفی جس طرح نماز شروع کرتے ہیں۔ دو رکعت نماز فرض پیچھے اس امام کے بوقت نماز صبح، اللہ اکبر، یہ غلط ہے

ثانیاً: معلوم ہوا کہ نماز، اللہ اکبر، سے شروع کرنی چاہیے مگر حنفیہ کے نزدیک، خدا بزرگ ترست، سے بھی جائز ہے،

ثالثاً: احناف کے نزدیک مرد دونوں قعدوں میں بائیں پاؤں پر بیٹھے جبکہ عورت دونوں قعدوں میں تورک کرے، مگر اس حدیث میں اس فرق کی وضاحت نہیں لہذا یہ ان کے دعوٰی پر تقریب تام نہیں

رابعاً: اس حدیث میں وضاحت نہیں کہ ایسا پہلے قعدے میں کرتے تھے، یا آخری میں یا دونوں میں ہی کرتے تھے، انوار صاحب نے اس حدیث کو دونوں قعدوں کے متعلق قرار دیا ہے مگر اس کی کوئی دلیل بیان نہیں کی، اگر درج کرتے تو ہم بفضلہ تعالیٰ اس کا پورا پورا محاسبہ کرتے، اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت مجمل ہے جس میں کسی قعدے کی صراحت نہیں جبکہ سیدنا ابوحمید الساعدی رضی اللہ عنہ کی حدیث مفصل ہے، جس میں دونوں قعدوں میں بیٹھنے کی کیفیت کی وضاحت ہے، لہذا مجمل کو مفصل پر محمول کیا جائے گا اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کو پہلے تشہد پر حمل کیا جائے تو اس صورت و تطبیق سے دونوں احادیث پر عمل بھی ہو جائے گا اور تعارض بھی نہ رہے گا۔

(۶) عن انس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نهى عن الا قعاء و التورك فی الصلوٰة

(سنن کبرٰی بیهقی ص ۱۲۰ ج ۲)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نماز میں اقعاء اور تورک سے منع فرمایا ہے، (حدیث اور اہل حدیث ص ۴۵۸)

الجواب اس کی سند میں، قتادہ، راوی ہے جو کہ زبردست قسم کا مدلس ہے۔ (تفصیل فاتحہ خلف الامام کے سلسلہ میں گزر چکی ہے) اور زیر بحث روایت میں تحدیث کی صراحت نہیں بلکہ معنعن ہے لہذا ضعیف ہے

(۷) عن انس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نهى عن الاقعاء و التورك فی الصلوٰة، مجمع الزوائد ص ۸۶ ج ۲)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نماز میں اقعاء اور تورک سے منع فرمایا ہے (حدیث اور اہل حدیث ص ۴۵۸)

الجواب ہیثمی نے آگے ہی، مجمع الزوائد، میں لکھا ہے کہ اسے بزار نے مسند میں اپنے شیخ ہارون بن سفیان سے روایت کیا ہے اور مجھے معلوم نہیں کہ اسے کس نے ذکر کیا ہے، گویا ہارون مجہول و مستور ہے، فریق ثانی پر لازم ہے کہ اس کی بحوالہ ثقات ثابت کرے، الغرض یہ روایت جہالت راوی کی وجہ سے ضعیف اور نا قابل حجت ہے

(۸) عن سمرة ان النبی ﷺ نهی عن التورك والاقعاء الحديث۔

(مجمع الزوائد ص٨٦ ج٢) .

حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے تورک اور اقعاء سے منع فرمایا ہے۔

(حديث اور اهل حديث ص٤٥٨).

الجواب: اولاً: اس کی سند میں، سعید بن بشیر، راوی متکلم فیہ ہے، امام ابو زرعہ اور ابو حاتم نے وغیرہ نے ضعیف قرار دیا ہے، امام ابومسہر اور امام ابن نمیر فرماتے ہیں کہ قتادہ سے منکر روایات بیان کرتا ہے، (میزان الاعتدال ص۱۲۹ ج۲)

جبکہ یہی روایت قتادہ سے امام سعید بن ابی عروبہ نے بھی نقل کی ہے، مگر اس میں، تورک نہ کرنے، کا ذکر نہیں ہے، (بیہقی ص۱۲۲ ج۲ ومستدرک حاکم ص۲۷۲ ج۱)

بلکہ امام طبرانی نے، (المعجم الکبیر ص۲۲۹ ج۷ والمعجم الاوسط ص۲۳۶ ج۵) میں ایک دوسری سند بھی نقل کی ہے، اور اس میں بھی تورک نہ کرنے کا حکم نبوی موجود نہیں۔ الغرض یہ روایت سعید کے تفرد کی وجہ سے ضعیف ہے۔

ثانیاً: اس روایت کی سند میں بھی اضطراب ہے، قتادہ سے جو روایت حماد بن سلمہ نے نقل کی ہے وہ انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے ہے، (مسند احمد ص٢٣٣ ج٣ و بيهقى ص١٢٢ ج٢)

ثالثاً: سند میں قتادہ ہے جو کہ مدلس ہے اور تحدیث کی صراحت کے بغیر صیغہ عن سے روایت ہے۔

رابعاً: قتادہ نے یہ روایت بواسطہ حسن بصری سیدنا سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے اور حسن بصری بھی مدلس ہیں جیسا کہ ذہبی نے میزان میں اور حافظ ابن حجرؒ نے بحوالہ نسائی، طبقات، میں صراحت کی ہے، اور زیر بحث روایت میں سماع ثابت نہیں بلکہ امام دارقطنی نے تو یہاں تک کہا کہ امام حسن بصری کا سیدنا سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے صرف عقیقہ کی حدیث میں ہی سماع ثابت ہے باقی میں نہیں (السنن دارقطنی ص۳۳۶ ج۱)

اس پوری تفصیل سے یہ بات ثابت ہوئی کہ یہ روایت ضعیف ہے، اس کی متعدد وجوہات ہیں (الف) سند اور متن میں اضطراب ہے (ب) تدلیس کا شبہ دو جگہ موجود ہے (ت) سنداً منقطع ہے،

ظاہر ہے کہ جس روایت میں اس قدر علتیں ہوں اسے درج کرکے انوار صاحب کا یہ تحریر کرنا کہ

> اسی پر ہی بس نہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام صاف طور پر تورک وغیرہ سے منع بھی فرما رہے ہیں۔ لیکن غیر مقلدین جو عمل بالحدیث کے دعویدار ہیں انہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قول وعمل سے ثابت مسنون طریقہ تو پسند نہیں اور جس طریقہ سے اللہ کے نبی نے منع فرمایا ہے وہ ان کے نزدیک سنت ہے، اسے ضرور کرنا چاہئے۔ لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

(حدیث اور اهل حدیث ص ٤٦١)

اس کے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ علوم نبوی کے وارث ہونے کا دعویٰ کرنے کے باوجود انوار صاحب تورک کے نہ کرنے کی ایک بھی صحیح حدیث ثابت نہیں کر سکتے، لہذا عدم تورک کو آپ علیہ السلام کا قول وعمل قرار دینا، بد دیانتی بلکہ کذب صریح اور بہتان عظیم ہے، اس لیے ہم مخلصانہ مشورہ، دیتے ہیں کہ، لاحول، کا دم انوار صاحب اپنے جسم پر کریں، اس سے انہیں شیطانی وسواس سے شفا ہوگی۔ ان شاء اللہ

(۹) عن عبداللہ بن عبد اللہ انه اخبره انه كان يرى عبداللہ بن عمر يتربع في الصلوٰة اذا جلس ففعلته وانا يومئذ حديث السن فنهاني عبداللہ بن عمرو قال انما سنة الصلوٰة ان تنصب رجلك اليمنى وتثني اليسرى فقلت انك تفعل ذلك فقال ان رجلاى ا لا تحملاني۔

(بخاری ص ١١٤ ج ١)

حضرت عبداللہ بن عبد اللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ وہ حضرت عبداللہ بن عمر کو دیکھتے تھے کہ جب آپ (قعدہ میں) بیٹھتے تو چوکڑی مار کر بیٹھتے (فرماتے ہیں کہ) میں ابھی بالکل نوعمر تھا میں بھی ایسا کرنے لگا حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے مجھے اس سے روکا اور فرمایا کہ نماز میں سنت یہ ہے کہ (بیٹھنے میں) دایاں پاؤں کھڑا رکھو اور بایاں پاؤں پھیلا دو میں نے کہا کہ آپ تو اس طرح ہی کرتے ہیں (چوکڑی مارتے ہیں) آپ نے فرمایا میرے پاؤں میرا بار نہیں اٹھا پاتے (حدیث اور اہل حدیث ص ۴۵۹)

الجواب اولاً: انوار صاحب کے لیے یہ اثر تب مفید تھا جب وہ لغوی طور پر یہ ثابت کر دیتے کہ تورک اور چوکڑی ایک ہی چیز ہے، مگر انوار صاحب نے ایسا ہرگز نہیں کیا اور نہ ہی یہ ممکن ہے کہ تورک اور چوکڑی کو ایک ثابت کیا جائے، لیکن افسوس انوار صاحب نے شرم وحیا کو بالائے طاق رکھ کر اس سے عدم تورک ثابت کیا ہے، لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم

ثانیاً: اس روایت میں بایاں پاؤں بچھانے کے بعد کی کیفیت کا ذکر بیان نہیں ہوا کہ کیا کیا جائے، آیا پاؤں کے اوپر ہی بیٹھا جائے یا تورک کیا جائے، جبکہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ سے تورک کرنا یعنی پاؤں کی بجائے سرین پر بیٹھنا ثابت ہے تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔

خلاصہ کلام: انوار صاحب نے کل نو دلائل تورک نہ کرنے پر بیان کیئے ہیں، مگر کوئی بھی ان کے دعوٰی کی دلیل نہیں ہے پہلی اور دوسری حدیث میں پہلے تشہد کی صراحت ہے تیسری حدیث بھی پہلے تشہد یا دونوں سجدوں کے درمیان بیٹھنے کے بارے میں ہے چوتھی حدیث میں تطبیق کی صورت موجود ہے، پانچویں حدیث مجمل ہے جو سیدنا ابوحمیدہ ساعدی رضی اللہ عنہ کی مفصل حدیث کے معارض نہیں بلکہ تطبیق دینے سے موافق ثابت ہو چکی ہے، نمبر۶‘۷‘۸ ضعیف ہے اور آخری حدیث میں چوکڑی مارنے کی ممانعت ہے، تورک کی نہیں الغرض انوار صاحب نے کوئی ایک بھی حدیث درج نہیں کی جو ان کے دعوٰی کی کھلی دلیل ہو، بلکہ ایسی کوئی حدیث نقل بھی نہیں کی جس میں صراحت ہو کہ مرد دونوں تشہدوں میں پاؤں پر بیٹھے اور عورت دونوں تشہدوں میں تورک کرے جیسا کہ حنیفہ کا مسلک اور عمل ہے۔

(ھدایہ ص۷۱ ج۱ و شرح نقایہ ص۸۰ ج۱ و حلبی کبیر ص۳۳۳ و نماز مسنون ص۳۷۱).

(۳۹) باب قعدہ اولیٰ میں درود شریف کا مسئلہ

فصل اول

اِنّ الله وَ ملئكته يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يٰآيُّها الَّذِينَ اٰمَنُو ا صَلُّوا عَلَيهِ وَ سَلِّمو ا تَسلِيماً

(الاحذاب آيت ٥٦)

بلا شبہ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے نبی ﷺ پر درود بھیجتے ہیں مومنو تم بھی ان پر درود وسلام بھیجا کرو (٥٦٣٣)

(١) عن ابى مسعود عقبة بن عمرو قال، اقبل رجل حتى جلس بين يدى رسول الله ﷺ و نحن عنده، فقال، يا رسول الله (ﷺ) اما السلام عليك فقد عر فناه فكيف نصلى عليك اذا نحن صلينا فى صلاتنا؟ صلى الله عليك، قال فصمت رسول الله ﷺ حتى أجينا ان الرجل لم يساله، فقال اذا انتم صليتم على فقولوا، اللهم صل على محمد النبى الامى وعلى آل محمد كما صليت على ابراهيم و آل ابراهيم وبارك على محمد النبى الامي كما باركت على ابراهيم وعلى آل ابراهيم انك حميد مجيد،

سیدنا ابو مسعود عقبہ بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے سامنے آ کر بیٹھ گیا اور ہم بھی آپ علیہ التحیۃ والسلام کے پاس موجود تھے اس شخص نے کہا یا رسول اللہ ﷺ آپ پر سلام بھیجنا تو ہمیں معلوم ہو گیا ہے اب جب ہم نماز پڑھ رہے ہوں تو اپنی نماز میں آپ پر درود شریف کیسے بھیجیں۔ راوی حدیث کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ خاموش ہو رہے حتی کہ ہم نے اس بات کو پسند کیا کہ یہ شخص سوال ہی نہ کرتا (دریں صورت) آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم مجھ پر درود شریف بھیجو تو کہو، اللھم صل علی محمد الخ……

(مسند احمد ص١١٩ ج٤) و صحيح ابن خزيمه ص٣٥٢ ج١ و صحيح ابن حبان رقم الحديث ١٩٥٦ و مستدرك حاكم ص٢٦٨ ج١ و دار قطنى ص٣٥٥ ج١ و بيهقى ص ١٤٧ ج٢)

(٢) عن ابى مسعود الانصارى قال أتانا رسول الله ﷺ و نحن فى مجلس سعد بن عبادة، فقال له بشير بن سعد أمرنا الله ان نصلى عليك يا رسول الله! فكيف نصلى عليك؟ قال، فسكت رسول الله ﷺ حتى تمنينا انه لم يساله، ثم قال رسول الله ﷺ، قولوا، اللهم! صل على محمد وعلى آل محمد كما صليت على آل ابراهيم وبارك على محمد و على آل محمد كما باركت على آل ابراهيم فى العالمين، انك حميد مجيد، والسلام كما قد علمتم،

سیدنا ابو مسعود الانصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہمارے پاس رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور ہم سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی مجلس میں تھے، سیدنا بشیر بن سعد رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ التحیۃ والسلام پر درود بھیجنے کا حکم دیا ہے، تو ہم آپ پر درود کس طرح بھیجیں، یہ سن کہ رسول اللہ ﷺ خاموش ہو گئے، ہم نے (دل میں) کہا کاش بشیر بن سعدؓ سوال ہی نہ کرتے، پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یوں بھیجا کرو، اللھم صل علی محمد وعلیٰ آل الخ اور سلام تو آپ لوگوں کو معلوم ہی ہے

(صحیح مسلم کتاب الصلاۃ باب الصلوٰۃ علی النبی ﷺ بعد التشھد، الحدیث۹۰۷)

(۳) ان عائشة قالت، کنا نعد لرسول الله ﷺ سواکه و طهوره فيبعثه الله عزوجل لما شاء ان يبعثه من الليل فيستاك و يتوضا و يصلی تسع رکعات لا يجلس بينهن الا عند الثامنة، و يحمد الله ويصلی علی النبی (ﷺ) ويدعو بينهن ولا يسلم تسليما ثم يصلی التاسعة ويقعد و ذکر کلمة نحوها ويحمد الله و يصلی علی نبيه ﷺ ويدعو، ثم يسلم تسليما يسمعنا ثم يصلی رکعتين وهو قاعد،

ام المؤمنین صدیقہ کائنات سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتیں ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے لیے مسواک اور وضو کا پانی رکھ دیتے تھے، پھر جب اللہ تعالیٰ کو رات کے وقت بیدار کرنا منظور ہوتا تو اللہ آپ علیہ التحیۃ والسلام کو اٹھا دیتا، آپ (اٹھ کر) مسواک اور وضو کرتے اور نو رکعتیں پڑھتے، ان کے درمیان بیٹھتے نہ'' مگر آٹھویں رکعت میں'' قعدہ میں اللہ تعالیٰ کی تعریف کرتے درود پڑھتے اور دعا کرتے اور سلام نہ پھیرتے پھر نویں رکعت پڑھتے اور بیٹھتے قعدہ میں اور اللہ تعالیٰ کی تعریف کرتے درود شریف اور دعا مانگتے پھر سلام پھیرتے، اسی طرح کہ ہم کو سنائی دیتا، پھر بیٹھ کر دو رکعتیں پڑھتے،

(سنن نسائی کتاب قیام اللیل باب کیف الوتر بتسع، الحدیث ۱۷۲۱، مسند ابو عوانہ ص۳۲۴ ج۲ و بیھقی ص۵۰۰ ج۲)

قارئین کرام ان دلائل پر غور کریں ان سے پہلی تشہد میں درود کا پڑھنا ثابت ہو رہا ہے، الفاظ قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی ﷺ پر درود و سلام پڑھنے کا حکم ہے، تشہد میں سلام تو ہے مگر درود نہیں، جبکہ قرآن میں صلوٰۃ و سلام کا حکم ہے، یہی وجہ تھی کہ صحابہ کرام نے سوال کیا کہ سلام پڑھنا تو ہمیں معلوم ہے، مگر درود کا علم نہیں، حضور ﷺ یہ کیسے پڑھیں،

اس پر آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے درود کی تعلیم دی، جیسا کہ پہلی حدیث سے ثابت ہو رہا ہے، بلکہ بعض روایات میں صراحت ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد سوال کیا گیا۔

(ابن جریر ص۳۱ ج۲۲ و ابن کثیر ص۵۰۷ ج۳ و در منشور ص۲۱۶ ج۵)

اس سے صاف ثابت ہوا کہ تشہد میں صلوٰۃ وسلام کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے، اور خود آپ علیہ

التحیۃ والسلام نے بھی قعدے میں درود کی تعلیم دی ہے، اس پر اپنی طرف سے یہ اضافہ کرنا کہ پہلے میں نہیں بلکہ دوسرے قعدے میں درود پڑھنا چاہیئے، بلا دلیل ہے، جو اس تقسیم کا قائل ہے وہ دلیل شرعی بیان کرے، محض دعووں سے کوئی چیز ثابت نہیں ہوتی، بلکہ ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث اس تقسیم کی نفی کرتی ہے کہ پہلے تشہد میں درود نہیں کیونکہ اس میں واضح الفاظ میں ہے کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم پہلے قعدے میں بھی درود پڑھا کرتے تھے، الغرض پہلے تشہد میں درود کا پڑھنا قرآن وسنت سے ثابت ہے اور یہی امام شافعی وغیرہ کا مذہب ہے جیسا کہ انہوں نے، (الام ص۲۲۹ ج۱) کتاب العدرۃ باب التشہد والعدرۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں صراحت کی ہے لہذا اس کا انکار محض تقلیدی ضد ہے، یہی وجہ ہے کہ انوار صاحب ایڑی چوٹی کا زور لگانے کے باوجود کسی مرفوع حدیث سے یہ تقسیم ثابت نہیں کر سکے،

فصل دوم

(۱) عن عبداللہ بن مسعود قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی الرکعتین کانہ علی الرضف قلت حتی یقوم قال ذالک یرید،

(نسائی ص۱۳۲ ج۱)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام (تین یا چار رکعت والی نماز میں) دو رکعت پڑھ کر ایسا بیٹھتے گویا جلتے توے پر بیٹھے ہیں یعنی بہت جلد اٹھ جاتے تھے، ابو عبیدہ حدیث کے راوی کہتے ہیں میں نے کہا (تیسری رکعت کے لیے) کھڑے ہونے کی وجہ سے، تو آپ نے فرمایا ہاں یہی مراد ہے،

(۲) ناسعد بن ابراھیم قال سمعت ابا عبیدۃ بن عبداللہ بن مسعود یحدث عن ابیہ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا جلس فی الرکعتین الاولیین کا نہ علی الرضف قال شعبۃ ثم حرک سعد شفتیہ بشي فاقول حتی یقوم فیقول حتی یقوم قال ابو عیسیٰ ھذا حدیث حسن الا ان ابا عبیدۃ لم یسمع من ابیہ والعمل علیٰ ھذا عند اھل العلم یختارون ان لایطیل الرجل القعود فی الرکعتین الاولیین و قالوا ان زاد علی التشہد فعلیہ سجدتا السھوھکذا روی عن الشعبی وغیرہ۔

(ترمذی ص۸۵ ج۱)

حضرت سعد بن ابراہیم فرماتے ہیں کہ میں نے ابو عبیدۃ بن عبداللہ بن مسعودؓ کو سنا وہ اپنے والد سے نقل کر رہے تھے کہ انہوں نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب دو رکعتوں کے بعد بیٹھتے تھے تو ایسا لگتا تھا جیسے آپ جلتے توے پر بیٹھے ہوں، امام شعبہ فرماتے ہیں کہ پھر سعد نے اپنے لبوں کو کوئی بات کرکے

ہلایا، میں تو یہی کہتا ہوں کہ انہوں نے یہ کہا کہ پھر آپ کھڑے ہو جاتے تھے، امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن ہے الا یہ کہ ابوعبیدہ نے اپنے والد سے سماع نہیں کیا، اور اہل علم کے نزدیک اسی پر عمل ہے، یہ اسی کو پسند کرتے ہیں کہ آدمی نہ تو پہلی دو رکعتوں میں قعدہ کو دراز کرے اور نہ ہی تشہد پر کسی قسم کا اضافہ کرے، ان کا کہنا ہے کہ اگر تشہد پر اضافہ کیا تو سجدہ لازم آجائے گا چنانچہ امام شعبی وغیرہ سے ایسے ہی مروی ہے (حدیث اور اہل حدیث ص۴۶۱ تا ۴۶۳)

الجواب اولاً: یہ روایت ابو داوٗد میں بھی تھی، تحفۃ الاشراف ص۱۵۹ ج۷ (۹۶۰۹) معلوم نہیں انوار صاحب نے ابو داوٗد سے نقل کرکے تیسرا نمبر کیوں درج نہیں کیا؟ اگر کہا جائے امام شعبیؒ کی متابعت ثابت کرنا مقصود تھا، راقم کہتا ہے کہ کیا شعبیؒ ضعیف تھا، علاوہ ازیں شعبی سے اوپر کی سند ایک ہی ہے، سند علیحدہ نہیں جیسا کہ انوار صاحب باور کرانا چاہتے ہیں

ثانیاً: یہ روایت منقطع ہے جیسا کہ امام ترمذی نے صراحت کی ہے کہ امام ابوعبیدہ رحمہ اللہ کا اپنے والد سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے سماع ثابت نہیں، امام ترمذی کے اس فرمان کو خود انوار صاحب نے نقل کیا ہے، مگر اس جرح کو ہاتھ تک نہیں لگایا، پھر بھی آخر میں پوری ڈھٹائی سے دھائی دی ہے کہ غیر مقلدین ان احادیث کے خلاف عمل کرتے ہیں، سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایک ایسی حدیث جس کا ضعف بندہ خود نقل کرے پھر بھی اسے حدیث رسول اور عمل مصطفیٰ ہی قرار دے، اس سے بڑھ کر کوئی شخص جاہل و نادان نہیں، یہ بات ملحوظ رہے کہ ابوعبیدہ کا اپنے والد سے سماع نہ ہونا صرف شوشہ ہی نہیں بلکہ انوار صاحب کے اکابر کو اس کا اعتراف بھی ہے

مولانا خلیل احمد سہارنپوری فرماتے ہیں کہ

والراجح انه لا یصح سماعه عن ابیه، یعنی راجح بات یہی ہے کہ امام ابوعبیدہ کا اپنے والد سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے سماع نہیں ہے (بذل المجہود ص۱۲۹ ج۲)

ثالثاً: جلدی پڑھنا درود کے منافی نہیں تفصیل روایت نمبر۵ میں آگے آ رہی ہے

(۳) عن عبداللہ بن مسعود قال علمنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم التشهد فی وسط الصلوٰة وفی آخرها ....قال فکان یقول اذا جلس فی وسط الصلوٰة وفی اخرها علی ورکه الیسری التحیات للّٰه والصلوٰت والطیبات السلام علیك ایها النبی ورحمة اللّٰه و برکاته السلام علینا و علی عباده اللّٰه الصالحین اشهدان لا اله الا اللّٰه واشهدان محمداً عبده ورسوله قال ثم ان کان فی وسط الصلوٰة نهض حین یفرغ من تشهده وان کان فی آخرها دعا بعد تشهده بما شاء اللّٰه ان یدعو ثم یسلم۔

(مسند احمد ص۴۵۹ ج۱، صحیح ابن خزیمہ ص۳۵۰ ج۱)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے تشہد سکھلایا نماز کے درمیان اور آخری قعدہ میں، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز کے درمیانی اور آخری قعدہ میں بائیں کولہے پر بیٹھتے تو پڑھتے تھے، التحيات لله و الصلوٰت و الطيبات السلام عليك ايها النبي ورحمه الله و بركاته السلام علينا و على عباده الله الصالحين اشهدان لا اله الا الله واشهدان محمداً عبده ورسوله، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ پھر اگر حضور علیہ السلام درمیانی قعدہ میں ہوتے تو تشہد سے فارغ ہو کر کھڑے ہو جاتے اور اگر آخری قعدہ میں ہوتے تو تشہد کے بعد اللہ کو جو منظور ہوتا وہ دعا مانگتے پھر سلام پھیرتے (حدیث اور اہل حدیث ص ۴۶۴)

الجواب اولاً: سند میں امام مغازی محمد بن اسحاق ہیں جو گو انوار صاحب کے نزدیک ثقہ ہیں مگر موجودہ دور کے اکثر حنفی مناظرین کے نزدیک ضعیف و متروک اور غیر ثقہ ہیں، تفصیل، احسن الکلام ص ۸۷ ج ۲ میں دیکھئے۔

ثانیاً: اس حدیث میں تورک بھی ثابت ہے، امام ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں تین مختلف اسناد سے اسے روایت کیا ہے اور اپنی (صحیح ص ۳۴۷ ج ۱ رقم الحدیث ۷۰۱) میں اس سے تورک ثابت کیا ہے مگر انوار صاحب اس سنت خیر الانام ﷺ کے منکر ہیں، انہوں نے اس سنت کے بغض میں مستقل ایک باب تحریر کیا ہے، اور اس عمل کو نبی ﷺ کے بڑھاپے پر محمول کیا ہے، مگر اس حدیث سے اس کی نفی ہوتی ہے، کیونکہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا شمار سابقین الاولین میں ہے، مکہ مکرمہ میں اسلام قبول کیا، ہجرت حبشہ اور مدینہ منورہ کی سعادت حاصل کی ہے، تمام غزوات میں بالعموم اور غزوہ بدر میں بالخصوص شامل تھے (تہذیب ص ۲۵ ج ۶) ظاہر ہے کہ یہ زمانہ ہمارے پیارے رسول سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ کا جوانی کا دور تھا، لہذا تورک کو پیری پر محمول کرنا غلط ثابت ہوا۔

ثالثاً: انوار صاحب نے بد دیانتی کی ہے، دراصل یہ روایت مرفوع نہیں بلکہ موقوف ہے مؤلف حدیث اور اہل حدیث، نے حدیث کی عبارت نقل کرتے ہوئے جہاں نقطے ڈالے ہیں۔ وہاں یہ الفاظ ہیں۔

فكنا نحفظ عن ابيه عن عبدالله حين اخبرنا ان رسول الله ﷺ علمه اياه

اسود بن یزید نخعی کہہ رہے ہیں کہ، فکنا نحفظ، ہم یاد کرتے تھے، عبداللہ سے جب اس نے ہمیں بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے یہ سکھایا ہے، فكان يقول الخ اسود کہتے ہیں کہ عبداللہ پڑھتے تھے جب وسط صلوٰۃ اور اس کے آخر میں بیٹھتے تھے، دیکھئے، كنا نحفظ، اور فكان يقول کے الفاظ کا قائل ایک ہے (اسود بن یزید) مگر انوار صاحب نے اس عبارت کو حذف کر کے فعل عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو فعل رسول اللہ ﷺ بنا دیا ہے، فان لله وانا اليه راجعون۔

حالانکہ امام ابن خزیمہ نے جو حدیث، عبدالاعلی، کے طریق سے نقل کی ہے اس میں راوی صاف الفاظ میں اسے سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا فعل قرار دیتا ہے، **عن عبدالرحمن بن الاسود عن ابيه انا عبد الله بن مسعود كنا نحفظ حروف القرآن الواو والا لف، فاذا جلس على وركه اليسرى قال، التحيات لله والصلوٰت والطيبات السلام عليك ايها النبى ورحمه الله و بركاته السلام علينا و على عباد الله الصالحين اشهدان لا اله الا الله واشهدان محمداً عبده ورسوله، ثم يدعو لنفسه ثم يسلم و ينصرف۔**

(صحيح ابن خزيمه ص٣٤٨ ج ١)۔

انوار صاحب غور کریں، آپ کی عینک غالباً پرانی ہو چکی ہے، اسے بدل کر ملاحظہ کریں کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے خبر دی کہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں نماز میں تشہد سکھایا، آگے اسود کہتے ہیں کہ ہم عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے تشہد اس طرح یاد کرتے تھے جس طرح قرآن کے حروف یاد کرتے تھے، جیسے واو، اور، الف، پس جب آپ اپنی بائیں سرین پر بیٹھتے تو کہتے، التحیات للہ الخ،

رابعاً: وان كان فى اخرها الخ کے الفاظ تشہد مع الصلوٰۃ کے علاوہ ادعیہ پر محمول ہیں اور ہم فصل اول میں صحیح حدیث سے ثابت کر آئے ہیں کہ تشہد کا لفظ درود سمیت بھی تشہد پر بولا جاتا ہے، لہٰذا سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث میں جو تشہد کا ذکر ہے تو اس سے تشہد مع الصلوٰۃ مراد ہے، اور عربی زبان میں چند اشیاء کے مجموعہ کی طرف ایک اہم جزو سے اشارہ کیا جانا عام مستعمل ہے، مثلاً حدیث میں آتا ہے،

من قام رمضان (بخاری رقم الحدیث ٣٧ و مسلم رقم الحدیث ١٧٧٩)

دیکھئے اس حدیث میں صرف، قیام، کا ہی ذکر ہے مگر مراد پوری نماز ہے، اسی طرح سیدنا ابن مسعود کی روایت میں ذکر صرف تشہد کا ہے مگر مراد اس سے درود بھی ہے۔ اس تطبیق سے حدیث میں قطعاً کوئی تعارض نہیں رہتا۔

(۴) عن عائشة ان رسول الله ﷺ كان لا يزيد فى الركعتين على التشهد۔

(مسند ابو یعلی ص٣٣٧ ج ٧)

حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ دو رکعتوں میں تشہد پر زیادتی نہیں کرتی تھے

(حدیث اور اہل حدیث ص۴۶۴)

الجواب پیاری امی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرنے والا راوی، ابو الجوزاء ہے اور امام بخاری اور ابن عبدالبر وغیرہ نے کہا ہے کہ اس کی امی جی سے ملاقات و سماع ثابت نہیں۔

(التهذيب ص٣٨٤ ج ١)

الغرض یہ روایت منقطع و مرسل ہے، لہٰذا ضعیف ہے،

(۵) عن تمیم بن سلمة قال کان ابو بکر اذا جلس فی الرکعتین کانه علی الرضف یعنی حتی یقوم۔ (مصنف ابن ابی شیبه ص۲۹۵ ج ۱)

حضرت تمیم بن سلمہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابو بکر ؓ جب دو رکعتوں میں بیٹھتے تو ایسے لگتا جیسے جلتے توے پر بیٹھے ہوں مطلب یہ ہے کہ آپ (جلدی) کھڑے ہو جاتے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص۴۶۴)

الجواب اولاً: جلدی جلدی پڑھنا درود کے منافی نہیں، یہ آپ کی زیادتی ہے صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ نبی مکرم سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ صبح کی سنتیں نہایت ہلکی پڑھتے تھے حتی کہ ام المؤمنین صدیقہ کائنات سیدہ عائشہ ؓ سوال کرتیں کہ آپ نے سورہ فاتحہ کی قراۃ کی ہے،

(بخاری کتاب التهجد باب ما یقرأ فی رکعتی الفجر، الحدیث ۱۱۷۱) و مسلم کتاب صلاة المسافرین باب استحباب رکعتی سنة الفجر ...... الحدیث ۱۶۸۴)

اسی طرح آپ علیہ التحیۃ والسلام نماز میں آخری دو رکعتوں کو ہلکا پڑھا کرتے تھے

(بخاری کتاب الاذان باب یطول فی الاولیین و یحذف فی الاخریین، الحدیث ۷۷۰، و مسلم کتاب الصلاة باب القراة فی الظهر والعصر الحدیث ۱۰۱۸)

تو کیا اس سے یہ لازم آتا ہے کہ ظہر و عصر کی آخری دو رکعتوں میں قرأۃ نہ کرتے تھے اور فجر کی سنتوں میں بھی کچھ نہ پڑھا کرتے تھے، نہیں یقیناً نہیں، محترم نماز کو جلدی جلدی پڑھنا قرأۃ و اذکار کے منافی نہیں، یہ آپ کا خالص شیطانی وسوسہ ہے۔

ثانیاً: یہ روایت مرسل ہے کیونکہ امام تمیم بن سلمہ کا سیدنا ابو بکر ؓ سے سماع و لقا ثابت نہیں جو اس کی صحت کا مدعی ہے وہ کسی معتبر دلیل سے سماع ثابت کرے، واضح رہے کہ تمیم کو حافظ ابن حجرؒ نے، تقریب ص۴۹ میں تیسرے طبقہ کا راوی شمار کیا ہے اور یہ وہ طبقہ ہے جو درمیانے درجہ کا تابعی ہو جیسے حسن بصری اور امام ابن سیرین ہیں (مقدمہ تقریب) اور یہ طبقہ وہ ہے جن کا سماع سیدنا ابو بکر ؓ سے ناممکن ہے

ثالثاً: یہ موقوف ہے جو مرفوع کے بالمقابل حجت نہیں راجع مقدمہ

(۶) عن الحسن انه کان یقول لا یزید فی الرکعتین الاولیین علی التشهد (مصنف ابن ابی شیبه ص۲۹۶ ج۱)

حضرت حسن بصری فرماتے تھے کہ پہلی دو رکعتوں میں تشہد پر زیادتی نہ کرے۔

(حدیث اور اہل حدیث ص۴۶۵)

الجواب اولاً: یہ روایت صغیر تابعی کا قول ہے، اور تابعین کے اقوال دین میں حجت نہیں، راجع مقدمہ، بالخصوص جب وہ مرفوع احادیث کے مخالف و معارض ہوں

ثانیاً: سند میں، حفص بن غیاث راوی مدلس ہے (طبقات المدلسین) اور زیر بحث روایت میں

تحدیث کی صراحت نہیں۔

(۷) عن الشعبی قال من زادفی الرکعتین الاولیین علی التشهد فعلیه سجدتان سهو۔

(مصنف ابن ابی شیبه ص۲۹۶ ج ۱)

امام شعبیؒ فرماتے ہیں کہ جس نے پہلی دو رکعتوں میں تشہد پر زیادتی کی اس پر سجدہ سہو لازم ہے

(حدیث اور اہل حدیث ص ۲۶۵)

الجواب امام شعبی بلا شبہ ثقہ وثبت اور امیر المؤمنین فی الحدیث ہیں۔ یہ ان چند بزرگ ہستیوں میں سے ایک ہیں جن پر پوری امت مرحومہ کو بجا طور پر فخر ہے یہ ملت اسلامیہ کے عظیم محسن اور قابل صد احترام ہیں۔

کبائر اتباع تابعین سے ہیں، امام مالک اور سفیان ثوری وغیرہ جیسے اکابر امت نے ان کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا ہے، یہ سب کچھ اپنی جگہ پر مُسلّم! مگر دین میں معیار شخصیتیں نہیں بلکہ دلائل شرعی ہیں۔ آخر کیا وجہ ہے کہ دینی مسائل میں تو آپ امام شعبیؒ کے اقوال نقل کر کے مخالف پر بطور دلیل عرض کرتے ہیں۔ مگر امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے بارے میں ان کے اقوال کو تسلیم نہیں کرتے، الضعفاء الکبیر للعقیلی ص۲۸۱ ج۴ میں امام شعبیؒ کا حسب ذیل قول ملاحظہ کرنا۔ امام ابو سلمہ خزاعی فرماتے ہیں۔ سمعت شعبة يلعن ابا حنيفة، کیا آپ اس قول کو حجت مانتے ہیں؟ اگر مانتے ہیں تو پہلی فرصت میں حنفیت سے توبہ کر کے امام شعبیؒ کا مسلک اختیار کر لیں، اگر آپ ایسا نہ کریں یقیناً نہیں کریں گے، مثل ہے، میٹھے کے لالچ میں جھوٹا کھاتے ہیں، لیکن انوار صاحب نہیں کھائیں گے، کیوں اس لیے کہ ان کے دل میں محبت ابو حنیفہ ہے، ایسے ہی ہم محبت اسوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں امام شعبیؒ کا قول قبول نہیں کرتے، اور یہ مُسلّمہ اصول ہے کہ تابعین کے اقوال احادیث رسول کے بالمقابل ناقابل حجت ہیں۔ راجع مقدمہ،

خلاصہ کلام :انوار صاحب نے کل سات دلائل درج کیئے ہیں، جن کی تفصیل اس طرح ہے کہ دو مرفوع احادیث کو مکرر نقل کر کے تین بنایا ہے، اور یہ تینوں ہی ضعیف ہیں، دو موقوفات صحابہ ہیں، ایک کی سند ضعیف ہے تو دوسرا انوار صاحب کے مسلک کے خلاف مسئلہ تورک ثابت کر رہا ہے ایک صغیر تابعی کا اثر ہے جو سنداً ضعیف ہے آخر میں امام شعبیؒ کا قول نقل کیا ہے، جس کی حقیقت اوپر گزر چکی ہے،

ان دلائل کو نقل کر کے انوار صاحب اہل حدیث کو تین صفحے کوستے ہیں، انا للہ وانا الیہ راجعون، آخر میں انوار صاحب کے علم کا ایک کرشمہ بھی ملاحظہ کریں، فرماتے ہیں۔

جلیل القدر تابعی امام شعبی تو فرماتے ہیں، (حدیث اور اہل حدیث ص ۴۶۷)

محترم آپ اپنی معلومات کو درست کریں، امام شعبیؒ تابعی نہیں اتباع تابعین سے ہیں۔

(۴۰) باب فرض نمازوں کے بعد اجتماعی طور پر ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا

فصل اول

انسانی زندگی میں مشکلات ومصائب کا آنا ایک فطرتی تقاضا ہے، اور ان کے حل کا بھی اللہ تعالیٰ نے وافر سامان کیا ہے، اور وہ دو طرح کے ہیں، ایک دنیاوی حل اور دوسرا روحانی، پہلی صورت یہ ہے کہ انسان اسباب سے مشکلات سے نکلنے کی کوشش کرے، جو کبھی کامیاب ہو جاتے ہیں تو بسا اوقات ناکام رہتے ہیں، دوسرا طریقہ روحانی ہے کہ انسان اپنے رب قدیر کو مدد کے لیے پکارے جس کو شرعی اصطلاح میں دعا سے تعبیر کیا جاتا ہے، یہی طریقہ دراصل ایک مومن کا شعار اور سبیل اسلام ہے، اسلام میں دعا کی اہمیت اور فضیلت اس قدر ہے کہ وہ حضرات جو اللہ تعالیٰ سے دعا نہیں کرتے، رب کائنات ان پر ناراض ہوتا ہے، ارشاد ہوتا ہے،

وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دَاخِرِيْنَ (غافر ۶۰)

تمہارے رب کا ارشاد ہے کہ مجھے پکارو، میں تمہاری دعائیں قبول کروں گا اور جو لوگ مجھے پکارنے سے تکبر کرتے ہیں وہ عنقریب رسوا ہو کر جہنم رسید ہوں گے (۴۰-۶۰) اس مبارک آیت میں دعا وسوال کی ترغیب دی گئی ہے۔

اور جو حضرات اس کے منکر ہیں انہیں عبادت سے اعراض کرنے والا قرار دیا ہے، اس سے یہ بات سمجھ میں آ جاتی ہے کہ دعا ایک عبادت ہے، بعض صحیح احادیث میں دعا کو عبادت قرار دیا گیا ہے، دعا کے لیے کوئی مخصوص وقت نہیں انسان جب چاہے اپنے پروردگار کو پکار سکتا ہے، سفر وحضر اور جلوت وخلوت میں اپنے مولیٰ کریم جو رؤف ورحیم ہے، سے مدد طلب کر سکتا ہے، چنانچہ کتب احادیث میں جو دعائیں منقول ہیں، اُن تمام دعاؤں کو ہم بفضلہ تعالیٰ کرنے کے قائل وفاعل ہیں۔

حاش وکلا ہم دعا کے قطعاً منکر نہیں، ہمیں اختلاف ہے تو مروجہ طریقہ دعا سے ہے، ہم کہتے ہیں کہ فرض نمازوں کے بعد بآواز بلند امام ومقتدیوں کا مل کر دعا کرنا اور امام کا الفاظ رسمیہ میں دعا کرنا اور مقتدیوں کا آمین آمین کہنا، یہ سنت خیر الانام سے قطعاً ثابت نہیں،

آخر کیا وجہ ہے کہ قائلین حضرات مسجد میں داخل ہوتے اور نکلنے کی دعاء اجتماعی طور پر ہاتھ اٹھا کر نہیں مانگتے، بیت الخلاء میں جاتے وقت بھی یہ اجتماعی دعا نہیں کرتے، سوتے وقت کی دعائیں بھی مروجہ طریقہ سے نہیں کرتے، بیدار ہونے کی دعاء بھی اس کیفیت سے مستثنیٰ ہی رکھتے ہیں۔ بے خوابی کا

علاج بھی اجتماعی طور پر نہیں کرتے، بیت الخلاء سے باہر نکلتے وقت بھی با جماعت نمازی دوزانوں ہو کر اللہ کے حضور دعا نہیں کرتے، صبح و شام کے اذکار بھی اجتماعی طور پر نہیں کرتے، کھانے پینے کے وقت، بازار میں داخل ہوتے وقت بھی مروجہ طریقہ کو نظر انداز کرتے ہیں۔ شب زفاف اور صحبت کے وقت یہ اہل محلّہ کو جمع کرکے اجتماعی طور پر ہاتھ اٹھا کر دعاء کیوں نہیں کرتے، کیا ان مواقع پر رسول اللہ ﷺ سے دعائیں منقول نہیں؟ اگر ہیں یقیناً ہیں تو آپ حضرات کیوں نہیں کرتے، اگر کہا جائے کہ دعا کرتے ہیں مگر ہاتھ اٹھا کر اجتماعی طور پر نہیں کرتے آخر کیوں نہیں کرتے؟ انوار صاحب نے جو دلائل نقل کئے ہیں اُن کو اِن مواضع پر کیوں فٹ نہیں کیا جا سکتا؟ انوار صاحب اپنی دلیل، نمبر ۶، ۷، ۸ کو ملاحظہ کریں اگر ان سے کوئی مذکورہ مقامات پر اجتماعی دعاء پر استدلال کرے تو آپ انکار کس طرح کر سکتے ہیں، پھر دوسری احادیث جو محترم نے نقل کی ہیں، جن میں اذکار و دعائیں ہیں، جس سے انوار صاحب اجتماعی دعاء کا ثبوت دے رہے ہیں، اگر کوئی مذکورہ مقامات کے بارے احادیث نقل کرکے اجتماعی دعا کا استدلال کرے تو آپ منکر کیونکر ہونگے، اگر آپ ان مواضع پر اجتماعی طور پر ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کے قائل نہیں، تو وجہ بیان کریں کہ صبح و شام کی دعاؤں کو آپ مروجہ طریقہ سے کیوں نہیں کرتے، فقط فرض نمازوں کے بعد ہی اس کیفیت کی تخصیص کے کیوں قائل ہیں؟ آخر اس تخصیص پر آپ کے پاس کوئی دلیل ہے، قطعاً نہیں، صرف آپ کی جذباتی اور ان گھڑت استدلال ہیں، سنئے ہم پورے جزم و یقین کے ساتھ عرض کرتے ہیں کہ کسی صحیح تو کجا حسن درجہ کی حدیث میں مروجہ دعاء کا ثبوت نہیں ہے، اکابر امت نے صاف الفاظ میں اسے بدعت قرار دیا ہے، ہمارے پیارے رسول سیدنا محمد مصطفی ﷺ کا ارشاد ہے

من احدث فی امرنا هذا ما ليس منه فهورد،

جس نے ہمارے اس دین میں کوئی نئی بات نکالی جو دین میں نہیں ہے تو وہ کام اللہ کے ہاں مردود ہے (بخاری ص ۳۷۱ ج ۱ و مسلم ص ۷۷ ج ۲)

ہم قارئین کرام کو یہاں دین الحق کی جلد دوم کے ابتدائی مباحث کا مطالعہ کرنے کی دعوت دیتے ہیں، قرآن و سنت اور اکابرین امت نے جو بدعت کی تعریف کی ہے، وہ اس مروجہ طریقہ دعاء پر پوری پوری اترتی ہے،

اس لیے کہ عبادت کا جو طریقہ و کیفیت شرع سے ثابت نہ ہو وہ بالاتفاق بدعت ہے، کیوں اس لیے کہ عبادات ممنوع الاصل ہیں، ہم یہاں پر فقہ حنفی سے چند مثالیں عرض کرتے ہیں،

(۱) صلوٰۃ رغائب (جو رجب میں عوام الناس پڑھتے ہیں) کے بارے علامہ حلبی فرماتے ہیں کہ یہ بدعت اور مکروہ ہے،

ان الصحابة والتابعين و من بعدهم من الائمة المجتهدين لم ينقل عنهم،

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام اور بعد کے آئمہ مجتہدین سے یہ منقول نہیں۔ (حلبی کبیر ص ۴۳۳)

(۲) فقہ حنفی کی کتاب محیط میں ہیں کہ

قرأة الكافرون الى الاخر مع الجمع مكروهة لانها بدعة لم ينقل ذلك عن الصحابة والتابعين،

یعنی سورہ کافرون کا آخر تک بالجمع پڑھنا مکروہ ہے، اس لیے کہ بدعت ہے، حضرات صحابہ کرام اور تابعین عظام سے منقول نہیں (بحوالہ عالم گیری ص ۲۶۴ ج ۴)

(۳) علامہ کاشغری حنفی فرماتے ہیں کہ

والزيادة على ثمان ركعات ليلا و على اربع ركعات نهارا مكروه بالا جماع

یعنی رات کے وقت آٹھ رکعت سے زیادہ اور دن کے وقت چار رکعت سے زیادہ ایک سلام سے نفل نماز پڑھنا آئمہ احناف کے اجماع کے ساتھ مکروہ ہے (منیہ المصلی ص ۱۰۲)

اس کی دلیل درج کرتے ہوئے علامہ کاسانی بعض اکابر احناف سے نقل کرتے ہیں،

يكره لان الزيادة على هذا لم ترو عن رسول الله ﷺ،

یعنی یہ اس لیے مکروہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے اس سے زیادہ مروی نہیں (البدائع الصنائع ص ۲۹۵ ج ۱)

(۴) صاحب ہدایہ فرماتے ہیں۔

و يكره ان يتنفل بعد طلوع الفجر باكثر ركعتي الفجر لانه عليه السلام لم يزد عليها مع حرصه على الصلوٰة۔

یعنی طلوع فجر کے بعد فجر کی سنتوں سے زیادہ (نفل) پڑھنا مکروہ ہے اس لیے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے باوجود نماز پر حریص ہونے کے اس سے زیادہ نماز نہیں پڑھی (ہدایہ ص ۷۰ ج ۱)

(۵) و ليس فى الكسوف خطبة لانه لم ينقل،

یعنی نماز کسوف میں خطبہ نہیں کیونکہ منقول نہیں ہے (لا حول و لا قوة) (ہدایہ ص ۱۵۶ ج ۱)

(۶) ولا يتنفل فى المصلى قبل العيد لان النبى ﷺ لم يفعل ذلك مع حرصه على الصلوٰة ثم قيل الكراهة فى المصلى خاصة و قيل و فى غيره عامة لانه ﷺ لم يفعله،

اور عیدگاہ میں نماز سے پہلے نماز (نفلی) نہ پڑھی جائے کیونکہ نبی ﷺ نے باوجود نماز پر حریص ہونے کے ایسا نہیں کیا، پھر اس میں اختلاف ہے کہ یہ کراہت عیدگاہ کے ساتھ خاص ہے، اور یہ بھی کہا

گیا ہے کہ عید گاہ اور غیر عید گاہ دونوں میں کراہت ہو گی، کیونکہ آپ علیہ السلام نے عید گاہ اور غیر اور عید گاہ دونوں میں نماز نہیں پڑھی (ہدایہ ص ۱۵۳ ج ۱)

ان تمام عبارات کا خلاصہ یہ ہے کہ فلاں فلاں کام بدعت اور مکروہ ہے اس لیے کہ ان کاموں کا کرنا حضور علیہ السلام سے ثابت نہیں، کیوں؟ اس لیے کہ جس طرح نبی ﷺ کے فعل کی پیروی سنت ہے اسی طرح آپ کے ترک فعل کی اتباع بھی سنت ہے، ملا علی القاری حنفی فرماتے ہیں۔

والمتابعة کما تکون فی الفعل یکون فی الترك ایضاً فمن و اظب علی فعل لم یفعله الشارع فهو مبتدع،

یعنی جس طرح متابعت فعل میں ہوتی ہے اسی طرح ترک میں بھی متابعت ہوتی ہے لہٰذا جس نے کسی ایسے کام پر مواظبت کی جو آپ علیہ السلام نے نہیں کیا تو وہ بدعتی ہے (مرقاۃ ص ۴۱ ج ۱)

انہیں دلائل کی بنا پر مروجہ دعا کو آئمہ دین اور علمائے ملت نے بدعت کہا ہے، چند ایک عبارات یہاں نقل کی جاتی ہیں۔

(۱) امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

اما دعا الامام والمامومین جمیعا عقیب الصلاۃ بدعة

یعنی امام اور مقتدیوں کا نماز کے بعد اجتماعی دعا کرنا بدعت ہے (مجموع الفتاوی ص ۵۱۹ ج ۲۲)

(۲) امام ابن قیم فرماتے ہیں۔

واما الدعاء بعد السلام من الصلاۃ مستقبل القبلة او المامومین فلم یکن ذلك من هدیه ﷺ اصلا ولا روی عنه باسناد صحیح ولا حسن،

باقی رہا نماز سے سلام پھیرنے کے بعد قبلہ رخ بیٹھ کر یا مقتدیوں کی طرف پھر کر اجتماعی دعا کرنا تو یہ آپ کا طریقہ نہ تھا اور نہ ہی آپ سے صحیح یا حسن سند کے ساتھ نقل کیا گیا ہے (زاد المعاد ص ۲۵۷ ج ۱)

(۳) علامہ حموی حنفی، الاشباہ والنظائر، کی شرح میں فرماتے ہیں۔

وصرح ابن حجر بان الاجتماع للدعاء برفعه بدعة اقول ما قال ابن حجر هو الحق الذی لامرية فيه فان تعريف البدعة صادق عليه،

یعنی ابن حجرؒ نے اس کی تصریح کی ہے کہ ہاتھ اٹھا کر اجتماعی دعا کرنا بدعت ہے، میں احمد بن حموی کہتا ہوں کہ ابن حجرؒ نے جو کہا ہے وہ بالکل حق ہے جس میں کوئی شبہ نہیں کیونکہ بدعت کی تعریف اس پر صادق آتی ہے (حموی شرح الاشباہ ص ۴۴۰)

(۴) علامہ ابن بزار کردری حنفی فرماتے ہیں۔

ویکرہ الدعاء عند ختم القرآن فی رمضان بجماعة خارجة لانه لم ینقل عن الصحابة

قال الصفار ولولا ان اهل البلدة يقولون تمنعنا من الدعاء لمنعتهم والاشتغال بعد الفراض منهم باداء السنة اولىٰ من الدعاء،

یعنی رمضان المبارک میں ختم قرآن کے وقت اور اسی طرح اجتماعی دعاء مکروہ ہے کیونکہ یہ صحابہ سے منقول نہیں، امام صفار نے کہا ہے کہ اگر شہر کے لوگوں کا ڈر نہ ہوتا کہ یہ الزام لگائیں کہ دعا سے منع کرتا ہے تو میں انہیں اجتماعی دعاء سے منع کرتا اور فرض نمازوں کے بعد دعاء میں مشغول ہونے کی بجائے سنن پڑھنے کا التزام کرنا اولیٰ ہے،

(فتاوی بزازیہ برحاشیہ عالم گیری ص۳۸۰ ج۲)

(۵) علامہ شاطبی نے، الاعتصام ص۲۵۲ ج۱ و ص۲۶۹ ج۱، ص۳۶۵’ ص۳۵۳’ ۳۵۴ ص۳۶۷ ج۱ میں فرض نمازوں کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کو، بدعت قرار دیا ہے،

(۶) مولانا عبدالحق محدث دہلوی حنفی فرماتے ہیں۔

اما ایں دعا که آئمه مساجد بعد از سلام میکند و مقتدیاں آمین آمین میکویند الآن در دیار عرب و عجم متعارف ست از عادت پیغمبر خداﷺ نه بود و دریں باب هیچ حدیث ثابت نه شد،

یعنی یہ دعا جو آئمہ مساجد سلام پھیرنے کے بعد کرتے ہیں اور مقتدی آمین آمین کہتے ہیں جیسا کہ عرب وعجم میں معروف ہے، یہ طریقہ نبی مکرمﷺ کی عادت مبارکہ نہ تھی اور اس سلسلہ میں کوئی بھی حدیث ثابت نہیں ہے، (شرح سفر السعادۃ ص۹۰)

(۷) مولانا عبدالحی لکھنوی حنفی فرماتے ہیں۔

یہ طریقہ جو فی زمانا مروج ہے کہ امام سلام کے بعد رفع یدین (دونوں ہاتھ اٹھا) کے ساتھ دعاء مانگتا ہے اور مقتدی آمین کہتے ہیں، حضور علیہ السلام کے زمانے میں نہ تھا جیسا کہ ابن قیم نے زاد المعاد میں اس کی تصریح کی ہے (مجموعۃ الفتاوی مترجم ص۲۳۲ ج۱)

(۸) مولانا انور شاہ صاحب کاشمیری سابقہ شیخ الحدیث دار العلوم دیوبند فرماتے ہیں۔

واما الامور المحدثة من عقد صورة الجماعة للدعاء كجماعة الصلاة والانكار على تاركها و نصب امام ثم ائتمام به فيه و غير ذالك من قلة العلم و كثرة الجهل،

اور امور محدثہ مثلاً باجماعت نماز کی طرح دعاء میں بھی ہیئت اجتماعی بنانا اور شرکت نہ کرنے والے کو ملامت کرنا وغیرہ یہ سب قلت علم اور کثرت جہالت کے نتائج ہیں (تقریظ نفائس مرغوبہ ص۴۷)

ان الادعية عنهﷺ فی اثر المكتوبات لم يثبت فيها الرفع .... و مع هذا فلا يدل على الدعاء بالهيئة الرائجة المعروفة،

بلا شبہ نبی ﷺ سے فرض نمازوں کے بعد دعائیں کرنا ثابت ہے لیکن ہاتھ اٹھا کر مانگنا ثابت نہیں، لہذا یہ (دعائیں) مروجہ کیفیت معروفہ کی دلیل نہیں ہیں (بحوالہ معارف السنن ص ۴۱۰ ج ۳)

(۹) مولانا محمد یوسف بنوری حنفی دیوبندی فرماتے ہیں۔

قد راج فی کثیر من البلاد الدعاء بهیئة الاجتماعیة رافعین ایدیهم بعد الصلوٰة المکتوبة ولم یثبت ذلك فی عهده ﷺ وبالا خص بالمواظبة نعم ثبت ادعیة کثیرة بالتواتر بعد المکتوبة و لکنها من غیر رفع الایدی و من غیر هیئة اجتماعیة،

بہت سے بلاد میں یہ رواج ہے کہ فرض نمازوں کے بعد ہاتھ اٹھا کر اجتماعی شکل میں دعاء کرتے ہیں دعاء کے اس طریقہ پر دوام تو کجا رہا اس کا ثبوت ہی نبی ﷺ کے عہد سے ثابت نہیں، ہاں فرض نمازوں کے بعد بہت سی دعائیں کرنا تواتر سے ثابت ہیں لیکن اجتماعی طور پر ہاتھ اٹھانے کے بغیر، (معارف السنن ص ۴۰۹ ج ۳)

(۱۰) مفتی محمد شفیع صاحب حنفی دیوبندی فرماتے ہیں۔

ہمارے زمانہ کے آئمہ مساجد کو اللہ تعالیٰ ہدایت فرماویں کہ قرآن وسنت کی تلقین اور بزرگان سلف کی ہدایات کو یکسر چھوڑ بیٹھے ہیں۔ ہر نماز کے بعد دعا کی ایک مصنوعی سی کاروائی ہوتی ہے، بلند، آواز سے کچھ کلمات پڑھے جاتے ہیں، جو آداب دعاء کے خلاف ہونے کے علاوہ ان نمازیوں کی نماز میں خلل انداز ہوتے ہیں جو مسبوق ہونے کی وجہ سے امام کے فارغ ہونے کے بعد اپنی باقی ماندہ نماز پوری کر رہے ہیں، غلبہ رسوم نے اس برائی اور مفاسد کو ان کی نظروں سے اوجھل کر دیا ہے کسی موقع پر خاص دعاء پوری جماعت سے کرنا مقصود ہو ایسے موقع پر ایک آدمی کسی قدر آواز سے دعاء کے الفاظ کہے دوسرے آمین کہیں اس کا مضائقہ نہیں، شرط یہ ہے کہ دوسروں کی نماز وعبادت میں خلل کا موجب نہ بنیں اور ایسا کرنے کا طریقہ اور عادت نہ ڈالیں کہ عوام یہ سمجھنے لگیں کہ دعا کرنے کا طریقہ یہی ہے جیسا کہ آج کل عام طور سے ہو رہا ہے۔

(معارف القرآن ص ۵۷۸ ج ۳)

(۱۱) دیوبند مکتب فکر کے نامور اور معتمد ترین مفتی جناب رشید احمد صاحب نے، فرض نمازوں کے بعد اجتماعی طور پر ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے کے رد پر ایک کتاب زبدة الکلمات فی حکم الدعاء بعد الصلوات، کے عنوان سے تحریر کی تھی جو ان کے فتاوٰی کی تیسری جلد میں مطبوع ہے، اس میں فرماتے ہیں امام کے ساتھ ملکر دعا کرنے کی رسم خواہ سراً ہو یا جہراً بدعت ہے جو قلت علم وکثرت جہل سے پیدا ہوئی ہے اور جہال کی افراط ہے (احسن الفتاوی ص ۶۷ ج ۳)

(۱۲) مولانا رفیق دلاوی حنفی دیوبندی نے، عماد الدین ص ۳۹۷ میں (۱۳) مفتی محمد ابراہیم صادق

آبادی حنفی دیوبندی نے، دعا بعد الفرائض کا مسنون طریقہ ص۲۲ میں

(۱۴)مولوی فیض اللہ بنگلہ دیشی نے، احکام الدعوات ص۱۲ میں بعدالفرائض اجتماعی طور پر ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کو بے اصل اور بدعت قرار دیا ہے، اور مولوی حکیم عماد الدین حنفی دیوبندی نے اس رسمی دعا کے رد پر ایک مدلل ومفصل کتاب، التحقیق الحسن، کے نام سے شائع کی تھی، مطبوعہ ۲۰ رمضان ۱۴۰۲ھ ۱۲ جولائی ۱۹۸۲ء

ملحوظ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ

أتى رجل اعرابى من اهل البدو الى رسول الله ﷺ يوم الجمعة، فقال، يا رسول الله (ﷺ) هلكت الماشية، هلك العيال، هلك الناس، فرفع رسول الله ﷺ يديه يدعو ورفع الناس ايديهم مع رسول الله ﷺ يدعون الحديث

ایک دیہاتی شخص نبی مکرم ﷺ کے پاس جمعہ کے دن آیا اور کہنے لگا کہ یا رسول اللہ ﷺ (بھوک و پیاس سے) جانور تباہ ہو گئے بال بچے ہلاک ہو گئے لوگ مر گئے، آپ ﷺ نے یہ سن کر اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے، دعا کرنے لگے اور لوگ بھی آپ کے ساتھ اپنے ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے لگے، الحدیث،

(بخاری كتاب الاستسقاء باب رفع الناس ايديهم مع الا مام فی الاستسقاء الحديث ١٠٢٩).

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ بوقت ضرورت یا کسی سبب کی بناء پر اجتماعی طور پر ہاتھ اٹھا کر دعا کرنی جائز ہے، اور اگر کوئی ضرورت مند نماز کے بعد نمازیوں اور امام سے درخواست کرے کہ میں فلاں مشکل میں مبتلا ہوں لہذا آپ میرے لیے دعا کریں تو تب اس حدیث کی بنأ پر جائز ہے، لیکن ہمارے ہاں جو ایک رسمیہ دعا کی جاتی ہے اور عوام الناس اس کے بغیر نماز کو ادھورا اور ناقص تصور کرتے ہیں اور نہ کرنے والے پر لعن طعن کرتے ہیں یہ بدترین بدعت ہے۔

(هذا ما عندى والله تعالىٰ اعلم،)

فصل دوم

(۱) عن ابى امامة قال قيل يا رسول الله اى الدعاء اسمع؟ قال جوف الليل الاخرو دبر الصلوٰت المكتوبة۔

(ترمذی ص١٨٧ ج٢)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے سوال ہوا کہ کونسی دعا زیادہ قبول ہوتی ہے، آپ نے فرمایا جو رات کے آخری حصہ میں اور فرض نماز کے بعد مانگی جائے۔

(حدیث اور اهل حدیث ص٤٦٨)

الجواب اولاً: انوار صاحب آخر ہم سب نے مرکر مٹی میں دفن ہونا ہے، وہاں ان دھڑے بندیوں نے کام نہیں آنا، غور کریں آپ اپنی کتاب کے صفحہ ۴۶۸ میں باب کا عنوان، فرض نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر اجتماعی طور پر دعا مانگنا، باندھتے ہیں، مگر پہلی ہی دلیل ایسی درج کرتے ہیں، جس میں نہ ہاتھ اٹھانے کا ذکر ہے اور نہ ہی اجتماعی طور، کا بیان ہے پھر اس میں فرض نماز کا قطعا ذکر نہیں، جیسا کہ جناب نے قصور علم سے سمجھا ہے، حدیث کے الفاظ، جوف اللیل آخر، کا معنی ہے آدھی رات کے دوسرے حصہ میں مگر آپ اس کا معنی رات کے آخری حصہ میں کرتے ہیں۔ جو قطعی طور پر غلط ہے کیونکہ اس معنیکی رو سے، جوف کا معنی رہ جاتا ہے، اور غالبا آپ نے یہ بددیانتی اس لئے کی ہے تاکہ صبح کی نماز کے بعد دعا کا ثبوت ہوجائے، حالانکہ یہ معنی غلط ہے، درست معنی وہی ہے جو خاکسار نے کیا ہے۔ اور یہ فرض نمازوں میں سے کسی نماز کا وقت نہیں، لہٰذا اس روایت سے فرض نمازوں کے بعد اجتماعی دعا ثابت کرنا انوار صاحب کی سینہ زوری ہے، کاش مؤلف حدیث اور اہل حدیث پہلی دلیل تو اپنے دعوٰی کے مطابق دیتے،

ثانیاً: سند میں، ابن جریج، ہیں جو کہ بلاشبہ ثقہ ہیں مگر زبردست مدلس ہیں حتی کہ امام دارقطنی نے کہا ہے کہ بدترین تدلیس ابن جریج کی ہے، (طبقات المدلسین ص ۴۱)

جبکہ سند میں تحدیث وسماع کی صراحت نہیں، لہذا یہ روایت ضعیف ہے، دوسری خامی اس میں یہ ہے کہ منقطع ہے کیونکہ سیدنا ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرنے والا راوی، عبدالرحمٰن بن سابط ہے، جس کا سیدنا ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے سماع نہیں ہے۔ جیسا کہ امام یحیٰی بن معین نے صراحت کی ہے (مراسیل ابن ابی حاتم ص ۱۲۸) والاصابہ ص ۱۴۸ ج ۳ ومرعاۃ ص ۳۲۶ ج ۳)

تیسری خرابی اس میں یہ ہے کہ دبر الصلوت المکتوبہ، کے الفاظ شاذ ہیں کیونکہ سیدنا ابو امامۃ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث پانچ دیگر اسناد سے بھی مروی ہے مگر کسی ایک میں بھی یہ الفاظ نہیں یہ تمام علتیں حافظ ابن حجرؒ نے بیان کی ہیں، دیکھئے (الفتوحات الربانیہ ص ۳۰ ج ۳)

علامہ زیلعی حنفی نے نصب الرایہ ص ۲۳۵ ج ۲ میں اس روایت کو منقطع قرار دیا ہے اور علامہ البانی نے، تحقیق مشکوٰۃ (۱۲۳۱) میں اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے،

رابعاً: دبر الصلوٰت، کا معنی نماز کے بعد نہیں جیسا کہ انوار صاحب باور کرا رہے ہیں، بلکہ اس کا مفہوم درود کے بعد اور سلام پھیرنے سے پہلے ہے، تفصیل کے لیے، دین الحق ص ۲۵۹ ج ۲ کی مراجعت کریں۔

(۲) عن علی بن ابی طالب قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا سلم من الصلوٰۃ قال اللھم اغفرلی ما قدمت وما اخرت وما اسررت وما اعلنت وما اسرفت وما انت اعلم به منی انت المقدم

وانت المؤخر لا اله الا انت۔

(ابو داؤد ص ۲۱۲ ج ۱)

حضرت علیؓ بن ابی طالب فرماتے ہیں کہ نبی الصلوٰۃ والسلام جب نماز سے فارغ ہو کر سلام پھیرتے تو یہ دعا مانگتے، اللھم الخ (حدیث اور اہل حدیث ص ۴۶۸)

الجواب محترم آپ نے جس چیز کے ثبوت پر قلم اٹھایا ہے اس میں تین چیزیں اہم ہیں، الف، ہاتھ اٹھانا، ب، اجتماعی طور پر دعا کرنا، ج، فرض نماز کے بعد کرنا، مگر دلیل وہ درج کرتے ہیں جس میں نہ ہاتھ اٹھانے کا ذکر ہے اور نہ ہی اجتماعی کا بیان ہے، آخر عقل تو اللہ تعالیٰ نے ہم سب کو دی ہے، ذرا اسکی وضاحت تو کرنا کہ آپ نے جو دلیل درج کی ہے اس میں تمام صیغے واحد کے ہیں۔ اغفرلی، قدمت، اخرت، اسررت، اعلنت، اسرفت، اس سے آپ نے جمع کیسے سمجھ لیا؟ اگر غلطی ہوئی ہے تو اللہ تعالیٰ سے معافی مانگ لیں، بد دیانتی کی ہے تو اللہ آپ کو ہدایت دے، لاعلم ہیں تو تصنیف کی بجائے کسی مدرسہ میں داخلہ لے لیں، بہر حال اس حدیث سے اجتماعی طور پر ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا ثابت نہیں یہ آپ کی زیادتی ہے، مزید تفصیل آگے روایت نمبر ۱۴ میں آرہی ہے، انشاء الرحمٰن

(۳) عن البراء انهﷺ كان يقول بعد الصلوٰة رب قنى عذابك يوم تبعث عبادك۔

(مسلم بحواله نيل الاوطار ص ۳۲۱ ج ۲)

حضرت براءؓ سے روایت ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نماز کے بعد یہ دعا مانگا کرتے تھے، رب قني عذابك يوم تبعث عبادك، (حدیث اور اہل حدیث ۴۶۹)

الجواب اولاً: آپ کو یہ حدیث صحیح مسلم سے نہیں ملی" بہت خوب! لیجئے ہم نشان دہی کرتے ہیں۔

عن البراء قال، كنا اذا صلينا خلف رسول اللهﷺ، أحببنا ان نكون عن يمينه، يقبل علينا بوجهه، قال، فسمعته يقول، رب قنى عذابك يوم تبعث او نجمع عبادك،

سیدنا براء بن عازبؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم جب رسول اللہ ﷺ کی اقتدا میں نماز پڑھتے تو اس بات کو پسند کرتے کہ آپ علیہ التحیۃ والسلام کی داہنی جانب ہوں کہ آپ ہماری طرف منہ کر کے بیٹھیں اور میں نے سنا ہے کہ آپ فرماتے تھے،

ربك قنى عذابك يوم تبعث اوتجمع عبادك،

(صحيح مسلم كتاب صلاة المسافرين باب استحباب يمين الامام، الحديث ١٦٤٢)

انوار صاحب اس حدیث پر غور کریں، اس میں، بعد الصلوٰۃ کے الفاظ نہیں، یہ علامہ شوکانی کا وہم اور آپ کے علامہ تھانوی کی غلطی ہے (اعلا السنن ص ۱۹۵ ج ۳) اور آپ نے ان پر اندھا اعتماد کیا ہے، محترم اس حدیث میں دو چیزوں کا بیان ہے، الف، سلام کے بعد نبی ﷺ کا داہنی طرف منہ کر کے

بیٹھنا، ب، آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ دعا کرنا، یہ دونوں کام الگ الگ محل و مقام کے ہیں، یہ نہیں کہ داہنی طرف منہ کرکے یہ دعا کرتے تھے، جیسا کہ آپ نے سمجھا ہے، لیجئے ہم آپ کی اس غلطی کے ازالہ کے لیے ایک دوسری حدیث نقل کرتے ہیں۔

عن البراء بن عازب قال کان رسول اللهﷺ یتو سد یمینه عند المنام ثم یقول، رب قنی عذابك یوم تبعث عبادك،

سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سوتے وقت دائیں ہاتھ کو تکیہ بنا کر سر کے نیچے رکھتے اور یہ فرماتے

رب قنی عذابك یوم تبعث عبادك، اے اللہ جس دن تو اپنے بندوں کو زندہ کرے تو مجھے اپنے عذاب سے محفوظ رکھنا،

(سنن ترمذی کتاب الدعوات باب منه، الحدیث ٣٣٩٩ و مسند احمد ص ٢٩٠ و ص ٢٩٨ ج ٤)

یہی حدیث سیدنا حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے، اس میں لفظ، رب، کی بجائے اللهم، ہے (ترمذی ۳۳۹۸) اور مسند احمد ص۳۸۲ ج۵) میں لفظ، رب، ہی ہے،

سنن ابو داؤد کتاب الادب باب ما یقول عند النوم، میں یہی دعا ام المؤمنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا نبی مکرم ﷺ سے نقل کرتی ہیں ہاں البتہ اس میں یہ اضافہ ہے کہ آپ تین بار یہ دعا کرتے، (رقم الحدیث ۵۰۴۵) اس ساری تفصیل سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ یہ دعا بعد از نماز نبی ﷺ نہیں پڑھا کرتے تھے بلکہ سوتے وقت یہ دعا مانگا کرتے تھے،

لہذا انوار صاحب کا اسے دلیل بنانا قصور علم کی دلیل ہے

ثانیاً: اس حدیث میں ہاتھ اٹھانے اور اجتماعی طور پر دعا کرنے کا قطعاً ذکر نہیں، جیسا کہ انوار صاحب کا دعویٰ اور عمل ہے، ہاں البتہ اس سے اجتماعی دعا کی نفی ضرور ہوتی ہے، قنی، واحد متکلم کا صیغہ ہے جو انفرادی دعا پر دلالت کرتا ہے، لہذا یہ انوار صاحب کے دعویٰ پر تقریب تام نہیں،

(۴) عن ام سلمة ان النبیﷺ کان یقول اذا صلی الصبح حین یسلم اللهم انی أسئلك علما نافعا ورزقا طیباً و عملا متقبلاً۔

(مسند احمد ص٣٠٥ و ابن ماجه ص٦٦)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام جب صبح کی نماز پڑھتے تو سلام پھیر کر یہ دعا مانگتے تھے، **اللهم ان أسئلك علما نافعا ورزقا طیبا و عملا متقبلا** (حدیث اور اہل حدیث ص۴۶۰)

الجواب یہ حدیث بھی آپ کے دعویٰ کی دلیل نہیں، آپ کا دعویٰ ہے کہ ہاتھ اٹھا کر اجتماعی دعا

مانگی جائے، مگر اس حدیث میں سرے سے اس کا ذکر ہی نہیں، الغرض یہ آپ کے دعویٰ کی دلیل نہیں بلکہ انفرادی طور پر مانگنے کی بات ہے، انوار صاحب، إنّي، لفظ پر غور کریں، جو واحد کا صیغہ ہے، گو انوار صاحب کی پیش کردہ سند میں کلام ہے، مگر یہ حدیث صحیح ہے، (المعجم الصغیر للطبرانی رقم الحدیث ۷۳۵) میں ایک دوسری سند سے یہی حدیث مروی ہے، جس میں صراحت ہے کہ یقول بعد صلاۃ الفجر، جس سے صاف معلوم ہوا کہ آپ علیہ التحیۃ والسلام یہ وظیفہ کرتے تھے، جو دعا کو مستلزم نہیں۔

(۵) عن معاذ بن جبل رضي الله عنه، ان رسول الله ﷺ قال له اوصيك يا معاذ لاتدعن دبر كل صلوٰة ان تقول اللهم اعني على ذكرك و شكرك و حسن عبادتك۔

(مسند احمد ص۲۴۷ ج۵ و ابو داؤد ص۱۱۳ ج۱ و نسائی ص۱۹۲ ج۱)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے فرمایا کہ اے معاذ میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ ہر نماز کے بعد یہ دعا پڑھنی نہ چھوڑنا،

اللهم اعني على ذكرك وشكرك وحسن عبادتك۔

(حديث اور اهل حديث ص ۴۷۰)

الجواب اولاً: انوار صاحب نے، غالباً لفظ دبر سے مغالطہ کھایا ہے کہ اسے بعد از نماز سمجھ لیا ہے، حالانکہ اس کے متعلق ہم پہلے اشارہ کر آئے ہیں کہ اس سے مراد درود کے بعد اور سلام پھیرنے سے قبل کا مقام مراد ہے، اور اس حدیث میں تو صاف وضاحت بھی ہے، مسند احمد کے الفاظ ہیں،

فاني اوصيك بكلمات تقولهن في كل صلاة، اللهم اعني على ذكرك و شكرك و حسن عبادتك۔

(مسند احمد ص۲۴۷ ج۵ رقم الحديث ۲۱۶۲۱)

سنن نسائی کے الفاظ ہیں۔

فقال رسول الله ﷺ فلاتدع ان تقول في كل صلوٰة رب اعني على ذكرك و شكرك و حسن عبادتك،

یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کہا کہ معاذؓ تو بلا ناغہ ہر نماز میں یہ کلمات کہا کرو، رب اعني على ذكرك و شكرك و حسن عبادتك

(نسائی كتاب السهو باب نوع آخر من الدعاء الحديث ۱۳۰۴)

امام نسائی نے اسے تشہد کی دعاؤں میں ذکر کیا ہے، خطیب نے، مشکوٰۃ باب الدعاء فی التشہد رقم الحدیث ۹۴۹) میں نقل کیا ہے، جس سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ یہ نماز کے اندر پڑھنے کی تلقین ہے

ثانیاً: اگر انوار صاحب کہہ دیں کہ نسائی وغیرہ کی روایت بالمعنی ہے اور اس سے مراد بعد از نماز ہی ہے (اگر اس بات کو قبول بھی کر لیا جائے) تب بھی انوار صاحب کا دعویٰ اس حدیث سے ثابت نہیں ہوتا، کیونکہ اس میں حضور علیہ التحیۃ والسلام نے یہ وصیت نہیں کی کہ فرض نمازوں کے بعد اجتماعی طور پر ہاتھ اٹھا کر دعا مانگا کرو، اس میں صرف انفرادی طور پر یہ ذکر کرنے کا بیان ہے، مگر انوار صاحب اناڑیوں کی طرح دھڑا دھڑا بے تعلق احادیث نقل کرتے جا رہے ہیں اور یہ سوچنے کی زحمت گوارہ نہیں کرتے کہ آیا ان سے میرا دعویٰ بھی ثابت ہوتا ہے یا نہیں

(٦) عن سلمان قال قال رسول الله صلی الله ﷺ ان ربکم حیی کریم یستحیی من عبده اذا رفع یدیه الیه ان یردهما صفرا

(ترمذی ص١٩٦ ج٢ و ابو داؤد ص٢٠٩ ج١ و ابن ماجه ص٢٨٤)

حضرت سلمانؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تمہارے پروردگار انتہائی حیا والے اور سخی ہیں وہ اپنے بندے سے شرماتے ہیں کہ جب وہ ان کی طرف (دعا کے لیے) ہاتھ اٹھائے تو وہ انہیں خالی لوٹا دیں، (حدیث اور اہل حدیث ص٤٧٠)

الجواب اولاً: یہ حدیث آپ کی دلیل تب بنتی تھی جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ ارشاد ہوتا کہ جب میرے بندے فرض نمازوں کے بعد اجتماعی طور پر ہاتھ اٹھا کر دعا کریں تو مجھے شرم آتی ہے کہ انہیں خالی لوٹا دوں، مگر حدیث میں ایسا کوئی لفظ نہیں ہے، بلکہ الفاظ سے منفرد کی طرف صاف اشارہ ہے، یردہما، اگر یہاں اجتماعی دعا کا بیان ہوتا تو، یردہم، کے الفاظ ہوتے

ثانیاً: یہ حدیث عام ہے اور آپ کا دعویٰ خاص ہے، عام سے خاص ثابت نہیں ہوتا، جیسے فضائل صدقات سے بریلویوں کا قل و دسواں ثابت نہیں ہوتا، فضائل نوافل سے نماز تسبیح کی جماعت ثابت نہیں ہوتی، گھوڑے کے فضائل سے شیعہ کا گھوڑا نکالنا ثابت نہیں ہوتا، نبوت کے فضائل سے نبی کا آنا ثابت نہیں ہوتا، وضو کے فضائل سے پاؤں پہلے دھونے ثابت نہیں ہوتے، علی ہذا القیاس اس طرح ہزاروں مثالیں دی جا سکتی ہیں، مگر افسوس کہ انوار صاحب مطلق دعا کی فضیلت سے نمازوں کے بعد اجتماعی طور پر ہاتھ اٹھانے ثابت کرنے کے درپے ہیں،

(٧) عن عمر بن الخطاب قال کان رسول الله ﷺ اذا رفع یدیه فی الدعاء لم یردهما حتی یمسح بهما وجهه۔

(ترمذی ص١٧٦ ج٢)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب دعا کے لیے ہاتھ اٹھاتے تھے تو انہیں لوٹاتے نہ تھے جب تک کہ چہرے پر نہ پھیر لیتے تھے (حدیث اور اہل حدیث ص٤٧٠)

الجواب اولاً: یہ بھی آپ کے دعویٰ کی دلیل نہیں، کیونکہ اس میں اس بات کا ذکر نہیں کہ نبی مکرم ﷺ جب فرض نمازوں کے بعد اجتماعی طور پر ہاتھ اٹھاتے تو چہرے پر پھیرنے کے بغیر نہ لوٹاتے، اگر ایسا ہوتا تو آپ کا دعویٰ ثابت تھا، مگر ایسا ہرگز نہیں ہے،

ثانیاً: اس کی سند میں، حماد بن عیسیٰ راوی ہے، اسے امام ابو حاتم امام ابو داوٗد امام دارقطنی اور ابن ماکولا وغیرہ نے ضعیف قرار دیا ہے (تہذیب ص۱۹ ج۳)

علامہ البانی نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے (ارواء الغلیل ص۱۷۸ ج۲ (۴۳۳))

(۸) عن عکرمة عن عائشة رضی الله عنها زعم انه سمع منها انها رأت النبی ﷺ یدعو رافعا یدیه یقول انما انا بشر فلا تعاقبنی ایما رجل من المؤمنین آذیته و شتمته فلا تعاقبنی۔

(جزء رفع الیدین للبخاری ص۱۷)

حضرت عکرمہ حضرت عائشۃ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں اور ان کا خیال ہے کہ انہوں نے حضرت عائشہؓ سے سنا ہے کہ انہوں نے نبی علیہ الصلوٰۃ السلام کو دیکھا کہ آپ دونوں ہاتھ اٹھائے یہ دعا مانگ رہے ہیں، انما انا بشر فلا تعاقبنی ایما رجل من المؤمنین آذیته و شتمته فلا تعاقبنی فیه،

(حدیث اور اہل حدیث ص۴۷۱)

الجواب اس حدیث سے فرض نمازوں کے بعد اجتماعی طور پر ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے کا ثبوت دینا، بد ترین جہالت اور یہودانہ تحریف ہے، سنئے یہ حدیث صحیح مسلم شریف میں تفصیل سے مروی ہے؛ ملاحظہ کیجئے۔

عن عائشة قالت، دخل علی رسول الله ﷺ رجلان، فکلماه بشئی لاادری ماهو، فاغضباه، فلعنهما و سبهما، فلما خرجا قلت یا رسول الله ﷺ! لمن اصاب من الخیر شیئا ما اصابه هذان، قال ﷺ وما ذاك؟ قالت قلت، لعنتهما و سببتهما، قال، أو ما علمت ما شارطت علیه ربی؟ قلت اللهم! انما انا بشر، فای المسلمین لعنته او سببته فا جعله له زکاة واجرا،

ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ دو شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، معلوم نہیں کہ آپ سے کیا باتیں کیں، بالآخر انہوں نے آپ علیہ السلام کو غصہ دلایا، آپ ﷺ نے ان پر لعنت کی اور برا کہا جب وہ دونوں نکل کر چلے گئے تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ان دونوں کے علاوہ اوروں کو تو خیر پہنچ گئی لیکن انہیں خیر نہیں پہنچے گی، آپ علیہ التحیۃ والسلام نے فرمایا کیوں؟ میں نے کہاں اس لیے کہ آپ نے ان پر لعنت کی ہے، آپ نے فرمایا تجھے معلوم نہیں کہ میں نے اپنے پروردگار سے جو شرط لگائی ہے!

اللهم انما انا بشر فای المسلمین لعنته او سببته فاجعله له زکوٰة و اجراً،

(صحیح مسلم کتاب البر والصلة باب من لعنه النبی ﷺ .... الحدیث ٦٦١٤)

یہ حدیث کھلی اس بات کی دلیل ہے کہ یہ واقعہ گھر میں پیش آیا، جزء الرفع الیدین، کی روایت ملانے سے نتیجہ نکلا کہ آپ نے وہاں ہی دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے، جس سے لازم آیا کہ یہ دعا فرض نمازوں کے بعد اجتماعی طور پر ہاتھ اٹھا کر نہیں مانگی گئی تھی، کیونکہ فرض نمازوں کی جماعت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مسجد میں کرواتے تھے نا کہ گھر میں، اس تفصیل سے انوار صاحب کے پیرو مرشد اور مبتدعین دیابنہ کے گرو ماسٹر محمد امین صفدر کے وہم کا بھی ازالہ ہو گیا جہاں اس نے لکھا ہے کہ یہ دعا قنوت وتر یا نماز استسقاء کی تھی (تجلیات صفدر ص ۳۶۸ ج ۳)

(۹) عن الفضل بن عباس قال قال رسول اللہ ﷺ الصلوٰۃ مثنیٰ مثنیٰ تشھد فی کل رکعتین و تخشع و تضرع و تمسکن و تقنع یدیك یقول ترفعھما الیٰ ربك مستقبلا ببطونھما وجھك و تقول یا رب یا رب من لم یفعل ذالك فھی کذا و کذا۔

(ترمذی ص ۸۷ ج ۱ نسائی ص ج ابن خزیمہ)

حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا نماز دو دو رکعت ہے، ہر دو رکعت کے بعد التحیات ہے اور ڈرنا، عاجزی کرنا اور مسکینی ظاہر کرنا ہے اور اٹھائے تو اپنے دونوں ہاتھ، حضرت فضل بن عباسؓ فرماتے ہیں، مطلب یہ ہے کہ تو اپنے پروردگار کے حضور میں اس طرح سے ہاتھ اٹھا کر کہ دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیاں تیرے چہرے کی طرف ہوں، دعا کرے اور کہے یارب یارب جس نے ایسا نہ کیا وہ ایسا ایسا ہے۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۴۷۲)

الجواب اولاً: یہ روایت ضعیف ہے، اس کی سند میں، عبداللہ بن نافع بن ابی العمیاء راوی ہے، جسے امام علی بن مدینی نے مجہول کہا ہے (تہذیب ص ۴۶ ج ۴) امام بخاری فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح نہیں (تاریخ کبیر ص ۲۱۳ ج ۵ و ابن عدی ص ۱۵۴۱ ج ۴) عقیلی فرماتے ہیں کہ اس کی سند میں نظر ہے (الضعفاء الکبیر ص ۳۱۱ ج ۲) علامہ البانی نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے (ضعیف ابن ماجہ ص ۹۷) ابن ترکمانی نے صاحب تمہید سے اس کا ضعیف ہونا نقل کر کے سکوت کیا ہے جس سے لازم آتا ہے کہ ان کا بھی یہی خیال ہے دیکھئے۔

(الجوہر النقی ص ۴۸۸ ج ۲)

ثانیاً: انوار صاحب کا دعویٰ ہے کہ فرض نمازوں کے بعد دعا مانگی جائے جب یہ حدیث نوافل کے بارے ہے جیسا کہ امام ابو حاتم نے صراحت کی ہے (علل الحدیث ص ۱۳۳ ج ۱) اور اس حدیث کے الفاظ بھی اسی پر دلالت کرتے ہیں کیونکہ فرض نماز تو تین اور چار رکعت بھی ہے جبکہ اس میں صرف دو دو کا ذکر ہے جس سے لازم آیا کہ یہ نوافل کے بارے ہے

ثالثاً: یہ دعا کب مانگی جائے امام ابن خزیمہ کا خیال ہے کہ اگر یہ حدیث ثابت ہو تو تشہد کی دعا

کے بارے ہے، پھر فرماتے ہیں۔ مگر یہ نماز کا طریقہ نہیں ہے (صحیح ابن خزیمہ ص۲۲۱ ج۲)

رابعاً: اگر تسلیم بھی کر لیا جائے کہ یہ فرض نمازوں کے متعلق ہے تو تب بھی انوار صاحب کا دعویٰ ثابت نہیں ہوتا، کیونکہ اس سے اجتماعی دعا کا مسئلہ قطعاً ثابت نہیں ہوتا، بلکہ یہ منفرد کے متعلق ہے، اور حدیث میں صاف لفظ، وتقنع یدیک، وتقول یارب یارب، واحد کے صیغے ہیں۔ لہٰذا اس سے اجتماعی دعا ثابت نہیں ہوتی،

مولانا یوسف بنوری حنفی دیوبندی فرماتے ہیں۔ اس حدیث سے استدلال تام نہیں کیونکہ اس میں اجتماعی دعا کا ذکر نہیں (معارف السنن ص٤٧٤ ج٣)

خامساً: اگر اس حدیث سے آپ کا استدلال درست ہے، تو دعا کو فرض یا واجب کہنا ہو گا، کیونکہ اس کے ایک طریق میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ ایسا نہ کرنے والے کی نماز خداج (ناقص) ہے

(ابو داؤد كتاب التطوع باب صلاة النهار، الحديث (١٢٩٦) و ابن ماجه كتاب اقامة الصلوٰت باب ما جاء فى صلاة الليل والنهار، الحديث (١٣٢٥) و ابن خزيمه (١٢١٢)و مسند احمد ص٦٧ ج٤ و طيالسى وغيره)

حالانکہ انوار صاحب فرض یا واجب تو کجا اسے سنت بھی تسلیم کرنے کو تیار نہیں بلکہ صرف مستحب کہتے، ہیں (حدیث اور اہل حدیث ص۴۷۶)

(۱۰) حدثنا محمد بن يحيى الاسلمى قال رايت عبدالله بن الزبير ورأى رجلا رافعا يديه يدعو قبل ان يفرغ من صلوٰته فلما فرغ منها قال له ان رسول الله ﷺ لم يكن يرفع يديه حتى يفرغ من صلوٰته۔

(مصنف ابن ابى شيبه ص بحواله سنية رفع اليدين فى الدعاء بعد الصلوٰت المكتوبة لمحمد بن عبدالرحمن الزبيدى ص٢٢)

محمد بن یحییٰ اسلمی فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو دیکھا اس حال میں کہ انہوں نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ اپنی نماز سے فارغ ہونے سے پہلے ہی دونوں ہاتھ اٹھائے دعا مانگ رہا ہے، جب وہ نماز سے فارغ ہوا تو آپ نے اس سے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ دعا کے لیے ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے جب تک کہ نماز سے فارغ نہ ہو لیتے تھے (حدیث اور اہل حدیث ص۴۷۲)

الجواب: یہ روایت مصنف میں قطعاً نہیں جن حضرات نے اسے نقل کیا ہے انہوں نے اپنے سے پہلے علماء پر حسن ظن کرتے ہوئے نقل کر دیا ہے، مصنف کے متعدد نسخے طبع ہو چکے ہیں، مگر کسی ایک میں بھی یہ روایت نہیں جو اس بات کا کھلا ثبوت ہے، مصنف میں یہ روایت سرے سے ہے ہی نہیں، ہاں البتہ طبرانی نے المعجم الکبیر ص ۱۲۹ ج۱۳ رقم الحدیث ۳۲۴ اور ہیثمی نے مجمع الزوائد ص۱۶۹ ج۱۰ میں کہا

ہے کہ اس کے راوی ثقہ ہیں مگر یہ حافظ ہیثمی کا وہم ہے کیونکہ سند میں فضیل بن سلیمان بصری راوی متکلم فیہ ہے۔ گو بخاری و مسلم نے اس سے روایت کی ہے، مگر تمام کی تمام متابعت و شواہد میں ہیں دیکھئے (ہدیہ الساری ص ۴۳۴)

جمور آئمہ جرح و تعدیل نے اسے ضعیف قرار دیا ہے، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ صدوق لہ خطاء کثیر، (تقریب ص ۲۷۴) ایسے راویوں کی روایات متابعت کے بغیر قابل قبول نہیں ہوتیں، اور متابعت یہاں پر موجود نہیں۔

مزید برآں یہ کہ روایت کے متن میں صرف ہاتھ اٹھانے کا ذکر ہے دعا کرنے کا تذکرہ نہیں، اس کمی کو خود انوار صاحب نے محسوس کیا تو بددیانتی کرتے ہوئے اپنی طرف سے، دعا کے لیے، کے الفاظ داخل کردیئے ہیں، حالانکہ متن روایت میں کوئی ایسا نہیں، جس کا یہ معنی ہو، محض ہاتھ اٹھانے دعا کرنے کو مستلزم نہیں، علاوہ ازیں اس حدیث سے اجتماعی دعا قطعاً ثابت نہیں ہوتی یہ انوار صاحب کی زیادتی ہے، زیادہ سے زیادہ انفرادی دعا پر استدلال کیا جا سکتا ہے، یہ بھی ملحوظ رہے یہ صحیح حدیث کے خلاف ہے، جس میں صراحت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے اندر ہاتھ اٹھا کر قنوت نازلہ مانگا کرتے تھے، (مسند احمد ص ۱۳۷ ج ۳ و بیہقی ص ۲۱۱ ج ۲)

اور یہ بات ظاہر ہے کہ ضعیف روایت جب صحیح کے معارض ہو تو تب بالاتفاق ناقابل حجت ہوتی ہے،

(۱۱) عن انس بن مالک رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال، ما من عبد بسط کفیہ فی دبر کل صلوٰۃ ثم یقول اللھم الھی والہ ابراھیم و اسحٰق و یعقوب والہ جبریل و میکائیل و اسرافیل علیھم السلام اسالک ان تستجیب دعوتی فانی مضطر و تعصمنی فی دینی فانی مبتلی وتنالنی برحمتک فانی مذنب وتنفی عنی الفقرفانی متمسکن الاکان حقا علی اللہ عزوجل ان لا یرد یدیہ خائبتین۔

(عمل الیوم و اللیل لا بن السنی ص ٤٦)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہر نماز کے بعد جو بندہ بھی اپنے دونوں ہاتھ پھیلا کر یہ دعا مانگتا ہے، اللھم الخ تو اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہو جاتا ہے کہ وہ ان ہاتھوں کو ناکام نہ لوٹائیں (حدیث اور اہل حدیث ص ٤٧٣)

الجواب اولاً: (۱) یہ روایت عام ہے خاص فرضوں کے متعلق نہیں جیسا کہ انوار صاحب کا دعویٰ ہے (۲) اس میں انفرادی دعا کا ذکر ہے، ما من عبد، یقول وغیرہ کے الفاظ اس پر دلالت کرتے ہیں، اگر فرضوں کے بعد اجتماعی دعا کا ذکر ہوتا تو، ما من عباد، یقولون، بعد کل صلوٰۃ المکتوبۃ، کے الفاظ ہوتے، مگر ایسا قطعاً نہیں، جس سے ثابت ہوا کہ یہ انفرادی دعا ہے۔

ثانیاً: سنداً یہ روایت سخت ضعیف بلکہ باطل ہے، تفصیل ملاحظہ کریں، اس کی سند میں ایک راوی اسحاق بن خالد ہے امام ابن عدی فرماتے ہیں کہ اس نے متعدد منکر احادیث روایت کی ہیں، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ضعیف ہے (الکامل لابن عدی ص ۳۴۷ ج ۱)

اسحاق نے یہ روایت عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن سے روایت کی ہے، اور عبدالعزیز کے بارے امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ اس کی احادیث جھوٹی اور من گھڑت ہیں (الضعفاء الکبیر ص ۵، ۶ ج ۳ و ابن عدی ص ۹۴۲ ج ۳ و ص ۱۹۲۷ ج ۵) امام ابن حبان فرماتے ہیں کہ یہ ثقات سے بہت زیادہ مقلوب اور غلط منسوب احادیث روایت کرتا ہے، اس سے کسی صورت بھی حجت لینا جائز نہیں

المجروحین ص ۱۳۸ ج ۲)

عبدالعزیز نے یہ روایت خصیف سے نقل کی ہے اور آئمہ جرح و تعدیل نے صراحت کی ہے کہ عبدالعزیز خصیف سے باطل اور منکر روایات روایت کرتا ہے (تہذیب ص ۱۴۴ ج ۳)

خصیف خود بھی سیئی الحفظ ہے جیسا کہ علامہ ذہبی نے، الکاشف، میں اور حافظ ابن حجرؒ نے، تقریب، میں صراحت کی ہے، ان تمام جروحات کے علاوہ اس میں ایک خامی یہ ہے کہ منقطع ہے، کیونکہ سیدنا انسؓ سے روایت کرنے والا خصیف ہے اور خود خصیف کا اعتراف ہے کہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے میری ملاقات اور سماع نہیں

(الکامل ابن عدی ص ۹۴۱، ۹۴۲ ج ۳ و تہذیب الکمال ص ۲۶۰ ج ۸)

الغرض یہ روایت انوار صاحب کے دعویٰ پر جہاں تقریب تام نہیں وہاں ہی سخت ضعیف ہے علامہ البانی نے اس روایت کو ضعیف جداً کہا ہے۔ (الضعیفہ ص ۴۵۰ ج ۱۲ رقم ۵۷۰۱)

(۱۲) عن الاسود العامری عن ابیہ قال صلیت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الفجر فلما سلم انصرف و رفع یدیہ و دعا، الحدیث۔

(سنیۃ رفع الیدین فی الدعاء بعد المکتوبۃ ص ۲۳)

حضرت اسود عامری اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ فجر کی نماز پڑھی جب آپ نے سلام پھیرا تو مڑ کر دونوں ہاتھ اٹھائے اور دعا مانگی۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۴۷۴)

الجواب یہ حدیث متعدد کتب حدیث میں مختصر اور مطول مروی ہے مگر کسی ایک میں بھی، انصرف، کے بعد، ورفع یدیہ و دعا، کے الفاظ نہیں،

دیکھئے، مسند احمد ص ۱۶۰، ۱۶۱ ج ۴ و ابو داؤد (۶۱۴) و نسائی (۸۵۹) دار قطنی ص ۱۵۸ و مستدرک حاکم ص ۲۴۵ ج ۱ و بیہقی ص ۳۱۰ ج ۲ و ابن حبان (موارد) حدیث (۴۳۴) و عبدالرزاق ص ۴۲۱ ج ۲ و مصنف ابن ابی شیبہ ص ۳۰۲ ج ۱ و ص ۲۷۵ ج ۲ وغیرہ

قصہ مختصر یہ کہ انوار صاحب نے جن الفاظ سے استدلال کیا ہے وہ الفاظ متن حدیث میں موجود نہیں، جو اس بات کا مدعی ہے وہ ثبوت پیش کرے، رہا یہ امر کہ اسے بڑے بڑے علماء نقل کرتے آئے ہیں تو اس کے متعلق عرض ہے کہ یہ ان تمام حضرات کا سہو ہے اور اوہام کا نام دین اور مسائل نہیں ہوتا۔

(۱۳) عن ابی هريرة ان رسول الله ﷺ رفع يديه بعد ما سلم وهو مستقبل القبلة فقال، اللهم خلص الوليد بن الوليد و عياش بن ربيعة و سلمة بن هشام وضعفة المسلمين الذين لا يستطيعون حيلة ولا يهتدون سبيلا من ايدى الكفار۔

(تفسير القرآن العظيم للحافظ ابن كثير ص ٥٢٢ ج ١)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سلام پھیر کر اپنے ہاتھ اٹھائے اور قبلہ رُو ہو کہ یہ دعا مانگی، اے اللہ ولید بن ولید، عیاش بن ربیعہ، سلمہ بن ہشام اور کمزور مسلمان جو نہ کوئی تدبیر کر سکتے ہیں اور نہ کہیں کا راستہ جانتے ہیں انہیں کفار کے ہاتھ سے خلاصی نصیب فرما۔

(حديث اور اهل حديث ص ٤٧٤)

الجواب اولاً: اس میں اجتماعی دعا کا ذکر نہیں،

ثانیاً: اس کی سند ضعیف ہے، کیونکہ اس کا راوی علی بن زید بن جدعان ہے اور یہ ضعیف ہے، اسے امام احمد امام معاویہ بن صالح امام یحییٰ نے ضعیف قرار دیا ہے، جوزجانی فرماتے ہیں واہی الحدیث اور ضعیف ہے ابو زرعہ کہتے ہیں قوی نہیں ابو حاتم فرماتے ہیں کہ اس کی روایت لکھی جائے مگر احتجاج نہ کیا جائے، نسائی ضعیف کہتے ہیں۔ ابن خزیمہ فرماتے ہیں میں نے اس سے سوء حفظ کی وجہ سے احتجاج نہیں کیا، ابن عدی فرماتے ہیں ضعیف ہونے کے ساتھ تشیع میں غلو تھا، حاکم کہتے ہیں، متین نہیں، دارقطنی، لین، قرار دیتے ہیں حماد بن زید کہتے ہیں احادیث کو اُلٹ پلٹ دیتا تھا، یحییٰ بن سعید اس کی روایات سے بچتے تھے، ابن عیینہ نے ترک کر دیا تھا، وہیب نے ضعیف کہا ہے، اور آخری عمر میں اختلاط بھی ہو گیا تھا

(تہذیب ص ۳۲۳ ج ۷)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ضعیف قرار دیا ہے (تقریب ص ۲۴۶)

پھر اس کی سند میں اضطراب ہے، ابن ابی حاتم (بحوالہ تفسیر ابن کثیر ص ۵۴۲ ج ۱) میں علی نے یہ روایت بواسطہ، سعید بن المسیب، نقل کی ہے جبکہ ابن جریر کی سند میں ہے کہ انہوں نے یہ روایت عبداللہ یا ابراہیم بن عبداللہ کے واسطے سے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت لی ہے، (تفسیر ابن جریر ص ۲۷۸ ج ۵ طبع احیاء التراث ۲۰۰۱ء) اس کے برعکس امام زہری جو کہ ثقہ وثبت اور حافظ ہیں، اس حدیث کو امام سعید بن مسیّب کے واسطے سے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ

رکوع کے بعد اس دعا کو مانگا کرتے تھے،

بخاری کتاب الادب باب تسمیۃ الولید، الحدیث ٦٢٠٠ و مسلم کتاب المساجد باب استحباب القنوت ...... الحدیث ١٥٤٠)

امام سعید بن مسیّب کے علاوہ یہی حدیث امام عبدالرحمٰن الاعرج اور امام عبدالرحمٰن حارث اور ابو سلمہ نے بھی سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے (بخاری رقم الحدیث ۲۹۳۲، ۸۰۴) مگر کسی ایک میں بھی سلام پھیرنے کے بعد دعا کا ذکر نہیں بلکہ رکوع کے بعد قنوت نازلہ کا بیان ہے، قصہ مختصر یہ کہ، بعد ما سلم الخ کے الفاظ بیان کرنے میں، علی بن زید جدعان کو وہم ہوا ہے سند کی طرح اس کے متن میں بھی اضطراب ہے۔ علی بن زید جدعان سے عبدالوارث نے، رفع یدیہ بعد ما وھو مستقبل الکعبۃ، کے الفاظ روایت کیے ہیں۔

تفسیر ابن ابی حاتم ص۴۷۱ ج۱ و مسند بزار ص۵۰ ج۴ رقم الحدیث ۳۱۷۲ کشف) جبکہ حماد نے علی بن زید، سے، **کان یدعو فی دبر صلاۃ الظھر**، کے الفاظ نقل کیے ہیں۔

(تفسیر ابن جریر ص٢٧٨ ج٥)

ظاہر ہے کہ یہ کھلا اضطراب ہے، عبدالوارث کی روایت سے ثابت ہو رہا ہے کہ نماز کے بعد دعا کرتے اور حماد کی روایت کا مفاد ہے، نماز کے اندر دعا کرتے جیسا کہ لفظ 'دبر' سے مستفاد ہوتا ہے، علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس روایت کو منکر قرار دیا ہے (الضعیفہ ۶۶۳۰) اور عبدالرزاق مھدی حنفی نے ضعیف کہا ہے۔ (حاشیہ تفسیر ابن کثیر ص۳۵۶ ج۲)

لہٰذا اس روایت سے انوار صاحب کا استدلال باطل ہے۔

(۱۴) عبدالعزیز بن ابی رواد قال حدثنی علقمۃ بن مرثد و اسماعیل بن امیۃ ان رسول اللہ ﷺ کان اذا فرغ من صلوتہ رفع یدیہ و ضمھما وقال رب اغفرلی ما قدمت وما اخرت وما اسررت وما اعلنت وما اسرفت وما انت اعلم بہ منی انت المقدم وانت المؤخر لا الہ الا انت لک الملک ولک الحمد۔

(کتاب الزھد والرقائق للامام عبداللہ بن مبارک ص٤٩٥)

عبدالعزیز بن ابی رواد فرماتے ہیں کہ مجھ سے علقمہ بن مرثد اور اسماعیل بن امیہ نے حدیث بیان کی کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز سے فارغ ہوتے تو دونوں ہاتھ اٹھا کر ملاتے اور یہ دعا مانگتے، اللھم الخ

(حدیث اور اهل حدیث ص٤٧٥)

الجواب: اولاً: یہ روایت معضل ہے، کیونکہ علقمہ اور اسماعیل دونوں ہی اتباع تابعین سے ہیں، لہٰذا نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ان کے درمیان کم از کم دو واسطے ہونگے، تابعی اور صحابی کا واسطہ،

ثانیاً: یہ حدیث سیدنا علی مرتضی رضی اللہ عنہ بھی بیان کرتے ہیں جس میں صراحت ہے کہ آپ علیہ التحیۃ والسلام یہ دعا تشہد کے بعد اور سلام پھیرنے سے پہلے مانگا کرتے تھے، حدیث کے الفاظ ہیں۔

یقول بین التشھد و التسلیم، یعنی اس دعا کو تشہد اور سلام پھیرنے کے درمیان پڑھتے تھے، (مسلم کتاب باب صلاۃ المسافرین صلاۃ النبی ﷺ و دعائه باللیل الحدیث ۱۸۱۲ و المستخرج للامام ابو نعیم ص۳۶۵ ج۲ (۱۷۵۷)

الغرض اس حدیث میں سلام پھیرنے سے پہلے یہ دعا کرنے کا بیان ہے، انوار صاحب نے جو حدیث نقل کی ہے وہ سنداً معضل ہونے کی وجہ سے قابل اعتبار نہیں،

ثالثاً: اس میں بھی اجتماعی دعا کا ذکر نہیں، تفصیل کے لیے روایت نمبر۲ کے جواب کو ایک نظر دیکھ لیں،

(۱۵) ذکر ابن الکثیر فی قصة علاء بن الحضرمیؓ، و نودی بصلاۃ الصبح حین طلع الفجر فصلی بالناس فلما قضی الصلوٰۃ جثا علی رکبتیه و جثا الناس و نصب فی الدعاء و رفع یدیه و فعل الناس مثله، الخ۔

(البدایه و النهایه ص۳۲۸ ج۶)

حضرت ابن کثیر نے حضرت علاء بن حضرمی کے قصہ میں ذکر کیا ہے کہ جب صبح صادق ہوگئی تو فجر کی نماز کے لیے اذان دی گئی آپ نے لوگوں (صحابہ و تابعین) کو نماز پڑھائی جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو آپ اور لوگ دوزانو بیٹھ گئے، آپ دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے لگے، لوگوں نے بھی آپ ہی کی طرح کیا، (حدیث اور اہل حدیث ص۴۷۵)

الجواب: یہ روایت واقعی انوار صاحب کی دلیل ہے اس میں فرض نماز کے بعد اجتماعی طور پر ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کا ذکر ہے، کاش اس کی سند صحیح ہوتی تو ایک صحابی کا اثر بھی ہم قبول کرنے کو تیار تھے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس روایت کا وجود اور عدم دونوں ہی برابر ہیں، تفصیل حسب ذیل ہے۔

الف، حافظ ابن کثیر نے اس واقعہ کو بغیر سند کے درج کیا ہے، ب، ہماری معلومات اور وسائل کی حد تک ہمیں یہ روایت ابن جریر کی تاریخ میں ۱۱ھ کے واقعات میں ملی ہے جو حسب ذیل ہے۔

کتب الی السری عن شعیب عن سیف عن الصعب بن عطیة بن بلال عن سهم بن منجاب عن منجاب بن راشد۔

(تاریخ الامم والملوک ص۲۵۶ ج۳)

غور کیجئے اس سند میں، سیف بن عمر، راوی ہے اسے امام یحییٰ نے ضعیف اور ابو داؤد نے ہیچ محض اور ابو حاتم نے متروک قرار دیا ہے، ابن حبان فرماتے ہیں کہ اس پر زندیق ہونے کا الزام بھی ہے، ابن

عدی کہتے ہیں کہ اس کی عام روایات منکر ہیں، (میزان الاعتدال ص۲۵۵ ج۲)

خلاصہ کلام: انوار صاحب نے جو دلائل نقل کیے ہیں وہ پندرہ ہیں، ایک موقوف روایت ہے بقایا مرفوع احادیث ہیں۔ ان میں احادیث نمبر ۱، ۷، ۹، ۱۰، ۱۱، ۱۳، ۱۴، ۱۵، ضعیف ہیں۔ بقیہ جو سات دلائل ہیں ان میں نمبر ۲، ۴، ۶ کی احادیث منفرد کے بارے ہیں نمبر ۳ میں جس دعا کا ذکر ہے وہ سوتے وقت کی دعا ہے، نمبر ۵ کی حدیث کے دوسرے طریق میں وضاحت ہے کہ یہ آپ علیہ التحیۃ والسلام نماز کے اندر پڑھا کرتے تھے، نمبر ۸ عام اور منفرد کے بارے ہے، نمبر ۱۲ جن الفاظ سے انوار صاحب نے استدلال کیا ہے وہ کتب احادیث سے ثابت نہیں، پھر ان تمام دلائل پر غور کیا جائے تو ان میں بعض دعائیں تو ایسی ہیں جن کے متعلق احادیث سے ثابت ہے کہ یہ نماز کے اندر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پڑھا کرتے تھے، مثلاً نمبر ۱۳ کی حدیث دعاء قنوت نازلہ کے متعلق ہے نمبر ۱۴ کی حدیث میں جس دعا کا ذکر ہے وہ تشہد میں آپ ﷺ پڑھا کرتے تھے، ان تمام چیزوں کی تفصیل پہلے عرض کر دی گئی ہے ان تمام باتوں کو بھی جانے دیجئے انوار صاحب کی تمام دلیلوں کو ایک نظر مکرر پڑھیے اس میں کوئی ایسی دلیل نہیں جس کا یہ معنی ہو کہ فرض نماز کے بعد نبی مکرم رسول رحمت سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ نے اجتماعی طور پر ہاتھ اٹھا کر بلند آواز سے دعا مانگی ہو اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آمین آمین کہا ہو، جیسا کہ پاک و ہند میں مروج ہے، اس کا ثبوت تا حال انوار صاحب کے ذمہ واجب الادا ہے مگر اس حقیقت کو نظر انداز کر کے اِدھر اُدھر سے غیر متعلقہ احادیث نقل کر کے تیس مار خاں بن بیٹھے ہیں۔

پھر ان دلائل پر خود انوار صاحب کا ضمیر بھی مطمئن نہیں، ایک جگہ فرماتے ہیں، جب آپ ہاتھ اٹھا کر دعا کرتے ہونگے تو صحابہ کرام بھی آپ کے ساتھ ہاتھ اٹھا کر دعا کرتے ہوں گے (ص۴۷۶)

کیوں جناب یہ ہوں گے کیا ہوتا ہے صریحاً دلیل پیش کیجئے، احتمال سے مسائل ثابت نہیں ہوتے، انوار صاحب دعا عبادت ہے اور عبادات ممنوع الاصل ہیں۔ ان کے اثبات کے لیے صریح دلائل کی ضرورت ہے، اینچ پیچ سے آپ قارئین کو تسلی دے رہے ہیں محترم کتب احادیث کا مطالعہ کریں، صحابہ کرام نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی طیبہ کا ایک ایک لمحہ بیان کیا ہے، حتی کہ آپ ﷺ کی داڑھی کے سفید بال گن کر بتا دیئے ہیں، اگر حضور ﷺ نے زندگی میں فرض نماز کے بعد مروجہ دعا ایک بار بھی کی ہوتی تو اسے بیان کرتے، امت مرحومہ کے اس مقدس گروہ نے حضور علیہ التحیۃ والسلام کی سفر و حضر اور جلوت و خلوت کی عبادت کا ذکر کیا ہے، ان کی پوری کیفیت و طریقہ بتایا ہے، آخر اس دعا سے خاموش کیوں رہے؟

(۴۱) باب مردوں اور عورتوں کی نماز

فصل اول

نبی مکرم ﷺ کا اسوہ پوری امت کے لیے یکساں ہے، خواہ اس کا تعلق عبادات سے ہو یا معاملات سے، امتی خواہ مذکر ہو یا مؤنث عربی ہو یا عجمی، سیاہ ہو یا سفید، ہاں مگر وہ جس کی تخصیص خود نبی مکرم ﷺ کر دیں، نماز دین کا ایک اہم اور بنیادی رکن ہے، اس میں اپنی طرف سے کیفیات بنا کر عورتوں سے خاص کرنا، قیاس فی الدین بلکہ دینی معاملات میں مداخلت ہے، ہمارا دعویٰ ہے کہ عبادات ممنوع الاصل ہیں۔ ان میں اپنی طرف سے شرائط و قیود اور کیفیات لگانا درست نہیں بلکہ بدترین بدعت ہے، تفصیل کے لیے (دین الحق ص۱۱۲ ج۲) کی مراجعت کریں۔ اور دیوبندی حضرات مولانا سرفراز خاں صاحب صفدر کی تالیف، راہ سنت ص۱۱۸ کو دیکھ لیں۔ بہر حال عبادت میں جو چیز بھی سنت سے ثابت نہیں وہ بدعت ہے، ہم اپنے دین و ایمان کی محکمی سے یہ بات عرض کرتے ہیں کہ رسول ﷺ نے اپنے عمومی فرمان میں کہا ہے کہ

صلوا كما رأيتموني اصلي، نماز اسی طرح پڑھو جس طرح مجھے پڑھتے دیکھا

(بخاری کتاب الاذان باب الاذان للمسافرين .... الحدیث ٦٣١)

اس فرمان کے مخاطب تمام امتی ہیں خواہ وہ مرد ہوں یا عورتیں، لہذا مرد و عورت کی کیفیت نماز میں کوئی فرق نہیں (مگر وہ جس کی تخصیص اللہ کے رسول ﷺ خود کر دیں۔) اس لیے احناف نے جو بعض تفاریق کی ہیں وہ تمام کی تمام بے اصل اور قرآن و سنت سے غیر ثابت شدہ ہیں۔

فصل دوم

پہلے اسے پڑھیئے : حنفیہ کے نزدیک مرد و عورت کی نماز میں فرق ہے، پوری نماز میں تو نہیں بلکہ بعض مسائل میں ان کا دعوی ہے کہ عورتیں مردوں کے برعکس عمل کریں، یہ مسائل تعداد میں کتنے ہیں؟ ان کی صحیح تعداد کی نشان دہی ہمیں کسی فقہ کی کتاب سے دستیاب نہیں ہوئی، البتہ ہم نے سرسری طور پر دیوبندی اور بریلوی علماء کی تحریرات کا مطالعہ کرکے اٹھاراں مسائل معلوم کیے ہیں، جو حسب ذیل ہیں۔

(۱) عورتیں تکبیر تحریمہ کے وقت شانوں تک ہاتھ اٹھائیں

(۲) دائیں ہاتھ کی ہتھیلی بائیں ہاتھ کی پشت پر رکھیں

(۳) سینہ پر ہاتھ باندھیں (۴) رکوع میں کم جھکے، محض اتنا کہ ہاتھ گھٹنوں تک پہنچ جائیں پیٹھ سیدھی نہ کریں (۵) رکوع میں انگلیوں کو کشادہ نہ کریں (۶) رکوع میں ہاتھوں پر سہارا نہ دیں (۷) رکوع میں گھٹنوں کو جھکا لیں (۸) رکوع میں گھٹنوں پر صرف ہاتھ رکھیں، زور سے نہ پکڑیں (۹) رکوع میں سمٹی رہیں (۱۰) سجدہ میں بغلیں نہ کھولیں بلکہ سمیٹے رہیں، اور پیٹ رانوں سے اور ان کو پنڈلیوں سے ملائیں، اور پنڈلیاں زمین سے، (۱۱) سجدہ میں دونوں کہنیوں تک بازو زمین پر بچھا دیں (۱۲) قعدہ میں دونوں پاؤں باہر نکال کر سرین پر بیٹھیں کوئی پاؤں کھڑا نہ کریں (۱۳) قعدہ اور جلسہ میں ہاتھ کی انگلیاں ملائیں (۱۴) آگے سے کوئی گزرے تو ہاتھ پر ہاتھ ماریں، (۱۵) صبح کی نماز اندھیرے میں ہی ادا کریں۔

(۱۶) رکوع میں پاؤں کو قریب قریب کریں حتی کہ ٹخنے مل جائیں

(۱۷) دونوں ہاتھوں کے درمیان ماتھا رکھ کر سجدہ کریں

(۱۸) سجدہ میں پاؤں کو کھڑا نہ کریں بلکہ داہنی طرف نکال دیں

(نماز کی سب سے بڑی کتاب ص۲۵۳ و بہشتی زیور ص۱۵'۱۶ حصہ دوم و مجموعہ رسائل ص۳۰۸ ج۱ (اوکاڑوی) و نماز مسنون ص و بہار شریعت ص۶۳'۶۸ ج۳)

یہ اٹھاراں مسائل ہم نے مذکورہ کتب پر سرسری نظر ڈال کر آپ کے سامنے رکھ دیئے ہیں۔ حنفیہ کا دعویٰ ہے کہ مذکورہ اٹھاراں مسائل میں مرد و عورت کی نماز ادا کرنے میں فرق ہے، گویا مرد و عورت کے لیے علیحدہ علیحدہ احکام و مسائل ہیں۔ اگر اس پر تھوڑی سی محنت کی جائے، اور فقہ حنفی کی معروف و متداول اور مبسوط کتب کا مطالعہ کیا جائے تو یقیناً اس فہرست کو مزید لمبا بھی کیا جا سکتا ہے، اس طویل فہرست کے اثبات کے لیے انوار صاحب نے قلم اٹھایا ہے ہم ان کے ممنون ہیں کہ انہوں نے قرآن و حدیث کا مطالعہ کر کے ان مذکورہ مسائل پر دلائل جمع کیے ہیں، اور ہمیں دعوت فکر دی ہے، ہم بفضلہ تعالیٰ گروہ بندی اور فرقہ پرستی کے قائل نہیں، بلکہ حق بات کو قبول کرنے کے لیے ہمہ وقت تیار ہیں۔ اگر واقعی مذکورہ مسائل کی تقسیم ثابت ہو اور ہر مسئلہ پر قرآن یا حدیث رسول ﷺ سے تقسیم ثابت ہو تو ہم ماننے کے لیے تیار ہیں، چلو ہم مزید رعایت دیتے ہیں اور انوار صاحب کو اقوال صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی پیش کرنے کا حق دیتے ہیں ہاں البتہ سنداً صحیح ہوں اور کسی صحابی سے اس کے خلاف مروی نہ ہو، آیئے انوار صاحب کے دلائل ملاحظہ کریں۔

انواری دلائل یا ظلمت

(۱) عن وائل بن حجر قال قال رسول ﷺ یا وائل بن حجر اذا صلیت فاجعل یدیك حذاء اذنیك و المرأة تجعل یدیها حذاء ثدییها۔

(معجم طبرانی کبیر ص۱۸ ج۲۲)

حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے وائل بن حجر رضی اللہ عنہ جب تم نماز پڑھو تو اپنے دونوں ہاتھ کانوں تک اٹھاؤ اور عورت اپنے دونوں ہاتھ اپنی چھاتی کے برابر اٹھائے

(حدیث اور اہل حدیث ص۴۷۹)

الجواب: باب تکبیر تحریمہ کے وقت کس جگہ تک ہاتھ اٹھائیں جائیں، کی فصل دوم میں انوار صاحب کی آٹھویں دلیل کے جواب میں ہم تفصیل عرض کر چکے ہیں کہ یہ روایت ضعیف ہونے کے علاوہ حنفی مذہب کے خلاف ہے، اسے وہاں سے ہی ورق الٹ کر ایک نظر دیکھ لیا جائے، اعادہ کی ضرورت نہیں۔

(۲) عن عبدربه بن سلیمان بن عمیر قال رایت ام الدرداء ترفع یدیها فی الصلوٰة حذو منکبیها۔

(جزء رفع الیدین للامام البخاری ص۷)

حضرت عبدربہ بن سلیمان بن عمیرؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ام درداء رضی اللہ عنہا کو دیکھا کہ آپ نماز میں اپنے دونوں ہاتھ کندھوں کے برابر اٹھاتی ہیں (حدیث اور اہل حدیث ص۴۷۹)

الجواب اولاً: اس روایت سے مرد و عورت کی نماز کی کیفیت کا فرق ثابت نہیں ہوتا، جس لفظ سے انوار صاحب کا دعویٰ ثابت ہوتا ہے، اس پر نشان لگائیں، باقی رہا کہ ام درداء رضی اللہ عنہا کندھوں تک ہاتھ اٹھاتی تھیں، تو یہ فعل حدیث سے ثابت ہے جیسا کہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث اپنے مقام پر گزر چکی ہے۔

ثانیاً: فی الصلوٰۃ، سے مراد رکوع کرتے اور رکوع سے اٹھتے وقت کی رفع یدین ہے جیسا کہ امام بخاری نے آگے مفصل حدیث نقل کر کے وضاحت کی ہے، ملاحظہ ہو،

حدثنا مقاتل حدثنا عبدالله بن المبارك أنبأنا اسماعیل حدثنی عبدربه بن سلیمان بن عمیر قال، رایت ام الدرداء رضی الله عنها ترفع یدیها فی الصلاة حذو منکبیها حین تفتتح الصلاة و حین ترکع فاذا قالت سمع الله لمن حمده، رفعت یدیها وقالت، ربنا ولك الحمد۔

عبدربہ بن سلیمان بن عمیر سے روایت ہے کہ میں نے ام الدرداء رضی اللہ عنہا کو دیکھا ہے کہ وہ نماز میں اپنے کندھوں کے برابر رفع الیدین کرتی تھیں جب نماز شروع کرتیں اور جب رکوع کرتیں اور

جب **سمع الله لمن حمده**، کہتیں تھیں اور کہتیں **ربنا ولك الحمد**۔

(جزء الرفع اليدين ص۲۸ مترجم والتاريخ الكبير ص۷۸ ج۶)

ظاہر ہے کہ انوار صاحب نے اس کی سند کو صحیح سمجھ کر ہی استدلال کیا ہے اور ماسٹر امین صفدر کی جرح کو فضول قرار دیتے ہوئے اس پر عدم اعتماد کا اظہار کیا ہے جو انہوں نے، تجلیات صفدر ص۳۱۱ ج۳ پر کی ہے، ہاں انوار صاحب نے ایک کام ضرور کیا ہے کہ مفصل حدیث کو چھوڑ کر مختصر حدیث کو نقل کر دیا ہے، حالانکہ یہ مُسلّمہ اصول ہے کہ ایک حدیث دوسری حدیث کی تفسیر کرتی ہے لہذا پہلی مجمل حدیث کی یہ حدیث تفسیر ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی صحابیات رضی اللہ عنہن بھی نماز میں رفع الیدین کرتیں تھیں،

(۳) عن ابن حريج قال قلت لعطاء تشير المرأة بيديها با لتكبير كا الرجل قال لا ترفع بذالك يديها كا الرجل واشار فخض يديه جدا و جمعهما اليه جدا وقال ان للمرأة هيئة ليست للرجل۔ الحديث۔

(مصنف ابن ابی شیبه ص۲۳۹ ج۱)

حضرت ابن حریج فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عطا سے کہا کہ کیا عورت تکبیر تحریمہ کہتے وقت مرد کی طرح اشارہ (رفع یدین) کرے گی آپ نے فرمایا عورت تکبیر کہتے وقت مرد کی طرح ہاتھ نہ اٹھائے آپ نے اشارہ کیا اور اپنے دونوں ہاتھ بہت ہی پست رکھے اور ان کو اپنے سے ملایا اور فرمایا عورت کی (نماز میں) ایک خاص ہئیت ہے جو مرد کی (نماز میں) نہیں۔

(حدیث اور اہل حدیث ص۴۸۰)

الجواب اولاً: روایت کے اگلے الفاظ ہیں، **وان ترکت فلا حرج**، یعنی اگر ایسا نہ بھی کرے تو تب بھی کوئی حرج نہیں (مصنف ابن ابی شیبہ ص۲۳۹ ج۱) ان الفاظ کا کھلا مطلب یہ ہوا کہ اگر مرد کی طرح کرے تو تب بھی کوئی حرج نہیں، لیکن ان لفظوں کو انوار صاحب نے کاٹ دیا ہے، جو دیانت کے خلاف ہے، غور فرمایئے کہ ان الفاظ کی موجودگی میں اس اثر کا کوئی مقصد رہ جاتا ہے جو حنفیت کو مفید ہو، یہ تو بالکل اس شخص کی گواہی کی طرح ہے جس نے جج کے رو برو شہادت دی کہ فلاں شخص نے میری آنکھوں کے سامنے زید کا سر قلم کیا تھا، مدعا علیہ کے مؤکل نے پوچھا پھر کیا ہوا، گواہ کہنے لگا پھر میری آنکھ کھل گئی، انوار صاحب گواہی تو پوری نقل کرتے ہیں مگر، آنکھ کھل گئی، کو ترک کر دیتے ہیں انا لله وانا اليه راجعون۔

ثانیاً: یہ تابعی کا قول ہے، جو دین میں حجت نہیں، راجع مقدمہ

(۴) عن يزيد بن ابی حبيب انه ﷺ مر علی امراتين تصليان فقال اذا سجدتما فضما بعض اللحم الی الارض فان المرأة فی ذلك ليست كالرجل۔

(مراسيل ابی داؤد ص۷ و سنن كبری بيهقی ص۲۲۳ ج۲)

حضرت یزید بن ابی حبیب سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ دو عورتوں کے پاس سے گزرے جو نماز پڑھ رہی تھیں آپ نے فرمایا جب تم سجدہ کرو تو اپنے جسم کا کچھ حصہ زمین سے ملا لیا کرو کیونکہ عورت (کا حکم سجدہ کی حالت میں) مرد کی طرح نہیں ہے۔

(حدیث اور اہل حدیث ص۴۸۰)

الجواب اولاً: یہ روایت صغیر تابعی کی مرسل ہے اور مرسل روایات ضعیف ہیں، راجع مقدمہ

ثانیاً: اس کی سند میں، سالم بن غیلان، راوی متکلم فیہ ہے، امام دارقطنی فرماتے ہیں کہ متروک ہے۔ (میزان ص۱۱۳ ج۲) ابن ترکمانی حنفی نے، الجوہر النقی ص۲۲۳ ج۲ میں اور حافظ ابن حجر ؒ نے (التلخیص الحبیر ص٢٤٢ ج١) میں اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔

(۵) عن ابن عمر ؓ مرفوعا اذا جلست المرأۃ فی الصلوٰۃ و ضعت فخذها علی فخذها الاخرٰی فاذا سجدت الصقت بطنها فی فخذیها کا ستر ما یکون لها وان اللہ تعالیٰ ینظر الیها و یقول یا ملائکتی اشهد کم انی قد غفر لها۔ (کنز العمال ص۵۴۹ ج۷)

حضرت عبداللہ بن عمر ؓ بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب عورت نماز میں بیٹھے تو اپنی ایک ران دوسری ران پر رکھے اور جب سجدہ کرے تو اپنے پیٹ کو رانوں سے چپکا لے اس طرح کہ اس کے لیے زیادہ سے زیادہ پردہ ہو جائے بلاشبہ اللہ تعالیٰ اس کی طرف نظر (رحمت) فرما کر ارشاد فرماتے ہیں کہ اے فرشتوں میں تمہیں گواہ بناتا ہوں اس بات پر کہ میں نے اسے بخش دیا ہے (حدیث اور اہل حدیث ص۴۸۱)

الجواب اس حدیث کو حکم بن عبداللہ نے وضع کیا تھا، امام ابو حاتم امام ساجی اور جوز قانی نے اسے کذاب قرار دیا ہے امام جوز قانی فرماتے ہیں یہ بغض سنت میں احادیث وضع کرتا تھا (لسان المیزان ص۳۳۵ ج۲) امام ابن عدی نے (الکامل ص۶۳۱ ج۲) اور ذہبی نے (میزان ص۵۷۵ ج۱) میں اس روایت کو حکم کی منکر روایات میں شمار کیا ہے، امام بیہقی نے (السنن الکبریٰ ص۲۲۳ ج۲) میں اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے امام علی متقی نے، کنز العمال میں اس کے ضعیف ہونے کی صراحت کی ہے، الغرض یہ روایت سخت ضعیف اور باطل ہے۔

(۶) عن ابی اسحق عن الحارث عن علی ؓ وارضاہ قال اذا سجدت المرأۃ فلتحتفز ولتضم فخذیها۔

(مصنف ابن ابی شیبه ص٢٧٩ ج١ و سنن کبزی بیهقی ص٢٢٢ ج٢)

حضرت حارث فرماتے ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب عورت سجدہ کرے تو خوب سمٹ کر کرے اور اپنی دونوں رانوں کو ملائے رکھے (حدیث اور اہل حدیث ص۴۸۱)

الجواب: اس کی سند میں، حارث الاعور راوی کذاب ہے، امام شعبیؒ امام ابراہیم امام مغیرہ امام علی بن مدینی اور امام ابو اسحاق نے کذاب قرار دیا ہے،

(میزان الاعتدال ص۴۳۵ ج۱) الغرض یہ روایت سخت ضعیف ہے

(۷) عن ابن عباس انه سئل عن الصلوٰة المرأة فقال تجمتع و تختفز۔

(مصنف ابن ابی شیبه ص ۲۷۰ ج ۱)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے عورت کی نماز کے بارے میں سوال ہوا تو آپ نے فرمایا کہ وہ اکٹھی ہو کر اور خوب سمٹ کر نماز پڑھے (حدیث اور اہل حدیث ص۴۸۱)

الجواب: نماز کے کس رکن کو سمٹ کر ادا کرے؟ اثر کے الفاظ میں اس کی قطعاً کوئی صراحت نہیں۔ بلکہ عام ہے، اسے خاص کرنے کی دلیل درکار ہے، اور تخصیص کے بغیر یہ حنفیہ کے بھی خلاف ہے، اگر کہا جائے کہ سجدوں میں سمٹ کر سجدہ کرے جیسا کہ حنفیہ کا مؤقف ہے، تو تب یہ مرفوع حدیث کے خلاف ہے، جس میں آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عام حکم دیا ہے کہ

لا یبسط احدکم ذراعیه انبساط الکلب، یعنی تم میں سے کوئی بھی دونوں بازو کتے کی طرح نہ بچھائے۔

(بخاری کتاب الاذان باب لا یفترش ذراعیه فی السجود الحدیث ۸۲۲ و مسلم کتاب الصلاة الاعتدال فی السجود الحدیث ۱۱۰۲)

یہ حکم نبوی عام ہے نمازی خواہ مرد ہو یا عورت! اسے مردوں سے خاص کرنے کے لئے حدیث مرفوع درکار ہے، جو مقلد انوار صاحب کے پاس قطعاً نہیں، لہٰذا اسے صحابی کے قول سے رد نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ یہ مسلمہ اصول ہے کہ جب موقوف روایت مرفوع حدیث کے مخالف ہو تو تب موقوف نا قابل حجت ہے، راجع مقدمہ)۔

(۸) عن ابراهیم قال اذا سجدت المرأة فلتزق بطنها بفخذیها ولا ترفع عجیزتها ولا تجا فی کما یجا فی الرجل۔

(مصنف ابن ابی شیبه ص ۲۷۰ ج ۱ بیهقی ص ۲۲۲ ج ۲)

حضرت ابراہیم نخعی فرماتے ہیں کہ عورت جب سجدہ کرے تو اپنا پیٹ اپنی رانوں سے چپکا لے اور اپنی سرین کو اوپر نہ اٹھائے اور اعضاء کو اس طرح دور نہ رکھے جیسے مرد دُور رکھتا ہے۔

(حدیث اور اہل حدیث ص۴۸۲)

الجواب اولاً: یہ صغیر تابعی کا قول ہے، جو دین میں حجت شرعی نہیں (راجع مقدمہ)

ثانیاً: یہ مرفوع حدیث کے خلاف ہے تفصیل نمبر ۷ میں گزر چکی ہے۔

ثالثاً: سند میں، مغیرہ بن مقسم الضبی کوفی راوی ہے جو کہ مدلس ہے،

(طبقات المدلسین ص۴۶ (۱۰۷) اور زیر بحث سند میں تحدیث کی صراحت نہیں جس کی وجہ سے روایت ہی ضعیف ہے

(۹) عن مجاهد انه كان يكره ان يضع الرجل بطنه على فخذيه اذا سجد كما تضع المرأة۔

(مصنف ابن ابی شیبه ص ۲۷۰ ج ۱)

حضرت مجاہد اس بات کو مکروہ جانتے تھے کہ مرد جب سجدہ کرے تو اپنے پیٹ کو رانوں پر رکھے جیسا کہ عورت رکھتی ہے (حدیث اور اہل حدیث ص۴۸۲)

الجواب اس کی سند میں، لیث بن ابی سلیم، راوی ہے جو گو صدوق ہیں مگر عمر کے آخری حصہ میں انہیں اختلاط ہو گیا تھا، اور ان کی احادیث میں تمیز نہیں ہو سکی کہ (اختلاط سے پہلے کی کونسی احادیث ہیں اور بعد والی کون ہیں) جس کی وجہ سے ضعیف ہے پھر یہ تابعی کا قول ہے جس کی حیثیت دین میں بطور دلیل نہیں ہے تفصیل مقدمہ میں گزر چکی ہے، راجع

(۱۰) عن ابن عمر انه سئل كيف كان النساء يصلين علٰى عهد رسول الله ﷺ قال كن يتربعن ثم امرن ان يحتفزن (يعنى يستوين جالسات على او راكهن)

(جامع المسانيد ص ۴۰۰ ج ۱)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے سوال ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں عورتیں کیسے نماز پڑھتی تھیں آپ نے فرمایا چہار زانوں بیٹھ کر پھر انہیں حکم دیا گیا کہ وہ خوب سمٹ کر بیٹھا کریں (حدیث اور اہل حدیث ص۴۸۲)

الجواب اولاً: سند میں امام ابوحنیفہ ہیں جو بحیثیت راوی سئی الحفظ ہیں تفصیل فاتحہ کے مسئلہ میں گزر چکی ہے۔

ثانیاً: اس سے نیچے کا راوی امام سفیان ثوری ہیں جو کہ مدلس ہیں، (مسئلہ رفع الیدین میں بحوالہ بحث گزر چکی ہے) اور روایت کی سند معنعن ہے،

ثالثاً: اس سے نیچے کے راوی، زر بن نجیح، ابراہیم بن المہدی، اور ابی الجواب، تین راوی مجہول الحال ہیں۔

رابعاً: اس سے نیچے جائیں تو پہلی سند میں، ابومحمد بخاری راوی وضع احادیث سے متہم ہے۔

(اللسان ص۳۴۹ ج ۳)

دوسری سند میں، عمر اشنانی ہے جسے امام دارقطنی نے کذاب قرار دیا ہے (لسان المیزان ص۲۹۰ ج۴)

الغرض یہ روایت باطل وموضوع ہے۔

(۱۱) عن ابی هريرة رضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ قال التسبيح للرجل والتصفيق للنسآء۔

(بخاری ص ۱۶۰ ج ۱ مسلم ص ۱۹۰ ج ۱ ترمذی ص ۸۵ ج ۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا تسبیح مردوں کے لیے ہے اور تصفیق (ایک ہاتھ کی پشت پر دوسرے ہاتھ کی پشت سے مارنا) عورتوں کے لیے۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۴۸۳)

الجواب اس حدیث کا کس نے انکار کیا ہے، محترم اسے ہم مانتے ہیں، بلکہ ہم تو آپ کے حق میں بھی دعائے خیر کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو بھی قبول کرنے کی توفیق دے، کیونکہ اس حدیث سے عورت کا باجماعت نماز پڑھنا ثابت ہوتا ہے، مگر حنفی یہ اجازت دینے کو تیار نہیں، انوار صاحب سنئے اس مسئلہ کی تفریق اللہ تعالیٰ کے پیارے رسول سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ فرما رہے ہیں، ہم کون ہیں اس کا انکار کرنے والے؟ انکار اس بات سے ہے کہ حنفیہ نے جو بعض تفاریق کی ہیں وہ بلا دلیل ہیں، مزید سنئے کہ یہ تفریق نماز کی کیفیت کے متعلق نہیں بلکہ سہو پر تنبیہ کرنے کے بارے ہے۔

(۱۲) عن عائشة قالت قال رسول الله ﷺ لا تقبل صلوٰة الحائض الا بخمار۔

(ترمذی ص ٨٦ ج ١ و ابو داؤد ص ٩٤ ج ١)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بالغہ عورت کی نماز اوڑھنی کے بغیر قبول نہیں ہوتی (حدیث اور اہل حدیث ص ۴۸۳)

الجواب اولاً: اس حدیث سے ثابت ہوا کہ مرد کی اوڑھنی کے بغیر ننگے سر نماز ہو جاتی ہے، نمازی خواہ امام ہو یا مقتدی، بہرحال نماز بلا کراہت جائز ہے، مگر حنفی مکروہ کہتے ہیں (فتاوی شامی ص ۶۴۱ ج ۱) جس کا مطلب یہ ہوا کہ فقط مجبوری کی وجہ سے ننگے سر ادا کی جا سکتی ہے ورنہ نہیں۔

ثانیاً: اس نالائق کو اتنا بھی علم نہیں کہ لباس کا تعلق شرائط نماز سے ہے طریقہ نماز سے نہیں، جامعہ مدنیہ کے استاد اور بوڑھے و کہنہ مشق مصنف کی اس کوتاہی پر ہم یہ ہی کہہ سکتے ہیں۔ بھری جوانی مانجھا ڈھیلا، اور ٹھیکہ لیا ہے اہل حدیث کے رد کا۔

خلاصہ کلام: انوار صاحب نے کل ۱۲ دلائل نقل کیے ہیں، اور ان بارہ دلائل میں سے نمبر ۱، ۴، ۱۱، ۱۲ مرفوع احادیث ہیں، نمبر ۳، ۸، ۹ تابعین کے اقوال ہیں اور نمبر ۲، ۶، ۷، ۱۰ صحابہ کرام کے آثار ہیں۔ ان بارہ دلائل سے نمبر ۱، ۴، ۵، ۶، ۸، ۹، ۱۰ سات دلائل ضعیف ہیں اور آٹھویں نمبر ۲ کو خود ان کے پیر و مرشد نے ضعیف قرار دیا ہے، اور بقایا دلائل کا یہ حال ہے کہ نمبر ۱، ۲ ان کے مخالف ہے نمبر ۳ میں بددیانتی کی ہے نمبر ۷ مرفوع حدیث کے خلاف ہے اور آخری دو مرفوع احادیث سے حنفیہ کا مؤقف ثابت کرنا سینہ زوری ہے، پھر یہ دلائل جیسے ویسے بھی ہیں ان سے حنفیہ نے جو ۱۸ مقامات پر مرد و عورت کی نماز کی کیفیت میں فرق کیا ہے وہ ثابت نہیں ہوتا، ان اٹھارہ جگہوں کی ہم ابتدا میں نشان دہی کر چکے ہیں جبکہ

انوار صاحب کے دلائل کو اگر قبول بھی کر لیا جائے تو ان سے صرف تین مسئلے ثابت ہوتے ہیں (۱) تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین (۲) سجدہ میں کچھ حصہ زمین پر لگانا (۳) سجدہ میں رانوں کو ملانا، ان تین کے علاوہ باقی پندرہ مسائل بے دلیل ثابت ہوتے ہیں۔ مگر انوار صاحب پوری ڈھٹائی سے دھائی دے رہے ہیں کہ اہل حدیث کا یہ کہنا کہ یہ تفریق مداخلت فی الدین ہے خود دین میں مداخلت ہے (۴۸۹) محترم اس سے بڑھکر دین میں مداخلت اور کیا ہے کہ آپ ثبوت دینے کی بجائے فلاں نے یہ لکھا ہے فلاں نے کہا ہے پر گزارہ کر رہے ہیں، آخر آپ ان تمام مسائل پر زیادہ نہیں صرف ایک ایک ہی حدیث پیش کر دیں، ہم وعدہ کرتے ہیں اسے قبول کر لیا جائے گا، انشاء اللہ باقی آخر میں آپ نے جو گیارہ سوال کیے ہیں، ان کے متعلق مختصر عرض ہے کہ ان کا وجود بھی ثابت نہیں، جیسے آپ کے مسائل بے ثبوت ہیں ویسے ہی سوالات بھی فضول ہیں، مگر ہم پھر بھی انہیں نقل کر کے جوابات عرض کرتے ہیں۔

گیارہ سوالات کے جوابات (س) اگر عورتیں اپنی مسجد الگ بنانا چاہیں تو بنا لیں۔

(ج) آپ پہلے یہ ثابت کریں کہ مسلمانوں کی بستی میں جو مسجد تعمیر کی جاتی ہے اس میں عورتوں کا کوئی حق نہیں ہوتا، مثلاً اس میں وہ نماز اور دیگر عبادات بجا نہیں لا سکتیں، تو تب آپ کا یہ سوال درست ہوگا۔

(س) اس میں وہ مؤذن امام خطیب بھی بننا چاہیں تو بنیں۔

(ج) پہلے سوال کے جواب میں اس کا بھی جواب آ گیا ہے۔

(س) انہیں اذان دینے کی اجازت ہونی چاہیئے۔

(ج) عورت کا مؤذن ہونا احادیث سے ثابت نہیں، بلکہ حدیث سے ثابت ہے کہ عورت اگر گھر میں امامت کروائے تو مؤذن بوڑھا ہو، (ابو داؤد کتاب الصلاۃ باب امامۃ النساء، الحدیث ۵۹۱)

(س) اقامت کی اجازت ہونی چاہیئے۔

(ج) اوپر کے جواب میں اس سوال کا بھی جواب آ گیا ہے، ہاں اگر عورتیں اپنی علیحدہ جماعت کا اہتمام کریں تو انہیں اذان و اقامت کہنے کی بعض آثار صحابہ کرام سے اجازت ثابت ہے، امام عطاء بن ابی رباح اور امام طاوس بیان کرتے ہیں کہ

عن عائشة انها كانت تؤذن و تقيم و تؤم النساء وتقوم و سطهن۔

یعنی ام المؤمنین حضرت عائشۃ رضی اللہ عنہا اذان و اقامت کہتیں اور عورتوں کے درمیان کھڑا ہو کر امامت کرواتیں (بیہقی ص ۴۰۸ ج ۱ و مصنف ابن ابی شیبہ ص ۲۲۳ ج ۱)

امام وہب بن کیسان راوی ہیں کہ

سئل ابن عمر هل على النساء اذان؟ فغضب قال أنا انهى عن ذكر الله۔

سیدنا عبداللہ بن عمر ﷜ سے سوال ہوا کہ آیا عورتوں پر اذان ہے؟ تو آپ سخت ناراض ہوئے اور کہا کیا میں انہیں اللہ تعالیٰ کے ذکر سے منع کروں (مصنف ابی ابی شیبہ ص ۲۲۳ ج ۱)

(س) مردوں کی امامت کی اجازت ہونی چاہیئے

(ج) عورت مردوں کی امامت نہ کروائے، اس سلسلہ میں انوار صاحب نے خود ایک حدیث نقل کی ہے، فرماتے ہیں۔

عن جابر بن عبداللہ فی حدیث طویل قال قال رسول اللہ ﷺ الا لاتؤمن المراۃ رجلاً الحدیث۔ (ابن ماجہ ص ۷۷)

حضرت جابر ﷜ ایک طویل حدیث کے ذیل میں فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا خبردار نہ امامت کرے کوئی عورت کسی مرد کی (حدیث اور اہل حدیث ص ۴۹۷)

یہ حدیث گو ضعیف ہے تفصیل کے لیے، ارواء الغلیل ص ۵۰ ج ۳ (۵۹۱) کی مراجعت کریں۔ یقیناً انوار صاحب نے اسے صحیح جان کر ہی استدلال کیا ہے اور مخالف پر بطور حجت نقل کیا ہے، امید ہے کہ انوار صاحب اس حدیث سے عورت کی امامت کے عدم جواز کے قائل ضرور ہو جائیں گے، یہ ملحوظ رہے کہ عورت مردوں کی امامت نہ کروائے، اس سلسلہ میں صحیح مرفوع متصل احادیث بھی پیش کی جاسکتیں ہیں (دیکھئے صحیح بخاری رقم الحدیث ۴۴۲۵) لیکن جب انوار صاحب کو ان کی کتاب سے ہی دلیل دے دی ہے تو دیگر کی ضرورت نہیں۔

(س) مردوں کی طرح عورت کو بھی آگے ہو کر امامت کرانی چاہیئے، درمیان میں کھڑے ہونے کی پابندی نہیں ہونی چاہیئے۔

(ج) سوال چہارم کے جواب میں ام المؤمنین صدیقہ کائنات کا عمل نقل کیا جا چکا ہے کہ وہ عورتوں کی امامت کراتے وقت درمیان میں کھڑی ہوتی تھیں، اور یہ مسلمہ اصول ہے کہ صحابی کا قول جب مرفوع حدیث کے خلاف نہ ہو تو تب شریعت میں وہ مستقل دلیل ہے، محترم اس دلیل کے پیش نظر عورت آگے کھڑے ہو کر امامت نہ کروائے، یہی فتویٰ ام المؤمنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور سیدنا عبداللہ بن عباس ﷜ کا ہے۔

(المحلی لابن حزم ص ۱۶۸ ج ۲ (مسالہ نمبر ۳۱۹) کہو کیا کہتے ہو

(س) مردوں کے ساتھ کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کی اجازت ہونی چاہیئے

(ج) یہ اجازت اس لیے نہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے عمل اور فرمان کے خلاف ہے

عن انس بن مالک قال صلیت انا ویتیم فی بیتنا خلف النبی ﷺ و امی خلفنا ام سلیم۔

سیدنا انس بن مالک ﷜ راوی ہیں کہ میں نے اور ہمارے گھر میں ایک یتیم لڑکے نے نبی ﷺ کی

اقتدا میں نماز پڑھی ہم رسول اللہ ﷺ کے پیچھے تھے اور میری والدہ ام سلیم ہمارے پیچھے تھیں۔

(صحیح بخاری کتاب الاذان باب المرأة وحدها تکون صفاء الحدیث ۷۲۷)

عن ابی هریرة قال قال، رسول الله ﷺ خیر صفوف الرجال اولها و شرها آخرها و خیر صفوف النساء آخرها و شرها اولها۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مردوں کی بہترین صفیں پہلی ہیں اور بد ترین آخری ہیں، اور عورتوں کی بہترین صفیں آخری ہیں اور بدترین پہلی صفیں ہیں۔

(مسلم کتاب الصلاۃ باب تسویة الصفوف، الحدیث ۹۸۵)

اس فرمان کا یہی مقصد ہے کہ مردوں اور عورتوں کا اختلاط نہ ہو، اگر ہماری بات پر اعتماد نہ ہو تو علامہ عثمانی کی، فتح الملہم ص ۶۸ ج ۲ کا مطالعہ ضرور کر لینا، انہوں نے بھی اس کا یہی مفہوم بیان کیا ہے۔

(س) اونچی آواز سے قرأت اور اونچی آواز سے آمین کہنے کی اجازت ہونی چاہیئے

(ج) کیا آپ کی مساجد میں مقتدی مرد امام کی اقتدا میں قرأة بلند آواز سے کرتے ہیں؟ محترم کیا کہہ رہے ہو، آپ کے ہاں تو مقتدی پر سرے سے قراۃ ہی نہیں ہے اگر اعتبار نہ ہو تو اپنی کتاب کا صفحہ ۲۹۹ ہی نکال کر دیکھ لیں، اگر آپ کا یہ مقصود ہے کہ عورتوں کی امامت کراتے وقت عورت قرأت اونچی نہ کرے تو محترم اس کی دلیل دیں، ہاں اس پر حرمت کا فتویٰ لگانے سے پہلے تکبیرات انتقال پر ضرور غور کرنا، یہاں ہم آپ کو دعوت فکر دینے کے لیے مولانا عبدالحی لکھنوی مرحوم کا ایک فتویٰ نقل کرتے ہیں۔

عورت اگر قرأة بالجہر کرے گی تو اس کی نماز فاسد ہوگی، پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

اور حق بات اس باب میں یہ ہے کہ مطلقاً عورت کی آواز ستر نہیں البتہ رفع صوت مع بلند آواز وغیرہ ستر ہے (مجموعۃ الفتاوٰی ص ۲۱۶ ج ۱)

پھر عورتوں کی امامت کے متعلق متعدد روایات نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔ ان روایتوں سے معلوم ہوا کہ جو عورت عورتوں کی امام ہو، تو بیچ میں کھڑی ہو مردوں کے امام کی طرح آگے نہ کھڑی ہو، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ جب عورت امام ہو سکتی ہے تو اس کو قرأت اور تکبیر بالجہر بھی کرنا مشروع ہے کیونکہ بغیر اس کے اقتداء نہیں ہوسکتی اور عورتوں کی آواز اگرچہ بعضوں کے نزدیک ستر ہے، لیکن وہ مردوں کے حق میں ہے، نہ عورتوں کے حق میں۔

(مجموعة الفتاوٰی ص ۲۱۷ ج ۱ مطبوعه ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۴۹۴ھ)

مولانا عبدالحمید سواتی حنفی دیوبندی فرماتے ہیں کہ

بہر حال عورتیں اگر جماعت کے ساتھ نماز پڑھیں گی تو جہری نمازوں میں جہر قرأت اور تکبیر جائز

ہوگا (نماز مسنون ص۴۷۱)

(س) انہیں بھی ننگے سر نماز پڑھنے اور نیز کہنیاں اور ٹخنے کھول کر نماز پڑھنے کی اجازت ہونی چاہیئے۔

(ج) پہلی بات کا رد تو آپ کی درج کردہ حدیث نمبر۱۲ سے ہوتا ہے، باقی دونوں باتوں کا جواب یہ ہے کہ

عن عبداللہ عن النبی ﷺ المرأة عورة، الحدیث

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی مکرم ﷺ نے فرمایا کہ عورت کا سارا بدن ہی ستر ہے (ترمذی کتاب الرضاع باب ۱۸، الحدیث ۱۱۷۳)

(س) ان کے لیے بھی جماعت میں شرکت ضروری ہونی چاہیئے

(ج) انہیں اللہ تعالیٰ اور رسول برحق سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ نے رخصت دی ہے۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ

قال رسول اللہ ﷺ اذا استاذنت احدکم امراته الی المسجد فلا یمنعها

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کسی ایک کی عورت مسجد میں جانے کی اجازت طلب کرے تو وہ اسے نہ روکے۔

(بخاری کتاب الاذان باب استئذان المرأة زوجها بالخروج الی المسجد، الحدیث ٨٧٣ و مسلم کتاب الصلاة باب خروج النساء الی المساجد...... الحدیث ٩٨٨ واللفظ له)

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ مسجد میں باجماعت نماز ادا کرنے کی عورت کو رخصت ہے، عزیمت نہیں۔

(س) ان کے لیے جمعہ وعیدین کی نماز واجب ہونی چاہیئے۔

(ج) عورتوں پر جمعہ واجب نہیں اس کی صراحت خود نبی مکرم ﷺ نے کی ہے، جیسا کہ سیدنا طارق بن شہاب رضی اللہ عنہ سے (ابو داوٗد رقم الحدیث ۱۰۶۷) میں سیدنا تمیم داری رضی اللہ عنہ سے (بیہقی ص۱۸۳، ۱۸۴ ج ۳ وطبرانی کبیر ص۵۱ ج۲ (۱۲۵۷) میں سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے (دار قطنی ص۳ ج۲) میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے (طبرانی الاوسط ص۳۴۶ ج۸ رقم الحدیث ۶۰۷۷) میں مرفوع احادیث مروی ہیں باقی رہا نماز عید کے متعلق سوال، تو اس کے متعلق عرض ہے کہ نماز عید کے حکم کے متعلق اختلاف ہے، امام ابو حنیفہؒ واجب کہتے ہیں امام مالکؒ اور شافعیؒ سنت کہتے ہیں، اور امام احمدؒ کے نزدیک فرض کفایہ ہے،

(هدایه ص١١٨ ج١ و شرح نقایه ص١٢٧ ج١ و جلبی کبیر ص٥٦٥ و درمختار ص١١٤ ج١)

ان میں سے صحیح بات یہ ہے کہ نماز عید واجب ہے، تفصیل کے لیے (مرعاۃ ص۲۲ ج۵) کی مراجعت کریں، جب آپ نے اس بات کو سمجھ لیا تو اب سنئے کہ عورتوں پر بھی نماز عید واجب ہے دلیل

اس کی یہ ہے کہ اس کو پڑھنے کے لیے عورتوں کو عید گاہ میں حاضر ہونے کا رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے حکم دیا ہے۔ (بخاری کتاب العید باب خروج النساء............الحدیث ۹۷۴)

اور حکم سے وجوب ثابت ہوتا ہے جیسا کہ جمعہ کے دن غسل کے باب میں ہم اس پر تفصیل سے بحث کر آئے ہیں، حتیٰ کہ خود انوار صاحب کے نزدیک بھی امر سے وجوب ہی ثابت ہوتا ہے (حدیث اور اہل حدیث ص ۵۵۱، ۷۰۷)

لیجئے جناب یہ ہیں مقلد انوار صاحب کے تمام سوالات کے جوابات،، ہم نے بفضلہ تعالیٰ صحیح وحسن احادیث پیش کر کے اس تفریق کو ثابت کر دیا ہے اگر انوار صاحب بھی ہر مسئلہ کے متعلق اسی طرح احادیث پیش کر دیں تو ہم ماننے کے لیے تیار ہیں، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

(۴۲) باب نا بالغ کی امامت

فصل اول

(۱) عن ابی سعید الخدری قال، قال رسول اللهﷺ اذا کانوا ثلاثة فلیؤ مهم احدهم و احقهم بالامامة اقرأهم۔

سیدنا ابوسعید الخدریؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا کہ جب تین شخص ہوں تو ایک ان میں سے امامت کرائے اور امامت کا زیادہ حق دار وہ ہے جو قرآن سب سے زیادہ پڑھا ہوا ہو۔ (مسلم کتاب المساجد باب من احق بالامة الحدیث ۱۵۲۹)

(۲) عن ابی مسعود الانصاری قال قال رسول اللهﷺ یؤم القوم أقرأهم لکتاب الله فان کانوا فی القرأة سواء فا علمهم بالسنة فان کانوا فی السنة سواء فاقد مهم هجرة فان کانوا فی الهجرة سواء فاقدمهم سلما، الحدیث۔

سیدنا ابومسعود انصاریؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا کہ قوم کی امامت وہ شخص کروائے جو سب سے زیادہ قرآن کو پڑھنے والا ہو، اگر قرأت میں سب برابر ہوں تو وہ امامت کرائے جو سنت نبوی کا زیادہ عالم ہو اگر اس میں بھی سب برابر ہوں تو وہ امامت کرائے جس نے سب سے پہلے اللہ کے راہ میں ہجرت کی ہو، اگر ہجرت میں بھی برابر ہو تو وہ امامت کرائے جو سب سے پہلے مشرف با سلام ہوا ہو،

(صحیح مسلم کتاب المساجد باب من احق بالامامة، الحدیث ۱۵۳۲)

(۳) عن انس بن مالك عن النبیﷺ قال یؤم القوم اقرؤهم للقرآن

سیدنا انس بن مالکؓ نبی مکرمﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ قوم کی امامت وہ کرائے جو سب سے زیادہ قرآن کا قاری ہو،

(مسند احمد ص۱۶۲ ج۳ و مصنف عبدالرزاق ص ۳۹۰ ج ۲)

(۴) عن ابن عمر قال قال رسول اللهﷺ من أمّ قوماً و فیهم من هو أ قرأ لکتاب الله منه لم یذل فی سفال الی یوم القیامة،

سیدنا عبداللہ بن عمرؓ راوی ہیں کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا کہ جو شخص کسی قوم کا پیش امام بنے،

اور اُس قوم میں اُس سے بڑھکر قرآن کا قاری ہو (مگر عوام اسے امام نہ بنائیں) تو قیامت تک ان کا تنزل ہی ہوتا رہے گا۔

(المعجم الاوسط للطبرانی ص٢٩٤ ج٥ رقم الحديث ٤٥٧٩)

ھثیم بن عقاب، کی جہالت کی وجہ سے یہ روایت ضعیف ہے۔

(میزان ص٣٢٥ ج٤ و ابن عدی ص٧٨٩ ج٢ و عقیلی ص٣٥٥ ج٤)

(٥) عن عقبة بن عمرو (ای ابی مسعود الانصاری) قال قال رسول اللهﷺ يؤم القوم اكثرهم قرآنا فان كانوا فی القرآن واحداً فاقدمهم هجرة فان كانت الهجرة واحدة فاكثرهم فقها فان كان الفقة واحدة فاكبرهم سناً، الحديث۔

سیدنا عقبہ بن عمرو ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قوم کی امامت وہ کرائے جو ان میں سب سے زیادہ قرآن کو یاد کرنے والا ہے، اگر اس میں سب برابر ہوں تو وہ امامت کرائے جس نے سب سے پہلے ہجرت کی ہو، اگر ہجرت میں سب برابر ہوں تو وہ امامت کرائے جو دین کا سب سے بڑا عالم ہو، اگر اس میں سب برابر ہوں تو وہ امامت کرائے جو عمر کے لحاظ سے سب سے بڑا ہو۔

(السنن الكبرىٰ للبیهقی ص١١٩ ج٣ و مستدرك حاكم ص٢٤٣ ج١)

(٦) عن مالك بن الحويرث قال قدمنا على النبیﷺ و نحن شببة، فلبثنا عنده نحوا من عشرين ليلة وكان النبیﷺ رحيما فقال، لو رجعتم الى بلادكم فعلمتوهم، مروهم فليصلوا صلاة كذا فی حين كذا وصلاة فی حين كذا واذا حضرت الصلاة فليؤذن لكم احدكم وليؤمكم اكبركم۔

سیدنا مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ

ہم کئی نوجوان نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور آپ علیہ التحیۃ والسلام کی خدمت میں بیس راتیں رہے، آپ کے مزاج میں رحم بہت زیادہ تھا، آپ نے فرمایا کہ تم اپنے ملک میں لوٹ جاؤ، اور وہاں لوگوں کو دین کی باتیں سکھاؤ، ان سے کہو کہ فلاں نماز فلاں وقت پر پڑھیں اور فلاں نماز فلاں وقت پر ادا کریں، اور جب نماز کا وقت آئے تو تم میں سے ایک اذان کہے اور جو عمر میں بڑا ہو وہ امامت کرائے۔ (بخاری کتاب الاذان باب اذا استووا فی القرأة فليؤمهم اكبرهم، الحديث ٦٨٥)

(٧) عن ابی هريرة قال قال رسول اللهﷺ اذاسافرتم فليؤ مكم اقرؤ كم وان اصغر كم واذا امكم فهو اميركم۔

سیدنا ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم سفر کرو تو تم میں سے امامت

وہ کرائے جو سب سے زیادہ قرآن کا حافظ ہو خواہ وہ عمر میں تم میں سے چھوٹا ہو، اور جب وہ تمہاری امامت کرائے تو وہی تمہارا امیر (سفر) ہے۔

(رواہ البنرار و اسنادہ حسن، مجمع الزوائد ص۶۷ ج۲)

(۸) عن ابی سلمة بن عبدالرحمن قال قال رسول الله ﷺ اذا خرج ثلاثة مسلمین فی سفر فلیؤمهم اقرؤهم لکتاب الله فان کان أصغرهم فاذا أمهم فهوا میرهم وذلك امیر امره رسول الله ﷺ۔

امام ابی سلمہ بن عبدالرحمٰن تابعی راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تین مسلمان سفر کریں تو ان کی امامت وہ کرائے جو ان میں سے سب سے زیادہ قرآن کا قاری ہے، خواہ وہ ان سے عمر میں چھوٹا ہی ہو، اور جب وہ امامت کرائے تو وہی ان کا امیر سفر ہے، (امام ابوسلمہ فرماتے ہیں کہ) یہ وہ امیر ہے جسے رسول اللہ ﷺ نے امیر سفر بنایا ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص۳۴۴ ج۱)۔

(۹) عن ابی هریرة قال قال رسول الله ﷺ یؤم القوم اقرؤهم لکتاب الله۔

سیدنا ابوھریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قوم کی امامت وہ کرائے جو سب سے زیادہ کتاب اللہ کا قاری ہے۔

(رواہ البزار وفیه الحسن بن علی النوفلی الهاشمی وهو ضعیف وقد حسنه البزار، مجمع الزوائد ص۶۷ ج۱)۔

(۱۰) عن ایوب عن ابی قلابة عن عمرو بن سلمة قال قال لی ابو قلابة، ألا تلقاه فتساله؟ قال، فلقیته فسالته فقال، کنا بما ممر الناس وکان یمر بنا الرکبان فنسالهم، ما للناس؟ ماللناس؟ ماهذا الرجل؟ فیقولون، یزعم ان الله ارسله، اوحی الیه اوحی الله بکذا، فکنت احفظ ذاك الکلام فکا نما یقر فی صدری ، وکانت العرب تلوم باسلامهم الفتح فیقولون، اترکوه وقومه فانه ان ظهر علیهم فهو نبی صادق، فلما کانت وقعة اهل الفتح بادر کل قوم باسلامهم وبدر ابی قومی باسلامهم فلما قدم قال، جئتکم والله من عندالنبی ﷺ حقاً فقال، صلو، صلاة کذا فی حین کذا و صلوا صلاة کذا فی حین کذا، فاذا حضرت الصلاة فلیؤذن احدکم ولیؤمکم اکثر کم قرانا، فنظروا فلم یکن احد اکثر قرآنا منی لما کنت أتلقی من الرکبان، فقدمونی بین ایدیهم وانا ابن ست اوسبع سنین وکانت علی بردة کنت اذا سجدت تقلصت عنی، فقالت امراة من الحی، ألا تغطون عنا است قارئکم؟ فاشتروا فقطعوا لی قمیصا فما فرحت بشئی فرحی بذلك القمیص۔

امام ایوب فرماتے ہیں کہ مجھے امام ابو قلابہ نے کہا کہ سیدنا عمرو بن سلمہ ؓ سے ملاقات کرو اور ان سے سوال کرو، امام ایوب کہتے ہیں کہ میں سیدنا عمرو کو ملا اور ان سے پوچھا انہوں نے کہا کہ ہم پانی کے مقام پر رہا کرتے تھے، اُدھر سے مسافر سوار گزرا کرتے تھے، ہم ان سے پوچھا کرتے تھے، کہ لوگوں کا کیا حال ہے اور اس شخص (محمد مصطفیٰ ﷺ) کی کیفیت کیا ہے؟ وہ کہتے یہ شخص دعوی کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو بھیجا ہے اللہ تعالیٰ نے اس پر وحی اتاری ہے، یا یوں کہا کہ اللہ نے اس پر یہ یہ وحی بھیجی ہے (قرآن کی آیات سناتے) میں ان کو یاد کر لیتا، جیسے کوئی میرے سینے میں جما دیتا، عرب لوگ اسلام قبول کرنے میں مکہ مکرمہ کی فتح کے انتظار میں تھے، وہ کہتے دیکھو اس کی اپنی قوم (قریش) سے کیسے گزرتی ہے، اگر ان پر غالب آ گیا تو تب وہ سچا رسول ہے، پھر جب مکہ فتح ہو گیا، تو ہر قوم نے اسلام قبول کرنے میں پہل کی، میرے باپ نے بھی اپنی قوم سمیت اسلام قبول کرنے میں جلدی کی، جب وہ (اسلام قبول کر کے واپس) آیا تو کہنے لگا کہ اللہ تعالیٰ کی قسم میں سچے نبی سے مل کر آیا ہوں، آپ علیہ التحیۃ والسلام نے یہ فرمایا کہ فلاں نماز فلاں وقت پڑھو اور فلاں نماز فلاں وقت پر ادا کرو، اور جب نماز کا وقت ہو تو ایک شخص اذان دے اور تم میں سے جسے قرآن زیادہ یاد ہو وہ امامت کرائے، میری قوم نے دیکھا کہ مجھ سے زیادہ کسی کو قرآن یاد نہ تھا، اس لیے کہ میں مسافر سواروں سے سُن سن کر بہت یاد کر چکا تھا، آخر انہوں نے مجھے ہی امام بنایا، اس وقت میری عمر چھ سات سال کی تھی، ایسا ہوا کہ اس وقت میرے جسم پر صرف ایک چادر تھی۔ وہ بھی ایسی کہ جب میں سجدہ کرتا تو وہ سمٹ کر رہ جاتی، ہماری قوم کی ایک عورت نے کہا کہ اپنے امام کے چوتڑ تو ڈھانکو، انہوں نے ایک کرتہ میرے لیے بنوایا، میں اس سے اتنا خوش ہوا کہ ویسا کسی چیز سے خوش نہ ہوا تھا۔

(صحیح بخاری کتاب المغازی باب ٥٤، الحدیث ٤٣٠٢)

(١١) عن ابن عمر ان المهاجرين حين اقبلوا من مكة نزلوا الى جنب قباء فامهم سالم مولى ابى حذيفة لانه كان اكثرهم قرانا فيهم ابو سلمة بن عبدالاسد وعمر بن الخطاب

سیدنا عبداللہ بن عمر ؓ بیان کرتے ہیں کہ جب مکہ مکرمہ سے مسلمان ہجرت کر کے (مدینہ طیبہ میں آئے) تو قباء کے قریب اترے، تو ان کی امامت سیدنا ابی حذیفہ ؓ کے مولیٰ سالم کراتے تھے، کیونکہ وہ سب سے زیادہ قرآن کے حافظ تھے، حالانکہ (مقتدیوں) میں سیدنا ابو سلمہ ؓ اور عمر فاروق ؓ بھی تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص٣٤٤ ج١ و ابو داؤد رقم الحدیث ٥٨٨)

مذکورہ احادیث و آثار اور عمل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت ہوتا ہے کہ امامت کا مستحق وہ شخص ہے جسے قرآن سب سے زیادہ یاد ہو، گو حنفیہ کے نزدیک، اُقرأ، کا معنی اعلم یعنی زیادہ عالم ہے، مگر ان احادیث کا مفہوم سب کے نزدیک یہی ہے کہ امامت کے استحقاق کے لیے علم شرط ہے عمر شرط نہیں، لہذا

نمازی حضرات میں اگر بچہ سب سے زیادہ قرآن کا حافظ اور نماز کو مسنون طریقے سے ادا کرسکتا ہے تو وہی اس کا زیادہ مستحق ہے، فرض کرو دس نمازی اذان کے بعد جمع ہوتے ہیں، پیش امام غیر حاضر ہے، نو نمازی ایسے ہیں، جن کی عمر ستر ستر سال ہے، مگر دینی حالت ایسی ہے کہ انہیں صرف، قل ھو اللہ ہی یاد ہے، وہ بھی درست نہیں، درود وتشہد بھی غلط سلط پڑھتے ہیں، احکام نماز سے وہ کما حقہ واقف نہیں، اس کے برعکس دسواں نمازی ایسا ہے جو قرآن کا حافظ درس نظامی کی تیسری چوتھی کلاس کا طالب علم ہے، نماز کو مسنون طریقہ پر ادا کرسکتا ہے، بایں ہمہ اس کی عمر دس گیارہ سال یا اس سے کم وبیش ہے، اہل حدیث کہتے ہیں کہ ان بوڑھوں کی بجائے امامت کا مستحق وہ طالب علم ہے، نا کہ وہ بابے جو ساری زندگی درود بھی کما صلیت تعالیٰ ابراہیم، ہی پڑھتے رہے ہیں۔ یہ محض احتمال اور فرض کرو ہی نہیں بلکہ حقیقت اور امر واقعہ ہے، آپ دیہاتی لوگوں میں جا کر تو دیکھیں۔ ہم تحدیث نعمت کے طور پر فخریہ کہتے ہیں کہ اہل حدیث کی مساجد میں تو ایسا نہ ہوگا مگر حنفیوں کے اماموں کو جنازہ کی مسنون دعائیں بھی نہیں آتی، یہ افترا نہیں بلکہ حقیقت ہے، تھوڑا عرصہ ہوا کہ ہمارے قریب ہی بنگلہ کوٹل ورکاں، میں مماتی برادری آباد ہے، جو مسلکاً حنفی دیوبندی ہیں، مگر ان کی مسجد میں پیش امام نہیں ہے۔ ان کے جنازے اور نکاح اکثر خاکسار ہی پڑھاتا ہے، ایک جنازہ میں انہوں نے مجھے مدعو کیا میں بوجہ لیٹ ہو گیا۔ میرے جانے تک بریلوی مکتب فکر کا ایک مولوی جنازے کی صفیں سیدھی کروا رہا تھا، خیر جیسا ویسا انہوں نے جنازہ پڑھایا، سلام پھیرنے کے بعد کہنے لگے گیارہ دفعہ قل ھو اللہ پڑھو بعد میں دعا کی جائے گی۔ راقم الحروف سے رہا نہ گیا، میں نے کہا کیا آپ نے جنازے کے اندر دعا نہیں کی؟ کہنے لگے کی ہے، میں نے کہا کیا دعا کی ہے؟ میرے اس مطالبے پر وہ کھسانے لگا خاکسار تاڑ گیا کہ اسے جنازہ حنفی طریقہ پر بھی نہیں آتا، میں نے زور دیکر کہا تو کہنے لگے مجھے نہیں آتا، اس پر خاکسار نے دوبارہ نماز جنازہ پڑھایا، یہ بالکل سچا واقعہ ہے، اور ہم اس پر بفضلہٖ تعالیٰ بیسیوں شہادتیں دلوا سکتے ہیں۔ ایسے بقلم خود علماء کی موجودگی میں اگر بچہ اُقرأ اور اعلم ہو تو وہی امامت کا مستحق ہے، بچے کی امامت کے قائل امام حسن بصری امام اسحاق بن راہویہ امام بخاری امام شافعی وغیرہ ہیں (مرعاۃ ص۶۶ ج۴) بلکہ ماوراء النہر اور مشائخ بلخ کے تمام حنفیوں کے نزدیک نوافل میں بچہ امامت کرا سکتا ہے (مرقاۃ ص۸۹ ج۳) بلکہ دیوبندیوں کے نزدیک بھی اگر نابالغ بچہ نابالغ بچوں کی امامت فرائض میں بھی کرائے تو جائز ہے۔

(فتاوٰی عالم گیری ص٤٤ ج١ و خیر الفتاوٰی ص٣٥٣ ج٢)

لہٰذا انوار صاحب کا اس مسئلہ کی بنا پر اہل حدیث کو مطعون کرنا ان کے قصور علم کا نتیجہ ہے، ہاں البتہ جب قرأت اور دیگر چیزوں میں سب برابر ہوں تو تب واقعی بچے کی بجائے بڑی عمر والا امامت کا مستحق ہے جیسا کہ حدیث نمبر۶ سے ثابت ہو رہا ہے، کیونکہ سیدنا مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ کے شریک سفر

دوسرے ساتھی ایک ہی وقت میں مدینہ طیبہ میں آئے تھے اور سب نے ایک وقت میں ہی احکام اسلام سیکھے تھے۔

فصل دوم

(۱) عن ابن مسعود قال لا یؤم الغلام حتی تجب علیه الحدود،

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ امامت نہ کرائے لڑکا (نابالغ) جب تک کہ اس پر حدود اللہ نہ واجب ہو جائیں۔

(۲) عن ابن عباس قال لا یؤم الغلام حتی یحتلم۔

(منتقى الاخبار مع شرحه نيل الاوطار ص١٧٦ ج٣)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ امامت نہ کرائے لڑکا جب تک کہ وہ بالغ نہ ہو جائے

(حدیث اور اہل حدیث ص۴۹۱)

الجواب اولاً: منتقی میں یہ دونوں آثار امام الاثرم کی کتاب سنن سے نقل کیے گئے ہیں۔ ان کی سند کے متعلق معلوم نہیں کیسی ہے، صحیح ہے، حسن ہے، ضعیف ہے یا موضوع و من گھڑت ہے، علامہ البانی نے بعض خارجی دلائل سے ان پر ضعیف کا حکم لگایا ہے (ارواء الغلیل ص۳۱ ج۲) واللہ اعلم بالصواب

پروف پڑھتے وقت راقم کو سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے قول کی سند مل گئی ہے، جس میں ایک راوی ابراہیم بن محمد ابن ابی یحییٰ الاسلمی ہے، مصنف عبد الرزاق ص۴۸۷ ج۱ وص۳۹۸ ج۲ والسنن الکبریٰ للبیہقی ص۲۲۵ ج۳) اور ابراہیم متروک الحدیث ہے، امام مالک فرماتے ہیں کہ دین اور روایت دونوں میں ثقہ نہیں امام احمد فرماتے ہیں کہ بدعقیدہ ہونے کے علاوہ ہر آفت اس میں پائی جاتی ہے، امام یحییٰ فرماتے ہیں کہ اس کی تین صفتیں، کذاب، قدری اور رافضی ہے۔ فقہاء مدینہ کے علاوہ متعدد اہل علم نے اسے کذاب قرار دیا ہے۔ (تہذیب الکمال ص۱۳۳ ج۱)۔

الغرض اثر ابن عباس سخت ضعیف ہے، اما اثر ابن مسعود، فینظر۔

ثانیاً: مذکورہ دونوں روایتوں میں یہی ہے کہ نابالغ امامت نہ کرائے، حالانکہ بچہ بالاتفاق امام بن سکتا ہے، اختلاف اس میں ہے کہ آیا نابالغ بالغوں کی امامت کرا سکتا ہے یا نہیں؟ مگر روایت اس سے خاموش ہے کہ بچہ بالغوں کی جماعت نہ کرائے، الغرض ان روایات سے حنفیہ کا مذہب ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ اگر نابالغ امام نابالغوں کی امامت کرائے تو حنفیہ کے نزدیک بھی جائز ہے۔

(فتاوٰی عالم گیری ص٤٤ ج١ و خير الفتاوٰی ص٣٥٣ ج٢)

(۳) عن ابن عباس قال نهانا امير المؤمنين عمران نؤم الناس فی المصحف و نهانا ان

يؤما الا المحتلم۔

(كنز العمال ص٢٦٣ ج٨)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ہمیں امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس بات سے منع کیا ہے کہ ہم لوگوں کی امامت کروائیں قرآن میں دیکھ کر اور اس بات سے بھی کہ ہماری امامت کرائے نابالغ (حدیث اور اہل حدیث ص۴۰۱)

الجواب اولاً: یہ روایت کنز العمال (۲۲۸۳۲) میں بحوالہ، ابن ابی داؤد، بلا سند منقول ہے، جو اس کی صحت کا مدعی ہے وہ اس کی صحیح سند پیش کرے، علاوہ ازیں یہ مرفوع و موقوف احادیث کے مخالف و معارض ہے، لہذا حجت نہیں۔

ثانیاً: اس کی سند منقطع ہے، سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرنے والا راوی ضحاق بن مزاحم ہے، (کتاب المصاحف ص۱۸۹ لابن ابی داؤد) اور اسکی سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ملاقات وسماع نہیں (مراسیل ابن ابی حاتم ص۹۴) دوسرا راوی اس میں نہشل بن سعید کذاب ہے (میزان ص۲۷۵ ج۴) مزید تفصیل آگے مصحف سے دیکھ کر امامت کرانے کے مسئلہ میں آ رہی ہے

(۴) عن عمر بن عبدالعزیز قال لا يؤم من لم يحتلم (ابن وهب) وقاله عطاء بن ابى رباح و يحيى بن سعيد۔

(المدونة الكبرىٰ ص٨٥ ج١)

حضرت عمر بن عبدالعزیز فرماتے ہیں کہ نابالغ امامت نہ کرائے ابن وہب کہتے ہیں کہ حضرت عطاء بن ابی رباح اور یحیٰ بن سعید کا بھی یہی قول ہے، حدیث اور اہل حدیث ص۴۹۱

الجواب اولاً: یہ روایت تابعی کا قول ہے جو مرفوع احادیث کے بالمقابل حجت نہیں

ثانیاً: اس سے حنفیہ کا مؤقف ثابت نہیں ہوتا، تفصیل پہلی اور دوسری دلیل میں گزر چکی ہے۔

ثالثاً: مدونہ کتاب کی سند مخدوش ہے، لہٰذا ضعیف ہے۔

(۵) عن ابراهيم قال كانوا يكرهون ان يؤم الغلام حتى يحتلم۔

(المدونة الكبرىٰ ص٨٥ ج١)

حضرت ابراہیم نخعی فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام و تابعین اس کو مکروہ جانتے تھے کہ لڑکا امامت کرے جب تک کہ وہ بالغ نہ ہو (حدیث اور اہل حدیث ص۴۹۱)

الجواب اولاً: یہ تابعی کا قول ہے جو مرفوع احادیث کے بالمقابل حجت نہیں،

ثانیاً: اس سے حنفیہ کا مسلک ثابت نہیں ہوتا، تفصیل نمبر۲ میں گزر چکی ہے

(٦) عن ابراهيم انه كره ان يؤم الغلام حتى يحتلم۔

(مصنف عبدالرزاق ص٣٩٨ ج٢)

حضرت ابراہیم نخعی اس بات کو مکروہ جانتے تھے کہ لڑکا امامت کرائے جب تک کہ وہ بالغ نہ ہو جائے (حدیث اور اہل حدیث ص۴۹۲)

الجواب اولاً: یہ تابعی کا قول ہے جو دین میں حجت نہیں۔

ثانیاً: یہ مرفوع وموقوف احادیث کے خلاف ہے لہذا حجت نہیں۔

ثالثاً: سند ضعیف ہے، پہلا راوی امام سفیان ثوری ہیں جو کہ مدلس ہیں، تفصیل مسئلہ رفع الیدین میں گزر چکی ہے دوسرا راوی مغیرہ ہیں اور یہ بھی مدلس ہیں (طبقات المدلسین ص۴۶) اور تحدیث کی صراحت نہیں ہے اس لیے ضعیف ہے،

رابعاً: اس سے حنفیہ کا مسئلہ ثابت نہیں ہوتا تفصیل پہلی اور دوسری دلیل کے جواب میں گزر چکی ہے۔

(۷) عن عطاء قال لا یؤم الغلام الذی لم یحتلم۔

(مصنف عبدالرزاق ص۳۹۸ ج۲)

حضرت عطاء بن ابی رباح فرماتے ہیں کہ لڑکا جو بالغ نہ ہو وہ امامت نہ کرائے

الجواب اولاً: تابعی کا قول ہے جو مرفوع حدیث کے بالمقابل حجت نہیں،

ثانیاً: یہ حنفیہ کے بھی خلاف ہے تفصیل پہلی اور دوسری دلیل کے جواب میں گزر چکی ہے۔

ثالثاً: سند کے لحاظ سے یہ روایت ضعیف ہے، کیونکہ امام عطاء سے روایت نقل کرنے والے، ابن جریج ہیں جو زبردست مدلس ہیں (طبقات المدلسین ص۴۱) اور تحدیث کی صراحت نہیں بلکہ معنعن ہے لہذا ضعیف ہے

(۸) عن الشعبی قال لا یؤم الغلام حتی یحتلم۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص۳۴۹ ج۱)

امام شعبیؒ فرماتے ہیں کہ لڑکا امامت نہ کرائے جب تک کہ وہ بالغ نہ ہو جائے

الجواب اولاً: یہ اتباع تابعی کا قول ہے جو دین میں حجت نہیں۔

ثانیاً: مرفوع حدیث کے خلاف ہے۔

ثالثاً: اس سے حنفیہ کا مؤقف ثابت نہیں ہوتا، دوسری دلیل کا جواب ملاحظہ کریں،

رابعاً: سند میں، عبدالعزیز بن ابان راوی ہے اسے امام ابن معین نے کذاب قرار دیا ہے، امام یعقوب فرماتے ہیں کہ تمام محدثین کے نزدیک متروک ہے کوئی ادنی کلمہ توثیق بھی کتب رجال میں اس کے متعلق مروی نہیں، دیکھئے، تہذیب ص۴۵۶ ج۳ رقم ۴۶۸۴) الغرض یہ روایت کذب و افتراء ہے

(۹) عن مجاهد قال لا یؤم غلام حتی یحتلم۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص۳۴۹ ج۱)

حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ لڑکا امامت نہ کرائے جب تک کہ وہ بالغ نہ ہو جائے

الجواب اولاً: گذشتہ روایت کے پہلے تین جواب اس کے لیے بھی کافی ہیں، فرق صرف اتنا ہے کہ وہ اتباع تابعی کا قول ہے تو یہ تابعی کا ہے،

ثانیاً: سند میں، واصل، نامی راوی ہے جسے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے مجہول قرار دیا ہے۔

(تہذیب ص۱۰۳ ج۱۱)

الغرض یہ روایت ضعیف ہے، ملحوظہ، مصنف میں کتابت کی غلطی سے، واصل بن ابی بکر، ہے جب کہ درست واصل بن جمیل ابو بکر ہے، الغرض لفظ، جمیل، طبع ہونے سے رہ گیا ہے۔

(۱۰) عن ابن جریج قال اخبرنی ابراهیم ان عبدالعزیز بن عمر بن عبدالعزیز اخبره ان محمد بن ابی سوید اقامه للناس وهو غلام بالطائف فی شهر رمضان یؤمهم فکتب بذالك الی عمر یبشره فغضب عمر وکتب الیه ما کان نولك ان تقدم للناس غلاما لم تجب علیه الحدود۔

(مصنف عبدالرزاق ص۳۹۸ ج۲)

ابن جریج کہتے ہیں کہ مجھے ابراہیم نے بتایا کہ انہیں عبدالعزیز بن عمر بن عبدالعزیز نے بتلایا ہے کہ انہوں نے طائف میں ماہ رمضان میں محمد بن ابی سوید کو جو ابھی نابالغ لڑکے تھے لوگوں کی امامت کے لیے کھڑا کیا پھر یہ قصہ عمر بن عبدالعزیز کو خوش خبری سنانے کے لیے لکھ بھیجا، حضرت عمر بن عبدالعزیز ناراض ہوئے اور انہیں لکھا کہ تمہیں یہ زیب نہیں دیتا کہ لوگوں کی امامت کے لیے ایسے لڑکے کو آگے کرو جس پر ابھی حدود واجب نہیں ہوئیں (حدیث اور اہل حدیث ص۴۹۳)

الجواب اولاً: سیدنا عمر بن عبدالعزیز نے ناجائز قرار نہیں دیا، صرف یہ کہا ہے کہ **ما کان نولك**، اس کا معنی محشی مصنف عبد الرزاق مولانا اعظمی حنفی دیوبندی نے یہ کیا ہے کہ **ای ما کان ینبغی لك**، یعنی ایسا کرنا آپ کے لیے مناسب نہ تھا، ظاہر ہے کہ غیر مناسب ہونا، ناجائز و حرام ہونے کو مستلزم نہیں، شرعی طور پر طلاق دینا مناسب نہیں، لیکن ناجائز و حرام بھی نہیں، لہذا آپ کوئی ایسی دلیل دیں جو آپ کے دعوی پر تقریب تام ہو کہ نابالغ کی اقتداء میں نماز نہیں ہوتی۔ (حدیث اور اہل حدیث ص۴۹۴)

ثانیاً: اگر انوار صاحب کے استدلال کو درست بھی تسلم کر لیا جائے تو تب بھی زیادہ سے زیادہ یہ تابعی کا قول ہے، جو مرفوع حدیث و آثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا معارض نہیں ہو سکتا۔

خلاصہ کلام انوار صاحب بچے کی امامت کے رد پر کوئی دلیل قرآن و سنت سے نہیں دے سکے یہ ان کے مؤقف کی کمزوری کی واضح دلیل ہے جو بھی زیب رقم کیا ہے وہ بے سند آثار صحابہ کرام ہیں، جو درجہ پنجم کی کتب میں مروی ہیں، ایسا ہی تابعین کے اقوال کی حالت ہے، پھر ان سب دلائل میں سے کوئی دلیل بھی ایسی نہیں جو حنفیہ کے مؤقف پر تقریب تام ہو، آخر میں اپنے دل کی بھڑاس اس طرح

نکالتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال حجت ہیں مگر غیر مقلدین کے نزدیک نہیں

(حدیث اور اہل حدیث ص ۴۹۵)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال کب حجت ہیں اور کب نہیں، اس پر فریقین متفق ہیں، تفصیل ہم مقدمہ میں عرض کر چکے ہیں، بات کو مختصر کرنے کے لیے یہاں پر ایک حوالا معتبر حنفی کا نقل کیا جاتا ہے، مولانا سرفراز خاں صاحب صفدر فرماتے ہیں۔

حضرت عبادہ بن الصامت نے صحیح سمجھا یا غلط. بہر حال یہ بالکل صحیح بات ہے کہ حضرت عبادہ امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنے کے قائل تھے اور ان کی یہی تحقیق اور یہی مسلک و مذہب تھا، مگر فہم صحابی اور موقوف صحابی حجت نہیں ہے، (احسن الکلام ص ۱۵۶ ج ۲)

امید ہے کہ انوار صاحب اس سے مطمئن ہو جائے گے، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

(۴۳) باب مرزائی وغیرہ بدعتی کی امامت

فصل اول

(۱) شیخ الکل فی الکل السید محمد نذیر حسین محدث دہلوی فرماتے ہیں۔ اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ جو کچھ ہم نے سوال سائل کے جواب میں کہا اور قادیانی کے حق میں فتوی دیا وہ صحیح ہے، کتاب وسنت و اقوال علماء امت اس کی صحت پر شاہد ہیں۔ اب مسلمانوں کو چاہئے کہ ایسے دجال کذاب سے احتراز اختیار کریں، اور اس سے وہ دینی معاملات نہ کریں جو اہل اسلام میں باہم ہونے چاہئیں نہ اس کی صحبت اختیار کریں اور نہ اس کو ابتداً سلام کریں اور نہ اس کو دعوت مسنون میں بلاویں اور نہ اس کی دعوت قبول کریں اور نہ اس کے پیچھے اقتداء کریں اور نہ اس کی نماز جنازہ پڑھیں، اگر انہیں اعتقادات و اقوال پر یہ رحلت کرے، **واللہ الموفق للعمل والقبول، الراقم العاجز** سید محمد نذیر حسین، (پاک و ہند کے علمائے اسلام کا اولین متفقہ فتوی ص ۸۶)

میاں صاحب مرحوم ومغفور کے اس فتوی کی، اس دور کے تمام جید اور نامور علمائے حدیث نے تصدیق کی ہے۔ جس کی تفصیل فتوی میں موجود ہے۔

(۲) شیخ الکل کے شاگرد خاص اور شارح سنن ابی داؤد حضرت مولانا محمد شمس الحق محدث عظیم آبادی فرماتے ہیں۔

میرے نزدیک جیسا کہ اس وقت ہم نے سمجھا ہے اقتدا فرق **ضالہ مثل مرزاقادیانی و اتباع** مرزا اور **روافض و غیرھم من اھل البدعۃ والھوا**، ہرگز جائز نہیں ہے۔ (حاشیہ فیصلہ مکہ ص ۷)

(۳) شیخ الاسلام فاتح قادیاں مولانا ثناء اللہ امرتسری فرماتے،

کچھ شک نہیں کہ مرزا قادیانی ایک دہریہ معلوم ہوتا ہے، مفتری علی اللہ ہے، اس کے الہامات سے معلوم ہوتا ہے کہ اسے خدا پر بھی ایمان نہیں، کیونکہ خدا پر ایمان رکھنے والا اس قسم کے افترا نہیں کیا کرتا، اس لیے میرا یقین ہے کہ مرزا قادیانی جو کچھ کرتا ہے، سب دنیا سازی کے لیے کرتا ہے، پس اس کی امامت جائز نہیں، ابو الوفا ثناء اللہ امرتسری

(فتوی شریعت غرا نمبر ۱ مندرجہ پاک و ہند کا اولین متفقہ فتوی ص ۱۷۶)

(۴) مولانا ابوسعید محمد حسین بٹالوی مرحوم ایک تائیدی فتوی میں فرماتے ہیں۔

جس نے دیدہ و دانستہ مرزائی کے جنازہ کی نماز پڑھی ہے، اس کو علانیہ توبہ کرنی چاہیئے اور مناسب ہے کہ وہ اپنا تجدید نکاح کرے اور حسب طاقت کھانا کھلاوے اگر وہ ایسا نہ کرے گا تو اہل سنت

والجماعت کو اس کے پیچھے نماز نہ پڑھنا چاہیئے۔ ایسے منافق کے پیچھے نماز درست نہیں ہوتی، کتبہ المفتی محمد عبداللہ ٹونکی از لاہور، الجواب صحیح، ابوسعید محمد حسین بٹالوی،

(فتوٰی شریعت نمبر ۱ مندرجه پاك و هند كا اولین متفقه فتوٰی ص۱۷۹)

(۵) مفتی اہل حدیث حضرت مولانا عبدالجبار عمر پوری فرماتے ہیں۔

مرزا قادیانی جو عیسیٰ مسیح ہونے کا مدعی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نسبت کلمات شنیعہ لکھنے والا وغیرہ سراسر کاذب اور مفتری انتہاء درجہ کا بدترین مرتد ملحد خبیث النفس اور دائرہ اسلام سے خارج ہے اس کی اتباع کرنے والا بھی اسلام سے خارج ہرگز امامت کے لائق نہیں

(عبدالجبار عمر پوری (بحواله ایضاً ص۱۷۷)

جو شخص مرزا کے عقائد سے واقف ہو کر (مرزا کو) مسلمان کہتا ہے تو وہ بھی اسلام سے خارج ہے۔ ہرگز امامت کے لائق نہیں (ایضاً ص۱۸۵)

(۶) حضرت حافظ عبداللہ روپڑی مرحوم فرماتے ہیں۔

ان لوگوں سے ناطہ رشتہ وغیرہ کرنا یا ویسے میل ملاپ رکھنا یا نماز میں امام بنانا اس قسم کا کوئی تعلق بھی جائز نہیں، اگر اتفاقی طور پر ان کے پیچھے نماز پڑھ لی جائے یا غلطی سے ان کے ساتھ نکاح کا تعلق ہوگیا ہو، تو نماز بھی صحیح نہیں اور نکاح بھی صحیح نہیں، نماز کا اعادہ کرنا چاہیئے۔

(فتاوٰی اهل حدیث ص۲)

فصل دوم

ہمارے بھائی انوار صاحب نے، مولانا ثناء اللہ امرتسری مرحوم کے اخبار اہل حدیث سے مرزائیوں کے پیچھے پڑھی ہوئی نماز کو صحیح ہونے کا فتوٰی نقل کیا ہے، ہم مانتے ہیں کہ ابتدا میں مولانا مرحوم کا یہی مؤقف تھا کہ نماز ہو جاتی ہے، لیکن انہوں نے اس فتوٰی کے بعد عدم جواز کا فتوٰی دیا ہے، لہذا ان کا رجوع ثابت ہے،

کیونکہ جواز کا آخری فتوٰی ۱۹۱۵ء کا ہے جبکہ عدم جواز کا ۱۹۲۲ء کا ہے جس سے ظاہر ہے کہ انہوں نے اپنے پہلے فتوٰی سے رجوع کر لیا تھا، یہ ملحوظ رہے کہ مولانا نے جواز کا جو فتوٰی دیا تھا، وہ مرزائیوں کے مسلمان ہونے کی وجہ سے نہ تھا، چنانچہ آپ فرماتے ہیں کہ اسی طرح بعض لوگ میرے اس فتوے سے یہ سمجھتے ہیں کہ مرزائیوں کے پیچھے جب نماز ہوگی تو ان کے فتوٰی میں تخفیف آ جائے گی اس لیے میں ان کی خدمت میں عرض کرتا ہوں کہ جواز اقتداء سے نہ میں ان کے اعتقادات کا مصحح ہوں نہ ان کے فتوٰی میں تخفیف ہوتی ہے۔ میں ارکان صلوٰۃ میں امام اور مقتدی کا ربط مانتا ہوں مگر قبولیت اور عدم

قبولیت میں ان کا کوئی تعلق نہیں سمجھتا، اس لیے جو شخص نماز کو فرض جان کر ارکان نماز ادا کرتا ہے، اس کے پیچھے اقتداء کرنا میں جائز جانتا ہوں گو اعتقادی فتور کی وجہ سے امام کی نماز قبول نہ ہو تاہم مقتدی کی قبول ہو جائے گی۔ (فتاویٰ علمائے حدیث ص۱۸۹ ج۲)

بہرحال مولانا مرحوم کی یہ غلطی تھی، جس کا رد اس دور کے علمائے اہل حدیث نے کیا تھا، انوار صاحب نے، فتاویٰ علمائے اہل حدیث ص۱۸۹ ج۲ سے مذکورہ عبارت تو نقل کی ہے مگر اس کا جو مفصل رد مولانا عبدالجبار غزنوی مرحوم نے کیا تھا اسے نظر انداز کر دیا ہے۔ یہ دیانت نہیں بلکہ حقائق کا خون کرنا ہے۔ بہر حال بدعتی و مشرک کی اقتدا جائز نہیں۔

استاذ العلماء الشیخ حافظ عبدالمنان محدث نور پوری فرماتے ہیں۔

کافر یا مشرک کی اقتداء میں نماز درست نہیں خواہ وہ اپنے آپ کو اہل حدیث ہی کیوں نہ کہلاتا ہوں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے، و باطل ما کانوا یعملون، جو وہ عمل کرتے ہیں وہ باطل ہیں۔ بدعت اگر کفر و شرک کے درجہ پر پہنچ جائے تو پھر وہ کفر و شرک والا حکم ہی رکھتی ہے۔

(احکام و مسائل ص ۱٦٠)

الشیخ زبیر علی زئی محدث حضرو حفظہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ جس شخص کی بدعت شدید اور خطرناک ہو تو اس کے پیچھے نماز نہ پڑھی جائے، اس پر اہل سنت کا اجماع ہے۔

(بدعتی کے پیچھے نماز کا حکم ص۱۱)۔

محدث حضرو حفظہ اللہ نے اپنے فتویٰ کی تائید میں، امام سلام بن ابی مطیع، امام احمد بن حنبل، امام وکیع بن الجراح، امام یزید بن ہارون، امام بخاری، امام زہیر، امام یحییٰ بن معین، امام قوام السنہ، کے فتاویٰ نقل کیے ہیں۔ میرے فاضل بھائی نے اس مختصر کتابچہ میں زیر بحث مسئلہ کا حق ادا کر دیا ہے، اللہ انہیں اس کی بہترین جزاء دے ان کے لیے توشیہ آخرت اور کفارہ سیئات بنائے، آمین یا الہ العالمین۔

(۴۴) باب پیش امام اگر غلطی سے نماز بغیر طہارۃ کے پڑھا دے تو مقتدی کی نماز ہو جاتی ہے

فصل اول

لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نفساً اِلَّا وُسْعَھَا لَھَا مَا کَسَبَتْ وَ عَلَیْھَا مَا اکْتَسَبَتْ۔

(البقرۃ ۲۸٦)

اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی طاقت سے بڑھ کر حکم نہیں دیتا، جو کچھ کوئی نیکی کرے تو وہ اسی کو ملے گا اور جو برائی کرے اس کا وبال بھی اسی پر ہوگا (۲۔۲۸٦)

(۱) عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ ﷺ قال، یصلون لکم فان اصابوا فلکم ولھم وان اخطؤا فلکم و علیھم۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ امام لوگ آپ کو نماز پڑھاتے ہیں۔ اگر ٹھیک طور پر پڑھیں گے تب تو تم کو بھی ثواب ملے گا اور انہیں بھی، اگر غلطی کریں گے تو بھی تم کو ثواب مل جائے گا اور غلطی کا وبال ان (اماموں) پر رہے گا۔

(بخاری کتاب الاذان باب اذا لم یتم الامام واتم من خلفہ، الحدیث ٦۹٤)

(۲) عن عقبۃ بن عامر یقول سمعت رسول اللہ ﷺ من ام الناس فاصاب الوقت وأتم الصلاۃ ولھم ومن انتقص من ذلک شیئا فعلیہ ولا علیھم۔

سیدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ آپ فرماتے ہیں کہ جو شخص لوگوں کو نماز پڑھائے اور صحیح وقت پر پڑھائے اور نماز کی شروط و ارکان پورے کرے تو تمام نمازیوں کے لیے (قبولیت نماز) کا ثواب ہے، اور اگر ان چیزوں میں سے کوئی چیز کسی امام نے ناقص کی تو اس کا وبال اس پر ہے اور مقتدیوں پر نہیں۔

(ابن حبان (موارد) ص۱۱۰ رقم الحدیث ۳۷٤، و ابن خزیمہ ص۷ ج۳ رقم الحدیث ۱۵۱۳)

(۳) عن ابی علی المصری قال، سافر نامع عقبۃ بن عامر الجھنی فحضرتنا الصلاۃ، فاردنا ان یتقدمنا، قال قلنا، انت من اصحاب رسول اللہ ﷺ ولا تتقدمنا؟ قال انی سمعت رسول اللہ ﷺ یقول من ام قوما فان أتم فلہ التمام ولھم التمام وان لم یتم فلھم التمام و علیہ الاثم،

امام ابو علی مصری بیان کرتے ہیں کہ ہم نے سیدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کے ساتھ سفر کیا، نماز کا وقت

آیا تو انہوں نے ہم میں سے (ایک کو) امام بنانے کا ارادہ کیا ہم نے عرض کی کہ ہمیں امامت کے لیے آگے نہ کریں کیونکہ (آپ بوجہ) نبی مکرم ﷺ کے صحابہ میں سے ہونے کی وجہ سے (زیادہ حق رکھتے ہیں) انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ آپ کہہ رہے تھے کہ جس شخص نے کسی قوم کی امامت کروائی اور اس کی شروط و ارکان کو پورا کیا تو امام و مقتدیوں کی نماز کامل ہوئی اور اگر شروط و ارکان کو پورا نہ کیا تو مقتدیوں کی نماز کامل ہوئی اور امام پر نماز صحیح نہ پڑھانے کا گناہ ہوا۔ (مسند احمد ص۱۵۴ ج۴)

(۴) عن ابی علی الھمدانی انه خرج فی سفینة فیھا عقبة بن عامر الجھنی فحانت صلاة من الصلوٰت فأمرناه ان یومنا، وقلنا له انك احقنا بذلك، انت صاحب رسول الله ﷺ یقول من ام الناس فأصاب، فالصلاة له ولھم ومن انتقص من ذلك شیئا فعلیه ولا علیھم

امام ابوعلی ہمدانی فرماتے ہیں کہ ہم ایک کشتی میں سوار تھے، اور ان کے ساتھ سیدنا عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہ بھی شریک سفر تھے، نماز کا وقت قریب آ گیا ہم نے عرض کیا نماز پڑھایئے انہوں نے ہمیں نماز پڑھانے کا حکم دیا، ہم نے ان سے کہا کہ آپ ہم سے زیادہ حق رکھتے ہیں۔ بوجہ صحابی رسول اللہ ﷺ ہونے کے، (انہوں نے امامت سے انکار کیا) اور کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا تھا کہ جو شخص لوگوں کی امامت کرائے اور صحیح نماز پڑھائے تو اس کے لیے بھی اور لوگوں کے لیے بھی نماز (کا اجر و ثواب) ہے اور اگر نماز میں سے کسی چیز کی کمی کرے گا تو اس کا گناہ امام پر ہوگا اور مقتدی بری الذمہ ہوں گے۔

(ابن ماجه کتاب اقامة الصلاة باب من یستحب ان یلی الامام، الحدیث ۹۸۳، و مسند احمدص۱۴۵، ۲۰۱ ج٤ و بیھقی ص۱۲۷ ج۳)

(۵) عن ابی ھریرة عن النبی ﷺ قال سیاتی اقوام اویکون اقوام یصلون الصلاة فان اتموا فلکم ولھم وان نقصوا فعلیھم ولکم

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی مکرم ﷺ نے فرمایا عنقریب ایک قوم آئیگی یا فرمایا ایک قوم ہوگی، جو لوگوں کو نماز پڑھائے گی! اگر انہوں نے نماز کی شروط و ارکان کو پورا کیا تو ان کی اور تمہاری نماز قبول ہوگی اور اگر شروط و ارکان میں نقص کیا تو اس کا گناہ ان پر ہوگا اور تمہارے لیے نماز (کا اجر و ثواب پورا) ہے۔ (صحیح ابن حبان ص۳۲۲ ج٤ رقم الحدیث ۲۲۲۵)

(۶) عن عقبه بن عامر قال سمعت رسول الله ﷺ یقول، انھا ستکون علیکم أئمة من بعدی فان صلوا الصلاة لوقتھا فاتموا الرکوع والسجود فھی لکم ولھم وان لم یصلوا الصلاة لوقتھا ولم یتموا رکوعھا ولا سجودھا فھی لکم و علیھم۔

سیدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ آپ فرما رہے تھے کہ میرے بعد تم پر آئمہ آئیں گے اگر وہ نماز کو وقت پر پڑھائیں اور رکوع و سجود صحیح کریں تو ان کے لیے بھی نماز (کا اجر وثواب) ہے اور تمہارے لیے بھی، اور اگر نماز کو بے وقت اور رکوع و سجود کو پورا نہ کریں تو تمہاری نماز ہے اور ان پر گناہ ہے۔ (مسند احمد ص۱٤٧ ج٤)

(۷) عن قاسم بن عبدالرحمن ان عمر بن الخطاب أمهم وهو جنب، أو على غير وضوء فاعاد الصلاة ولم يعد من وراءه۔

امام قاسم بن عبدالرحمٰن فرماتے ہیں کہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ حالت جنابت میں یا بے وضو جماعت کروا دی تو انہوں نے نماز کو لوٹایا اور مقتدیوں نے نماز کو نہ لوٹایا۔

(مصنف عبدالرزاق ص٣٤٨ ج٢ رقم الحديث ٣٦٤٩)

(۸) عن عروة ان عمر بن الخطاب صلى بالناس وهو جنب فاعاد ولم يبلغنا ان الناس اعادوا۔

امام عروہ بن زبیر فرماتے ہیں ہیں کہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے لوگوں کے ساتھ (جماعت کروا کر) نماز پڑھی اور وہ جنبی تھے تو آپ نے نماز کو لوٹایا اور ہمیں خبر نہیں ملی کہ لوگوں نے بھی نماز کو لوٹایا تھا۔

(مصنف عبدالرزاق ص٣٤٨ ج٢ رقم ٣٦٤٨)

(۹) عن ابراهيم ان عمر صلى بالناس وهو جنب فاعاد وأمرهم ان لا يعيدوا۔

امام ابراہیم فرماتے ہیں کہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے لوگوں کے ساتھ حالت جنابت میں نماز پڑھی تو آپ نے نماز کو لوٹایا اور مقتدیوں کو نہ لوٹانے کا حکم دیا۔

(مصنف ابن ابی شیبه ص٤٤ ج٢)

(۱۰) عن الشريد الثقفي ان عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ صلى بالناس وهو جنب فاعاد ولم يامرهم ان يعيدوا۔

امام شرید ثقفی فرماتے ہیں کہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو نماز پڑھائی جبکہ آپ جنبی تھے تو آپ نے نماز لوٹائی اور مقتدیوں کو لوٹانے کا حکم نہ دیا۔ (بيهقى ص٤٤٠ ج٢)

(۱۱) عن مطيع بن الاسود قال صلى عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بالناس الصبح ثم ركبت انا وهو الى ارضنا فلما جلس على ربيع منها يتوضا منها فاذا على فخذه احتلام فقال هذا الاحتلام على فخذى لم اشعربه فحكه ثم قال صرت والله حين اكلت الدسم و دخلت فى السنن يخرج منى مالا اشعربه وقال محمد فما اشعربه واغتسل ثم اعاد صلوة الصبح ولم يامر احدا باعادة الصلوٰة

امام مطیع بن اسود راوی ہیں کہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے صبح کی نماز لوگوں کے ساتھ (امامت کروا کر) پڑھی، پھر میں اور وہ ہماری زمین کی طرف سوار ہوکر گئے، جب آپ کھال پر وضو کرنے کے لیے بیٹھے تو آپ نے اپنی ران پر احتلام (کا اثر) پایا اور فرمایا کہ یہ میری ران پر احتلام کا اثر ہے، جس کی مجھے خبر ہی نہیں، آپ نے اسے ناخن سے کھرچا، پھر فرمایا کہ میں بوڑھا ہو گیا ہوں واللہ جب سے چکنائی استعمال کرتا ہوں تب سے مجھے احتلام کی خبر ہی نہیں ہوتی، اور آپ نے غسل کر کے صبح کی نماز لوٹائی اور ہم میں سے کسی ایک کو بھی نماز لوٹانے کا حکم نہ دیا۔

(السنن الکبریٰ للبیهقی ص۳۹۹ ج۲)

(۱۲) عن ابی ضرار ان عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ صلی بالناس وهو جنب فلما اصبح نظر فی ثوبه احتلاما فقال کبرت والله انی لارانی اجنب ثم لا اعلم ثم اعاد ولم یا مرهم ان یعیدوا۔

امام ابی ضرار فرماتے ہیں کہ سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو نماز پڑھائی جب صبح ہوئی تو انہوں نے کپڑے پر منی پائی اور فرمایا کہ میں بوڑھا ہو گیا ہوں واللہ میں اپنے آپ کو جنبی پاتا ہوں حالانکہ مجھے اس کی خبر نہیں، پھر آپ نے نماز کو لوٹایا اور مقتدیوں کو نماز لوٹانے کا حکم نہ فرمایا۔ (السنن الکبریٰ للبیهقی ص۴۰۰ ج۲)

(۱۳) عن سالم ان ابن عمر صلی با صحابه صلاة العصر وهو علی غیر وضوء، فاعاد، ولم یعد اصحابه۔

امام سالم فرماتے ہیں کہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو عصر کی نماز وضو کے بغیر پڑھا دی، تو آپ نے نماز کو لوٹایا اور آپ کے شریک نماز صحابہ نے نماز کو نہیں لوٹایا تھا۔

(مصنف عبدالرزاق ص۳۴۸ ج۲ رقم الحدیث ۳۶۵۰)

(۱۴) سالم عن ابن عمرانه صلی بهم وهو علی غیر وضوء فاعادو لم یامرهم بالاعادة۔

امام سالم فرماتے ہیں کہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے نماز بے وضو کے پڑھا دی تو آپ نے نماز کو لوٹایا اور مقتدیوں کو نماز دہرانے کا حکم نہ فرمایا۔

(السنن الکبریٰ للبیهقی ص۴۴۰ ج۲)

(۱۵) سالم عن ابن عمرانه صلی بهم الغداة ثم ذکرانه صلی بغیر وضوء فاعاد ولم یعیدوا۔

امام سالم فرماتے ہیں کہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے ایک بار صبح کی نماز بغیر وضو کے پڑھا دی پھر انہیں یاد آیا تو آپ نے نماز کو لوٹایا اور مقتدیوں نے نماز نہ لوٹائی۔

(مصنف ابن ابی شیبه ص۴۴ ج۲)

(۱۶) عن ابراهیم قال یعید ولا یعیدون۔

امام ابراہیم نخعی فرماتے ہیں کہ امام نماز لوٹائے اور مقتدی نماز نہ لوٹائیں۔

(مصنف عبدالرزاق ص۳٤۸ ج۲ رقم الحدیث ۳٦٥۱)

(۱۷) عن ابراھیم قال یعید ولا یعیدون من خلفه۔

امام ابراہیم فرماتے ہیں کہ امام نماز لوٹائے اور اس کی اقتدا میں نماز پڑھنے والے نماز نہ لوٹائیں۔

(مصنف ابن ابی شیبه ص٤٥ ج۲)

(۱۸) عن ابراھیم فی الرجل یصلی بقوم وھو علی غیر وضوء قال یعید ولا یعیدون۔

امام ابراہیم نے ایسے شخص کے متعلق جو قوم کو بغیر وضو کے نماز پڑھا دے، ارشاد فرمایا کہ امام نماز لوٹائے اور مقتدی نماز نہ لوٹائیں

(السنن الکبریٰ للبیہقی ص۴۰۱ ج۲)

(۱۹) عن الحسن قال یعید ولا یعیدون۔

امام حسن بصری (ایسے شخص کے بارے میں جو بغیر طہارۃ کے نماز پڑھائے) فرماتے ہیں کہ وہ خود تو نماز لوٹائے اور مقتدی نماز نہ لوٹائیں۔

(مصنف عبدالرزاق ص۳٤۹ ج۲ رقم الحدیث ۳٦٥۲)

(۲۰) عن سعید بن جبیر قال یعید ولا یعیدون۔

امام سعید بن جبیر (ایسے شخص کے متعلق جو بغیر طہارۃ کے نماز پڑھا دے) فرماتے ہیں کہ وہ خود تو نماز لوٹائے لیکن مقتدی نماز نہ لوٹائیں۔ (مصنف عبدالرزاق ص۳۴۹ ج۲ رقم الحدیث ۳۶۵۵)

(۲۱) قال عبدالرحمن وھذا المجمع علیه الجنب یعید ولا یعیدون ما اعلم فیه اختلافا۔

امام عبدالرحمٰن بن مہدی فرماتے ہیں کہ اس پر اجماع ہے کہ جنبی امام نماز لوٹائے اور مقتدی نماز نہ لوٹائیں مجھے اس سلسلہ میں کوئی اختلاف معلوم نہیں۔

(السنن الکبزی للبیھقی ص٤٠٠ ج۲)

(۲۲) قال عبدالله بن مبارک لیس فی الحدیث قوۃ لمن یقول اذا صلی الامام بغیر وضوء ان اصحابه یعیدون والحدیث الاخر اثبت ان لا یعید القوم ھذا لمن اراد الانصاف بالحدیث

امام عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں کہ جو شخص یہ کہتا ہے کہ جب امام بغیر وضو کے نماز پڑھا دے تو مقتدی بھی نماز لوٹائیں، اس کے لیے کوئی قوی دلیل حدیث میں سے نہیں ہے، جبکہ قوم نماز نہ لوٹائے یہ حدیث اثبت ہے، یہ فیصلہ اس شخص کے لیے جو احادیث کے ساتھ انصاف کرنے کا ارادہ رکھتا ہو۔

(السنن الکبزی للبیھقی ص٤٠١ ج۲)

قارئین کرام مذکورہ دلائل پر ایک نظر مکرر ڈالیئے ان سے واضح اور کھلم کھلا یہ ثابت ہوتا ہے کہ

مقتدیوں کی نماز ہو جاتی ہے، قرآن سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کسی نفس پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتے، اور مقتدی کی ہمت و وسعت میں یہ نہیں کہ وہ جان سکے کہ امام کی طہارت ہے کہ نہیں اور نہ ہی حق تعالیٰ نے ہمیں اس بات کا مکلّف بنایا ہے کہ ہم امام کی طہارت معلوم کرتے پھریں، پھر اللہ کے پیارے رسول سیدنا محمد مصطفی ﷺ نے صاف فرمایا ہے کہ امام کی نماز کا نقصان امام پر ہی ہے جیسا کہ حدیث نمبر۲ میں ذکر ہے پہلی حدیث میں امام کی غلطی کو امام پر ہی رکھا ہے، تیسری حدیث میں امام کی غیر صحیح نماز سے مقتدی کو بری الذمۃ فرمایا ہے پانچویں حدیث میں امام کے نقصان نماز کو امام پر ہی ڈالا ہے۔ رکوع و سجود نماز میں فرض ہیں، اور ان کا پورے شرعی طریقہ سے ادا کرنا ارکان نماز سے ہے، مگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ اگر امام ان کو صحیح طریقہ سے ادا نہ کرے تو امام کو گناہ ہے اور مقتدی کی نماز کامل ہے، خلیفہ راشد سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ساتھ یہ واقعہ بھی پیش آیا ہے کہ انہوں نے جنابت کی حالت میں نماز پڑھا دی تو بحیثیت امام تو انہوں نے اپنی نماز کو لوٹایا مگر مقتدیوں نے نماز کو نہ لوٹایا اور نہ ہی آپ نے لوٹانے کا حکم دیا، اس واقعہ کی متعدد معتبر اور صحیح وحسن اسناد ہیں، اس کا خلاف کسی صحابی سے صحیح تو کجا حسن سند سے بھی ثابت نہیں، جس سے ثابت ہوا کہ حنفیہ کے اصول کے موافق یہ اجماع صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہے (جیسا کہ یہ حضرات طلاق ثلاثہ میں صحیح مسلم کی روایت کی بنا پر دعویٰ کرتے ہیں) غور کیجئے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے مقتدی کون لوگ تھے؟ محترم صاف عیاں ہے کہ مہاجر و انصار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کی اولاد تھی، مگر کسی نے نماز نہیں لوٹائی۔ پھر ایسا ہی واقعہ سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے ساتھ پیش آتا ہے، آپ نے اقتدا کرنے والوں سے نماز لوٹانے کا ارشاد نہیں فرمایا۔ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی ایک دفعہ ایسا ہوا تو انہوں نے خود نماز تو لوٹائی مگر مقتدیوں نے نماز نہیں دہرائی، یہی فتویٰ کوفہ کے امام اور انوار خورشید کے معتمد بزرگ امام ابراہیم نخعی دیتے ہیں یہی امام حسن بصری فرماتے ہیں۔ امام سعید بن جبیر اور عبداللہ بن مبارک اور عبدالرحمٰن بن مہدی جیسے اساطین امت کا بھی یہی فتویٰ ہے جیسا کہ تفصیل گزر چکی ہے، ائمہ اربعہ میں سے امام شافعی امام مالک اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہم کا بھی یہی مذہب و مسلک ہے۔

(التمہید لمانی الموطا من المعانی والاسانید ص ۱۸۱ تا ۱۸۲ ج ۱)

یہ صرف حنفیہ کا ہی مسلک ہے جس پر قرآن و حدیث سے کوئی دلیل نہیں اور نہ ہی کسی صحابی کا فتویٰ ثابت کیا جا سکتا ہے اس سلسلہ میں جو بھی زیب رقم کیا جاتا ہے اس کی حیثیت زیب داستان سے بڑھکر نہیں، ہم پوری ذمہ داری سے یہ بات مکرر عرض کرنا چاہتے ہیں کہ حنفیہ کا یہ مؤقف صریحاً قرآن و حدیث اور آثار صحابہ کرام کے خلاف اور قیاس فاسد پر مبنی ہے، اس پر قرآن و حدیث تو کجا کسی بھی صحابی کا فتویٰ بھی ثابت نہیں کیا جا سکتا۔ صرف سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے ایک قول منقول ہے۔ جو کہ منقطع ہے تفصیل فصل دوم میں نمبر ۶۵ کے تحت آ رہی ہے، اس کے برعکس سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے

مقتدی کی نماز فاسد نہ ہونے کا فتوی بھی منقول ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبه ص٤٥ ج٢)

گواس کی سند مخدوش ہے مگر ہم نے ضعیف و منقطع کے بالمقابل ضعیف نقل کی ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ حنفیہ کا مسلک و مذہب صرف قیاس فاسد پر مبنی ہے قرآن و حدیث اور آثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں اس کا کوئی ثبوت موجود نہیں۔

فصل دوم

(۱) حدثني ابو غالب انه سمع ابا امامة يقول قال رسول الله ﷺ الامام ضامن والمؤذن مؤتمن۔

(مسند احمد ص ٢٤٠ ج٥ طبراني كبير)

حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا امام ضامن ہے اور مؤذن امین ہے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص۵۰۱)

الجواب حدیث کے لفظ ضامن سے انوار صاحب کا استدلال کرنا غلط ہے کیونکہ اس لفظ کا معنی کفیل نہیں بلکہ نگران و نگہبان ہے، جیسا کہ آئمہ لغت نے صراحت کی ہے، اور کفیل کے معنی کو، قیل، سے بیان کرکے ضعف کی طرف اشارہ کیا ہے۔

(لسان العرب ص۲۵۸ ج۱۳ و تاج العروس ص۲۶۵ ج۹) وغیرہ امہات الکتب لغت میں صراحت ہے۔

و في الحديث آخر الامام ضامن والمؤذن مؤتمن، أراد بالضمان هنا الحفظ والرعاية لا ضمان الغرامة،

یعنی حدیث میں آیا ہے کہ امام ضامن ہے اور مؤذن امین ہے، یہاں ضامن سے مراد حفاظت و نگرانی مراد ہے کفیل کے معنی نہیں، یہی معنی علامہ فتنی نے کیا ہے (مجمع بحار الانوار ص۴۲۲ ج۳) اور یہی معنیٰ حق و صواب ہے، اگر اس کا معنی ذمہ دار لیا جائے، تو وضاحت کی جائے کہ اگر مقتدی بے وضو نماز ادا کرتا ہے، یا دیگر شرائط نماز اور ارکان کو کما حقہ ادا نہیں کرتا، تو کیا امام اس کا جواب دہ ہے؟ نہیں قطعا نہیں، لہٰذا ثابت ہوا کہ صحیح معنی نگرانی ہی ہے۔ کفیل قطعا نہیں۔

کیونکہ امام اور ماموم دونوں اپنی اپنی نماز پڑھتے ہیں، ان میں سے ایک کی نماز فاسد ہونے سے دوسرے کی نماز میں خرابی نہیں آتی، اور یہ مسلمہ مسئلہ ہے کہ مقتدی کی نماز فاسد ہونے سے امام کی نماز میں خرابی نہیں آتی،

(۲) عن علي بن ابي طالب قال صلى بنا رسول الله ﷺ يوم فانصرف ثم جاء وراسه يقطر ماء فصلى بنا ثم قال اني صليت بكم آنفا وانا جنب فمن اصابه مثل الذي اصابني او

وجد رزاً فی بطنه فلیصنع مثل ما صنعت۔

(مسند احمد ص۹۹ ج ۱)

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں نماز پڑھائی (دوران نماز) آپ چلے گئے، پھر واپس آئے تو آپ کے سر مبارک سے پانی ٹپک رہا تھا، آپ نے ہمیں پھر نماز پڑھائی، پھر فرمایا میں نے تمہیں حالت جنابت میں نماز پڑھا دی تھی، جس شخص کو وہی صورت پیش آئے جو مجھے پیش آئی یا وہ اپنے پیٹ میں کوئی گڑ بڑ پائے تو وہ ایسے ہی کرے جیسے میں نے کیا (حدیث اور اہل حدیث ص۵۰۱)

الجواب اس حدیث سے انوار صاحب کا استدلال باطل اور غیر تام ہے، کیونکہ، انی صلیت بکم، سے مراد نماز کے لیے کھڑا ہونا ہے، نماز پڑھنا مراد نہیں ہے، دوسری حدیث میں وضاحت ہے۔

عن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ قال بینما نحن مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نصلی اذ انصرف و نحن قیام، ثم اقبل وراسه یقطر، فصلی لنا الصلاة ثم قال، انی ذکرت انی کنت جنبا حین قمت الی الصلاة لم اغتسل، فمن وجد منکم فی بطنه زراً او کان علی مثل ما کنت علیه فلینصرف حتی یفرغ من حاجته اوغسله ثم یعود الی الصلاته۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھنے لگے تو آپ واپس تشریف لے گئے اور ہم کھڑے رہے، جب آپ علیہ التحیۃ والسلام واپس پلٹے تو آپ کے سر اقدس سے پانی ٹپک رہا تھا، پھر ہمارے ساتھ نماز پڑھی (اور بعد میں) فرمایا کہ جب میں نماز پڑھنے لگا تو مجھے یاد آ گیا تھا کہ میں جنبی ہوں، اور غسل نہیں کیا، لہذا جس شخص کے پیٹ میں گڑ بڑ ہو یا میرے جیسی صورت پیش آئے تو وہ واپس پلٹ کر قضائے حاجت سے فارغ ہو لے یا غسل کر لے، پھر اپنی نماز کے لیے لوٹے۔

(مسند احمد ص۸۸ ج ۱)

اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ نماز شروع نہ ہوئی تھی اور نہ ہی نماز کا کوئی حصہ ادا ہوا تھا، ہمارے موقف کی اس سے بھی تائید ہوتی ہے کہ یہی واقعہ بخاری و مسلم میں سیدنا ابوھریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے مروی ہے جس میں وضاحت ہے کہ تکبیر تحریمہ سے پہلے ہی غسل کے لئے آپ علیہ الصلاۃ والسلام لوٹ گئے تھے، بخاری و مسلم کی متفق علیہ روایت ہر لحاظ سے راجح ہے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے مروی روایت کی سند میں جرح ہے۔ کیونکہ سند میں عبد اللہ بن لھیعہ راوی ہے، جو انوار صاحب کے پیرو مرشد مولانا سرفراز خاں صاحب صفدر کے نزدیک ناقابل حجت ہے۔ (احسن الکلام ص۶۳ ج ۲) الغرض نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نماز شروع کرنے سے پہلے ہی تشریف لے گئے تھے۔ مزید تفصیل اگلی روایت کے

سلسلہ میں آ رہی ہے، جب آپ نے اتنا سمجھ لیا کہ نماز شروع نہ ہوئی تھی، بلکہ پہلے ہی آپ علیہ التحیۃ والسلام تشریف لے گئے تھے، تو انوار صاحب کے مؤقف کی یہ ترجمان کیسے بن گئی، ہاں اگر اس حدیث میں یہ ہوتا کہ نماز فلاں حصے تک ادا ہو چکی تھی، اور غسل کرنے کے بعد جب نبی علیہ التحیۃ والسلام تشریف لائے تھے تو پہلے حصہ نماز کو بوجہ فساد صلاۃ دوبارا پڑھا تھا، تو تب بلا شبہ یہ انوار صاحب کی دلیل تھی، مگر حدیث میں صاف صراحت ہے کہ نماز کے لیے صرف قیام ہی ہوا تھا نماز کی ابتدا نہ ہوئی تھی تو پھر یہ انوار صاحب نے اس حدیث کو ہمارے رد میں کیسے پیش کر دیا، کیونکہ بحالت جنابت نماز پڑھنے کے تو ہم قطعاً قائل نہیں ہیں۔

(۳) عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ ﷺ جاء الی الصلوٰۃ فلما کبر انصرف و اوما الیھم ای کما انتم ثم خرج ثم جاء وراسه یقطر فصلی بھم فلما انصرف قال انی کنت جنبا فنسیت ان اغتسل۔

(دارقطنی ص۳۶۱ ج ۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز پڑھانے کے لیے تشریف لائے جب آپ تکبیر کہہ چکے تو آپ نے رخ پھیر کر لوگوں سے کہا کہ اپنی جگہ کھڑے رہو پھر آپ نکل کر تشریف لے گئے جب واپس آئے تو آپ کے سر مبارک سے پانی ٹپک رہا تھا، آپ نے آ کر نماز پڑھائی جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا میں جنبی تھا، غسل کرنا بھول گیا تھا۔

(۴) عن ابی ھریرۃ قال خرج النبی ﷺ الی الصلوٰۃ و کبر ثم اشار الیھم فمکثوا ثم انطلق فاغتسل و کان راسه یقطر ماء فصلی بھم فلما انصرف قال انی خرجت الیکم جنبا وانی نسیت حتی قمت فی الصلوٰۃ۔

(ابن ماجه ص۸۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نماز پڑھانے کے لیے تشریف لائے آپ نے تکبیر کہی پھر آپ نے صحابہ کرام کی طرف اشارہ کیا وہ اپنی جگہ ٹھہر گئے آپ تشریف لے گئے اور غسل کیا، آپ کے سر مبارک سے پانی ٹپک رہا تھا (واپس آ کر) آپ نے صحابہ کرام کو نماز پڑھائی جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا کہ میں تمہارے پاس جنابت کی حالت میں چلا آیا اور نہانا بھول گیا حتی کہ نماز میں کھڑا ہو گیا (حدیث اور اہل حدیث ص۵۰۲، ۵۰۳)

الجواب اولاً: یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ حالت جنابت میں نماز نہیں ہوتی، ہم بھی کہتے ہیں کہ نہیں ہوتی بلاشبہ نہیں ہوتی، لیکن اس سے یہ مسئلہ ثابت نہیں ہوتا کہ امام کی نماز نہ ہو تو مقتدی کی بھی نہیں ہوتی، محترم آپ اِدھر اُدھر سے غیر متعلقہ احادیث نقل کر کے مسئلہ کو حل کرنے کی بجائے

الجھائے بیٹھے ہیں دوٹوک الفاظ میں احادیث پیش کریں کہ امام کی نماز میں فساد آنے سے ماموم کی نماز بھی فاسد ہو جاتی ہے

ثانیاً: سیدی محمد مصطفیٰ ﷺ کو غسل کرنا کب یاد آیا، تکبیر تحریمہ کے بعد یا پہلے؟ مذکورہ حدیث سے معلوم ہوا کہ تکبیر کہنے کے بعد یاد آیا تھا جبکہ بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ صرف مُصلیٰ پر تشریف لائے تھے اور تکبیر تحریمہ سے پہلے ہی واپس تشریف لے گئے (بخاری رقم الحدیث ۲۷۵، ۶۳۹، ۶۴۰ و مسلم رقم الحدیث ۱۳۶۷، ۱۳۶۸) دونوں احادیث کے درمیان تطبیق یہ ہے کہ ابن ماجہ وغیرہ کی حدیث میں، اراد، کا لفظ محذوف ہے، تقدیر عبارت یوں ہے، لما اراد ان یکبر، یعنی جب تکبیر کہنے کا اردادہ فرمایا۔

(دیکھئے فتح الباری ص٩٦ ج٢ و عمدة القاری ص٢٢٤ ج٣ و فتح الملهم ص١٨٥ ج٢ و فيض الباری ص٣٥٧ ج١)

قارئین کرام جب آپ نے اس بات کو بخوبی جان لیا کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام تکبیر تحریمہ کہنے سے پہلے ہی غسل کرنے کے لیے تشریف لے گئے تھے، اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ انوار صاحب کا مؤقف کسی چیز سے ثابت ہوا؟ کیونکہ نہ نماز شروع ہوئی اور نہ ہی امام و ماموم کی نماز فاسد ہونے کا سوال پیدا ہوا، مگر انوار خورشید صاحب شرم و حیا کو بالائے طاق رکھ کر سینہ زوری سے ان احادیث سے ماموم کی نماز فاسد ہونا ثابت کر رہا ہے، انا للہ وانا الیہ راجعون،

ثالثاً: اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ تکبیر تحریمہ کے بعد غسل کے لیے تشریف لے گئے تھے، تو تب بھی بہر حال انوار صاحب کا مذہب ثابت نہیں ہوتا، کیونکہ کسی حدیث میں یہ نہیں آیا کہ مقتدیوں نے نماز کو از سر نو شروع کیا تھا، بلکہ اگر ثابت ہوتا ہے تو یہ ہوتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اسی حالت میں کھڑے رہے، جس میں جانے سے پہلے تھے، کیونکہ اسی کا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا تھا، انوار صاحب نے جو روایت دار قطنی سے نقل کی ہے، اس کے الفاظ ہیں، اوما الیھم ای کما انتم، اب اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ تکبیر تحریمہ کے بعد تشریف لے گئے تھے، تو ان الفاظ سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کی نماز کو آپ علیہ التحیۃ والسلام نے فاسد قرار نہیں دیا۔

الغرض یہ روایت انوار صاحب کے موافق نہیں مخالف ہے، اسے کہتے ہیں، آنکھیں چمگادڑ کی اور سورج سے جنگ و جدل، فہم حدیث میں یہ بے بصیرتی اور ٹھیکا لیا ہے اہل حدیث کے رد کا

(۵) عن ابی جعفر ان علیا صلی بالناس وھو جنب اوعلی غیر وضوء فاعاد وامرھم ان یعیدوا۔

(مصنف عبدالرزاق ص۳۵۱ ج۲)

حضرت ابوجعفر سے مروی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو حالت جنابت میں یا بغیر وضو کے نماز پڑھادی، آپ نے وہ نماز خود بھی لوٹائی اور لوگوں کو بھی لوٹانے کا حکم دیا۔

(حدیث اور اہل حدیث ص۵۰۳)

الجواب اولاً: ابوجعفر الباقر، سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے پوتے علی بن حسن کے بیٹے ہیں، اور ان کے اپنے جد امجد سے ملاقات و سماع ثابت نہیں جیسا کہ امام ابو زرعہ نے صراحت کی ہے (مراسیل ابن ابی حاتم ص ۱۸۵) الغرض یہ روایت مرسل ہے جو ضعیف کی ایک قسم ہے (راجع مقدمہ) امام ابن عبدالبر نے اسے منقطع قرار دیا ہے، (التمہید ص ۱۸۳ ج ۱)

ثانیاً: اس کی سند میں، ابراہیم بن یزید الخوزی راوی ہے، اسے امام احمد امام نسائی اور علی بن جنید نے متروک الحدیث قرار دیا ہے، امام ابن معین فرماتے ہیں غیر ثقہ اور ہیچ محض ہے ابو زرعہ اور ابو حاتم فرماتے ہیں منکر الحدیث اور ضعیف الحدیث ہے، امام بخاری فرماتے ہیں۔ سکتوا عنہ، یعنی محدثین نے اسے ترک کر دیا تھا، ابن مدینی اور ابن سعد نے ضعیف قرار دیا ہے، برقانی نے کذاب قرار دیا ہے، دارقطنی فرماتے ہیں کہ منکر الحدیث ہے، ابن حبان فرماتے ہیں کہ کثرت سے مناکیر روایت کرتا ہے، (تہذیب ص ۱۵۷ ج ۱) الغرض یہ روایت سنداً سخت ضعیف ہے، اور متناً مضطرب ہے تفصیل اگلی روایت میں آرہی ہے۔

(۶) عن عمرو بن دینار ان علی بن ابی طالب قال فی الرجل یصلی بالقوم جنبا قال یعید و یعیدون

(کتاب الاثار للامام ابی حنیفة بروایت الامام محمد ص ۳۱)

حضرت عمرو بن دینار سے مروی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایسے شخص کے بارے میں جس نے جنابت کی حالت میں لوگوں کو نماز پڑھا دی ہو یہ فرمایا کہ وہ خود بھی نماز لوٹائے اور لوگ بھی نماز لوٹائیں

(حدیث اور اہل حدیث ص ۵۰۳)

الجواب: اولاً: اس کی سند بھی وہی ہے جو عبدالرزاق کی ہے، فرق صرف یہ ہے کہ امام عبدالرزاق نے اسے ابراہیم سے نقل کیا ہے اور وہ عمرو بن دینار کے واسطے سے ابوجعفر سے اور وہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتا ہے جبکہ امام محمد کی سند میں ابوجعفر کا واسطہ نہیں، جس سے یہ سند مرسل کے درجہ سے گر کر معضل و منقطع ٹھہری، علاوہ ازیں سند میں اضطراب بھی ثابت ہوا کیونکہ ابراہیم کبھی، ابوجعفر، کا واسطہ بیان کرتا ہے اور کبھی نہیں کرتا۔

سند میں اضطراب کے علاوہ متن بھی مضطرب ہے، کیونکہ عبدالرزاق کے متن میں نماز لوٹانے کا واقعہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہے جبکہ کتاب الاثار میں عمل کی بجائے فتویٰ کا ذکر ہے، اور یہ کھلا اضطراب ہے۔

ثانیاً: سند اس کی بھی سخت ضعیف ہے، ابراہیم بن یزید، کا حال اوپر کی روایت نمبر ۵ میں گزر چکا ہے کہ متروک و کذاب ہے، علاوہ ازیں امام محمد پر بھی جرح ہے تفصیل پہلے گزر چکی ہے، الغرض یہ روایت

من گھڑت اور باطل ہے۔

(۷) عن همام بن الحارث ان عمر نسی القرأة فی الصلوٰة المغرب فاعاد بهم الصلوٰة۔

(شرح معانی الاثار للامام الطحاوی ص ۲۸۰ ج ۱)

حضرت ہمام بن حارث سے مروی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مغرب کی نماز پڑھاتے ہوئے قرأت کو بھول گئے تو آپ نے لوگوں کو دوبارہ نماز پڑھائی (حدیث اور اہل حدیث ص ۵۰۴)

الجواب اولاً: اس کی سند میں ابراہیم نخعی ہے اور ان سے روایت کرنے والے الاعمش ہیں اور یہ دونوں ہی مدلس ہیں (طبقات المدلسین ص ۲۸، ۳۳) اور سماع کی صراحت نہیں، لہذا یہ روایت ضعیف ہے۔

ثانیاً: روایت نمبر ۵ تا ۷ موقوف ہیں، اگر ان کی صحت ثابت بھی ہو جائے تب بھی یہ مرفوع کے بالمقابل حجت نہیں ہیں

(۸) عن ابراهيم قال اذا فسدت صلوٰة الامام فسدت صلوٰة من خلفه۔

(کتاب الاثار ص ۳۱)

حضرت ابراہیم نخعی فرماتے ہیں کہ جب امام کی نماز فاسد ہوگی تو مقتدی کی نماز بھی فاسد ہو جائے گی (حدیث اور اہل حدیث ص ۵۰۴)

الجواب اولاً: یہ صغیر تابعی کا قول ہے جو ہمارے پیارے رسول سیدی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و عمل کے خلاف حجت نہیں ہے، پھر ابراہیم سے اس کے خلاف بھی ثابت ہے،

ثانیاً: سند میں امام ابو حنیفہؒ ہیں جو حافظے کے لحاظ سے سیئی الحفظ ہیں، تفصیل فاتحہ کے مسئلہ میں گزر چکی ہے، ایسے ہی کتاب الاثار کے مؤلف امام محمد پر بھی جرح ہے، جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے، لہذا یہ روایت ضعیف اور ناقابل حجت ہے

(۹) عن الثوری قال سمعت حمادا يقول اذا فسدت صلوٰة الامام فسدت صلوٰة القوم۔

(مصنف عبدالرزاق ص ۳۵۰ ج ۲)

حضرت سفیان ثوری فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت حماد کو یہ فرماتے سنا ہے کہ جب امام کی نماز فاسد ہوگی تو مقتدیوں کی بھی فاسد ہو جائے گی (حدیث اور اہل حدیث ص ۵۰۴)

الجواب بلا شبہ اس کی سند صحیح ہے مگر امام سفیان ثوری خود فرماتے ہیں کہ حماد کے علاوہ یہ کسی کا مسلک نہیں ہے، (بیہقی ص ۱۰۴ ج ۲) حماد بن ابی سلیمان صغیر تابعی ہیں، امام ابراہیم نخعی کے بعد ان کے جانشین بنے، مگر بعد میں اہل سنت کا مذہب ترک کرکے مرجئی ہوگئے جس سے ان کا شمار بدعتی

حضرات میں ہوتا ہے، آخری عمر میں انہیں مرگی و آسیب کی بھی شکایت ہوگئی تھی، اختلاط کے سبب بعض محدثین نے ان پر کلام بھی کیا ہے، تفصیل کے لیے، اللمحات الی مافی انوار الباری من الظلمات، کی مراجعت کریں جس میں مصنف نے متعدد دلائل وشواہد سے اس بات کو ثابت کیا ہے اور بدعتی حضرات کے اقوال کی حیثیت دین میں خرافات سے زیادہ نہیں ہے، بالخصوص جب مرفوع احادیث کے مخالف و معارض ہوں

(۱۰) عن عطاء بن ابی رباح فی رجل یصلی باصحابه علی غیر وضوء قال یعید و یعیدون۔

(کتاب الاثار ص ۳۱)

حضرت عطاء بن ابی رباح نے ایسے شخص کے بارے میں جو مقتدیوں کو بغیر وضو کے نماز پڑھا دے یہ ارشاد فرمایا کہ امام اور مقتدی سب نماز لوٹائیں (حدیث اور اہل حدیث ص ۵۰۴)

الجواب کتاب الاثار کے مؤلف پر امام نسائی نے حفظ کی وجہ سے کلام کیا ہے، قاضی ابو یوسف کہتے ہیں کہ مجھ پر افترا کرتا ہے، امام یحیٰی بن معین نے کذاب قرار دیا ہے، حسن للؤلوی عمرو بن علی، اور عقیلی وغیرہ نے ضعیف قرار دیا ہے، (لسان المیزان ص ۱۲۲ ج ۵) الغرض یہ روایت بھی ضعیف ہے،

(۱۱) عن یونس عن ابن سیرین قال سألته فقال اعد الصلوٰة و اخبر اصحابك انك صليت بهم وانت على غير طهارة۔

(مصنف ابن ابی شیبه ص ۵۰٤)

حضرت یونس حضرت علامہ ابن سیرین کے بارے میں روایت کرتے ہیں کہ میں نے ان سے (بغیر طہارت کے نماز پڑھا دینے کے متعلق) سوال کیا تو آپ نے فرمایا تم بھی نماز لوٹاؤ اور اپنے ساتھیوں کو بتلا دو کہ تم نے انہیں بغیر طہارت کے نماز پڑھا دی تھی۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۵۰۵)

الجواب پہلی فصل میں سیدنا ابن سیرین رحمہ اللہ کا قول نقل کیا جا چکا ہے جو مقتدیوں کو نماز نہ لوٹانے پر صریحاً ہے اور اس اثر میں دیگر احتمالات بھی ہیں، کیونکہ خبر دینے کا کوئی اور بھی مقصد ہوسکتا ہے، اور اصول بھی یہی ہے کہ اشارۃ النص، عبارۃ النص کے معارض نہیں ہوا کرتی، کیونکہ عبارۃ النص راجح ہوتی ہے اور اشارۃ النص مرجوح قرار پاتی ہے، لہٰذا امام ابن سیرین کا جو قول سابقہ فصل میں نقل ہوا ہے وہ قابل اعتماد ہے۔ اور مرفوع حدیث کے موافق بھی ہے۔

(۱۲) عن الشعبیؒ قال یعید ویعیدون۔

(مصنف عبدالرزاق ص ۳۵۰ ج ۲)

حضرت امام شعبی (ایسے شخص کے بارے میں جو بغیر طہارۃ کے نماز پڑھائے) فرماتے ہیں کہ وہ خود بھی نماز لوٹائے اور مقتدی بھی نماز لوٹائیں (حدیث اور اہل حدیث ص ۵۰۵)

الجواب اسکی سند میں، صاعد بن مسلم، راوی متروک ہے، اسے امام ابو زرعہ نے ضعیف قرار دیا ہے، امام فلاس فرماتے ہیں متروک الحدیث ہے، امام ابن معین کہتے ہیں ہیچ محض ہے، امام ابو حاتم فرماتے ہیں کہ جابر جعفی (کذاب) میرے نزدیک اس سے بہتر ہے۔

(میزان الاعتدال ص٢٨٧ ج٢ و لسان المیزان ص١٦٤ ج٣ و الجرح والتعدیل ص٤٥٣ ج٤)

الغرض یہ روایت امام شعبی پر افترا ہے

خلاصہ کلام: انوار خورشید نے جوڑ توڑ کر کے اِدھر اُدھر کے کل بارہ دلائل حنفیہ کے مؤقف پر نقل کیے ہیں۔ مگر کسی دلیل سے بھی ان کے مؤقف کی تائید نہیں ہوتی۔

'الف' قرآن سے دلیل دینے سے عاجز رہے ہیں، ب، کوئی ایسی مرفوع حدیث نقل نہیں کی جس کا یہ معنی ہو کہ مقتدی بھی نماز لوٹائیں اس سلسلہ میں جو احادیث انہوں نے نقل کی ہیں ان میں معنوی تحریف کی ہے، ت، کسی صحابی سے بھی ایسا فتوی بسند صحیح یا حسن نقل نہیں کیا، ث، تابعین کے گروہ سے بھی اپنی تائید ثابت نہیں کر سکے، ہاں حماد بن ابی سلیمان بدعتی کا فتوی ضرور ثابت ہے، جس سے ثابت ہوا کہ یہ مسلک و مذہب مبتدعین کا ہے، اہل سنت کا ہرگز نہیں، ورنہ خیر القرون میں اکابر اہل سنت میں سے کسی ایک کا ہی نظریہ ضرور ہوتا، مگر اس کے باوجود انوار صاحب پوری ڈھٹائی سے ارشاد فرماتے ہیں۔ یہ حدیث کی مخالفت ہے، (ص ۵۰۷)

اہل حدیث کی امامت: انوار صاحب فرماتے ہیں کہ جو مقلدین غیر مقلدین کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں ان کے لیے لمحہ فکریہ ہے کہ اگر غیر مقلد امام نے بے وضو یا حالت جنابت میں نماز پڑھا دی اور بتلانا ضروری نہ سمجھتے ہوئے مقتدیوں کو بتلایا بھی نہیں تو مقلدین کی نماز کا کیا بنے گا؟

(حدیث اور اہل حدیث ص٥٠٧)

اس کا دوحرفی جواب تو یہ ہے کہ ان کی نماز ان شاء اللہ ضرور قبول ہوگئی، مگر آپ نے امت میں افتراق و انتشار کا بیج بونے کی غرض سے عدم جواز کا فتوی دیا ہے، ہمیں آپ کی اقتدا کی ضرورت نہیں بے شک نہ پڑھا کریں، ایسا فسادی اور تارک سنت بلکہ سنت سے بغض رکھنے والا ہماری مساجد سے الگ ہی رہے تو دنیا و آخرت کی بہتری ہے، ہاں البتہ اس سلسلہ میں ہم دو باتیں ضرور عرض کرنا چاہتے ہیں۔

الف جماعت تبلیغ کے افراد جب تبلیغی دورے پر جاتے ہیں، تو ایسے حضرات کی اقتدا میں بھی نماز پڑھ لیتے ہیں، جو اکابر دیوبند کے نزدیک پکے اور خالص مشرک قرار پا چکے ہیں۔ ان کی نمازوں کی فکر

يترا صون فی الصف،

سیدنا جابر بن سمرۃ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس آئے اور فرمایا کہ تم فرشتوں کی طرح صف نہیں باندھتے، اپنے پروردگار کے سامنے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کے حضور کس طرح صف بندی کرتے ہیں آپ علیہ التحیۃ والسلام نے فرمایا کہ پہلے پہلی صف کو پورا کرتے ہیں اور صف میں چونا گچ دیوار کی طرح مل کر کھڑے ہوتے ہیں۔

(سنن نسائی کتاب الامامة باب حث الامام علی رص الصفوف والمقاربة بینها، الحدیث ۸۱۷)

(۵) عن جابر بن سمرة قال قال رسول اللهﷺ، ألا تصفون كما تصف الملائكة عند ربهم؟ قلنا، و كيف تصف الملائكة عند ربهم؟ قال يتمون الصفوف المقدمة و يترا صون فی الصف،

سیدنا جابر بن سمرۃ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اس طرح صفیں نہیں باندھتے جیسے پروردگار کے حضور فرشتے صفیں، باندھتے ہیں۔ ہم نے عرض کیا فرشتے پروردگار کے حضور کیسے صفیں باندھتے ہیں، آپ علیہ التحیۃ والسلام نے فرمایا کہ پہلے اولین صفوں کو پورا کرتے ہیں اور صفوں میں چونا گچ دیوار کی طرح کھڑے ہوتے ہیں۔

(سنن ابوداؤ کتاب الصلاة باب تسویة الصفوف، الحدیث ص ٦٦١)

(٦) عن انس بن مالك عن رسول اللهﷺ قال، رصوا صفوفكم وقار بوا بينها وحاذوا بالاعناق فوالذی نفسی بيده انی لاری الشيطان يدخل من خلل الصف كانها الحذف،

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صفوں میں چونا گچ دیوار کی طرح مل کر کھڑے ہو، اور ایک صف دوسری صف کے قریب رکھو اور گردنوں کو برابر رکھو (یعنی ہموار جگہ پر صف بندی کرو) اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، میں دیکھتا ہوں کہ صف کی خالی جگہ کے اندر شیطان گھس آتا ہے جیسا کہ بکری کا بچہ ہے

(سنن ابو داؤد کتاب الصلاة باب تسویة الصفوف، الحدیث ٦٦٧، سنن نسائی کتاب الامامة باب حث الامام علی رص الصفوف والمقاربة بینها، الحدیث ٨١٦)

(۷) عن انس ان رسول اللهﷺ قال، رصوا صفوفكم وقاربوا بينها وحاذوا بالاكناق فوالذی نفسی بيده انی لاری الشيطان يدخل من خلل الصف كانها الخذف۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنی صفوں میں چونا گچ دیوار کی طرح کھڑے ہو، اور ایک صف دوسری صف سے قریب رکھو اور کندھوں کو برابر رکھو، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، میں دیکھتا ہوں کہ صف کی خالی جگہ کے اندر شیطان گھس آتا ہے

جیسا کہ بکری کا بچہ ہے۔

(ابن حبان (موارد) ص۱۱۳ رقم الحدیث ۳۸۷)

(۸) عن ابن عمران رسول اللهﷺ قال، اقیموا الصفوف وحاذوا بین المناکب وسدوا الخلل ولینوا بایدی اخوانکم ولا تذروا فرجات للشیطان ومن وصل صفا وصله الله ومن قطع صفا قطعه الله۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ صفوں کو قائم کرو اور کندھوں کو برابر کرو اور خالی جگہوں کو پُر کرو اور اپنے (نمازی بھائیوں کے ہاتھوں میں نرم ہو جاؤ، اور شیطان کے لیے صف میں خالی جگہ نہ چھوڑو جو صف میں ملکر کھڑا ہوا سے اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ملائیں گے اور جو صف کو کاٹے اللہ تعالیٰ بھی اسے اپنی رحمت سے کاٹ دے گا۔

(ابو داؤ کتاب الصلاۃ باب تسویة الصفوف، الحدیث ٦٦٦)

(۹) عن ابی امامة رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللهﷺ ان الله و ملائکة یصلون علی الصف الاول، سووا صفوفکم و سووا بین مناکبکم ولینوا لایدی اخوانکم وسدوا الخلل، فان الشیطان یدخل بینکم مثل الحذف

سیدنا ابی امامۃ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ پہلی صف والوں پر اللہ تعالیٰ رحمت نازل کرتے ہیں اور اس کے فرشتے دعا رحمت کرتے ہیں۔ لہذا اپنی صفوں کو درست کرو اور کندھوں کو برابر کرو، اور اپنے (نمازی) بھائیوں کے ہاتھوں میں (آگے پیچھے کرنے کے لیے) نرم ہو جاؤ، اور (صف میں) خالی جگہوں کو پُر کرو، کیونکہ شیطان تمہارے درمیان میں بکری کے بچہ کی طرح داخل ہوتا ہے۔ (المعجم طبرانی کبیر ص۱۷٤) ج۸ رقم الحدیث ۷۷۲۷)

(۱۰) عن ابی امامة قال قال رسول اللهﷺ، ان الله وملائکته یصلون علی الصف الاول، قالوا، یا رسول اللهﷺ، و علی الثانی؟ قال و علی الثانی، قال، رسول اللهﷺ سووا صفوفکم و حاذوا بین منا کبکم، ولینوا فی ایدی اخوانکم، وسدوا الخلل فان الشیطان یدخل بینکم بمنزلة الحذف۔

سیدنا ابو امامۃ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ پہلی صف والوں پر اللہ تعالیٰ رحمت بھیجتے ہیں اور اس کے فرشتے دعائے رحمت کرتے ہیں، صحابہ نے عرض کیا کیا دوسری صف والوں پر بھی؟ آپ نے فرمایا ہاں دوسری صف والوں پر بھی، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اپنی صفوں کو درست کرو اور کندھوں کو برابر کرو، اور اپنے (نمازی) بھائیوں کے ہاتھوں نرم ہو جاؤ، اور خالی جگہوں کو پُر کرو (کیونکہ) شیطان تمہارے درمیان بکری کے بچہ کی طرح داخل ہوتا ہے۔

(مسند احمد ص ۲۶۲ ج ۵، ہیثمی فرماتے ہیں کہ اس کے راویوں کی توثیق کی گئی ہے۔

(مجمع الزوائد ص ۹۱ ج ۲)

(۱۱) عن معاذ بن جبل عن النبی ﷺ قال خطوتان احدهما احب الخطا الى الله عزوجل والاخرى ابغض الخطا الى الله فاما الخطوة التى يحبها الله عزوجل فرجل نظر الى خلل فى الصف فسده واما التى يبغض الله فاذا اراد الرجل ان يقوم مد رجله اليمنى ووضع عليها واثبت اليسر ثم قام

سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی مکرم ﷺ نے فرمایا دو قدموں میں سے ایک قدم اللہ تعالیٰ کو پسندیدہ ہے اور دوسرا ناپسند ہے، وہ قدم جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہے یہ ہے کہ آدمی صف میں شگاف دیکھئے تو آگے بڑھ کر اسے پر کردے، اور وہ قدم جو اللہ کو ناپسند ہے وہ یہ ہے کہ انسان جب (نماز میں) اُٹھنے کا ارادہ کرے تو دایاں پاؤں آگے کرے پھر اس پر ہاتھ رکھ کر بائیں پاؤں کو جما کر کھڑا ہوا۔

(بیہقی ص ۲۸۸ ج ۲ و مستدرک حاکم ص ۲۷۲ ج ۱)

منذری نے اس کی تصحیح یا تحسین کی طرف اشارہ کیا ہے۔ (الترغیب ص ۳۲۳ ج ۱)

حاکم نے شرط مسلم پر صحیح کہا ہے۔ ذہبی نے (تلخیص مستدرک ص ۲۷۲ ج میں اور البانی نے الضعیفہ (۵۲۸۳) میں ضعیف قرار دیا ہے۔ اور حق البانی و ذہبی کے ساتھ ہے۔

(۱۲) عن عائشة قالت قال رسول الله ﷺ ان الله و ملائكته يصلون على الذين يصلون الصفوف و من سد فرجة رفعه الله بها درجة،

ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا راویہ ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ رحمت نازل کرتے ہیں اور فرشتے دعا کرتے ہیں جو صفوں کو جوڑتے ہیں اور جو شخص صف میں خالی جگہ کو پُر کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے اس کا ایک درجہ بلند کرتے ہیں

(ابن ماجه كتاب اقامة الصلوات باب اقامة الصفوف، الحديث ۹۹۵، و مسند احمد ص ۸۹ ج ۲)

(۱۳) عن ابى سعيد الخدرى قال قال رسول الله ﷺ فاذا قمتم فاعدلوا صفوفكم و سدوا الفرج فانى أراكم من وراء ظهرى،

سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب نماز کے لیے کھڑے ہو، تو صفوں کو برابر کرو اور درمیانی فرجہ (جگہ) کو بند کرو (کیونکہ) میں تم کو پیچھے سے بھی دیکھتا ہوں۔

(صحیح ابن خزیمة ص ۲۳ ج ۳ رقم الحدیث ۱۵۴۸، و مصنف ابن ابی شیبه ص ۳۷۹ ج ۱)

(۱۴) عن ابى سعيد الخدرى رضی اللہ عنہ انه سمع رسول الله ﷺ يقول الا ادلكم على شئى يكفر الله به الخطايا و يزيد به فى الحسنات قالوا بلى يا رسول الله ﷺ قال اسباغ الوضوء

عند المكاره و كثرة الخطا الى هذه المساجد و انتظار الصلوٰة بعد الصلوٰة ما منكم من رجل يخرج من بيته متطهرا فيصلى مع المسلمين الصلوٰة فى جماعة ثم يقعد فى هذا المسجد ينتظر الصلوٰة الأخرى الا ان الملائكة، تقول اللهم اغفرله اللهم ارحمه فاذا قمتم الى الصلوٰة فاعد لوا صفوفكم واقيموها وسدوا الفرج فانى اراكم من وراء ظهرى فاذا قال امامكم الله اكبر فقولوا الله اكبر واذا ركع فاركعوا واذا قال سمع الله لمن حمده، فقولوا اللهم ربنا لك الحمد، وان خير صفوف الرجال المقدم و شرها المؤخر و خير صفوف النساء المؤخرو شرها المقدم يا معشر النساء اذا سجد الرجال فاخفضن ابصاركن لا ترين عورات الرجال من ضيق الازر۔

سیدنا ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ آپ علیہ التحیۃ والسلام فرما رہے تھے کہ کیا میں تم کو ایسی چیز سے آگاہ نہ کروں جس سے گناہ مٹ جاتے ہیں اور نیکیاں بڑھ جاتی ہیں؟ صحابہ کرام نے عرض کیا کیوں نہیں یا رسول اللہ ﷺ! آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ باوجود (سردی اور بیماری وغیرہ کی) تکلیف کے، صحیح طور پر وضو کرنا اور زیادہ قدم چل کر مسجد میں جانا، اور ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا، تم میں سے کوئی بھی شخص طہارۃ کے ساتھ گھر سے نکلا اور مسجد میں مسلمانوں کے ساتھ باجماعت نماز ادا کی پھر وہیں مسجد میں ہی بیٹھ گیا دوسری نماز کے انتظار میں، آگاہ رہو اس کے لیے فرشتے اللہ تعالیٰ سے مغفرت اور رحمت کی دعا کرتے ہیں، پس جب تم نماز کے لیے کھڑے ہو تو صفوں کو برابر اور قائم کرو اور درمیانی فرجہ (خلا) کو بند کرو، میں تمہیں پیچھے سے بھی دیکھتا ہوں، جب تمہارا امام، اللہ اکبر، کہے تو تم بھی اللہ اکبر کہو اور جب وہ رکوع کرے تو تم بھی رکوع کرو اور جب وہ سمع اللہ حمدہ، کہے تو تم، اللھم ربنا لک الحمد، کہو اور بلاشبہ مردوں کی اولین صفیں بہترین ہیں اور بد ترین آخری ہیں اور عورتوں کی بہترین صفیں آخری ہیں اور بدترین اولین ہیں، اے عورتوں کا گروہ جب مرد سجدہ کریں تو اپنی نظروں کو نیچے رکھو تا کہ مردوں کے تنگ ازار کی وجہ سے ان کی پردے کی جگہ پر نظر نہ پڑے۔

(السنن الكبرٰى للبيهقى ص١٦ ج٢ و صحيح ابن حبان (موارد) ص١١٩ رقم الحديث ٤١٧)

(۱۵) عن ابى جحيفة رضی اللہ عنہ ان رسول الله ﷺ قال من سد فرجة فى الصف غفرله۔

سیدنا ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص صف میں فرجہ (خلا) بند کرے، اللہ تعالیٰ اسے بخش دے گا۔

(رواه البزار باسناد حسن، الترغيب ص٣٢٢ ج١)

(۱۶) عن ابن عباس قال قال رسول الله ﷺ اياى والفرج يعنى فى الصلوٰة

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا نماز میں فرجہ (خلا) سے بچو،

(طبرانی کبیر ص ١٥١ ج ١١ رقم الحدیث ١١٤٥٢)

(۱۷) عن ابن عباس قال قال رسول اللہ ﷺ ترا صوا الصوف فانی رایت الشیاطین تخللکم کانها اولاد الحذف۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ صفوں میں چونا گچ دیوار کی طرح کھڑے ہو، میں دیکھتا ہوں کہ شیاطین تمہارے درمیان داخل ہوتے ہیں جیسے بکری کا بچہ (داخل ہوتا ہے) (مسند ابو یعلی الموصلی ص ١٠١ ج ٣ رقم الحدیث ٢٦٠٠)

(۱۸) عن عبداللہ بن عمر قال قال رسول اللہ ﷺ خیار کم الینکم مناکب فی الصلوٰۃ وما من خطوۃ اعظم اجرا من خطوۃ مشاها رجل الی فرجة فی الصف فسدها۔

سیدنا عبداللہ بن بن عمر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے بہترین وہ لوگ ہیں جن کے کندھے نرم ہوتے ہیں نماز میں، اور کوئی ایسا قدم نہیں اجر کے لحاظ سے بڑا اس قدم سے کہ آدمی چل کر صف میں فرجہ کو بند کرے۔

(طبرانی الاوسط ص ١٠٣ ج ٦ رقم الحدیث ٥٢١٣ و مجمع الزوائد ص ٩٠ ج ٢ و اللفظ له)

(۱۹) عن عائشة قالت قال رسول اللہ ﷺ من سد فرجة فی صف رفعه اللہ بها درجة و بنی بیتا فی الجنة،

ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا راویہ ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے صف میں سے فرجہ (خالی جگہ) بند کیا تو اللہ تعالیٰ اس کا ایک درجہ بلند کرتا ہے اور اس کے لیے جنت میں ایک قصر تعمیر کیا جاتا ہے۔ (طبرانی الاوسط ص ٣٧٢ ج ٦ رقم الحدیث ٥٧٩٣)

(۲۰) عن علی قال قال رسول اللہ ﷺ استووا تستو قلوبکم و تماسوا تراحموا۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا (نماز میں صفوں کو) خط مستقیم پر بناؤ اللہ تعالیٰ تمہارے دل سیدھے کر دے گا، اور ایک دوسرے سے چمٹ کر کھڑے ہو، تم پر رحم کیا جائے گا۔

(طبرانی الاوسط ص ٥٦ ج ٦ رقم الحدیث ٥١١٧)

(۲۱) عن انس ان رسول اللہ صلی اللہ علی وسلم قال استووا وترا صوا فواللہ انی لاراکم من خلفی کما اراکم من بین یدی،

سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ صفوں کو خط مستقیم پر رکھو اور آپس میں مل جل کر کھڑے ہو، اللہ کی قسم میں جیسے تم کو آگے سے دیکھتا ہوں ایسے پیچھے سے بھی دیکھتا ہوں۔

(مسند احمد ص ٢٨٦ ج ٣)

(۲۲) عن ابی القاسم الجدلی قال سمعت النعمان بن بشیر یقول اقبل رسول اللہ ﷺ علی الناس بوجھه فقال اقیموا صفوفکم، ثلاثا، واللہ! لتقیمن صفوفکم اولیخالفن اللہ بین قلوبکم، قال، فرأیت الرجل یلزق منکبه بمنکب صاحبه و رکبته برکبة صاحبه و کعبه بکعبه۔

امام ابو قاسم جدلی سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر تین دفعہ فرمایا کہ اپنی صفوں کو قائم کرو، اللہ تعالیٰ کی قسم تم اپنی صفوں کو برابر کرو ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں میں پھوٹ ڈال دے گا۔ سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ (تعمیل ارشاد میں صحابہ کرام کو) میں نے دیکھا کہ ہر شخص اپنے ساتھ والے نمازی کے کندھے سے کندھا گھٹنے سے گھٹنا اور ٹخنے سے ٹخنا ملا کر کھڑا ہوتا۔

(ابو داؤد کتاب الصلاۃ باب تسویة الصفوف، الحدیث ۶۶۲ و مسند احمد ص۲۷۶ ج ٤ و دارقطنی ص۲۸۳ ج۱ و بیہقی ص۱۰۱ ج۳ و ابن حبان رقم الحدیث ۲۱۷۳)

مشکل الفاظ کے معانی: قارئین کرام اس سلسلہ میں مزید احادیث بھی ہم بفضلہ تعالیٰ نقل کر سکتے ہیں۔ لیکن انہیں پر اکتفا کرتا ہوں، ہاں البتہ ان احادیث میں آنے والے چند الفاظ نبویہ کا ہم لغوی معنی ومفہوم بیان کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ کیونکہ انوار صاحب نے بھی انہیں احادیث میں سے بعض کو نقل کرکے، تحریف معنوی کرکے مغالطہ دیا ہے۔ پہلے معانی ملاحظہ کیجئے بعد میں انوار صاحب کی فضولیات پر تبصرہ پڑھئے۔

رَصَّ کے معنی دو چیزوں کو باہم ملا کر جوڑ دینے کے ہیں۔ علامہ راغب فرماتے ہیں۔ ترا صوا فی الصلوٰۃ ای تضایقوا فیھا، یعنی نماز کی صف میں باہم پیوستہ ہو کر کھڑا ہونا (المفردات ص۱۹۶) علامہ فتنی فرماتے ہیں، ترا صوا فی الصفوف، ای تلا صقوا حتی لا تکون بینکم فرج، یعنی اس کا معنی ہے صفوں میں مل کر کھڑے ہونا کہ تمہارے درمیان کوئی فرجہ نہ رہے، (مجمع بحار الانوار صاحب ۳۳۴ ج۲) علامہ فیروز آبادی فرماتے ہیں۔ رصه الزق بعضه ببعض و ضم، یعنی ایسا مل کر کھڑا ہونا کہ گویا ایک دوسرے کے ساتھ ضم ہو جانا (القاموس ص۵۵۷) علامہ ابن منظور افریقی فرماتے ہیں۔ تراصوا فی الصلاۃ ای تلاصقوا قال الکسائی التراص ان یلصق بعضھم ببعض حتی لا یکون بینھم خلل ولا فرج، یعنی اس کا معنی مل کر کھڑا ہونا علامہ کسائی فرماتے ہیں کہ ایک دوسرے کے ساتھ ایسا ملنا کہ درمیان میں کوئی خلا اور فرجہ نہ رہے (لسان العرب ص۴۰ ج۷) علامہ زبیدی نے بھی امام کسائی سے یہ نقل کیا ہے، (تاج العروس ص۳۹۸ ج۴)

اس لغوی معنی کو ملحوظ رکھا جائے تو بات صاف ہو جاتی ہے کہ نمازی آپس میں ایسے مل جل کر

کھڑے ہوں کہ ایک دوسرے کے ساتھ ضم ہو جائیں۔ اور یہ تب ہی ممکن ہے جب کندھوں اور قدموں کو ملایا جائے، کیونکہ رص کا یہ معنی نہیں کہ دو چیزوں کے اوپر کے حصہ کو ملایا جائے اور نیچے کے حصے میں کسی قدر فاصلہ ہو، الغرض یہ لفظ کندھوں اور قدموں کو ملانے کی دلیل ہے۔

فرج: کے معنی دو چیزوں کے درمیان شگاف کے ہیں، علامہ زمخشری فرماتے ہیں کہ **کل فرجة شیئین فهو فرج** (اساس البلاغۃ ص۳۳۷) یعنی دو چیزوں کے درمیان شگاف کو فرجہ کہتے ہیں، عربی کا مقولہ **فرج القوم للرجل،** کا معنی کرتے ہوئے علامہ فیومی فرماتے ہیں، **او سعوا فی الموقف والمجلس و ذلك الموضع فرجة،** یعنی کسی کے لیے مجلس میں توسیع کر کے بٹھانا، اور یہی جگہ فرجہ ہے (المصباح المنیر ص۴۶۵)

لغت کی جدید ڈکشنری المعجم الوسیط ص۶۷۸ میں ہے، **فرج، بین الشیئین، فرجا،** یعنی دو چیزوں کے درمیان شگاف کو فرجہ کہتے ہیں۔ الغرض شگاف کو فرجہ کہتے ہیں اور اسی کو مٹانے کا نبی علیہ السلام نے حکم و ارشاد فرمایا ہے، اس حکم و فرمان کا کیا معنی ہے؟ آیئے آئمہ لغت کی صراحت ملاحظہ کیجئے۔ علامہ محمد طاہر پٹنی مرحوم فرماتے ہیں۔

ولا تذروا فرجات للشیطان جمع فرجة وهی خلل یکون بین المصلین فی الصفوف۔

اور شیطان کے لیے فرجات نہ چھوڑو، فرجات، فرجہ کی جمع ہے اور صفوں میں دو نمازیوں کے درمیانی خلاء کو فرجہ کہتے ہیں (مجمع بحار الانوار ص۱۱۶ ج٤) یہی معنی علامہ ابن منظور افریقی نے کیا ہے (لسان العرب ص٣٤١ ج٢)

آئمہ لغت کی ان تصریحات سے ثابت ہوا کہ، فرجہ، دو چیزوں کے درمیان شگاف کو کہتے ہیں، اور الفاظ نبوی ﷺ، **لاتذروا فرجات،** کا یہ مفہوم ہوا کہ دو نمازیوں کے درمیان شگاف نہ ہو خواہ وہ کندھوں کے درمیان ہو یا پاؤں کے بیچ میں، اس سے ثابت ہوا کہ صرف کندھے ملانا ہی مطلوب نہیں بلکہ نمازی ایک دوسرے کے پاؤں سے پاؤں کو ملائیں، کیونکہ اس لفظ کا یہ مفہوم قطعاً نہیں کہ زمین سے چار پانچ فٹ اوپر کے شگاف کو فرجہ کہتے ہیں۔ بلکہ مطلق شگاف کو فرجہ کہتے ہیں۔ خواہ وہ دو نمازیوں کے اوپر ہو یا نیچے ہو۔ اس لغوی صراحت سے انوار صاحب کے اس وہم کا بھی ازالہ ہو جاتا ہے جو انہوں نے سنت کا مذاق اُڑاتے ہوئے لکھا ہے کہ قدم ملانے کی ضرورت نہیں کیونکہ اس طرح گو قدم سے قدم تو مل جاتے ہیں لیکن اپنی ٹانگیں چوڑی ہو جانے کی وجہ سے خود اپنی ٹانگوں کے درمیان انتہائی بھدی شکل میں فرجہ اور خلل پیدا ہو جاتا ہے۔

(حدیث اور اهل حدیث ص۵۱۷)

ہم اوپر علامہ فتنی اور ابن منظور وغیرہ آئمہ لغت کی صراحت دکھا چکے ہیں کہ اپنے پاؤں کے درمیانی

فاصلہ کو ختم کرنا مقصود نہیں بلکہ دوسرے نمازی اور اپنی درمیانی جگہ کو ختم کرنا مطلوب ہے، اور یہی حدیث کا مفہوم ہے، مگر انوار صاحب کی بھدی عقل اور فقاہت کا کمال دیکھئے کہ وہ انسانی ٹانگوں کے درمیانی حصہ کو فرجہ کہتے ہیں مگر اس پر کوئی دلیل درج نہیں کرتے۔

شکر ہے انہوں نے کہیں یہ نہیں کہہ دیا کہ لغت کی کتابوں میں، قبل اور دبر، کو بھی فرجہ کہتے ہیں (تاج العروس ص۸۳ ج۲) لہٰذا ان دونوں شگافوں میں کوئی چیز ٹھونس کر بند کرنا چاہیے۔

لا حول ولا قوة الا بالله العلی العظیم۔

اگر ایسا کہہ دیتے تو ہم ان کا کیا بگاڑ سکتے تھے، سنئے آپ کے علامہ کاشمیری فرماتے ہیں کہ **عند الفقهاء الاربعة ای ان لا یترك فی البین فرجة تسع فیها ثالثا**، یعنی فقہاء اربعۃ کے نزدیک فرجہ وہ ہے کہ دو آدمیوں کے درمیان تیسرا گھس جائے۔

(فیض الباری ص۲۳۶ ج۲) گو اس بیان میں علامہ کاشمیری نے ڈنڈی ماری ہے کہ اتنا شگاف ہو جس میں تیسرا آدمی داخل ہو سکے مگر یہ تسلیم کر لیا ہے کہ دو آدمیوں کے درمیانی شگاف کو فرجہ کہتے ہیں۔

خلل: دو چیزوں کے درمیان کوئی جگہ جو آپس میں مربوط ہو، کو خلل کہتے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے۔ **وفجرنا خللهما نهراً** (الکہف ۳۳) اور ان دونوں باغوں میں ہم نے نہر جاری کر رکھی تھی (۱۸ تا ۳۳)

آئمہ لغت نے اس کا معنی، **الخلل فرجة بین الشئین**، یعنی دو چیزوں کے درمیانی فرجہ کو خلل کہتے ہیں۔

(المفردات القرآن ص۱۵۳ و المصباح المنیر ص۱۸۰ و القاموس ص۸۹۵ و لسان العرب ص۲۱۳ ج۱۱ و تاج العروس ص۳۰۷ ج۷ و المعجم الوسیط ص۱۵۳ وغیرہ)

محترم قارئین کرام جب آپ نے اس بات کو بخوبی جان لیا کہ دو چیزوں کے درمیانی فرجہ کو خلل کہتے ہیں، اور احادیث میں آیا ہے کہ، **سدوا الخلل**، یعنی خلل کو بند کرو، اس کا معنی بیان کرتے ہوئے علامہ فتنی مرحوم فرماتے ہیں۔ **سدوا الخلل، ای الفرجة بین الشخصین فی الصف**، یعنی صف میں دو شخصوں کے درمیانی فرجہ کو بند کرو۔

(مجمع بحار الانوار ص۱۰۷ ج۲)

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ جس خلل کو بند کرنے کا حکم نبوی ﷺ ہے وہ دو نمازیوں کے درمیانی خلا کے بارے ہے، خواہ وہ خلا کندھوں کے درمیان ہو یا پاؤں کے درمیان میں ہو، بہرحال فرمان نبوی ﷺ یہی ہے کہ اسے بند کرو، جس کا لازمی نتیجہ یہی ہے کہ کندھے سے کندھا اور قدم کے ساتھ قدم

کو ملایا جائے، اس لفظ کا یہ مفہوم قطعاً نہیں کہ اوپر سے تو وہ مل جائیں جبکہ نیچے سے ان کے درمیان فاصلہ ہو، جو اس بات کا مدعی ہے وہ دلیل دے۔

صفوں کو قائم کرنے کا مفہوم: پہلی دونوں احادیث میں آتا ہے کہ نبی علیہ السلام نے صفوں کو قائم کرنے کا حکم دیا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے تعمیل ارشاد میں صفوں کو قائم کیا، مگر کیسے کیا؟ صحابی کہتا ہے، **وکان احدنا یلزق منکبه بمنکبه و قدمه بقدمه**، اور ہم میں سے ہر شخص اپنا کندھا اپنے ساتھ والے نمازی کے کندھے سے اور اپنے قدم کو ساتھ والے نمازی کے قدم سے ملا دیتا تھا (بخاری رقم الحدیث ۷۲۵)

جس سے ثابت ہوا کہ صفوں کو قائم کرنے کا یہی معنی ہے، ورنہ لازم آئے گا کہ نبی مکرم ﷺ کے فرمان کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے غلط سمجھا، اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی جان بوجھ کر اس غلطی کا ازالہ نہ کیا، کیوں؟ اس لیے کہ اسی حدیث میں یہ فرمان بھی ہے کہ میں جیسے آگے سے دیکھتا ہوں ویسے ہی تم کو پیچھے سے بھی دیکھتا ہوں، مگر آپ علیہ التحیۃ والسلام نے دیکھ کر بھی اصلاح نہ کی، حالانکہ آپ علیہ السلام امت کی اصلاح کرنے کے مکلّف تھے، اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ آپ علیہ السلام کے ارشاد کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے درست سمجھا اور نبی مکرم ﷺ نے بھی اسی عمل کی توثیق کی، توثیق اس بات کی دلیل ہے کہ عمل صحابہ کرام حکم نبوی کی عملی تفسیر ہے، مگر انوار صاحب بھولے پن سے فرماتے ہیں کہ

> آنحضرت ﷺ سے کسی بھی حدیث میں قدم سے قدم ملانا نہ قولاً ثابت ہے نہ فعلاً۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۵۱۴)

اس عبارت میں صاف اعتراف ہے کہ قدم سے قدم کا ملانا نبی ﷺ سے تقریراً ثابت ہے، ورنہ انوار صاحب حدیث کی اس قسم کی بھی نفی کرتے، مگر انہوں نے اس کی نفی نہیں کی، جس کا لازمی نتیجہ ہے کہ انوار صاحب کو اعتراف ہے کہ تقریری حدیث موجود ہے، ہم کہتے ہیں کہ چلو اس کو ہی تسلیم کر لو، مگر صراحت کرو کہ آیا آپ تقریری حدیث کو حجت تسلیم کرتے ہیں یا نہیں؟ اگر کرتے ہیں یقیناً کرتے ہیں۔ تو پھر آپ کے پاس قدم سے قدم ملانے کا رد کرنے کا کوئی جواز موجود ہے، نہیں ہرگز نہیں، ہم یہاں اس بات کی بھی صراحت کر دینا چاہتے ہیں کہ قدم سے قدم ملانے کی حدیث قولی ہے، گو الفاظ صحابی کے ہیں۔ کیونکہ یہ حکم نبوی کی عملی تفسیر ہے۔

فصل دوم

انوار صاحب نے کوئی حدیث ایسی نقل نہیں کی کہ جس کا یہ معنی و مفہوم ہو کہ صرف کندھے ہی ملائے جائیں قدموں کے درمیان فرجہ و خلل رہے ہاں ان احادیث کو نقل کیا ہے جو حنفی مذہب کے خلاف ہیں مگر معنوی تحریفات کر کے اُلو سیدھا کیا ہے، اب ترتیب وار انوار صاحب کی فضولیات کا جواب سنئے۔

(۱) فرماتے ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں جو یہ مذکور ہے کہ ہم میں سے ایک اپنا قدم اپنے ساتھی کے قدم سے ملا دیتا تھا، اس سے آپ کا مقصد صف بندی اور درمیان سے خلاء کو پُر کرنے میں انتہائی اہتمام بتلانا ہے، نہ کہ حقیقتاً قدم سے قدم ملانا۔ (حدیث اور اہل حدیث ص۵۱۴)

گویا آپ کے نزدیک یہ مجاز ہے، حقیقت قطعاً نہیں، محترم مجازی معنی لینے کے لیے قرینہ کی ضرورت ہوتی ہے، یہاں کونسا لفظ قرینہ ہے جس کی وجہ سے آپ اسے حقیقت کی بجائے مجاز قرار دے رہے ہیں۔ بلا دلیل آپ کو حقیقت سے مجاز کی طرف کوئی نہیں لانے دے گا۔ محترم مجاز مراد نہ ہونے پر حدیث کے الفاظ گواہ ہیں ورنہ تقدیر عبارت یوں ہوتی، **كانها احدنا** الخ مگر ایسا قطعاً نہیں بلکہ، **كان احدنا**، کے الفاظ ہیں۔ پھر، **يتراصون في الصف**، **رصوا صفوفكم**، **سدو الخلل سدوا الفرج**، وغیرہ کے الفاظ مجازی معنی کو رد کرتے ہیں۔ خود انوار صاحب کا دل بھی مجاز پر راضی نہیں یہی وجہ ہے کہ آگے چل کر بحوالہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ یہ مبالغہ ہے،" ۵۱۵) سوال پیدا ہوتا ہے حافظ ابن حجرؒ نے کس چیز کو مبالغہ قرار دیا ہے؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عمل کو یا سیدنا انس رضی اللہ عنہ کے حکایت عمل کو؟ محترم حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ان میں سے کسی چیز کو بھی مبالغہ قرار نہیں دیا، آپ غور سے فتح الباری کا مطالعہ کریں وہ امام بخاری کے ترجمہ باب کو مبالغہ قرار دے رہے ہیں، پھر مبالغہ کا یہاں مقصود، حد سے زیادہ، نہیں بلکہ انتہائے حد بتانا ہے، کیونکہ مبالغہ کا لفظ بلغ سے مشتق ہے **بالغ يبالغ مبالغة و بلاغا، اذا اجتهد في الامر**، یعنی جب کسی چیز میں کوشش کی جائے تو اسے مبالغہ کہتے ہیں۔

(مجمع بحار الانوار ص۲۱۹ ج۱ و لسان العرب ص۴۲۰ ج۸ و تاج العروس ص۵ ج۶)

الغرض حافظ ابن حجر رحمہ اللہ یہ بتا رہے ہیں کہ کندھوں اور ٹخنوں کو خوب ملایا جائے، افسوس انوار صاحب عربی کے مبالغہ کو اردو کا مبالغہ سمجھ بیٹھے ہیں۔ محترم اگر وہ مفہوم ہوتا جو آپ سمجھ بیٹھے ہیں تو حافظ ابن حجر رحمہ اللہ، غلو، کا لفظ استعمال کرتے۔

پھر فرماتے ہیں کہ کندھے سے کندھا گھٹنے سے گھٹنا ٹخنے سے ٹخنہ ملا ہوا ہو، ناممکن اور محال ہے (۵۱۵) محترم آپ کی یہ بات فضول ہے، آخر کس ضرورت کے تحت آپ نے کتاب میں یہ باب

باندھا ہے، اگر اس پر عمل ہی متروک ہے تو رد کس کا کر رہے ہو، الغرض اس پر عمل ناممکن نہیں بلکہ بفضلہ تعالیٰ جماعت اہل حدیث کا اس پر عمل ہے، آخر میں مولانا فرماتے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے کہ صف بندی کا یہ انداز دور رسالت میں تھا، بعد میں نہیں رہا (۵۱۵) انوار صاحب آخر عقل تو اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کو دی ہے، اپنے حیلوں اور بہانوں پر غور کریں۔

الف، مجاز ہے اور اس پر عمل ناممکن ہے، ب، یہ انداز دور رسالت میں تھا بعد میں نہیں رہا، قارئین کرام نتیجہ آپ کے سامنے ہے کہ انوار صاحب وضاحت کریں کہ ہم انہیں کس قول میں کاذب قرار دیں، مجاز کہنے میں، یا عمل کے متروک ہونے میں، اگر آپ ہم پر چھوڑتے ہیں تو ہم آپ کو مجاز کہنے میں جھوٹا کہتے ہیں، رہا یہ امر کہ دور رسالت کے بعد لوگوں نے ترک کر دیا تھا، تو اس سلسلہ میں پہلی بات یہ ہے کہ آپ نے جو عبارت نقل کی ہے اس کا یہ مطلب قطعاً نہیں، صرف یہ بیان ہے کہ اگر میں ایسا کروں تو وہ بدکے ہوئے خچر کی طرح بھاگے۔

اس میں عامة الناس مراد ہیں، دوسری بات یہ کہ یہ قول سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا نہیں بلکہ امام معمر بن راشد کا ہے، آپ نے جو عبارت نقل کی ہے اس سے پہلے یہ الفاظ موتیوں کی طرح لکھے ہوئے ہیں۔

و زاد معمر فی روایة (فتح الباری ص۱۶۸ ج۲) لہٰذا لو فعلت، کا فاعل امام معمر ہیں سیدنا انس رضی اللہ عنہ قطعاً نہیں، اور امام معمر کبائر اتباع تابعین سے ہیں،

اور ان کی وفات بعمر ۵۸ سال ۱۵۲ھ میں ہوئی تھی (تھذیب ص۲۴۵ ج۱۰) گو یہ خیر القرون کا زمانہ تھا مگر بدعتی حضرات کی کمی بھی نہ تھی۔

واضح رہے کہ امام معمر اہل حدیث کا ہی موقف رکھتے تھے، اس لئے تو وہ منکرین کو خچر (گدھے کا بیٹا) سے تعبیر کر رہے ہیں۔ الغرض یہ نکیران کے مؤقف کی ترجمان ہے کہ وہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ کی روایت کے موافق عمل کرتے تھے، مگر انوار صاحب کی فقاہت دیکھئے وہ اس سے متروک ہونے کا استدلال کر رہے ہیں، پھر اس کوڑ میں کھاج فرماتے ہیں کہ

یہ بھی معلوم ہوا کہ صف بندی کے حقیقی معنی میں قدم سے قدم ملانا سنت نہیں ہے کیونکہ اگر یہ سنت ہوتا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام اسے ہرگز نہ چھوڑتے اور نہ اس عمل سے اس قدر متنفر ہوتے (حدیث اور اہل حدیث ص۵۱۶)

کس صحابی نے اس پر عمل نہ کیا؟ بحوالہ اس کی صراحت کریں، تابعین میں سے کون اس کا منکر ہے اس کی وضاحت بھی درکار ہے، اور کس نے اس سے نفرت کی ہے، ذرا انوار صاحب حسن سند سے روایت ہی دکھا دیں، آپ کی لفاظی دلیل نہیں بلکہ یہاں نقل صحیح کی ضرورت ہے۔ ہم پوری ذمہ داری سے عرض کرتے ہیں کہ یہ کذب و افترا اور سینہ گزٹ بات ہے، سیدنا انس رضی اللہ عنہ تو فرماتے ہیں کہ ہم

(صحابہ کرام) میں سے ہر شخص قدم سے قدم اور کندھے سے کندھا ملاتا تھا (بخاری رقم الحدیث ۷۲۵) مگر جامعۃ مدنیہ کا بوڑھا استاد کہتا ہے کہ وہ اس عمل سے نفرت کرتے تھے۔

(۲) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو نماز میں دونوں قدم ساتھ جوڑ کر کھڑے ہوئے دیکھا تو فرمایا کہ اس نے سنت کے خلاف کیا۔ اگر یہ شخص مراوحۃ کر لیتا تو مجھے یہ زیادہ پسند تھا، مراوحۃ، یہ ہوتا ہے کہ نمازی طول قیام کی وجہ سے کبھی ایک پاؤں پر کھڑا ہو جائے اور کبھی دوسرے پاؤں پر اور یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ مراوحہ کی یہ صورت دونوں پاؤں کے درمیان تھوڑی سی کشادگی سے حاصل ہوتی ہے، (حدیث اور اہل حدیث ۵۱۶)

الف، یہ واقعہ غیر جماعت کا ہے، اور بات جماعت میں صف بندی کے متعلق ہے، اگر یہ با جماعت نماز کا ذکر ہوتا تو الفاظ اس طرح ہوتے، **انه رای رجلا یصلی مع الناس.** مگر اثر کے الفاظ، **انه رأرجلا یصلی**، کے ہیں (سنن نسائی رقم الحدیث ۸۹۳)

'ب' مراوحہ کی صورت تب بھی حاصل ہو جاتی ہے جب کندھے سے کندھا اور قدم سے قدم ملایا جائے، تجربہ کر لیجئے، ہاں اگر انوار صاحب انکار پر ہی اصرار کریں تو ضد لا علاج مرض ہے، ت، جس شخص نے نماز میں ایسا کیا وہ لازمی تابعی تو ہوگا، اور اس نے سنت کو بھی ترک کر دیا، اور آپ کے نزدیک تابعی کا سنت کے خلاف عمل کرنا سنت کی نفی کو مستلزم ہے، آپ کے الفاظ ہیں۔

اگر یہ سنت ہوتا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام اسے ہرگز نہ چھوڑتے

(۵۱۶ سطر ۲و۳)

آپ نے اس اصول کی روشنی میں یہ کیوں نہیں کہہ دیا کہ اپنے دونوں قدموں کو ملانا ہی سنت ہے، آخر آپ دوسرے سے قدم ملانے کے متعلق تو یہ کہتے ہیں یہاں ایسا دعویٰ کیونکہ نہیں کرتے، ،ث،، یہ روایت ضعیف ہے، تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرنے والے ان کے بیٹے، ابو عبیدہ، ہیں اور ابو عبیدہ کی اپنے والد محترم سے ملاقات و سماع نہیں ہے، جیسا کہ امام ابو حاتم نے صراحت کی ہے (مراسیل ابن ابی حاتم ص ۲۵۶) امام بیہقی نے اسے مرسل قرار دیا (بیہقی ص ۲۸۸ ج ۲) اور علامہ البانی نے ضعیف قرار دیا ہے (ارواء الغلیل ص۷۳ ج۲،، ۳۵۵)

(۳) فرماتے ہیں۔ یہی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا عمل تھا، آپ نماز میں دونوں پاؤں نہ بہت زیادہ کھلے رکھتے تھے نہ بالکل ملا کر بلکہ فطری ہیئت کے مطابق کھڑے ہوتے تھے، جیسا کہ المغنی کی روایت سے ظاہر ہے، (حدیث اور اہل حدیث ص ۵۱۶)

روایت کے متن میں فطری ہیئت کا قطعاً ذکر نہیں، علاوہ ازیں اس کو اگر قبول بھی کر لیا جائے تو تب بھی ہمارے موافق ہے مخالف قطعاً نہیں جیسا کہ انوار صاحب بتا رہے ہیں، فطری ہیئت یہی ہے کہ

کندھوں کے برابر پاؤں کو پھیلایا جائے، جس سے قدم سے قدم بھی مل جاتا ہے اور کندھے سے کندھا بھی جڑ جاتا ہے۔ یہ قطعاً فطری ہیئت نہیں کہ دونوں قدموں کے درمیان چار انگلیوں کا فاصلہ رکھا جائے، جیسا کہ انوار صاحب نے بحوالہ شامی ص۴۴۴ ج۱ صراحت کی ہے،

(۴) اس میں بلا وجہ تکلف کرنا پڑتا ہے، چنانچہ مشاہدہ سے ظاہر ہے، یہ خشوع کے بھی خلاف ہے۔ اس سے رکوع و سجود میں دشواری ہوتی ہے، صف بندی کا اہتمام تو صرف نماز کے شروع ہوتے وقت کیا جاتا ہے اور اس طرح ٹانگیں چوڑی کر کے قدم سے قدم ملانا یہ ہر رکعت کے شروع میں کرنا پڑتا ہے جو خلاف سنت ہے (حدیث اور اہل حدیث ۵۱۷)

الف، محترم غور کریں آپ تعلیم نبوی کو تکلف کہہ رہے ہیں، اگر آپ وضو اور قیام و سجود کو بھی تکلف کہہ دیں تو ہم آپ کا کیا بگاڑ سکتے ہیں۔ ہم شرعی دلیل سے ثابت کرتے ہیں مگر آپ اس کو بلاوجہ کہتے ہیں۔ ،،ب،، گویا آپ کے نزدیک ہر وہ چیز خشوع کے خلاف ہے جس میں مشقت پائی جائے، گویا طول قیام اور ایک رکن سے دوسرے میں انتقال بھی آپ کے نزدیک خشوع کے خلاف ہے، یہ اچھا خشوع ہے جو فرمان نبوی کے خلاف ہے،، ت،، ہم اس پر بفضلہٖ تعالیٰ عمل کرتے ہیں، ہم سے پوچھیئے؟ ہم آپ کو بتاتے ہیں کہ اس سے رکوع و سجود میں دشواری نہیں ہوتی، علاوہ ازیں دشواری ہونے سے شرعی حکم کی نفی نہیں ہوتی، کیا جون جولائی میں رمضان کے روزے رکھنے، جہاد کے لئے نکلنا، ہجرت کرنی، حج کرنا، زکاۃ دینی، دشواری نہیں؟ تو کیا اس سے ان احکام کی نفی ہو جائے گی، نماز تو فی نفسہٖ بھی دشواری ہے، اس وجہ سے ہی تو اس کی بار بار تاکید کی گئی ہے جبھی تو اس کے فضائل بیان ہوئے، تو کیا اس سے نماز کی فرضیت کی نفی ہو جائے گی، نہیں ہرگز نہیں،، ث،، آپ کے پاس کیا دلیل ہے، کہ صف بندی فقط شروع نماز کے وقت ہی ہوتی ہے، شریعت نے اقامت صلوٰۃ کے بعد اس کی تلقین نہیں کی، محترم غور کیجئے نبی مکرم ﷺ صف بندی کی تلقین کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میں تم کو پیچھے سے بھی دیکھتا ہوں جبکہ صفوں کو درست کراتے وقت تو حضور علیہ السلام کا منہ قبلہ کی بجائے مقتدیوں کی طرف ہوتا تھا۔ آپ غور سے اپنی لکھی ہوئی کتاب کا ہی مطالعہ کریں، اس کے ص۵۰۹ میں بحوالہ بخاری ص۱۰۰ ج۱ آپ نے حدیث نقل کی ہے جس کا ترجمہ آپ یہ کرتے ہیں۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نماز کی تکبیر ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے ہماری طرف متوجہ ہو کر فرمایا دیکھو صفوں کو برابر رکھو اور مل کر کھڑے ہو بلا شبہ میں تمہیں اپنی پشت کی طرف سے دیکھتا ہوں۔

امام بخاری نے اس پر عنوان باندھا ہے، **باب اقبال الامام علی الناس عند تسویۃ الصوف،** یعنی امام کا صفیں برابر کرتے وقت لوگوں کی طرف منہ کرنا، اور حدیث میں صاف یہ الفاظ بھی ہیں۔ فاقبل علینا رسول اللہ ﷺ بوجهه، یعنی آپ علیہ السلام نے ہماری طرف منہ کیا (آگے مذکورہ حدیث

ہے) مگر آپ نے اس کا معنی متوجہ ہونا کیا ہے۔ جو آپ کی جہالت کا منہ بولتا ثبوت ہے، خیر ہم بتانا یہ چاہتے ہیں کہ اس حدیث کے دو حصے ہیں ایک یہ کہ حضور علیہ السلام اقامت کے بعد مقتدیوں کو صفیں درست کرنے کا کہتے اور منہ نمازیوں کی طرف ہوتا دوسرا یہ کہ حضور علیہ السلام اپنی پشت سے بھی دیکھتے تھے۔

اس حدیث کا مطلب صاف ہے کہ صف بندی کا حکم نماز کے اندر بھی ہے، ورنہ نبی ﷺ یہ نہ بتلاتے کہ میں تم کو پشت کی طرف سے بھی دیکھتا ہوں، غالباً انوار صاحب اتنے بھی نادان نہ ہوں گے کہ یہ بھی نہ جانتے ہوں کہ نماز کی حالت میں امام کی پشت مقتدیوں کی طرف ہوتی ہے، الغرض اس حدیث کا واضح مطلب ہے کہ حالت نماز میں بھی صف بندی قائم رکھو، مگر افسوس انوار خورشید کو یہ کہتے ہوئے ذرا بھی شرم نہیں کہ صف بندی کا اہتمام تو صرف نماز شروع ہوتے وقت کیا جاتا ہے، (۵۱۷)

ان کے لفظ، صرف، پر غور کریں اور ان سے پوچھیئے کہ اگر امام کی تکبیر تحریمہ کے بعد صفوں کو توڑ دیا جائے تو کیا ایسا جائز ہے، اگر نہیں یقیناً نہیں تو محترم صف بندی کا اہتمام پوری نماز میں مطلوب ہے، آخری حربہ کے طور پر فرماتے ہیں کہ غیر مقلدین کو چاہیئے کہ گردن سے گردن بھی ملایا کریں، کیونکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں اس کا بھی تذکرہ ہے (۵۱۹)

اگر آپ سیدنا انس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے گردن ملانے کا حکم ثابت کر دیں تو ہماری طرف سے صحاح ستہ کا مصری نسخہ آپ کے لیے تحفہ رہا، اگر ثابت نہ کر سکے یقیناً ثابت نہیں کر سکتے، تو ہم آپ سے کسی انعام کے طلب گار نہیں، صرف اتباع سنت اور ترک تقلید کی دعوت دیتے ہیں، اللہ تعالیٰ آپ کو توفیق دے، باقی رہا سیدنا انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں، حاذو بالاعناق، کے الفاظ سے انوار صاحب کا گردن ملانے کا استدلال تو وہ قطعی طور پر باطل ہے، لفظ حاذو بمعنی برابر آتا ہے، حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ نمازی ہموار جگہ پر صفیں بنائیں، مفصل دیکھئے (تحفہ حنفیہ ص ۱۶۰ ج ۱)

قارئین کرام پوری بحث آپ کے سامنے ہے، قرآن و حدیث اور آثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی دلیل سے بھی انوار صاحب پاؤں سے پاؤں نہ ملانے کا ثبوت نہیں دے سکے اور نہ ہی اپنے دونوں پاؤں کے درمیان چار انگلیوں کے فاصلہ کا ثبوت پیش کیا ہے اور نہ ہی جس طرح حنفی فرجہ اور خلا چھوڑ کر صفیں بناتے ہیں، اس کا ثبوت دیا ہے، ہمارے ہاں بسا اوقات تبلیغی جماعت آتی ہے، وہ کندھے سے کندھا بھی نہیں ملاتے۔

اگر انہیں تلقین کی جائے تو بڑی مجبوری سے مل تو جاتے ہیں مگر پتہ نہیں پشتو میں کیا کیا کہتے رہتے ہیں۔ ابھی ایک دو دن ہی ہوئے ہیں کہ جماعت آئی ہوئی تھی، خاکسار نے انہیں بار بار مسئلہ سمجھایا، ہر نماز پر تاکید کی، انوار صاحب کی کتاب سے کندھے سے کندھا ملانے کا ثبوت بھی دیا مگر ان کی عادت ہی ایسی بنی ہوئی تھی کہ (وہ آمین تو اونچی آواز سے کہہ دیتے تھے) مگر کندھے نہیں ملاتے تھے، وکفی باللہ شہیدا۔

(۴۶) باب ایک ہی مسجد میں دوسری جماعت

فصل اول

(۱) عن ابی سعید قال جاء رجل وقد صلی رسول اللهﷺ فقال ایکم یتجر علی هذا فقام رجل فصلی معه۔

سیدنا ابوسعید رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نماز پڑھ چکے تو ایک شخص آیا آپ علیہ التحیۃ والسلام نے فرمایا۔ تم میں سے کون ہے جو اس (ثواب کے حصول) کی تجارت کرے، ایک آدمی کھڑا ہوا اس نے (دوبارہ) اس کے ساتھ نماز پڑھی۔

(سنن ترمذی کتاب الصلاة باب ما جاء فی الجماعة فی مسجد قد صلی فیه مرة، الحدیث ۲۲۰ و بیهقی ص۴۹ ج۳)

(۲) عن ابی سعید الخدری (رضی الله عنه) ان رسول اللهﷺ ابصر رجلا یصلی وحده فقال الا رجل یتصدق علی هذا فیصلی معه۔

سیدنا ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو اکیلے نماز پڑھتے دیکھا تو فرمایا کیا کوئی شخص اس پر صدقہ نہیں کر دیتا کہ اس کے ساتھ نماز پڑھے۔

(ابو داؤد کتاب الصلاة باب فی الجمع فی المسجد مرتین، الحدیث ۵۷۴ و مسند احمد ص۶۴ ج۳)

(۳) عن ابی سعید الخدری قال صلی رسول اللهﷺ با صحابه الظهر، قال، فدخل رجل من اصحابه فقال له النبیﷺ ما حبسك یا فلان عن الصلاة؟ قال فذکر شیئا اعتل به، قال، فقام یصلی، فقال رسول الله صلی اللهﷺ الا رجل یتصدق علی هذا فیصلی معه؟ قال، فقام رجل من القوم فصلی معه۔

سیدنا ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کے ساتھ ظہر کی نماز ادا کی تو آپ کے صحابہ کرام میں سے ایک شخص مسجد میں داخل ہوا، تو آپ علیہ السلام نے اس سے کہا کہ اے فلاں تجھے کس چیز نے نماز سے روک رکھا تھا، اس نے وہ چیز ذکر کی جس نے اسے گھیر رکھا تھا، پھر صحابی نماز پڑھنے کے لیے کھڑا ہوا، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کون ہے جو اس پر صدقہ کرے اور اس کے ساتھ نماز پڑھے، اس پر ایک آدمی کھڑا ہوا اس نے اس کے ساتھ نماز پڑھی۔

(مسند احمد ص۸۵ ج۳ وقال الهیثمی ورجاله رجال الصحیح، مجمع الزوائد ص۴۵ ج۲)

(۴) عن ابی سعید الخدری رضی الله عنه ان النبیﷺ رأی رجلا یصلی فی المسجد وحده بعد ما صلی فقال ألا رجل یتصدق علی هذا فیصلی معه۔

سیدنا ابو سعید خدری ؓ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی مکرم ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا جو جماعت کے بعد اکیلا نماز پڑھ (نے کی تیاری کر) رہا تھا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ کون ہے جو اس پر صدقہ کرے اور اس کے ساتھ نماز پڑھے،

(معجم طبرانی صغیر ص۳۶۳ ج۱ الحدیث ۶۰۶)

(۵) عن ابی سعید الخدری ان النبی ﷺ ابصر رجلا یصلی وحدہ فقال ألا رجل یتصدق علی ھذا فیصلی معہ۔

سیدنا ابو سعید الخدری ؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی مکرم ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا جو اکیلا ہی نماز پڑھ (نے کی تیاری کر) رہا تھا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ کون ہے جو اس پر صدقہ کرے اور اس کے ساتھ (مکرر با جماعت) نماز پڑھے

(مستدرک حاکم ص۲۰۹ ج۱)

(۶) عن ابی سعید الخدری قال دخل رجل المسجد و رسول اللہ ﷺ قد صلی، فقال، رسول اللہ ﷺ ألا من یتصدق علی ھذا فیصلی معہ؟

سیدنا ابو سعید الخدری ؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص مسجد نبوی میں داخل ہوا اور حضور نبی مکرم ﷺ نماز پڑھ چکے تھے، تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ کون ہے جو اس پر صدقہ کرکے اس کے ساتھ نماز پڑھے (صحیح ابن حبان (موارد) ص۱۲۲ رقم الحدیث ۴۳۶)

(۷) عن الحسن فی ھذا الخبر فقام ابو بکر ؓ فصلی معہ وقد کان صلی مع رسول اللہ ﷺ

امام حسن بصری (سے مرسل مروی ہے) اس حدیث میں کہ سیدنا ابو بکر صدیق ؓ کھڑے ہوئے اور اس کے ساتھ نماز پڑھی جبکہ اس سے پہلے آپ نے نبی مکرم ﷺ کے ساتھ بھی نماز پڑھی تھی۔

(السنن الکبری للبیھقی ص۷۰ ج۳ و مراسیل ابی داؤد ص۶)

(۸) عن مکحول و القاسم بن عبدالرحمن، قالا دخل رجل المسجد ولم یدرک الصلاۃ فقال رسول اللہ ﷺ ألا رجل یتصدق علی ھذا فیتم لہ صلاتہ؟ فقام رجل فصلی معہ فقال النبی ﷺ ھذہ من صلاۃ الجماعۃ۔

امام مکحول اور قاسم بن عبدالرحمٰن فرماتے ہیں کہ ایک شخص مسجد میں داخل ہوا اور اس نے جماعت نہ پائی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کون ہے جو اس پر صدقہ کرے اور اسے (جماعت کی) نماز (کا ثواب) پورا کرا دے، ایک شخص کھڑا ہوا اس نے اس کے ساتھ نماز پڑھی تو آپ علیہ التحیۃ والسلام نے فرمایا کہ اس کی یہ نماز با جماعت ہے

(مراسیل ابی داؤد ص۶ و تحفۃ الاشراف ص۲۳۳ ج ۱۳ رقم الحدیث ۱۹۱۹۷ و ص۳۹۸ ج۱۳ رقم

سیدنا ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی مکرم ﷺ نے ایک آدمی کو دیکھا جو نماز پڑھ رہا تھا تو آپ علیہ التحیۃ والسلام نے فرمایا کہ کوئی شخص ہے جو اس پر صدقہ کرے اور اس کے ساتھ نماز پڑھے! تو ایک صحابی کھڑا ہوا اور اس نے اس کے ساتھ نماز پڑھی تو آپ علیہ التحیۃ والسلام نے فرمایا کہ یہ دونوں جماعت ہیں

(مسند احمد ص۲۵۴ ج۵) سند ضعیف ہے (ارواء الغلیل ۴۸۹)

(۱۶) عن ولید بن ابی مالك قال دخل رجل المسجد فصلی، فقال رسول اللهﷺ ألا رجل یتصدق علی هذا فیصلی معه فقام رجل فصلی معه فقال رسول اللهﷺ هذ ان جماعة۔

امام ولید بن ابی مالک (تابعی) فرماتے ہیں کہ ایک شخص مسجد نبوی میں داخل ہوا نماز پڑھنے کے لیے، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کیا کوئی شخص اس پر صدقہ کر سکتا ہے جو اس کے ساتھ نماز پڑھے، ایک صحابی کھڑا ہوا اور اس نے اس کے ساتھ نماز پڑھی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ دونوں جماعت ہیں۔

(مسند احمد ص۲۶۹ ج۵) مرسل ہے مگر سند کے تمام راوی ثقہ ہیں (ارواء الغلیل ص۲۵۰ ج۲)

(۱۷) عن سلمان رضی اللہ عنہ ان رجلا دخل المسجد والنبیﷺ قد صلی فقال الا رجل یتصدق علی هذا فیصلی معه۔

سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص مسجد نبوی میں داخل ہوا اور نبی مکرم ﷺ نماز پڑھ چکے تھے، آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ کوئی ہے جو اس پر صدقہ کرے اور اس کے ساتھ نماز پڑھے۔

(طبراني كبير ص٢٥٤ ج٦ رقم الحديث ٦١٤٠)

ہیثمی فرماتے ہیں کہ طبرانی کی سند میں، محمد بن عبدالمالک راوی ہے جسے ابو حاتم نے، لیس بالقوی، کہا ہے اور اسے امام بزار نے بھی، مسند، میں روایت کیا ہے اور اس کی سند میں حسین بن حسن اشقر راوی سخت ضعیف ہے اور ابن حبان نے ثقہ قرار دیا ہے (مجمع الزوائد ص٤٥ و فی نسخةالاخری ص٤٨ ج٢)

(۱۸) عن عصمة قال کان رسول اللهﷺ قد صلی الظهر وقعد فی المسجد اذ جاء رجل فدخل یصلی فقال النبیﷺ، الا رجل یتصدق علی هذا یصلی معه؟

سیدنا عصمہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نماز پڑھ کر مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک شخص نماز پڑھنے کے لیے مسجد میں داخل ہوا، تو نبی کریم علیہ التحیۃ والسلام نے فرمایا کہ کون ہے جو اس پر صدقہ

کرے اور اس کے ساتھ نماز پڑھے،

(طبرانی کبیر ص۱۸۱ ج۱۷ و دارقطنی ص۲۷۸ ج۱) سند ضعیف ہے (التعلیق المغنی ص۲۷۷ ج۱)

(۱۹) عن الجعد ابی عثمان قال مربنا انس بن مالك و معه اصحاب له زهاء عشرة وقد صلينا صلاة الغداة فقال، أصليتم، قلنا، نعم، قال، فامر بعضهم فاذن، وصلى ركعتين ثم امره فاقام، ثم تقدم فصلى ركعتين انس باصحابه، الحديث

امام ابوعثمان الجعد فرماتے ہیں کہ ہم پر سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا گزر ہوا اور آپ کے ساتھ دس نوجوان ساتھی تھے، اور ہم نے صبح کی نماز پڑھ لی تھی، آپ نے ہم سے کہا کیا تم نے نماز پڑھ لی ہے؟ ہم نے کہا ہاں پڑھ لی ہے، آپ نے اپنے ساتھیوں کو اذان کہنے کا حکم دیا، انہوں نے اذان دی اور آپ نے دو رکعت (صبح کی سنتیں) پڑھیں، پھر اقامت کہنے کا حکم دیا، پھر آگے بڑھ کر انہوں نے اپنے ساتھیوں (کو امامت کروا کر) نماز پڑھی۔

(مصنف عبدالرزاق ص٢٩١ ج٢ رقم الحديث ٣٤١٧)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کی سند صحیح ہے، (تغليق التعليق ص٢٧٧ ج٢)

(۲۰) عن ابی عثمان قال مربنا انس بن مالك و معه اصحاب له فقال، أصليتم؟ فقلنا نعم، قال، فنزل فام اصحابه فتقدم فصلى بهم الحديث

امام ابوعثمان فرماتے ہیں کہ ہم پر سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا گزر ہوا، اور آپ کے ساتھ دوست تھے، آپ نے ہم سے کہا کیا تم نے نماز پڑھ لی ہے، ہم نے کہا کہ ہاں پڑھ لی ہے، آپ رضی اللہ عنہ اترے اور اپنے ساتھیوں کو امامت کروا کر نماز پڑھائی

(مصنف عبدالرزاق ص۲۹۱ ج۲ رقم الحدیث ۳۴۱۶)

(۲۱) عن ابی عثمان اليشكرى قال مربنا انس بن مالك وقد صلينا صلوٰة الغداة و معه رهط فامر رجلا منهم فاذن ثم صلوا ركعتين قبل الفجر قال ثم امر فاقام ثم تقدم فصلى بهم

امام ابوعثمان فرماتے ہیں کہ ہم پر سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا گزر ہوا، اور ہم صبح کی نماز پڑھ چکے تھے، اور آپ کے ساتھ نوجوانوں کا گروہ تھا، آپ نے ان میں سے ایک شخص کو حکم دیا، اذان دی گئی، پھر انہوں نے دو رکعتیں فجر (کے فرضوں سے) پہلے پڑھیں پھر آپ نے حکم دیا تو اقامت ہوئی پھر آپ نے آگے بڑھ کر نماز پڑھائی۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص٣٢١ ج٢)

(۲۲) حدثنا اسماعيل بن علية عن الجعد ابو عثمان عن انس مثله۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص٣٢٢ ج٢)

(۲۳) عن ابی عثمان قال جاء انس عند الفجر وقد صلینا فاذن و أقام وام اصحابه،

امام ابوعثمان فرماتے ہیں کہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ (ہمارے پاس) فجر کے قریب تشریف لائے اور ہم نماز پڑھ چکے تھے، اذان و اقامت کہہ کر انہوں نے اپنے ساتھیوں کو نماز پڑھائی۔

(مصنف عبدالرزاق ص۲۹۲ ج۲ رقم الحدیث ۳۴۱۸)

(۲۴) عن عبداللہ بن یزید قال امنی ابراھیم فی مسجد قد صلی فیه فاقامنی عن یمینه بغیر أذان ولا اقامة،

امام عبداللہ بن یزید کہتے ہیں کہ امام ابراہیم نخعی نے بغیر اذان و اقامت کے میری امامت کروائی مسجد میں جبکہ اس مسجد میں نماز پڑھی جا چکی تھی، اور مجھے اپنی دائیں طرف کھڑا کیا۔ (مصنف عبدالرزاق ص۲۹۲ ج۲ رقم الحدیث ۳۴۱۹ والمحلی ص۱۵٤ ج۳)

(۲۵) عن عبداللہ بن یزید قال دخلت مع ابراھیم مسجد محارب وقد صلوا فامنی

امام عبداللہ بن یزید فرماتے ہیں کہ میں امام ابراہیم نخعی کے ساتھ مسجد محارب میں داخل ہوا جبکہ لوگ نماز پڑھ چکے تھے، تو آپ نے میری امامت کر کے نماز پڑھائی۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص۳۲۲ ج۲)

(۲۶) عن لیث عن طاوس و عطاء و مجاھد قالوا اذا دخلت مسجدا اقدصلی فیه فاقم الصلاۃ و صل اقیمت الصلاۃ اولم تقم۔

امام لیث فرماتے ہیں کہ امام طاؤس، امام عطاء اور امام مجاہد کہتے کہ جب تم مسجد میں جاؤ اور اس میں نماز ہو چکی ہو تو جماعت قائم کر کے نماز پڑھ لیا کرو، اقامت کہہ لو خواہ نہ کہو۔

(مصنف عبدالرزاق ص۲۹٤ ج۲ رقم الحدیث ۳٤۲۹)

(۲۷) عن عمرو بن محمد عن عطاء انه صلی هو و سالم بن عطیة فی المسجد الحرام فی جماعة بعد ما صلی اهله۔

امام عمرو بن محمد فرماتے ہیں کہ امام عطاء نے سالم بن عطیہ کے ساتھ بیت اللہ میں با جماعت نماز پڑھی جبکہ وہاں کے لوگ نماز پڑھ چکے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص۳۲۲ ج۲)

(۲۸) عن ابن حریج قلت لعطاء نفرد خلوا مسجد مکة خلاف الصلاۃ لیلا اونهاراً أیؤمهم احدهم؟ قال، نعم، وما باس ذلك۔

امام ابن جریج فرماتے ہیں کہ میں نے امام عطاء سے کہا کہ ایک گروہ مکہ کی مسجد (حرم) میں جماعت ہونے کے بعد داخل ہوتا ہے خواہ دن ہو یا رات تو کیا ان میں سے کوئی ایک امامت کروا سکتا

ہے، آپ نے فرمایا کروا سکتا، اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(المحلی بالاثار ص١٥٦ ج٣ مسالة ٤٩٦)

(۲۹) عن معمر قال صحبت ایوب السختیانی من مکة إلی البصره فأتینا مسجد اهل ماء قد صلی فیه فاذن ایوب و اقام ثم تقدم فصلی بنا۔

امام معمر فرماتے ہیں کہ میں نے مکہ سے بصرہ تک امام ایوب سختیانی کی صحبت اٹھائی ہے ہم مسجد اہل ماء میں آئے (اور ان لوگوں نے) نماز پڑھ لی تھی، امام ایوب نے اذان دی اور اقامت ہوئی تو پھر آگے بڑھ کر انہوں نے ہمیں نماز پڑھائی

(مصنف عبدالرزاق ص٢٩٢ ج٢ رقم الحديث ٣٤٢١، والمحلی ص١٥٦ ج٣)

(۳۰) عن لیث قال دخلت مع ابن سابط فسجد بعضنا و نهی بعضنا للسجود، فلما سلم قام ابن سابط فصلی باصحابه، فقال، ذکرت لعطاء فقال کذلك ینبغی قال قلت ان هذا لا یفعل عندنا قال یفرقون۔

امام لیث بیان کرتے ہیں کہ میں امام عبدالرحمٰن بن سابط کے ساتھ مسجد میں داخل ہوا تو ہم میں سے بعض نے نوافل ادا کیئے اور بعض نے منع کیا جب آپ نے سلام پھیرا تو عبدالرحمٰن بن سابط کھڑے ہوئے اور اپنے ساتھیوں کو نماز پڑھائی، جب یہ بات امام عطاء بن ابی رباح سے ذکر کی گئی تو انہوں نے کہا کہ انہیں ایسا ہی کرنا چاہیئے تھا، میں نے آپ سے کہا کہ ہمارے ہاں تو وہ ایسا نہیں کرتے تو انہوں نے کہا (حکمرانوں سے) ڈرتے ہوئے۔

(مصنف عبدالرزاق ص٢٩٣ ج٢ رقم الحديث ٣٤٢٢)

(۳۱) عن قتادة قال اذا دخل الرجلان المسجد خلاف الصلاة صلیا جمیعا ام احدهما صاحبه۔

امام قتادہ بن دعامہ فرماتے ہیں کہ مسجد میں جماعت ہونے کے بعد جب دو آدمی داخل ہوں تو وہ دونوں با جماعت نماز پڑھیں، ان میں ایک اپنے ساتھی کی امامت کرائے

(مصنف عبدالرزاق ص٢٩٤ ج٢ رقم الحديث ٣٤٣١)

(۳۲) عن زیاد مولیٰ قریش قال دخلت مع الحسن مسجد البصرة فوجدناهم قد صلوا فصلی بی۔

زیاد مولیٰ قریش فرماتے ہیں کہ میں امام حسن بصری کے ساتھ بصرہ کی مسجد میں داخل ہوا ہم نے انہیں (اس حال میں) پایا کہ وہ نماز پڑھ چکے تھے، تو آپ نے میرے ساتھ با جماعت نماز پڑھی۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص۳۲۲ ج۲)

(۳۳) عن عثمان البتی قال دخلت مع الحسن البصری و ثابت البنانی مسجداً قد صلی

فيه اهله فاذن ثابت وأقام، وتقدم الحسن فصلى، بنا، فقلت له يا ابا سعيد، اما يكره هذا؟ قال وما باسه۔

امام عثمان فرماتے ہیں کہ میں امام حسن بصری اور ثابت بنانی کے ساتھ مسجد میں داخل ہوا اور وہاں کے نمازیوں نے نماز پڑھ لی تھی، ثابت بنانی نے اذان و اقامت کہی اور امام حسن بصری نے جماعت کروائی (سلام پھیرنے کے بعد) میں نے کہا کیا یہ مکروہ نہیں تو انہوں نے فرمایا کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (المحلی بالاثار ص۱۰۶ ج۳)

قارئین کرام مذکورہ احادیث و آثار صحابہ کرام اور اقوال تابعین عظام آپ کے سامنے ہیں۔ بلا شبہ سیدنا ابوسعید خدری اور سیدنا انس رضی اللہ عنہ کی احادیث صحیح ہیں اور بقایا روایات مرفوع مجروح ہیں اور سیدنا انس رضی اللہ عنہ کا اثر بھی صحیح ہے، اقوال تابعین کی اسناد بھی صحیح و حسن درجہ کی ہیں۔ ان میں مرفوع احادیث پر غور کریں کہ بوجہ عذر اگر با جماعت نماز رہ جائے تو حصول ثواب کی غرض سے دوسری جماعت کروانی جائز اور سنت نبویہ سے ثابت ہے، حتی کہ زیادتی ثواب کی غرض سے اگر کوئی مسلمان بھائی بعد میں آنے والے مسلمان بھائی سے خیر خواہی سے مکرر نماز با جماعت پڑھے تو اس پر بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ترغیب و تحریص دلائی ہے اور اسے صدقہ سے تعبیر کیا ہے، حضرات محترم جب آنے والے کو ثواب زیادہ دلانے کی غرض سے اس کی اقتداء میں نفل پڑھنے کا جواز ثابت ہے تو فرض پڑھنے کا بالاولی ہے، کیونکہ پہلی صورت غیر کی خیر خواہی کے متعلق ہے تو دوسری اپنی بھلائی سے ہے، اس حدیث کے راوی سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے بھی اس کا یہی مفہوم سمجھا ہے کیونکہ آپ سے صحیح سند کے ساتھ ثابت ہے کہ آپ نے دوسری جماعت اس حالت میں کروائی کہ آپ کے مقتدی بھی فرض پڑھ رہے تھے اور حنفیہ کا یہ مسلمہ اصول ہے کہ راوی حدیث خبر کا سب سے زیادہ مفہوم جانتا ہے اس سلسلہ میں کتے کے جوٹھے برتن کی حدیث مثال کے طور پر پیش کی جا سکتی ہے۔

(دیکھئے اعلاء السنن ص۲۸۸ ج۱) لہذا انوار صاحب کا یہ کہنا کہ بایں طور پر مکروہ ہے کہ امام و مقتدی فرض نماز ادا کریں (حدیث اور اہل حدیث ص۵۲۵)

محترم غور کیجئے کہ آنے والے کے ساتھ نفلی نماز پڑھنے کا انسان مکلّف نہیں جبکہ فرض نماز پڑھنے اور با جماعت ادا کرنے کا مکلّف ہے جب غیر مکلّف کا ثبوت حدیث میں ہے، تو مکلّف کا خود بخود ثابت ہو گیا۔ کیونکہ آنے والے کے ساتھ نماز پڑھنے کی آپ علیہ السلام نے تحریض دلائی ہے، جیسے بچے کو نماز پڑھنے کی تلقین کرنا شرع میں ثابت ہے تو عاقل و بالغ کو تلقین کرنا خود بخود ثابت ہو گیا۔ قرآن میں آتا ہے کہ ان نمازیوں کے لیے ہلاکت ہے جو نماز میں غفلت کرتے ہیں (سورہ الماعون)

اس کا صرف یہ مطلب لینا کہ ہلاکت صرف ان کے لیے جو نماز میں غلطی کرتے ہیں اور بے نماز

اس وعید سے خارج ہے، عقل و علم کا قحط ہے۔ پھر راوی حدیث سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے بھی اس حدیث کا یہی مفہوم سمجھا کہ بعد میں آنے والے حضرات امام و مقتدی بن کر فرض ادا کر سکتے ہیں۔ یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ کے اس عمل کے خلاف کسی صحابی کا فتویٰ و عمل ثابت نہیں امام ابن حزم نے ڈنکے کی چوٹ یہ دعویٰ کیا ہے۔

(المحلی بالاثار ص ۱۵٤ ج۳ مساله نمبر ٤۹٦)

مگر ان کے اس دعویٰ کی تردید کسی حنفی سے نہیں ہو سکتی۔ مولانا عثمانی نے یہاں پر بے دلیل لکھا کہ ممکن ہے کہ وہ راستہ کی مسجد ہو (اعلاء السنن ص ۲۸۵ ج ۴) لیکن اس احتمال پر کیا دلیل ہے، کیا احتمالات سے مسائل حل ہوا کرتے ہیں، احتمال تو اس بات کا بھی ہے کہ زید اپنے والد کا نہیں، احتمال تو اس بات کا بھی ہے کہ انوار صاحب در پردہ شافعیوں کے ایجنٹ ہوں، احتمال تو اس کا بھی ہے کہ انسان چند منٹ کے بعد مرفوع القلم ہو جائے گا۔ الغرض محض احتمال سے چیز ثابت نہیں ہوتی جتنی دیر تک احتمال پر دلیل نہ ہو کیونکہ شرعی اصول ہے کہ یقین کو شک زائل نہیں کرتا، خلاصہ یہ کہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے فرمان نبوی کی عملی تفسیر تکرار جماعت کی ہے تابعین کرام کے مقدس گروہ سے جید اور نامور حضرات کا یہ مسلک و مذہب بھی ہم ثابت کر چکے ہیں۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا بھی یہی نظریہ ہے۔

(المحلی ص ۱٥٦ ج۳ و ترمذی مع معارف السنن ص ۲۱٤ ج ۲)۔

قاضی ابو یوسف کے نزدیک اگر محراب سے ہٹ کر جماعت ثانیہ کروائی جائے تو جائز ہے اور امام محمد کے نزدیک اگر جماعت ثانیہ تداعی کے بغیر ہو تو تب جائز ہے، (معارف السنن ص ۲۸٦ ج ۲ و درس ترمذی ص ۴۸۳ ج ۱) ہندوستان کے محقق علمائے احناف مثلاً مولوی شیخ محمد صاحب تھانوی مولوی احمد علی سہارنپوری مولوی جمال الدین دہلوی وغیرہ بلا کراہت جائز کہتے تھے۔

(امداد الفتاویٰ ص ۲۴۰ ج ۱ مجموعۃ الفتاویٰ ص ۲۹٦ ج ۱) مولوی احمد رضا خاں بریلوی نے بھی جماعت ثانیہ کے جواز پر، **القطوف الدانیه لمن احسن الجماعة الثانیه**، کے نام سے ایک رسالہ لکھا ہے جو فتاویٰ رضویہ کی تیسری جلد میں شامل اشاعت ہے، ایک جگہ فرماتے ہیں کہ بلا اعادہ اذان محراب سے ہٹ کر بلا کراہت جائز ہے (فتاویٰ رضویہ ص ۳۸۰ ج ۳) دور حاضر کے نامور حنفی وکیل مولانا محمد تقی عثمانی دیوبندی فرماتے ہیں کہ

بغیر تداعی کے تکرار جماعت ہمارے نزدیک بھی جائز ہے، بشرطیکہ احیاناً ایسا کر لیا جائے اور تداعی کی حد بعض فقہاء نے یہ مقرر کی ہے کہ امام کے علاوہ جماعت میں چار آدمی ہو جائیں۔ (درس ترمذی ص ۴۸۵ ج ۱)

خلاصہ یہ کہ احادیث و آثار اور تابعین عظام اور فقہاء و محدثین اور بعض حنفی علماء کے نزدیک بھی دوسری جماعت درست و جائز ہے۔ واللہ یهدی من یشاء۔

فصل دوم

(ا) عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ ﷺ فقد ناسا فی بعض الصلوٰت فقال لقد ھمت ان امر رجلا یصلی بالناس ثم اخالف الیٰ رجال یتخلفون عنھا فامر بھم فیحرقوا علیھم بحزم الحطب بیوتھم ولو علم احدھم انہ یجد عظما سمینا لشھدھا یعنی صلوٰۃ العشاء۔

(بخاری ص۸۹ ج ۱ و مسلم ص ۲۳۲ ج ۱ واللفظ لمسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کچھ لوگوں کو کسی نماز میں شریک نہ پایا تو آپ نے فرمایا کہ میرا ارادہ ہے کہ کسی سے کہہ دوں کے وہ لوگوں کو نماز پڑھا دے اور خود میں ان لوگوں کی طرف جاؤں جو نماز میں نہیں آئے اور ان کے متعلق حکم دوں کہ لکڑیوں کا ایک ڈھیر لگا کر ان کے گھروں کو جلا دیں، ان میں کوئی شخص جان لے کہ اسے موٹی تازی ہڈی ملے گی تو وہ ضرور آئے، مراد عشا کی نماز ہے، (حدیث اور اہل حدیث ص۵۲۰)

الجواب اولاً یہ حدیث جماعت ثانیہ کے رد پر پیش کرنا، علل حدیث سے کم آگاہی اور بے بصیرتی کی کھلی دلیل ہے، وجہ یہ ہے کہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنے کی بجائے کاہلی و سستی کی وجہ سے گھر میں ہی نماز ادا کر لی جائے اور شامل جماعت نہ ہو، اگر انوار صاحب اس حدیث پر ہی غور کرتے تو بات صاف تھی کہ اگر انہیں ہڈی ملنے کی توقع ہو تو تب وہ ضرور مسجد میں آئیں، ظاہر ہے کہ یہ کلام اس شخص کے حق میں پورا ہوتا ہے جو مسجد سے غیر حاضر رہے، سنئے حدیث میں اس بات کا کھلا ثبوت ہے، آنکھوں سے ضد اور تقلیدی عینک اتار کر ملاحظہ کریں۔

حدثنی یزید بن الاصم قال سمعت ابا ھریرہ یقول قال رسول اللہ ﷺ لقد ھمت ان امر فتیتی فیجمعوا حزما من حطب ثم اتی قوما یصلون فی بیوتھم لیست بھم علۃ فاحرقھا علیھم،

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے ارادہ کیا کہ میں اپنے جوانوں کو لکڑیوں کے گٹھے کرنے کا حکم دوں پھر ان لوگوں کے پاس آؤں جو بغیر عذر کے اپنے گھروں میں نماز پڑھ لیا کرتے ہیں، ان کے گھروں کو جلا دوں،

سنن ابی داؤد کتاب الصلاۃ باب التشدید فی ترک الجماعۃ، الحدیث ۵۴۹،

ثانیاً: اگر اس حدیث کو جماعت ثانیہ کے خلاف تسلیم کیا جائے، تو تب یہ حدیث انوار صاحب کی دوسری دلیل کے خلاف ہے، وجہ یہ کہ حضور علیہ السلام کی با جماعت نماز رہ گئی، یقیناً کسی شرعی عذر سے ہی رہی ہوگی، کیونکہ آپ سے یہ بعید ہے کہ قصداً جماعت کو ترک کر دیا ہو، لہذا یہ ماننا پڑے گا کہ عذر

کی وجہ سے جماعت فوت ہوئی تھی، جبکہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں بوجہ عذر کے گنجائش ثابت ہوتی ہے، کیونکہ الفاظ، **لیست بهم علت** کے ہیں۔ الغرض اگر اس سے جماعت ثانیہ کی کراہت ثابت ہوتی ہے تو عذر کی وجہ سے جواز بھی ثابت ہوتا ہے اور ہم بھی بوجہ عذر ہی دوسری جماعت کے قائل ہیں ورنہ دنیا بھر کی مساجد اہل حدیث میں تداعی کے ساتھ ایک ہی جماعت ہوتی ہے، کسی بھی مسجد میں پہلی جماعت دوسری جماعت، تیسری جماعت کا ٹائم ٹیبل نہیں ہوتا کہ نمازی کوتاہی کریں کہ چلو پہلی جماعت تو رہ گئی ہے لہٰذا دوسری بیس منٹ بعد میں ہونے والی ہے، اگر دوسری رہ گئی تو تیسری بھی آدھے گھنٹے بعد مل جائے گی ایسا قطعاً نہیں، خلاصہ یہ کہ اگر اس سے جماعت ثانیہ کی ممانعت کو تسلیم کر لیا جائے تو عذر کی وجہ سے دوسری کا ثبوت بھی ملتا ہے، دیکھئے انوار صاحب اسے تسلیم کرتے ہیں کہ نہیں۔

(۲) عن ابی بکرة ان رسول اللہ ﷺ اقبل من نواحی المدینة یرید الصلوٰة فوجد الناس قد صلوا فمال الیٰ منزله فجمع اهله فصلی بهم،

معجم طبرانی الاوسط ص۳۰۴ ج۵ ص۴۲۰ ج۷، قال الهیثمی رجاله ثقات، مجمع الزوائد ص۴۵ ج۲ وقال الالبانی فی تمام المنه وهو حسن ص۱۵۵،

حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نواحی مدینہ سے تشریف لائے، آپ کا ارادہ نماز پڑھنے کا تھا لیکن آپ نے دیکھا کہ لوگ تو نماز پڑھ چکے ہیں، لہٰذا آپ اپنے گھر چلے گئے اور گھر والوں کو اکٹھا کر کے انہیں نماز پڑھائی۔ (حدیث اور اہل حدیث ص۵۲۱)

الجواب اولاً: یہ حدیث اس پر نص نہیں کہ نماز گھر میں ہی ادا کی، بلکہ یہ احتمال بھی ہے کہ نماز با جماعت تو مسجد میں ہی پڑھی اور گھر تشریف لے گئے گھر والوں کو جمع کرنے کے لیے، لہٰذا یہ حدیث تو دوسری جماعت کرانے کی دلیل ہے۔ اور جتنی دیر تک اس احتمال کو دلیل سے رد نہ کیا جائے اتنی دیر تک یہ انوار صاحب کی دلیل نہیں بن سکتی۔

ثانیاً: اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گھر میں ہی نماز ادا کی تھی، تو اس سے مسجد میں تکرار جماعت کی کراہت ثابت نہیں ہوتی، زیادہ سے زیادہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ اگر انسان مسجد میں آئے اور جماعت ہو چکی ہو تو اس کے لئے جائز ہے کہ وہ گھر جا کر اپنے اہل و عیال کے ساتھ نماز پڑھ سکتا ہے، اور اگر مسجد میں انفرادی طور پر یا جماعت ثانیہ کرا کر ادا کرے تو یہ حدیث اس کی ممانعت و حرمت پر دلیل نہیں ہے۔

ثالثاً: اگر مسجد میں جماعت نہ کرانے سے جماعت ثانیہ کی حرمت و کراہت ثابت ہوتی ہے تو جماعت کے بعد انفرادی نماز پڑھنے کی حرمت و کراہت بھی ثابت ہوتی ہے، کیونکہ جماعت کی طرح آپ علیہ التحیۃ والسلام نے انفرادی نماز بھی مسجد میں ادا نہیں کی۔

رابعاً: یہ دلیل آپ کے لیے تب مفید ہے جب آپ یہ ثابت کر دیں کہ حضور علیہ السلام جب مسجد میں نماز پڑھنے کے لیے تشریف لائے تو آپ کے ساتھ ایسے افراد بھی تھے جنھوں نے نماز نہ پڑھی، یا مسجد میں ایسے حضرات صحابہ تھے جو ابھی تک نماز کو ادا نہ کر پائے تھے، تو آپ نے بایں وجہ مسجد میں نماز نہ پڑھی کہ اس میں جماعت ہو چکی ہے، جب یہ ساری چیزیں ثابت ہی نہیں تو آپ کا اس سے استدلال کیسے درست ہے؟

خامسا: اس حدیث سے ثابت ہوا کہ مرد اپنی عورت کو اپنے ساتھ شامل کر کے جماعت کروا سکتا ہے، کیونکہ نبی مکرم ﷺ کا کوئی لڑکا تو جوان نہ تھا، اور گھر میں عموما امہات المومنین اکیلی ہوا کرتی تھیں، مگر حنفیہ کے نزدیک یہ صورت مکروہ ہے۔

(هدایه ص۷۹ ج۱ و شرح نقایه ص۸۹ ج۱ و شرح وقایه ص۱۵٤ ج۱)۔

(۳) عن سلیمان یعنی مولیٰ میمونة قال اتیت ابن عمر علی البلاط وهم یصلون فقلت الاتصلی معهم قال قد صلیت انی سمعت رسول الله ﷺ یقول لا تصلوا صلوٰة فی یوم مرتین۔

(ابو دائود ص۸۵ ج۱ و نسائی ص۹۹ ج۱)

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے آزاد کردہ غلام حضرت سلیمان فرماتے ہیں کہ میں مدینہ طیبہ میں موضع بلاط میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس آیا میں نے دیکھا کہ لوگ نماز پڑھ رہے ہیں، میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ ان لوگوں کے ساتھ نماز کیوں نہیں پڑھ رہے آپ نے فرمایا میں نماز پڑھ چکا ہوں اور میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سُنا ہے کہ تم ایک نماز ایک دن میں دو مرتبہ نہ پڑھو (ص۵۲۱)

آگے چل کر وجہ استدلال میں فرماتے ہیں کہ

فقہاء کرام نے حضور علیہ السلام کے اس فرمان کو مسجد میں جماعت ثانیہ کی نہی پر محمول کیا ہے یعنی آپ کے اس ارشاد کا مطلب یہ لیا ہے کہ مسجد میں دوسری جماعت نہ کرائی جائے، وجہ یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے اس فرمان سے کہ میں نماز پڑھ چکا ہوں، یہ متبادر ہوتا ہے کہ آپ نے تنہا نماز پڑھی تھی، اور جو شخص تنہا فرض پڑھ لے تو اس کے لیے جائز بلکہ مستحب ہے کہ وہ جماعت کو پائے تو جماعت کی فضیلت حاصل کرنے کے لیے جماعت میں شریک ہو جائے اس لحاظ سے چاہئے تو یہ تھا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ شریک جماعت ہو جاتے لیکن آپ جماعت میں شریک نہیں ہوئے۔ اس کی وجہ یہی ہو سکتی ہے کہ یہ جماعت ثانیہ ہو رہی تھی، جسے صحیح نہ سمجھتے ہوئے آپ شریک نہ ہوئے، اور فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ تم ایک نماز ایک دن میں دو مرتبہ نہ پڑھو (حدیث اور اہل حدیث ص۵۲۷)

الجواب اولاً: حدیث کا مطلب تو فقط اتنا ہے کہ ایک نماز کو مکرر نہ پڑھا جائے، مثلاً ظہر کی نماز کو ایک ہی دن میں فرض جان کر دوبارہ نہ پڑھا جائے۔ خواہ انفرادی پڑھے یا جماعت کے ساتھ۔ دیوبندی مکتب فکر کے محدث کبیر خلیل احمد سہارنپوری فرماتے ہیں کہ

لا تصلوا صلوٰة ای واحدة بطریقة الفریضة، فی یوم، ای فی وقت واحد، مرتین، ای بالجماعة او غیرها الا اذا وقع نقصانا فی الاول۔

یعنی حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ایک دن میں ایک ہی نماز کو دوبارہ فرض نماز جان کر نہ پڑھو خواہ وہ جماعت کے ساتھ ہو یا انفرادی طور پر، مگر یہ کہ پہلی نماز میں کوئی نقص رہ گیا ہو۔

(بذل المجهود ص٣٢٥ ج١)

ثانیاً: بقول انوار صاحب یہ دوسری بار جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کی ضرورت نہیں، یہی سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا مطلب ہے، اور بعض طرق میں اس کی صراحت بھی ہے۔

(بیهقی ص٣٠٣ ج٢)

ثالثاً: بقول انوار صاحب دوسری جماعت تھی، مگر مذکورہ حدیث میں سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے اس پر نکیر نہیں کی بلکہ سکوت کیا ہے، یہ وضاحت بھی مطلوب ہے کہ دوسری جماعت کرانے والے کون تھے، یقیناً صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام کا گروہ تھا، معلوم ہوا کہ خیر القرون میں جماعت ثانیہ عام کروائی جاتی تھی، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام کا گروہ معمول تھا، عامة الناس کثرت کے ساتھ دوسری جماعت میں بھی ملتے تھے، تب ہی تو راوی نے سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ سے سوال کیا، یہ اشتباہ تب ہی ممکن ہے جب پہلی جماعت کی طرح دوسری جماعت میں بھی کثرت سے لوگ شامل ہوئے ہوں، اور سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ بوجہ پہلے پڑھ لینے کے جماعت میں شامل نہ ہوئے کیونکہ مکرر نماز پڑھنے کا انسان مکلف نہیں۔

رابعاً: سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے صحیح سند کے ساتھ ثابت ہے کہ اگر فجر اور مغرب کی نماز پڑھ لی جائے اور بعد میں جماعت مل جائے تو ان دونوں میں سے کوئی بھی دوبارہ نہ پڑھی جائے، (موطا امام مالك ص١١٦ و مشكوة باب من صلى صلاتة مرتين، الحديث ١١٥٨)

اس روایت کے پیش نظر ممکن ہے اور بالکل ممکن ہے کہ ان دونوں نمازوں میں سے کوئی ایک نماز ہو اور سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے مؤقف و مسلک کی وجہ سے نماز نہ پڑھی ہو انوار صاحب یہاں پر امام محمد کے قول کو بھی، موطا ص۱۴۳ سے دیکھ لیں، اور پھر کوئی جواب عنایت کریں۔ خلاصہ کلام یہ کہ اس سے دوسری جماعت کی کراہت ثابت نہیں ہوتی،

خامساً: انوار صاحب کے استدلال کو اگر درست بھی تسلیم کر لیا جائے تو تب بھی یہ موقوف ہے، اور

جن لوگوں نے جماعت ثانیہ کروائی وہ بھی صحابہ و تابعین ہی تھے، اور جس مسئلہ میں صحابہ کرام میں اختلاف ہو وہاں ان کے اقوال حجت نہیں ہوتے، تفصیل مقدمہ میں گزر چکی ہے۔

(۴) عن ابراهيم النخعي قال قال عمر لا يصلي بعد صلوٰة مثلها۔

(مصنف ابن ابی شیبه ص بحواله امداد الفتاوٰی ص٢٢٨ ج١)

حضرت ابراہیم نخعی فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک نماز کے بعد اسی جیسی دوسری نماز نہ پڑھی جائے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص۵۲۱)

الجواب اولاً: یہ روایت آپ نے تھانوی صاحب کے فتاوٰی سے نقل کی ہے، غالباً آپ نے مصنف کو سرسری یا گہری نظر سے دیکھا ہوگا۔ مگر آپ کو یہ روایت اصل کتاب سے دستیاب نہ ہوئی ہو گی۔ لہذا آپ نے اسے بحوالہ نقل کر دیا ہے، آپ کے نزدیک تو وہ معتمد ہیں مگر ہمارے نزدیک وہ مشکوک ہیں کیونکہ تھانوی صاحب تدلیس میں مشہور ہیں، انہوں نے، احکام اسلام عقل کی نظر میں، مرزا قادیانی کی کتابوں سے صفحات کے صفحات نقل کیے ہیں مگر نام نہیں لیا، الغرض وہ تدلیس میں معروف ہیں۔ اور وہ بھی بدترین تدلیس۔

ثانیاً: متن سے ظاہر ہے کہ ابراہیم نخعی سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے نقل کر رہا ہے اور ابراہیم کی سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے ملاقات وسماع ثابت نہیں۔ جیسا کہ امام ابو حاتم نے صراحت کی ہے، امام ابو زرعہ فرماتے ہیں کہ ابراہیم کی فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے روایت مرسل ہے۔

(كتاب المراسيل لا بن ابی حاتم ص٩ ١١)

جس سے ثابت ہوا کہ یہ روایت ضعیف ہے

ثالثاً: اسی جیسی، کا کیا مفہوم ہے؟ انوار صاحب بضد ہیں کہ جماعت ثانیہ مراد ہے، محترم غور کریں کہ بعض صورتوں میں تو آپ بھی جواز کے قائل ہیں مثلاً راستہ پر واقع مسجد میں دوسری جماعت کے آپ بھی قائل ہیں۔ جو تمام متداول فقہ کی کتابوں میں موجود ہے،

مثلاً: دیکھئے۔ بدائع الصنائع ص١٥٣ ج١ و بحر الرائق ص٣٤٦ ج١ و فتاوٰی عالم گیری ص٨٣ ج١ و فتاوٰی شامی ص٥٥٣ ج١ و اعلاء السنن ص٢٧٩ ج٤ و معارف السنن ص٢٨٥ ج٢ و فتاوٰی دار العلوم دیوبند ص٤٦'٦٤ ج٣ و احسن الفتاوٰی ص٣٢٥ ج٣ و درس ترمذی ص٤٨٥ ج١ و غیرہ اس مؤقف کو آپ نے کس دلیل سے خارج کیا ہے۔

(۵) عن خرشة بن الحرّ انّ عمر رضی اللہ عنہ كان يكره ان يصلى بعد صلوٰة الجمعة مثلها۔

(شرح معانی الاثار للطحاوی ص٢٣٣ ج١)

حضرت خرشہ بن حر سے مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جمعہ کی نماز کے بعد پھر اسی جیسی نماز پڑھنے کو

مکروہ جانتے تھے (حدیث اور اہل حدیث ص۵۲۲)

الجواب اولاً: امام طحاوی حنفی کے نزدیک امام ابو حنیفہؒ کی بجائے قاضی ابو یوسفؒ کا مؤقف درست ہے کہ نماز جمعہ کے بعد چھ رکعت سنتیں پڑھی جائیں پہلے چار پھر دو رکعت ادا کی جائیں۔ اس اثر عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا انہوں نے، شرح معانی الاثار ص۲۳۳ ج۱ میں یہی مفہوم بیان کیا ہے۔ اور مولانا تھانوی نے بھی، اعلاء السنن ص۱۷ ج۷ میں اس پر اعتماد کیا ہے گویا اکابر احناف تو اسے جمعہ کے بعد متصل دو رکعتیں نہ پڑھنے پر محمول کرتے ہیں مگر انوار صاحب اکابر پرست ہونے کے باوجود اس سے جماعت ثانیہ کا رد کرتے ہیں

ثانیاً: اس کی سند میں، الاعمش، راوی ہے جو زبردست مدلس ہے (طبقات المدلسین ص۳۳) اور تحدیث کی صراحت نہیں بلکہ معنعن ہے، لہذا روایت ہی ضعیف ہے، جس کی وجہ سے انوار صاحب اور ان کے اکابر کا استدلال باطل ٹھہرا۔

(۶) عن ابراهيم ان علقمة والاسود اقبلا مع ابن مسعود الى مسجد فاستقبلهم الناس قد صلوا فرفع بهما الى البيت فجعل احدهما عن يمينه والاخر عن شماله ثم صلى بهما۔

(معجم طبرانی کبیر ص٢٧٦ ج٩ و مصنف عبدالرزاق ص٤٠٩ ج٢)

حضرت ابراہیم نخعی سے مروی ہے کہ علقمہ اور اسود حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک مسجد میں آئے لوگوں نے ان کا استقبال کیا اس حال میں کہ لوگ نماز پڑھ چکے تھے، حضرت عبداللہ بن مسعود دونوں کو لے کر ایک گھر چلے گئے ایک کو دائیں اور ایک کو بائیں کھڑا کر کے نماز پڑھائی (حدیث اور اہل حدیث ص۵۲۲)

الجواب اولاً: اس روایت سے تکرار جماعت کی کراہت ثابت نہیں ہوتی، اگر کچھ ثابت ہوتا ہے تو یہ کہ اگر مسجد میں جماعت ہو چکی ہو تو گھر میں جماعت کروائی جا سکتی ہے،

ثانیاً: روایت کے کس لفظ کا یہ معنی ہے کہ وہ مسجد محلّہ کی تھی؟ عین ممکن ہے کہ وہ راستہ کی مسجد ہو، جس میں خود احناف کے نزدیک بھی جماعت جائز ہے،

ثالثاً: اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ وہ مسجد محلّہ کی ہی تھی، تو تب بھی یہ حنفیہ کے خلاف ہی ہے، کیونکہ احناف کے نزدیک جماعت ثانیہ تداعی کے بغیر جائز ہے مولانا محمد تقی عثمانی دیوبندی لکھتے ہیں۔

بغیر تداعی کے تکرار جماعت ہمارے نزدیک بھی جائز ہے: بشرطیکہ احیانا ایسا کر لیا جائے اور تداعی کی حد بعض فقہاء نے یہ مقرر کی ہے کہ امام کے علاوہ جماعت میں چار آدمی ہو جائیں۔

(درس ترمذی ص٤٧٥ ج١)

جبکہ آپ کی پیش کردہ روایت میں صرف دو مقتدی ہیں، لہذا یہ آپ کے بھی خلاف ہے، پھر امام محمد کے نزدیک اگر امام کی مخصوص جگہ سے ہٹ کر زاویہ مسجد میں دوسری جماعت کروائی جائے تو جائز ہے، قاضی ابو یوسف کے نزدیک اگر مخصوص جگہ سے ہٹ کر جماعت کروائی جائے تو کوئی حرج نہیں

(البحر الرائق ص۳۴۶ ج۱ و بدائع الصنائع ص۱۵۳ ج۱ و فتاوی شامی ص۵۵۳ ج۱)

مولانا بنوری نے بھی، معارف السنن ص۲۸۵ ج۲ میں ان اقوال کو نقل کر کے تائید کی ہے،

رابعاً: یہ روایت موقوف ہے جو مرفوع کے بالمقابل حجت نہیں، علاوہ ازیں صحابہ کرام سے جماعت ثانیہ بھی ثابت ہے اور جس مسئلہ میں صحابہ کے اقوال مختلف ہوں وہاں اقوال صحابہ حجت نہیں ہوتے

خامساً: اس میں صاف ہے کہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے علقمہ اور اسود کے درمیان کھڑے ہو کر جماعت کروائی۔ مگر انوار صاحب نے بڑی چالاکی سے متن روایت کا ترجمہ غلط کیا ہے، محترم، عن یمینہ والآخر عن شمالہ، کا معنی یہ ہے کہ ایک کو اپنے دائیں طرف اور دوسرے کو بائیں طرف کھڑا کیا، انوار صاحب نے لفظ، ہ کا معنی عمداً چھوڑ دیا ہے، امام عبدالرزاق اور امام طبرانی نے اس روایت کے اجمال کو دور کرنے کے لیے ابراہیم نخعی کی دوسری روایت بھی درج کی ہے،

عن ابراهيم عن علقمة ان عبدالله صلى بعلقمة والا سود، فقام هذا عن يمينه وهذا عن شماله ثم قام بينهما۔

ابراہیم نخعی اسود سے روایت کرتے ہیں کہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے علقمہ اور اسود کو نماز پڑھائی ایک کو اپنے دائیں طرف اور ایک کو بائیں طرف کھڑا کیا اور خود ان دونوں کے درمیان کھڑے ہوئے۔

(مصنف عبدالرزاق ص۴۰۹ ج۲ رقم الحديث ۳۸۸۴ و طبرانی کبیر ص۲۷۶ ج۹ رقم الحديث ۹۳۸۱)

اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے نزدیک اگر دو مقتدی ہوں تو امام ان کے درمیان کھڑا ہو، جبکہ حنفیہ کے نزدیک امام درمیان کی بجائے آگے کھڑا ہو،

سادساً: انوار صاحب کی پیش کردہ روایت کی سند میں حماد بن ابی سلیمان نے امام ابراہیم نخعی سے نقل کیا ہے، حماد گو صدوق ہے مگر وہم کرتا ہے (تقریب ص۸۲) امام ابن عدی فرماتے ہیں حماد کی ابراہیم سے روایات میں افراد وغرائب ہیں (تہذیب ص۱۷ ج۳) اس کے برعکس امام الاعمش نے بھی اس روایت کو امام ابراہیم نخعی سے نقل کیا ہے، جس میں صراحت ہے کہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے یہ جماعت گھر میں مسجد کی جماعت سے پہلے کروائی تھی (صحیح مسلم ص۲۰۲ ج۱) امام الاعمش ثقہ و حافظ ہیں (تقریب ص۱۳۶) ہاں تدلیس کرتے ہیں مگر، ابوعوانہ ص۱۶۴ ج۲ میں سماع کی صراحت ہے،

الغرض حماد کی روایت شاذ ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے، اور صحیح حدیث میں صرف اتنا بیان ہے کہ

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے حکمرانوں کا نماز کو تاخیر سے پڑھانے کی وجہ سے گھر میں مسجد کی جماعت سے پہلے ہی نماز پڑھ لی تھی، انوار صاحب کے علامہ عثمانی فرماتے ہیں۔ **وفیه اشارة الیٰ انکار تاخیر هم الصلاة،** اور اس میں اشارہ ہے تاخیر نماز کے انکار پر (فتح الملہم ص۱۲۴ ج۲)

(۷) عن الحسن قال کان اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم اذا دخلوا المسجد وقد صلی فیه صلوا فرادی۔

(مصنف ابن ابی شیبه ص۳۲۳ ج ۲)

حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام جب مسجد میں جاتے اور نماز ہو چکی ہوتی تو اکیلے اکیلے نماز پڑھتے (حدیث اور اہل حدیث ص۵۲۲)

الجواب اولاً: اس روایت میں یہ صراحت نہیں کہ محلّہ کی مسجد میں ایسا کرتے تھے، اگر انوار صاحب اس پر ہی بضد ہوں کہ محلّہ کی مسجد ہی مراد ہے تو مخالف یہ کہنے کا حق رکھتا ہے کہ راستہ کی مسجد مراد ہے لهذا یہ روایت حنفیہ کے خلاف ہے۔

ثانیاً: سیدنا حسن بصری کی عام صحابہ کرام سے روایات مرسل ہیں۔ اس لیے یہ روایت مرسل ہے،

ثالثاً: سند میں، کثیر بن عبداللہ بصری ہے، اسے امام بخاری امام ابو حاتم امام نسائی امام حاکم امام ابو احمد وغیرہ نے منکر الحدیث قرار دیا ہے، امام نسائی نے متروک بھی کہا ہے ابو حاتم نے سخت ضعیف اور شبہ متروک قرار دیا ہے (تہذیب ص۴۱۸ ج ۸) کوئی ادنیٰ کلمہ توثیق بھی کتب رجال سے اس کے حق میں نہیں ملتا۔ الغرض یہ روایت سخت ضعیف ہے،

رابعاً: سند میں ایک راوی وکیع ہے، تہذیب میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ابو ہلال کے ترجمہ میں صراحت کی ہے کہ وکیع بن مبارک ہے لہذا اس وکیع کی بحوالہ عدالت وثقات بیان کی جائے جو امام ابن ابی شیبہ کا استاد اور ابو ہلال کا شاگرد ہو، میزان، ابن عدی، عقیلی، تاریخ بغداد، تاریخ کبیر، صغیر، الجرح والتعدیل، ثقات ابن حبان، اور خلاصہ وغیرہ کتابوں کو راقم نے دیکھ لیا ہے مگر ان میں اس کا ترجمہ نہیں ملا، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ مجہول ہے، اور جس روایت کی سند میں ایک راوی متروک دوسرا مجہول ہو پھر اس کا سلسلہ سند بھی مرسل ہو اس کے باطل ہونے میں کیا کلام ہوسکتا ہے۔

(۸) عن الحسن انه کان یقول یصلون فرادی۔

(مصنف ابن ابی شیبه ص۳۲۳ ج ۲)

حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ (ایسی صورت میں) اکیلے اکیلے نماز پڑھیں۔

(حدیث اور اہل حدیث ص۵۲۳)

الجواب اولاً: کس صورت میں؟ ممکن ہے کہ جب امام نہ ملے، اور اگر مل جائے تو بدعتی ہو، مسجد میں با جماعت نماز پڑھنے سے فساد کا خطرہ ہو، جب یہ احتمالات موجود ہیں، مگر انورا صاحب بلاوجہ اور بلا

دلیل اس سے دوسری جماعت مراد لیتے ہیں۔

ثانیاً: چلو مان لیتے ہیں کہ دوسری جماعت ہی مراد ہے تو تب بھی محلّہ کی مسجد کس لفظ کا معنی ہے کیونکہ راستہ کی مسجد میں تو آپ بھی جائز کہتے ہیں۔

ثالثاً: چلو مان لیتے ہیں کہ محلّہ کی مسجد ہی مراد ہے، تو یہ احتمال بھی تو ہے کہ فتنہ سے بچنے کے لیے انہوں نے یہ فتوی دیا ہو، امام حسن بصری سے ثابت ہے کہ

عن الحسن قال انما کانوا یکرھون ان یجمعوا مخافۃ السلطان۔

یعنی امام حسن بصری فرماتے ہیں کہ اسلاف سلطان کے خوف کی وجہ سے (دوسری جماعت) کو مکروہ خیال کرتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۳۲۲ ج ۱)

سابقہ فصل میں امام حسن بصری کا دوسری جماعت کے جواز کا فتوی نقل کیا جا چکا ہے، لہذا ممانعت کا فتوی خوف سلطان اور فتنہ سے بچنے پر محمول کیا جائے گا۔

رابعاً: سند میں، یونس بن عبید اور ھشیم دونوں مدلس ہیں (طبقات المدلسین) اور تحدیث کی صراحت بھی نہیں، لہذا یہ روایت ہی سرے سے ضعیف ہے اور جواز کا فتوی صحیح سند سے ہے لہذا وہی راجح ہے

(۹) عن ابی قلابۃ قال یصلون فرادیٰ (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۳۲۳ ج ۲)

حضرت ابو قلابہ فرماتے ہیں کہ ایسی صورت میں اکیلے اکیلے نماز پڑھیں۔

الجواب اولاً: بلاشبہ اس کی سند صحیح ہے، مگر اس میں متعدد احتمال ہیں، سابقہ روایت میں اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

ثانیاً: اگر مسجد کی جماعت میں شامل نہ ہو سکا تو گھر میں جماعت کروانا احناف کے نزدیک بھی جائز ہے (احسن الفتاوی ص ۳۲۸ ج ۳) مگر مذکورہ قول سے اسکی بھی نفی ہوتی ہے۔

ثالثاً: بعض صورتوں میں احناف کے نزدیک بھی جماعت ثانیہ درست ہے، تفصیل حسب ذیل ہے

(۱) مسجد راستہ پر واقع ہو (۲) امام و مؤذن معین نہ ہوں (۳) محلّہ کی مسجد میں غیر اہل محلّہ نے جماعت کی ہو (۴) محلّہ کی مسجد میں بلا اذان جماعت محلّہ والوں نے ہی کی ہو، (۵) محلّہ کی مسجد میں اہل محلّہ نے اعلان اذان سے جماعت کی ہو اور تکرار جماعت بھی اذان سے ہو (۶) صورت مذکورہ میں تکرار بلا اذان ہو اور جماعت ہیئت اولیٰ پر ہی ہو، یعنی عدول عن المحراب نہ کیا گیا ہو، (۷) تکرار جماعت بلا اذان ہو اور جماعت ہیئت اولیٰ پر نہ ہو یعنی عدول عن المحراب کیا گیا ہو، امام وسط مسجد میں محراب یا محراب کی محاذاۃ میں نہ کھڑا ہوا ہو۔

ان سات صورتوں میں سے پہلی چار صورتوں میں دوسری جماعت کروانا خواہ اذان و اقامت کے

ساتھ ہو، آئمہ احناف کے نزدیک بالا جماع جائز بلکہ افضل ہے۔

پانچویں اور چھٹی احناف کے نزدیک بالاتفاق مکروہ تحریمی ہے، اور ساتویں صورت آئمہ احناف میں مختلف فیہ ہے (فتاوٰی شامی ص۵۵۳ ج۱)

انوار صاحب وضاحت کریں کہ انہوں نے کس دلیل سے پہلی چار صورتوں کو مستثنٰی کیا ہے، اور قرآن و حدیث سے کون سے دلائل پہلی صورتوں کے افضل ہونے اور بقایا کے حرام ہونے کے نقل کئے ہیں، علاوہ ازیں حرمین میں کس دلیل سے چار مصلے قائم کر کے تکرار کے ساتھ ایک مدت تک جماعت کرواتے رہے، دوسری تو کیا تیسری اور چوتھی جماعت بھی ہوتی تھی، جس کے مکروہ نہ ہونے کا فتوٰی تو دارالعلوم دیوبند کے مفتیان نے بھی دے رکھا ہے (فتاوٰی دارالعلوم ص۵۲ ج۳)

آخر آپ بچارے وہابیوں کے ہی پیچھے کیوں پڑے ہوئے ہیں؟ آپ اپنے مسلک کا رد کیوں نہیں کرتے؟ الغرض اس اثر سے اگر تکرار جماعت کا مکروہ ہونا ثابت ہوتا ہے تو آپ کی مذکورہ پانچ صورتیں کیسے مستثنٰی ہیں، پھر مسجد میں تو آپ دوسری جماعت کو مکروہ کہتے ہیں، مگر کوٹھڑی (حجرہ مسجد) میں جائز کہتے ہیں (فتاوٰی دارالعلوم ص۵۲ ج۳)

یہ سب حیلے بہانے اور طفل تسلیاں ہیں۔ اگر جماعت ثانیہ نا جائز ہے تو علی الاطلاق نا جائز مانیئے، بعض صورتوں کو علیحدہ کس دلیل سے کرتے ہو، کبھی امام شافعی کے قول کا سہارا لیتے ہو کبھی المدونۃ الکبرٰی جیسی مخدوش السند کتاب کی عبارت نقل کرتے ہو، ہم کہتے ہیں کہ آئمہ میں سے کوئی فرد واحد بھی حنفیوں کے موافق نہیں کوشش کر دیکھئے قیامت تک آپ کو مہلت ہے، کسی نے بھی ان صورتوں کو مستثنٰی قرار دیکر باقی صورتوں کے حرام ہونے کا فتوٰی نہیں لگایا۔

اِدھر اُدھر سے بے کار حوالے نقل نہ کیجئے صریحاً اپنے مؤقف پر کسی صحابی، تابعی کا فتوٰی پیش کیجئے، یہاں پر انوار خورشید ایسا بوکھلایا ہے کہ بہکی بہکی باتیں کرنے لگا ہے، بحوالہ قاسم نانوتوی لکھتا ہے کہ معرکہ جہاد میں بھی ایک امام کے پیچھے دو طائفہ کر کے نماز پڑھائی گئی۔ یہ دوسری جماعت کے مکروہ ہونے کی دلیل ہے (حدیث اور اہل حدیث ص۵۲۹ ص۹) ان عقل کے دشمنوں سے پوچھئے کہ کیا آپ کے نزدیک جنگل وصحرا بھی مسجد کا حکم رکھتا ہے جس میں جماعت ثانیہ ناجائز ہے، پھر راستہ کی مسجد کی تخصیص کے چہ معنٰی؟ محترم اگر جنگل میں ایک دفعہ جماعت کے بعد دوسری مکروہ ہے تو پھر ایک شہر میں بھی مختلف مساجد میں جماعت مکروہ ہی ہوگی، عشاء کے علاوہ باقی تمام نمازیں آپ کی باطل ہوئیں کہ چاروں نمازیں اہل حدیث کی مساجد میں پہلے ادا ہوتی ہیں، ایک شہر میں تعدد جمعات بھی نا جائز ومکروہ ہوئے، محترم سنئے حنفیہ کے نزدیک بھی اگر مسجد سے ایک ہاتھ دور جماعت ثانیہ کروائی جائے تو جائز ہے مولانا گنگوہی نے، القطوف الدانیہ فی حکم الجماعۃ الثانیہ میں اس پر تفصیل سے لکھا ہے (معارف السنن ص۲۸۷ ج۲)

خیر ہم نے انوار صاحب کا تکبر توڑنے کے لیے نانوتوی صاحب کے کلام پر مختصر تبصرہ کر دیا ہے ورنہ قاسم صاحب تو وہ شخصیت ہیں جنہیں مسئلہ ختم نبوۃ بھی سمجھ نہیں آیا تھا جس پر متعدد قرآن کی آیات بیسیوں احادیث اور اجماع امت ہے۔ اگر انہیں خالص حدیثی اور فقہی مسئلہ سمجھ نہیں آیا تو کوئی عجوبا نہیں، آخر میں ایک اور لطیفہ ملاحظہ کیجئے بحوالہ مولوی احمد علی فرماتے ہیں کہ ایک ہی مسجد میں دوسرا جمعہ اس لیے ناجائز ہے کہ سب شرائط پائے جانے کے باوجود صرف شرط جماعت پوری نہیں ہوسکتی اس لیے سب شرائط پائے جانے کے باوجود صرف شرط جماعت پوری نہیں ہوسکتی اس لیے دوبارہ جماعت جمعہ صحیح نہیں (حدیث اور اہل حدیث ص۵۳۰) اچھا پہلی چار صورتوں میں تو جماعت بھی افضل ہے جیسا کہ ہم تفصیل سے لکھ چکے ہیں، انوار صاحب وضاحت کریں کہ آیا ان چار صورتوں میں آپ ایک ہی مسجد میں تکرار جمعہ کے قائل ہیں۔ اگر نہیں یقیناً نہیں، محترم ایسی فضول اور بے کار باتیں تحریر کرکے آپ کتاب کا حجم تو بڑھا سکتے ہیں اور مسئلہ حل کرنے کی بجائے الجھا بھی سکتے ہیں، مگر اہل علم کے ہاں ایسی ویسی باتیں دلائل میں شمار نہیں ہوتی بلکہ خبط اور خلط مبحث کہلاتی ہیں۔

(۱۰) عن افلح قال دخلنا مع القاسم المسجد وقد صلی فیه قال فصلی القاسم وحدهف۔

(مصنف ابن ابی شیبه ص۳۲۳ ج۱)

حضرت افلح فرماتے ہیں کہ ہم حضرت قاسم کے ساتھ مسجد گئے تو وہاں نماز ہو چکی تھی، حضرت قاسم نے پھر تنہا نماز پڑھی (حدیث اور اہل حدیث ص۵۲۳)

الجواب ان جیسے آثار سے حنفیہ کا مؤقف قطعاً ثابت نہیں ہوتا، تفصیل پہلے نمبروں میں گزر چکی ہے، ویسے بھی تابعی کا قول شرعی طور پر حجت نہیں، علاوہ ازیں منفرد نماز پڑھنے سے تکرار جماعت کا انکار ثابت نہیں ہوتا، راقم کو متعدد بار ایسا اتفاق ہوا کہ جماعت کے بعد مسجد میں گیا اور انفرادی طور پر نماز ادا کی، تو کیا اس سے یہ لازم آتا ہے کہ راقم کے نزدیک جماعت ثانیہ مکروہ ہے، قطعاً نہیں، اس اثر کا مفہوم فقط اتنا ہے کہ اگر انسان جماعت کے بعد مسجد میں جائے تو انفرادی طور پر نماز پڑھ سکتا ہے، اور ہم بھی کہتے ہیں کہ دوسری جماعت کروانا فرض اور واجب نہیں، صرف اجازت کے قائل ہیں کہ اس سے جماعت کا ثواب مل جاتا ہے۔

حرف آخر

انوار صاحب جماعت ثانیہ کے ناجائز و حرام اور مکروہ ہونے پر اور بعض صورتوں میں افضل ہونے پر قرآن و سنت سے کوئی دلیل نہیں دے سکے، چند محتمل و مشتبہ احادیث مرفوعہ کو نقل کیا ہے۔ جس کا مسئلہ سے دور کا بھی تعلق نہیں، آثار صحابہ کرام میں سے کوئی بھی ایسا اثر پیش نہیں کر سکے جو بعض صورتوں میں جماعت ثانیہ کو افضل اور بقایا کو مکروہ قرار دیتا ہو، تابعین میں سے کوئی قول اپنے مؤقف پر پیش نہیں کر سکے، یہی وجہ ہے کہ کبھی مالکیوں سے دوستی کرتے ہیں اور کبھی امام شافعی رحمہ اللہ کی منت کرتے ہیں، اس کے باوجود ان کا ضمیر مطمئن نہیں ہوتا تو قیاس فاسد کرتے ہیں جو قرآن و حدیث کے خلاف ہونے کے علاوہ خود حنفیہ کے بھی موافق نہیں انوار صاحب اس سلسلہ میں اتنے بوکھلا چکے ہیں کہ ایسے آثار بھی نقل کرتے ہیں جن کے نصف حصے کو خود بھی تسلیم نہیں کرتے، مگر نصف اول کو مخالف پر پیش کر کے انہیں دعوت فکر دیتے ہیں، مقلد ہونے کے باوجود ایک تجدیدی نکتہ اٹھاتے ہیں کہ جماعت ثانیہ مکروہ تحریمی ہے بایں طور کہ امام و مقتدی دونوں فرض نماز ادا کریں ص۵۲۵) انوار صاحب کہاں دھکے کھا رہے ہو، کیا آپ تراویح عیدین اور جنازہ میں جماعت ثانیہ کے قائل ہو چکے ہیں یہ صرف آپ نے انور صاحب کاشمیری کی تقلید میں نکتہ اٹھایا ہے۔ ورنہ اس چٹکلے سے فقہ کی کتابیں خالی ہیں، یہ صرف انکار حدیث کے لیے چور دروازہ ہے، تفصیل فصل اول میں گزر چکی ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہدایت عطا کرے اور عمل صالحہ بجا لانے کی توفیق دے، آمین یا الہ العلمین۔

(۴۷) باب نماز میں مصحف شریف سے دیکھ کر قرأۃ کرنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی

فصل اول

(۱) صحیح بخاری میں ہے کہ

کانت عائشة یؤمها عبدها ذکوان المصحف،

یعنی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا غلام ذکوان قرآن سے دیکھ کر ان کی امامت کراتا تھا۔

(بخاری ص۹۶ ج۱)

(۲) عن ابی بکر بن ابی ملیکة ان عائشة اعتقت غلاما لها عن دبر فکان یؤمها فی رمضان فی المصحف۔

امام ابوبکر بن ابی ملیکہ فرماتے ہیں کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا ایک غلام تھا، جسے بعد ازاں آپ نے آزاد کر دیا تھا۔ وہ سیدہ عائشۃ رضی اللہ عنہا کی رمضان میں امامت کراتا تھا اور قراۃ قرآن سے دیکھ کر کرتا تھا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص۳۳۸ ج۲)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کی سند صحیح ہے (تغلیق التعلیق ص۲۹۱ ج۲)

(۳) ان عائشة كانت تقرأ فی المصحف وهی تصلی۔

ام المؤمنین سیدہ صدیقہ عائشہ رضی اللہ عنہا نماز میں قرأۃ مصحف سے دیکھ کر کرتیں تھیں۔

(مصنف عبدالرزاق ص۴۲۰ ج۲ رقم الحدیث ۳۹۲۰)

(۴) امام ابن شہاب الزہری سے سوال ہوا کہ قرآن سے دیکھ کر امامت کا کیا حکم ہے؟

قال مازالوا یفعلون ذلك منذ كان الاسلام كان خیارنا یقرؤن فی المصاحف۔

یعنی ابتداء اسلام سے ہی لوگ قرآن مجید سے دیکھ کر امامت کراتے رہے جو ہمارے بہتر تھے۔

(قیام اللیل ص۱۶۸)۔

امام ابن شہاب الزہری جلیل القدر تابعی ہیں اور تابعی جب ”کانوا یفعلون“ ”کانوا یقولون“ وغیرہ کے الفاظ کہہ کر خبر دے تو اس سے مراد صحابہ کرام ہوتے ہیں۔

(قواعد فی علوم الحدیث مقدمه اعلاء السنن ص۱۲۸)

(۵) عن ایوب قال سمعت القاسم یقول كان یؤم عائشه یقرؤ فی المصحف۔

امام قاسم فرماتے ہیں کہ ایک غلام حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی امامت مصحف سے دیکھ کر کراتا تھا۔

(مصنف ابن ابی شیبه ص٣٣٨ ج٢)۔

(۶) عن ثابت البنانی قال کان انس یصلی و غلامه یمسك المصحف خلفه فاذا تعایا فی آیة فتح علیه۔

امام ثابت بنانی فرماتے ہیں کہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ نماز پڑھتے اور آپ کا غلام آپ کی اقتداء میں مصحف کو پکڑ کر رکھتا جب آپ کو کسی آیت میں دقت ہوتی تو وہ مصحف کھول کر پیش کر دیتا۔

(مصنف ابن ابی شیبه ص٣٣٨ ج٢)۔

(۷) ابراهیم بن سعد عن ابیه انه کان یامره ان یقوم باهله فی رمضان و یامره ان یقرألهم فی المصحف ویقول اسمعنی صوتك،

ابراہیم اپنے والد سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ انہیں حکم دیتے کہ وہ اپنے اہل عیال کو لیکر رمضان المبارک میں قیام کرے اور حکم دیتے کہ قرأۃ کو مصحف سے دیکھ کر پڑھے اور فرماتے کہ اتنا بلند آواز سے پڑھے کہ مجھے تیری آواز سنائی دے۔

(قیام اللیل ص١٦٨)

(۸) قتادة عن سعید بن المسیب فی الذی یقوم فی رمضان ان کان معه ما یقرأً به فی لیلة والافلیقرأ من المصحف۔

امام قتادہ امام سعید بن میّب سے روایت کرتے ہیں کہ جو شخص رمضان میں قیام کرے اگر اس کو اتنا قرآن مجید یاد ہو کہ ایک رات کے لیے کافی ہو تو بہتر ورنہ قرأۃ کو قرآن سے دیکھ کر کرلے۔ (قیام اللیل ص١٦٨)

(۹) ایوب عن محمدانه کان لایری باسا ان یوم الرجل القوم فی التطوع یقرأ فی المصحف۔

امام ایوب امام محمد بن سیرین سے روایت کرتے ہیں کہ وہ نوافل میں مصحف سے دیکھ کر امامت کرانے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے۔

(قیام اللیل ص١٦٨ و مصنف ابن ابی شیبه ص٣٣٨ ج٢)

(۱۰) وقال عطاء فی الرجل یؤم فی رمضان من المصحف لا باس به،

امام عطاء بن ابی رباح فرماتے ہیں کہ مصحف سے دیکھ کر امامت کرانے میں کوئی حرج نہیں۔

(قیام اللیل ص١٦٨ و مصنف ابن ابی شیبه ص٣٣٨ ج٢)

(۱۱) وقال یحییٰ بن سعید الانصاری لا اری بالقرأة من المصحف فی رمضان باسا یرید القیام۔

امام یحیٰی بن سعید انصاری کہتے ہیں کہ رمضان میں مصحف سے دیکھ کر پڑھنے میں کوئی حرج نہیں جبکہ مقصود قیام ہو۔

(قیام اللیل ص۱۶۸)

(۱۲) عن ایوب قال کان ابن سیرین یصلی و المصحف الی جنبه فاذا تردد نظر فیه۔

امام ایوب فرماتے ہیں کہ امام محمد بن سیرین جب نماز پڑھتے تو مصحف ان کی ایک جانب ہوتا جب (قرأۃ میں) تردد ہوتا تو اس سے دیکھ لیتے تھے۔

(مصنف عبدالرزاق ص۴۲۰ ج۲ رقم الحدیث ۳۹۳۱)

(۱۳) عن الحسن قال لا باس ان یؤم الرجل فی شهر رمضان وهو یقرأ فی المصحف،

امام حسن بصری فرماتے ہیں کہ رمضان میں مصحف سے دیکھ کر اگر کوئی شخص امامت کرائے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

(مصنف عبدالرزاق ص۴۲۰ ج۲ رقم الحدیث ۳۹۲۹)

(۱۴) عن منصور عن الحسن و محمد قالا لا باس به۔

امام منصور امام حسن بصری اور امام محمد بن سیرین سے نقل کرتے ہیں کہ اس صورت میں کوئی حرج نہیں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ص۳۳۸ ج۲)

(۱۵) حدثنا الربیع عن الحسن قال لا باس ان یؤم فی المصحف اذا لم یجد یعنی من یقرأ ظاهرا۔

امام ربیع امام حسن بصری سے روایت کرتے ہیں کہ مصحف سے دیکھ کر امامت کرانے میں کوئی حرج نہیں جب کوئی یاد سے پڑھنے والا نہ ملے۔(مصنف ابن ابی شیبه ص۳۳۸ ج۲)

(۱۶) عن ابن سیرین عن عائشة ابنة طلحة انها کانت تامر غلاما او انسانا یقرأ فی المصحف یؤمها فی رمضان۔

امام ابن سیرین فرماتے ہیں کہ (سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی نواسی) سیدہ عائشہ بنت طلحہ رحمہا اللہ غلام کو حکم دیا کرتی تھیں کہ وہ ان کی رمضان المبارک میں امامت مصحف سے دیکھ کر کرے، (مصنف ابن ابی شیبہ ص۳۳۸ ج۲)

(۱۷) شعبة عن الحکم فی الرجل یؤم فی رمضان یقرأ فی المصحف رخص فیه۔

امام شعبی امام حکم بن عتبہ کندی سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے رمضان المبارک میں (نماز تراویح میں) مصحف سے دیکھ کر امامت کرانے کی رخصت دی تھی

(مصنف ابن ابی شیبه ص۳۳۸ ج۲)

(۱۸) ابن وهب سئل مالك عن اهل قرية ليس احدمنهم جامعا للقرآن اترى ان يجعلوا مصحفا يقرأ لهم رجل منهم فيه فقال لا باس به فقيل له فالرجل الذى قد جمع القرآن اترى ان يصلى فى المسجد خلف هذا الذى يقوم بهم فى المصحف او يصلى فى بيته فقال لا ولكن يصلى فى بيته۔

امام ابن وہب کہتے ہیں کہ امام مالک سے سوال ہوا کہ ایک گاؤں میں کوئی حافظ قرآن نہیں، کیا آپ کے نزدیک درست ہے کہ وہ قرآن مجید آگے رکھے اور ان سے قرآن دیکھ کر پڑھے اور امامت کرائے، فرمایا اس میں کوئی حرج نہیں، پھر کہا گیا حافظ قرآن مصحف سے دیکھ کر پڑھنے والے کی اقتدا کرے یا گھر میں ہی نماز پڑھے فرمایا کہ گھر میں نماز پڑھے۔

(قيام الليل ص١٦٨)

(۱۹) عن احمد فى رجل يؤم فى رمضان فى المصحف فرخص فيه فقيل له يؤم فى الفريضة قال و يكون هذا؟

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ کوئی شخص رمضان میں مصحف سے دیکھ کر امامت کرائے تو رخصت ہے، کہا گیا فرضوں میں بھی امامت کرا سکتا ہے، فرمایا فرضوں میں یہ ہوتا ہے؟ (یعنی فرضوں میں لمبے قیام کی ضرورت نہیں، ایک آدھ سورۃ ہی کافی ہے)۔

(قيام الليل ص١٦٨)

قارئین کرام مذکورہ آثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اقوال تابعین عظام کو مکرر ایک بار پڑھیے۔ ام المؤمنین صدیقہ کائنات سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور سیدنا انس رضی اللہ عنہ کا عمل صحیح و معتبر اسناد سے ثابت ہے کہ وہ مصحف سے دیکھ کر قرأۃ کرتے وقت امامت کے قائل و فاعل ہیں، اور عشرہ مبشرہ میں شامل صحابی سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اپنے بیٹے کو مصحف سے دیکھ کر امامت کرنے کا حکم دیتے ہیں، اس کے برعکس کسی صحابی سے مصحف سے دیکھ کر قرأۃ کرنے سے فساد نماز کا فتوی تو کجا مکروہ ہونے کا بھی ثابت نہیں بلکہ ممانعت کا قول بھی کسی صحیح یا حسن سند سے ثابت نہیں، اور امام ابن شہاب الزہری کے قول سے ثابت ہوا کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مصحف سے دیکھ کر قرأۃ کرنے کا مؤقف و مذہب اور مسلک تھا،

مدینہ منورہ کے جید اور نامور عالم دین معروف تابعی امام سعید بن مسیّب بھی اجازت دیتے ہیں، بصرہ کے مفتی اور تابعی امام محمد بن سیرین بھی یہی کہتے ہیں مکہ مکرمہ کے مفتی اور تابعی امام عطاء بن ابی رباح بھی س میں کوئی حرج نہیں دیکھتے، مدینہ کے رہنے والے امام یحیٰی بن سعید تابعی بھی اس میں کوئی حرج نہ ہونے کا فتوی صادر کرتے ہیں امام حسن بصری تابعی بھی حرج نہ ہونا فرماتے ہیں، سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کی نواسی کا عمل بھی اسی پر ہے، کوفہ کے معروف تابعی امام حکم بن عتیبہ بھی رخصت دیتے ہیں۔

ان اقوال صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور آثار تابعین کے برعکس حنفیہ کا فتویٰ فساد نماز کا ہے، غور کیجئے جب ان خیار امت کی نمازیں ہی برباد گئیں تو ان کا اخروی حال حنفیہ کے نزدیک کیا ہے، یہ بات ملحوظ رہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال ہمارے نزدیک حجت ہیں (بشرطیکہ سنت سے ان کی نفی نہ ہوتی ہو) اور ان آثار کی وجہ سے ہی ہمارے نزدیک امامت کراتے وقت مصحف سے دیکھ کر قرأۃ کرنی جائز ہے۔

واضح رہے کہ امام ابوحنیفہؒ سے پہلے کسی ایک نے بھی فساد صلاۃ کا حکم نہیں لگایا، لیکن انوار صاحب اتنے بے ضمیرے اور گئے گزرے ہیں کہ ان آثار کو رد کرکے امام ابوحنیفہ کے قول کی نصرت وحمایت میں کتاب لکھ رہے ہیں، پھر حیرت در حیرت یہ کہ امام ابوحنیفہ کے قول کو رد کرنے والوں پر طعن وتشنیع کے انبار لگا کر اپنے کلیجہ کو ٹھنڈا کرتے ہیں ان کو شرم ہے نا حیا، دعویٰ پوچھو تو اہل سنت کا ہے۔

فصل دوم

(۱) عن رفاعة بن رافع ان رسول الله ﷺ فقص هذا الحديث قال فيه فتوضأ كما امرك الله ثم تشهد فاقم ثم كبر فان كان معك قرآن فاقرأبه والا فاحمد الله عزوجل وكبره وهلله، الحديث۔

(ابو داؤد ص١٢٥ ج١ و ترمذی ص٦٦ ج١)

حضرت رفاعہ بن رافع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے یہ حدیث (اعرابی کی نماز والی) بیان کی اس حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے فرمایا کہ جیسے تجھے اللہ نے حکم دیا ہے ویسے وضوء کر پھر اذان کہہ پھر اقامت کہہ پھر تکبیر (تحریمہ) کہہ پھر اگر تجھے کچھ قرآن یاد ہو تو وہ پڑھو ورنہ پھر اللہ عزوجل کی حمد کر اور اس کی تکبیر وتہلیل کر (یعنی الحمد اللہ، اللہ اکبر، اور لا الہ الا اللہ، کہہ) وجہ استدلال میں فرماتے ہیں۔

اگر قرآن پاک میں دیکھ کر قرأت کرتے ہوئے نماز پڑھنا پڑھانا صحیح ہوتا تو آپ اس شخص سے کہہ دیتے کہ اگر قرآن زبانی یاد نہ ہو تو دیکھ کر پڑھ لیا کرو، دوسرے قرآن میں دیکھ کر قرأت کرنا تعلیم و تعلم کے زمرہ میں آتا ہے، جو منافی صلوٰۃ ہے، تیسرے دوران نماز قرآن پاک کو ہاتھ میں لینا پھر اس میں دیکھنا پھر اوراق کو بدلنا یہ عمل کثیر ہے اور عمل کثیر مفسد صلوٰۃ ہے۔

(حدیث اور اہل حدیث ص۵۳۱و۵۳۳)

الجواب اولاً: تعلیم وتعلم اور عمل کثیر کا جواب تو یہ ہے کہ حنفیہ کے نزدیک بھی حافظ قرآن اگر مصحف سے دیکھ کر پڑھے تو جائز ہے۔

البحر الرائق ص١٠ ج٢ و فتح القدير ص٣٥١ ج١ و فتاوى شامى ص٦٢٤ ج١ و غنية المستملى ص٤٤٨ و فتاوٰى عالم گیری ص١٠١ ج١ و اعلاء السنن ص٦١ ج٥

ثانیاً: یہ آپ کے لیے تب مفید ہے جب آپ کسی دلیل سے یہ ثابت کر دیں کہ جلدی جلدی نماز پڑھنے والا صحابی مصحف سے نہیں پڑھ سکتا تھا۔ کیونکہ جس کو زبانی یاد نہ ہو صرف مصحف سے ہی پڑھ سکتا ہو، اس کے لیے مصحف سے پڑھنے کی اجازت آپ کے ہاں بھی ہے۔ تفصیل اگلی روایت میں آ رہی ہے۔

ثالثاً: مذکورہ حدیث میں، والا فاحمد الله عزوجل و کبره وهلله، کے الفاظ بیان کرنے میں، یحییٰ بن علی منفرد ہے اور اس کی عدالت و ثقات ثابت نہیں علامہ ذہبی نے، میزان الاعتدال ص ۳۹۹ ج ۴ میں اسے مجہول قرار دیا ہے اس کے برعکس یحییٰ کے استاد، علی، سے یہی حدیث پانچ راویوں نے نقل کی ہے مگر کسی میں بھی یہ الفاظ نہیں ہیں۔ تفصیل کے لیے حسب ذیل جدول کو دیکھئے۔

(۱) اسحاق بن عبداللہ بن ابی طلحہ۔

(ابو دائود کتاب الصلاة باب صلاة من لا یقیم صلبه فی الرکوع والسجود، الحدیث۸۵۷، ۸۵۸)۔

(۲) محمد بن اسحاق، ابو داؤد رقم الحدیث ۸۶۰ باب مذکورہ

(۳) محمد بن عمرو، ابو داؤد رقم الحدیث ۸۵۹ باب مذکورہ

(۴) ابن عجلان،

(سنن نسائی کتاب التطبیق باب الرخصة فی ترک الذکر فی الرکوع ، الحدیث ۱۰۵٤)

(۵) داؤد بن قیس۔

(نسائی کتاب السهو باب أقل ما تجزی به الصلاة، الحدیث ۱۳۱۵)

ان پانچ راویوں نے علی سے جو روایت نقل کی ہے اس میں مذکورہ الفاظ نہیں، اس لیے یہ الفاظ یحییٰ کی جہالت کی وجہ سے منکر ہیں، اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ حدیث مسیٔ الصلاۃ میں سب سے زیادہ صحیح روایت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ہے جیسا کہ امام بیہقی نے صراحت کی ہے (السنن الکبریٰ ص ۳۷۲ ج ۲)

اور حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ میں یہ الفاظ نہیں ہیں،

(بخاری رقم الحدیث ۷۵۷ و مسلم رقم الحدیث ۸۸۵)

بلکہ اس میں قرأت کرنے کا ذکر ہے جس سے ہمارے مؤقف کی تائید ہوتی ہے کہ یہ الفاظ بوجہ یحییٰ کا تفرد ہونے کے منکر ہیں۔

رابعاً: حدیث اس سلسلہ میں بالکل واضح ہے کہ آنے والے نے نماز منفرد پڑھی تھی، مگر انوار صاحب نے جو روایت درج کی ہے اس سے ان کے سابقہ باب (تکرار جماعت کا مکروہ ہونا) کی نفی ہوتی ہے، تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ صحابی کو جب حضور علیہ السلام نے نماز کا طریقہ سکھلایا تو اسے اذان و اقامت کا بھی طریقہ ارشاد فرمایا، (ترمذی رقم الحدیث ۳۰۲)، جس سے لازم آتا ہے کہ جب صحابی نے

دوبارہ نماز پڑھی تو نبی علیہ السلام کے بتائے ہوئے طریقہ کے مطابق نماز ادا کی تھی۔ جس میں اذان واقامت بھی تھی۔ ظاہر ہے کہ اذان و اقامت کا تعلق جماعت سے ہے لہذا تکرار جماعت ثابت اور حنفیہ کا مسلک باطل، اگر انوار صاحب کہہ دیں کہ مسئی الصلاۃ کی حدیث منفرد کے متعلق ہے تو ہم کہتے ہیں منفرد کے حق میں اذان واقامت کہنے کے آپ بھی قائل نہیں ہیں۔ خلاصہ یہ نکلا کہ یا تو تکرار جماعت تسلیم کرلیں یا منفرد کو بھی اذان واقامت کہنے کے وجوب کا فتوی دیں۔ لیکن انوار صاحب ان دونوں میں سے کسی کو قبول نہیں کرتے۔ کیونکہ اس سے ان کے تقلیدی مذہب کا بطلان لازم آتا ہے، اور انوار صاحب نے اس سے جان چھڑانے کے لئے یہ مخلص تلاش کیا ہے کہ پورا متن ہی درج نہیں کیا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

(۲) عن عبداللہ بن ابی اوفیٰ قال جاء رجل الی النبی ﷺ فقال انی لا استطیع ان آخذ من القرآن شیئاً فعلمنی ما یجز ئنی منه فقال قل سبحان الله والحمدلله ولا اله الا الله والله اکبر ولا حول ولا قوة الا بالله۔

(الحدیث ابو داؤد ص۱۲۱ ج۱، نسائی ص۱۰۷ ج۱ مسند احمد ص۳۵۳ ج٤)

حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک صاحب نبی علیہ السلام کے پاس آکر کہنے لگے کہ میں قرآن پاک سے کچھ حاصل کرنے کی (یعنی زبانی یاد کرنے کی) استطاعت نہیں رکھتا لہذا آپ مجھے کچھ سکھائیں، جو میرے لیے کافی ہو، آپ نے فرمایا تم یہ کہو، **سبحان الله والحمدلله والا الٰه الله والله اکبر ولا حول ولا قوة الا بالله** وجہ استدلال میں فرماتے ہیں کہ

اگر قرآن میں دیکھ کر قرأت کرتے ہوئے نماز پڑھنا پڑھانا جائز ہوتا تو حضور علیہ السلام اس شخص کو جس نے یہ کہا تھا کہ مجھے قرآن یاد کرنے کی استطاعت نہیں ہے کوئی ایسی چیز بتلا دیں جسے پڑھ کر نماز ہو جائے، ضرور فرما دیتے کہ بھئی اگر یاد کرنے کی استطاعت نہیں ہے تو قرآن میں دیکھ کر نماز پڑھ لیا کرو، لیکن آپ نے یہ نہیں فرمایا (حدیث اور اہل حدیث ص۵۳۱، ۵۳۲)

الجواب اولاً: **انی لا استطیع ان آخذ من القرآن،** کا جو آپ نے مفہوم بریکٹ میں بیان کیا ہے کہ زبانی یاد کرنے کی استطاعت نہیں رکھتا۔ درست نہیں، کیونکہ لفظ، آخذ، عطاء کی زد ہے، معنی یہ بنا کہ قرآن سے استفادہ نہیں کرسکتا، بلفظ دیگر قرآن پڑھ نہیں سکتا۔ اس معنی کی تائید حدیث کے دوسرے طریق سے ہوتی ہے، جس میں ہے کہ، انی لا أقرأ القرآن، یعنی میں قرآن پڑھ نہیں سکتا،

(مستدرك حاكم ص٢٤١ ج١ و مسند احمد ص٣٨٢ ج٤ دارقطنی ص٣١٣ ج١ و ابن خزيمه ص٢٧٣ ج١ رقم الحديث ٥٤٤)

جس سے ثابت ہوا کہ، **انی لا استطیع ان اخذ القرآن،** کا معنی ہے کہ میں قرآن میں سے کوئی

چیز پڑھ نہیں سکتا، یہی معنی دیوبندی مکتب فکر کے نامور اور جید عالم دین صوفی عبدالحمید سواتی نے، (نماز مسنون ص۲۹۳) میں کیا ہے اور یہی معنی صحیح اور خالص متن حدیث ﷺ ترجمانی ہے، لہذا انوار صاحب نے جو اس سے استدلال کیا ہے کہ اگر مصحف سے قرأۃ جائز ہوتی تو حضور علیہ السلام اسے فرماتے ہیں کہ چلو زبانی یاد نہیں ہوتا تو دیکھ کر ہی پڑھ لیا کرو، غلط و باطل ٹھہرا اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ اس حدیث سے انوار صاحب کا استدلال معنوی تحریف ہے۔

ثانیاً: حدیث کے کس لفظ کا معنی ہے کہ نماز میں قرأۃ کی جگہ پر ان کلمات کو پڑھ لیا کرو، محترم، ما یجزئنی، کی تفسیر میں اختلاف ہے، بعض کا خیال ہے کہ ان کلمات کو قرآن کی تلاوت کی جگہ پر پڑھنا کافی ہے، اور بعض حضرات کا کہنا ہے کہ نماز میں قرأۃ کی جگہ پر ان الفاظ کا پڑھنا کفایت کرتا ہے، ہمارے نزدیک خالص نماز کے متعلق کہنا درست نہیں کیونکہ حدیث میں کوئی ایسا لفظ نہیں جو اس معنی کا متحمل ہو،

ثالثاً: جو حضرات اسے نماز کی قرأۃ پر محمول کرتے ہیں ان کا خیال ہے یہ حدیث علی الاطلاق نہیں بلکہ اس کا ایک خاص وقت ہے وہ یہ کہ جب انسان اسلام قبول کرے اور فی الفور نماز کا وقت ہو جائے تو اسے نماز میں یہ کلمات کہہ کر نماز پڑھ لینی چاہیئے اور بعدہ قرآن کی آیات کو یاد کرنا چاہیئے۔ بذل المجہود ص۶۰ ج۲ مگر انوار صاحب عام حالات کو بھی اس پر قیاس کرتے ہیں۔ اور اسے مستقل حکم سمجھتے ہیں۔ حالانکہ اس حدیث پر ہی غور کرتے تو مسئلہ صاف تھا۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جو شخص اس قدر کلمات یاد کرسکتا ہے اسے سورہ فاتحہ کیسے یاد نہیں ہو سکتی۔

رابعاً: چلو تمام چیزیں تسلیم کرلیتے ہیں، الف، یہ حدیث نماز کے بارے ہے،، ب،، مستقل حکم ہے، ت، انی لا اقرأ، کا معنی ہے میں حفظ قرآن نہیں کرسکتا،، سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ کس دلیل سے ثابت ہوا کہ ناظرہ قرآن پڑھ سکتا تھا؟ اس پر کوئی دلیل عنایت کریں، چلو اسے بھی مان لیتے ہیں، مگر محترم فقہ حنفی کی معروف کتاب فتاوی ظہیریہ میں ہے کہ اگر ناظرہ قرآن پڑھ سکتا ہو اور بغیر قرآن نماز پڑھے تو اس کی نماز نہیں ہوتی۔ (بحوالہ البحر الرائق ص۱۰ ج۲)

خامساً: گو یہ حدیث حسن درجہ کی ہے تفصیل کے لیے (ارواء الغلیل ص۱۲ ج۲) کی مراجعت کریں مگر فرقہ دیابنہ کے نزدیک تو یہ روایت ہی ضعیف ہے جیسا کہ مولوی خلیل احمد سہارنپوری نے (بذل المجہود ص۶۱ ج۲) میں صراحت کی ہے، محترم جب آپ کے نزدیک یہ روایت ہی ضعیف ہے جو نا قابل دلیل ہے تو خصم پر حجت کس سے قائم کرتے ہو؟

(۳) عن ابن عباس قال نهانا امیر المؤمنین عمر ان نؤم الناس فی المصحف و نهانا ان یؤمنا الا المحتلم۔ (کنز العمال ص۲۶۳ ج۸)

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ہمیں اس سے

منع فرمایا ہے کہ ہم قرآن میں دیکھ کر لوگوں کی امامت کریں اور اس سے منع فرمایا کہ ہماری امامت بالغ کے علاوہ کوئی اور کرائے (حدیث اور اہل حدیث ص ۵۴۲)

الجواب اولاً: کنز العمال میں یہ روایت امام ابو داؤد کے بیٹے، عبداللہ کی تصنیف، کتاب المصاحف، سے بلا سند منقول ہے، صاحب کنز العمال نے مقدمہ میں جو صراحت کی ہے اس کے مطابق یہ روایت ضعیف ٹھہرتی ہے،

ثانیاً: کتاب المصاحف ص ۱۸۹ میں اس کی سند حسب ذیل ہے،

حدثنا عبدالله بن محمد بن عامر بن ابراهيم عن ابيه عامر بن ابراهيم قال سمعت نهشل بن سعيد يحدث عن الضحاك عن ابن عباس۔

(كتاب المصاحف ص ۱۸۹ مطبوعه مكتبه رحمانيه مصر ۱۹۳۶ء)۔

اب ترتیب وار اس سند کی کھوٹ ملاحظہ کیجئے۔ الف، سند منقطع ہے۔ کیونکہ ضحاک بن مذاحم کی سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ملاقات اور سماع نہیں ہوا، جیسا کہ امام ابو حاتم، امام شعبیؒ امام ابو زرعہ نے صراحت کی ہے بلکہ خود ضحاک کہتے ہیں کہ میرا ابن عباس سے سماع نہیں۔

(مراسيل ابن ابى حاتم ص ۹۵)

'ب' ضحاک سے روایت کرنے والا راوی، نہشل بن سعید، کذاب و متروک ہے، امام ابو داؤد طیالسی اور امام اسحاق بن راہویہ نے کذاب قرار دیا ہے امام ابن معین فرماتے ہیں کہ ہیچ محض ضعیف اور غیر ثقہ ہے، ابو داؤد کہتے لیس بشئی، ابو زرعہ اور دار قطنی نے ضعیف کہا ہے، ابو حاتم فرماتے ہیں قوی نہیں متروک الحدیث اور ضعیف الحدیث ہے، جوز جانی فرماتے ہیں فن حدیث میں اس کی تعریف نہیں ہوئی، امام نسائی کہتے ہیں کہ متروک الحدیث اور غیر ثقہ ہے اس کی مرویات کو لکھا ہی نہ جائے، ابن حبان فرماتے ہیں ثقات سے ایسی روایات نقل کرتا ہے، جو ان کی مرویات میں سے نہیں اس کی روایات کو لکھا ہی نہ جائے مگر تعجب کے طور پر، امام حاکم فرماتے ہیں کہ ضحاک سے معضلات اور داؤد بن ابی ہند سے منکر روایات نقل کرتا ہے امام بخاری فرماتے ہیں اس سے معاویہ بصری منکر حدیثیں نقل کرتا ہے، امام ابو سعید نقاش فرماتے ہیں کہ ضحاک سے موضوع روایات بیان کرتا ہے (تهذيب التهذيب ص ۴۷۹ ج ۱۰)

امام حاکم فرماتے ہیں کہ ضحاک سے موضوع و من گھڑت اور جعلی روایات نقل کرتا ہے، (المدخل الى الصحيح ص ۲۱۸) خیر سے یہ روایت بھی ضحاک سے ہی ہے، جس سے ثابت ہوا کہ یہ روایت من گھڑت باطل اور موضوع ہے، ث، پھر سند میں، محمد اور عامر دونوں راویوں کی عدالت مطلوب ہے۔

(۴) **عن جابر عن عامر قال لا يؤم في المصحف۔**

(مصنف ابن ابى شيبه ص ۳۳۹ ج ۲)

حضرت عامر فرماتے ہیں کہ قرآن میں دیکھ کر امامت نہ کروائی جائے۔

(حدیث اور اہل حدیث ص۵۳۲)

الجواب عامر، نہ صحابی ہیں اور نہ ہی رسول کہ ان کا قول ہم پر حجت ہو، پھر یہ حضرات کون ہیں بحوالہ صراحت کی جائے، معلوم یوں ہوتا ہے کہ انوار صاحب بھی لاعلم ہی ہیں۔ ورنہ آخر میں اس پر نمک مرچ لگا کر فرماتے کہ فلاں شہر کے مفتی و امام اور فقیہہ و محدث اور جلیل القدر تابعی وغیرہ کا بھی یہی فتوی ہے مگر ایسا انہوں نے بھی نہیں کیا، الغرض یہ حضرات غیر معلوم ہیں۔ اور اللہ نے ہمیں مجہول لوگوں سے دین لینے کا مکلّف نہیں کیا

خلاصہ کلام انوار صاحب نے قرآن و حدیث اور آثار صحابہ کرام میں سے کوئی دلیل بھی ایسی درج نہیں کی جو اس پر دلالت کرے کہ نماز میں مصحف سے دیکھ کر قرأت کرنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے، ایسا ہی تابعین عظام کا فتوی بھی اپنے مؤقف پر ثابت نہیں کر سکے، اور حقیقت بھی یہی ہے کہ امام ابو حنیفہ سے پہلے فساد نماز کا فتوی کسی نے بھی نہیں دیا جیسا کہ امام مرزوی نے، (قیام اللیل ص۱۶۹) میں صراحت کی ہے، لہٰذا انوار صاحب کا آخر میں یہ کہنا کہ صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین کے برعکس غیر مقلدین کا مؤقف ہے، غلط بیانی ہے، بلاشبہ بعض حضرات کے نزدیک یہ مکروہ ہے مگر فساد نماز کا حکم کسی نے بھی نہیں لگایا، یہ ان کی زیادتی ہے، کراہت اور فساد میں فرق ہے، دیکھئے حنفیہ کے نزدیک رفع یدین مکروہ ہے مگر مفسد صلاۃ نہیں (کبیری ص۳۴۷) اور ایسا ہی ان کے ہاں ننگے سر نماز پڑھنا، مکروہ ہے (شرح نقایہ ص۹۵ ج۱ وحلبی کبیر ص۳۴۸) مگر اس کے باوجود ان کے نزدیک نماز ہو جاتی ہے، دہرانے کی ضرورت نہیں، مگر افسوس انوار صاحب نے یہاں پر بھی ڈنڈی ماری ہے، صریحاً فساد صلاۃ کی کوئی دلیل بھی درج نہیں کی لیکن پھر بھی دعوی کرتے ہیں کہ یہ حدیث کی مخالفت ہے، آخر میں جو دلائل نقل کیے ہیں ان کا حال بھی دیکھئے پہلی دلیل منکر ہے دوسری کا تعلق نماز سے نہیں تیسری من گھڑت اور باطل ہے پھر پہلی دونوں حدیثوں کا تعلق زیر بحث مسئلہ سے نہیں بلکہ اضطراری حالت کی بات ہے اور تیسری دلیل کو جس انداز سے انہوں نے پیش کیا ہے وہ بھی ان کا ہی خاصہ ہے، فرماتے ہیں کہ

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا قرآن میں دیکھ کر نماز پڑھانے سے منع فرمانا بھی اس بات کی دلیل ہے کہ دوران نماز قرآن میں دیکھ کر قرأت کرنا مفسد صلوۃ ہے کیونکہ قاعدہ ہے کہ نہی مقتضی فساد ہوتی ہے

(حدیث اور اہل حدیث ص۵۳۳)

محترم یہ ضابطہ غالباً آپ نے، اعلاء السنن، سے نقل کر دیا ہے، لیکن اس سے حنفیہ کے کتنے مسائل غلط ثابت ہو جاتے ہیں، اس کا آپ نے خیال نہیں رکھا، غور سے سنئے کہ

(۱) سدل سے منع فرمایا ہے (ابو داؤد ص۹۴ ج۱ و ترمذی ص۸۱ و مستدرک حاکم ص۳۵۳ ج۱)

(۲) کمر پر ہاتھ رکھنے سے منع فرمایا ہے (بخاری ص۱۶۳ ج۱ و مسلم ص۲۰۶ ج۱)

(۳) امام سے سبقت کرنے سے منع فرمایا ہے (مسلم ص۱۹۵ ج۱)

(۴) سجدہ میں کہنیوں کا زمین پر گرانے سے منع فرمایا ہے (مسلم ص۱۹۵ ج۱)

ان کے علاوہ بھی متعدد مقامات ہیں جن میں نبی مکرم سید دو عالم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے منع فرمایا ہے، لیکن مذکورہ چاروں باتیں حنفیہ کے نزدیک مکروہ ہیں۔

(جلبی کبیر ص٣٧٧و ٣٥٠ و ٣٧٠و ٣٤٦)

ان افعال کو آپ مکروہ تسلیم کرتے ہیں جو صحت نماز کی دلیل ہے،

مولانا تھانوی فرماتے ہیں، مکروہ وہ چیز ہے جس سے نماز نہیں ٹوٹتی مگر ثواب کم ہو جاتا ہے۔

(بهشتی زیور ص٢٢ حصه دوم)

انوار صاحب اگر نہی مقتضی فساد ہے تو کیا وجہ ہے کہ آپ ان مقام پر فساد صلاۃ کے قائل نہیں ہیں۔ خلاصہ کلام یہ کہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے منع کرنے سے فساد صلاۃ کا مؤقف ثابت نہیں ہوتا کیونکہ نہی بسا اوقات زجر و توبیخ کے لیے بھی ہوتی ہے اور تنزیہی بھی ہوتی ہے جو جواز کو ثابت کرتی ہے، یہی وجہ ہے کہ اعلاء السنن ص۶۱ ج۵ کے حاشیہ پر مولانا حبیب احمد کیرانوی حنفی دیوبندی نے اعتراف کیا ہے کہ اس سے ہمارا استدلال تام نہیں ہے۔

(۴۸) باب اگر غلطی سے نماز میں کمی بیشی ہو اور سلام پھیر دیا جائے تو اس دوران اصلاح نماز کے لیے کلام کرنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی

فصل اول

(۱) عن عبداللہ قال صلی بنا النبی ﷺ الظھر خمسا، فقیل، أزید فی الصلاۃ؟ قال، وما ذاک؟ قالوا صلیت خمسا، فسجد سجدتین بعد ما سلم،

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ظہر کی نماز پڑھی (تو آپ نے غلطی سے چار کی بجائے) پانچ رکعت پڑھائیں (جب آپ نے سلام پھیرا تو) آپ ﷺ سے کہا گیا کہ کیا نماز میں زیادتی ہوگئی ہے؟ آپ نے فرمایا کیا بات ہے؟ صحابہ کرام نے کہا کہ آپ نے پانچ رکعت نماز پڑھی ہے، تو آپ علیہ السلام نے دو سہو کے سجدے کیئے سلام پھیرنے کے بعد۔

(بخاری کتاب اخبار الاحاد باب جاء فی اجازة خبر الواحد، الحدیث٧٢٤٩ و مسلم کتاب المساجد باب السهود فی الصلاة والسجود له، الحدیث ١٢٨١ و ١٢٨٢)

(۲) عن ابراھیم بن سوید قال صلی بنا علقمة الظھر خمسا فلما سلم قال القوم یا اباشبل! قد صلیت خمسا، قال، کلا، ما فعلتُ قالوا، بلیٰ، قال وکنت فی ناحیة القوم، وانا غلام، فقلت بلی، قد صلیت خمسا، قال لی، وانت ایضاً یا ابا اعور! تقول ذاک؟ قال قلت، نعم، قال انفتل فسجد سجدتین ثم سلم، ثم قال، قال عبداللہ صلی بنا رسول اللہ ﷺ خمسا فلما انفتل تو شوش القوم بینھم، فقال ما شانکم؟ قالوا، یا رسول اللہ! ھل زید فی الصلاۃ؟ قال، لا، قالوا فانک قد صلیت خمسا فانفتل ثم سجد سجدتین ثم سلم، ثم قال، انما انا بشر مثلکم، انسی کما تنسون، وزاد ابن نمیر فی حدیثه فاذا نسی احدکم فلیسجد سجدتین۔

امام ابراہیم بن سوید بیان کرتے ہیں کہ ہمیں امام علقمہ نے ظہر کی نماز پڑھائی تو (چار کی بجائے) پانچ رکعتیں پڑھائیں، جب سلام پھیرا تو لوگوں نے کہا، اے ابوشبل (امام علقمہ کی کنیت ہے) آپ نے پانچ رکعتیں پڑھائیں، انہوں نے کہا ہرگز نہیں، لوگوں نے کہا بے شک آپ نے پانچ رکعتیں پڑھائیں، ابراہیم بن سوید کہتے ہیں کہ میں ایک کونے میں تھا اور کم عمر تھا، میں نے بھی کہا ہاں آپ نے پانچ رکعتیں پڑھی ہیں وہ بولے اے ابواعور تو بھی یہی کہتا ہے، میں نے کہا ہاں! یہ سن کر وہ مڑے اور دو سجدے کیے اور پھر سلام پھیرا اور پھر فرمایا سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ

نے ہمیں پانچ رکعتیں پڑھائیں جب نماز سے فارغ ہوئے تو لوگوں نے ایک دوسرے سے آہستہ آہستہ آواز سے کلام شروع کر دیا، آپ ﷺ نے فرمایا تمہیں کیا ہوا، لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا نماز زیادہ ہو گئی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں، حاضرین نے کہا کہ آپ نے پانچ رکعتیں پڑھائی ہیں، آپ علیہ السلام نے (مقتدیوں کی طرف سے منہ پھیر کر) قبلہ رخ کیا اور دو سجدے کیئے پھر فرمایا کہ میں بھی تمہاری طرح بشر ہوں جیسے تم بھول جاتے ہو میں بھی بھول جاتا ہوں، جب تم میں سے کوئی شخص نماز میں بھول جائے تو دو سجدے کرے۔

(مسلم کتاب المساجد باب السهو فی الصلوٰة والسجود له، الحديث ١٢٨۴)

(٣) عن عبدالله ان النبی ﷺ سلّم ثم تكلم ثم سجد سجدتی السهو،

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی مکرم ﷺ نے سلام پھیرنے کے بعد کلام کیا پھر سجدہ سہو کیا۔

(سنن نسائی كتاب السهوباب سجدة السهو بعد السلام والكلام، الحديث ١٣٣٠)

(۴) عن عبدالله قال، صلى بنا رسول الله ﷺ خمسا، فلما انفتل توشوش القوم بينهم، فقال، ما شانكم؟ قالوا، يا رسول الله ﷺ! هل زيد فی الصلاة؟ قال لا، قالوا، فانك قد صليت خمسا، فانفتل فسجد سجدتين ثم سلم ثم قال انما انا بشر انسى كما تنسون۔

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھائی تو پانچ رکعتیں پڑھیں، جب آپ علیہ السلام نماز سے فارغ ہوئے تو لوگوں نے آپس میں سرگوشی شروع کر دی، آپ نے فرمایا کیا کہتے ہو، لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا نماز بڑھ گئی ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں، لوگوں نے کہا کہ پھر آپ نے پانچ رکعتیں پڑھیں ہیں آپ علیہ السلام نے منہ قبلہ کی جانب موڑا اور دو سجدے سہو کے کیے، پھر سلام پھیرا اور اس کے بعد ارشاد فرمایا میں بھی تمہاری طرح بشر ہوں جیسے تم بھول جاتے ہو میں بھی بھول جاتا ہوں،

(سنن ابو داؤد كتاب الصلاة باب اذا صلى خمسا، الحديث ١٠٢٢)

(۵) عن عبدالله رضی اللہ عنہ ان رسول الله ﷺ صلى الظهر خمسا، فقيل له، أزيد فی الصلاة؟ فقال وما ذاك؟ قال، صليت خمسا، فسجد سجدتين بعد ما سلم،

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بھول کر ظہر کی پانچ رکعتیں پڑھیں، آپ علیہ السلام سے کہا گیا کیا نماز زیادہ ہو گئی؟ آپ علیہ السلام نے کہا کیا بات ہے؟ کہا (صحابہ) نے کہ آپ نے پانچ رکعتیں نماز پڑھیں، تب آپ نے سلام پھیر چکنے کے بعد دو سہو کے سجدے کیے۔

بخاری كتاب السهو باب اذا صلى خمسا، الحديث ١٢٢٦ ومسلم كتاب المساجد باب السهو فی الصلاة والسجود له، الحديث ١٢٨١ وابو داؤد كتاب الصلاة باب اذا صلى خمسا، الحديث ١٠١٩ و ترمذی کتاب

الصلاة باب ما جاء فی سجدتی السهو بعد السلام والکلام، الحدیث ۳۹۲ و نسائی کتاب السهو باب ما یفعل من صلی خمسا، الحدیث ۱۲۵۵)

(۶) عن ابی هریرةؓ قال صلی بنا النبیﷺ الظهر والعصر فسلم فقال له ذو الیدین، الصلاة یا رسول اللهﷺ أنقصت؟ فقال النبیﷺ لا صحابه، أحق ما یقول قالوا نعم، فصلی رکعتین اخریین ثم سجد سجدتین قال سعد و رایت عروة بن الزبیر صلی من المغرب رکعتین فسلم و تکلم ثم صلی ما بقی و سجد سجدتین وقال هکذا فعل النبیﷺ۔

سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے ظہر یا عصر کی نماز پڑھائی تو دو رکعت پر سلام پھیر دیا، تو آپ ؑ سے سیدنا ذوالیدین ؓ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ کیا نماز کی رکعات کم ہوگئی ہیں، آپ ؑ نے صحابہ کرام سے کہا جو بات ذوالیدین کہتا ہے کیا یہ درست ہے، صحابہ کرام نے ذوالیدین کی تائید کی، تو نبی کریم ﷺ نے آخری دو رکعت پڑھیں پھر سہو کے دو سجدے کیے، امام سعد بن ابراہیم فرماتے ہیں کہ میں نے عروہ بن زبیر کو دیکھا کہ انہوں نے غلطی سے مغرب کی دو رکعت پڑھ کر سلام پھیر دیا (اصلاح نماز کے بارے) کلام کرنے کے بعد پھر انہوں نے باقی ماندہ نماز پڑھی اور سہو کے دو سجدے کیے اور کہا کہ نبی مکرم ﷺ نے بھی اسی طرح کیا تھا۔

(بخاری کتاب السهو باب اذا سلم فی رکعتین اوفی ثلاث سجد سجدتین مثل سجود الصلاة او اطول، الحدیث ۱۲۲۷)

(۷) حدثنا ایوب قال سمعت محمدبن سیرین یقول سمعت ابا هریرة یقول صلی بنا رسول اللهﷺ احدی صلاتی العشی امّا الظهر واما العصر فسلم فی رکعتین ثم اتی جزعا فی قبلة المسجد فاستند الیها مغضبا وفی القوم ابو بکر و عمر فهابا ان یتکلما و خرج سرعان الناس، قالوا، قصرت الصلاة فقام ذو الیدین فقال یا رسول الله! أقصرت الصلاة ام نسیت؟ فنظر النبیﷺ یمینا و شمالا، فقال، ما یقول ذوالیدین؟ قالوا، صدق، لم تصل الا رکعتین، فصلی رکعتین و سلم ثم کبر ثم سجد ثم کبر فرفع ثم کبر وسجد ثم کبر ورفع۔

سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے ظہر یا عصر کی نماز پڑھائی اور دو رکعت پڑھا کر سلام پھیر دیا، پھر ایک لکڑی کی طرف آئے جو مسجد میں قبلہ رخ لگی ہوئی تھی، اور غصہ کی حالت میں اس سے ٹیک لگا کر کھڑے ہوگئے، اور قوم میں سیدنا ابو بکرؓ اور سیدنا عمر فاروقؓ بھی تھے اور وہ آپ سے بات کرنے سے ڈرے، اور جلدی جلدی جانے والے حضرات یہ کہتے ہوئے چلے گئے کہ نماز میں کمی ہوگئی، سیدنا ذوالیدین ؓ کھڑے ہوئے اور رسول اللہ ﷺ سے کہنے لگے کہ کیا نماز کم ہوگئی ہے یا آپ بھول گئے ہیں؟ آپ ؑ نے یہ سن کر دائیں اور بائیں دیکھا اور کہا ذوالیدین

کیا کہتا ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا حضور ﷺ ذوالیدین درست کہتا ہے، آپ نے واقعی دو رکعتیں پڑھائی ہیں، یہ سن کر آپ علیہ السلام نے مزید دو رکعت نماز پڑھائی اور سلام پھیرا پھر تکبیر کہہ کر سجدہ کیا پھر تکبیر کہہ کہ ہجدہ سے سر اقدس اٹھایا پھر تکبیر کہہ کر سجدہ کیا پھیر تکبیر کہہ کر سجدہ سے سر اٹھایا۔

(مسلم کتاب المساجد باب السهو فى الصلاة و السجود له، الحديث ١٢٨٨)

(۸) عن ابی هريرة قال بينا انا اصلی مع النبی ﷺ صلاة الظهر سلم رسول الله ﷺ من الركعتين فقام رجل من بنی سليم واقتص الحديث

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ظہر کی نماز پڑھ رہا تھا تو آپ علیہ السلام نے دو رکعت نماز پڑھ کر سلام پھیر دیا۔ بن سلیم سے ایک شخص کھڑا ہوا، بقیہ حدیث حسب سابق ہے۔

(مسلم کتاب المساجد باب السهو فى الصلاة والسجود له، الحديث ١٢٩٢)

(۹) عن معاوية بن حديج ان رسول الله ﷺ صلى يوما فسلم وقد بقيت من الصلاة ركعة، فادركه الرجل فقال نسيت من الصلاة ركعة، فرجع فدخل المسجد وامر بلال فاقام الصلاة فصلى باالناس ركعة فاخبرت بذلك الناس، فقالوا لى، أتعرف الرجل؟ قلت، لا، الا ان أراه، فمربى، فقلت، هذا هو، فقالوا، هذا طلحة بن عبيد۔

سیدنا معاویہ بن حدتج رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن نماز پڑھائی تو سلام پھیر دیا حالانکہ نماز پوری ہونے میں ایک رکعت باقی تھی، ایک شخص نے آپ علیہ السلام کے پاس جاکر کہا کہ آپ نماز میں ایک رکعت بھول گئے ہیں، آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام لوٹ کر آئے اور مسجد میں داخل ہوئے اور سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا انہوں نے تعمیل ارشاد میں اقامت کہی اور آپ نے (لوگوں کے ساتھ) ایک رکعت نماز پڑھی، میں نے لوگوں سے بیان کیا تو انہوں نے کہا کیا تو اس شخص کو جانتا ہے، میں نے کہا نہیں، ہاں البتہ اگر دیکھوں تو پہچان لوں گا، پھر وہی شخص میرے سامنے گزرا تو میں نے کہا کہ یہ شخص تھا، لوگوں نے کہا یہ طلحہ بن عبید ہے،

(سنن ابو داؤد كتاب الصلاة باب اذا صلى خمسا، الحديث ١٠٢٣، نسائی كتاب الاذان باب الاقامة لمن نسى ركعة من صلاة، الحديث ٦٦٥)

دیوبندی مکتب فکر کے نزدیک نسائی کی تمام احادیث صحیح ہیں (انہا السکن ص۱۷) لہذا یہ حدیث بھی ان کے نزدیک صحیح ہی ہوگی۔

(۱۰) عن معاوية بن حديج قال صليت مع رسول الله ﷺ المغرب فسها فسلم فى ركعتين ثم انصرف فقال له رجل يا رسول الله انك سهوت فسلمت فى ركعتين فامر بلالا

فاقام الصلاة ثم تم تلك الركعة، فسالت الناس عن الرجل الذی قال يا رسول الله انك سهوت، فقيل لی أتعرفه قلت لا الا ان اراه فمر بی رجل فقلت هو هذا قالوا هذا طلحة بن عبيد۔ هذا حديث صحيح۔

سیدنا معاویہ بن حدیج رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ میں نے نبی مکرم ﷺ کی اقتدا میں مغرب کی نماز پڑھی تو آپ نے بھول کر دو رکعتوں پر ہی سلام پھیر دیا، آپ مڑے تو آپ سے ایک شخص نے کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ آپ بھول گئے اور دو رکعتوں پر ہی سلام پھیر دیا ہے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا تکبیر ہوئی اور باقی ماندہ رکعت کو پورا کیا، لوگوں نے مجھ سے اس شخص کے بارے میں سوال کیا جس نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کہا تھا کہ آپ بھول گئے، (لوگوں نے کہا کہ) کیا تو اس شخص کو پہچانتا ہے؟ میں نے کہا نہیں، مگر یہ کہ اگر اسے دیکھوں تو پہچان لوں گا، اتنے میں وہ شخص گزرا، تو میں نے کہا کہ یہی وہ شخص ہے، لوگوں نے کہا یہ طلحہ بن عبید رضی اللہ عنہ ہے۔

(مستدرك للحاكم ص۲۲۳ ج) حاکم و ذہبی نے صحیح کہا ہے۔

(۱۱) عن معاوية بن حديج ان رسول اللهﷺ صلى يوما فسلم و انصرف وقدبقی من الصلاة ركعة، فادركه رجل فقال، نسيت من الصلاة ركعة فرجع فدخل المسجد وأمر بلالا فا قام الصلاة فصلى بالناس ركعة فاخبرت بذلك الناس فقالوا لی أتعرف الرجل؟ قلت لا، الا ان أراه، فمر بی فقلت هذا فقالوا طلحة بن عبيدالله رضی الله عنه۔

سیدنا معاویہ بن حدیج رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک نماز پڑھائی آپ علیہ السلام نے سلام پھیرا اور واپس پلٹ گئے جبکہ ایک رکعت نماز سے باقی تھی، آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ایک شخص ملا اور کہا کہ آپ نماز سے ایک رکعت بھول گئے ہیں، آپ واپس آئے مسجد میں داخل ہوئے اور بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا تکبیر ہوئی اور لوگوں کے ساتھ آپ نے ایک رکعت نماز پڑھی، میں نے لوگوں کو اس کی خبر دی تو انہوں نے مجھے کہا کہ کیا تو اس شخص کو جانتا ہے، میں نے کہا نہیں مگر یہ کہ اسے دیکھوں تو پہچان لوں، اتنے میں وہ گزرے تو میں نے کہا کہ یہی وہ شخص ہے، لوگوں نے بتایا کہ یہ طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ ہیں۔

(مسند احمد ص٤٠١ ج٦ رقم الحديث ٢٦٧١٠)

(۱۲) عن عطاء أن ابن الزبير صلى المغرب وسلم فی ركعتين و نهض ليستلم الحجر فسبح القوم فقال ماشانكم؟ وصلى ما بقی و سجد سجدتين فذكر ذلك لا بن عباس فقال ما اماط عن سنة نبيهﷺ۔

امام عطاء بن ابی رباح فرماتے ہیں کہ سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے مغرب کی نماز پڑھائی اور دو رکعت پر سلام پھیر دیا، اور حجر اسود کا بوسا لینے کے لیے کھڑے ہوئے، قوم نے تسبیح کہی تو انہوں نے کہا

کس لئے تسبیحات کہہ رہے ہو (جب سہو بتایا گیا تو) انہوں نے باقی ماندہ نماز پڑھی اور سہو کے دو سجدے کئے، جب سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے اس واقعہ کا ذکر کیا گیا تو انہوں کہا کہ انہوں نے اپنے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے ہٹ کر ایسا نہیں کیا۔

(مسند احمد ص ۳۵۱ ج ۱)

علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ اسے، بزار اور طبرانی نے، (المعجم الکبیر والمعجم الاوسط) میں روایت کیا ہے، اور مسند احمد کے راوی صحیح کے راوی ہیں۔ (مجمع الزوائد ص ۱۵۳ ج ۲)۔

(۱۳) عن عطاء قال صلی ابن الزبیر المغرب فسلم فی رکعتین ثم نهض فسبح الناس فقال مالهم، ثم جاء فرکع رکعة ثم سجد سجدتین قال فاتیت ابن عباس فاخبرته یفعل ابن الزبیر فقال ما اماط عن سنة نبیه صلی اللہ علیہ وسلم، قال الشیخ و ابن الزبیر هذا عبد الله بن الزبیر۔

امام عطاء بن ابی رباح فرماتے ہیں کہ سیدنا ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے مغرب کی نماز پڑھائی اور دو رکعت پر سلام پھیر دیا، پھر کھڑے ہو کر (حجر اسود کی طرف چلے گئے) لوگوں نے (لقمہ کے لئے) تسبیح کہی تو آپ نے کہا انہیں کیا ہے، پھر آئے اور ایک رکعت پڑھ کر سہو کے دو سجدے کیئے، امام عطاء بن ابی رباح فرماتے ہیں کہ میں سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور انہیں اس کی خبر دی تو آپ نے فرمایا کہ انہوں نے اپنے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے ہٹ کر ایسا نہیں کیا۔

(السنن الکبری للبیهقی ص ۳۶۰ ج ۲)

(۱۴) عن المسیب بن رافع ان الزبیر ابن العوام صلی فتکلم فبنی علی صلاته۔

امام میسّب بن رافع فرماتے ہیں کہ سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھی (سہوا سہو ہو گیا) تو انہوں نے اصلاح نماز کے لیے کلام کیا پھر پہلی نماز پر بنا کر کے باقی نماز پڑھی۔

(مصنف ابن ابی شیبه ص ۳۸ ج ۲)

مذکورہ احادیث و آثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور فتاوٰی تابعین عظام سے یہ بات ثابت ہوئی کہ نماز میں اگر سہو سے سلام پھیر دیا جائے اور اصلاح نماز کے لیے نماز میں اصلاح نہ ہو سکے تو سلام پھیرنے کے بعد غلطی کی تحقیق کے طور پر جو گفتگو کی جائے تو اس سے نماز میں کوئی فساد نہیں آتا ہاں تکمیل نماز کے بعد سجدہ سہو کرے، عمل نبوی کے علاوہ صحابہ کرام اور اولاد صحابہ کا یہی عمل تھا، سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اسے سنت قرار دیتے ہیں۔ اب ذرا ہم اپنے دلائل کی وضاحت بھی کر دینا چاہتے ہیں، کیونکہ انوار صاحب نے حسب عادت یہاں خبط کا مظاہرہ کرتے ہوئے خلط مبحث کی ہے، اور ایسی احادیث کو نقل کیا ہے جن میں نماز کی حالت میں گفتگو کرنے سے منع کیا گیا ہے، حالانکہ نماز میں کلام کے جواز اور عدم جواز کی بحث نہیں بلکہ اس کی ایک خاص صورت سہو کے متعلق ہے، ہم نے خبط اور خلط مبحث اس لیے کہا

ہے کہ فرض کرو کہ دو آدمیوں کے درمیان حسب ذیل مسئلہ زیر بحث ہے ایک شخص کہتا ہے کہ بھول کر کھانے پینے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا، دوسرا کہتا ہے کہ بھول کر اگر کھا پی لیا جائے تو اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، جو شخص بھول کر کھانے والے کے روزے کو فاسد کہتا ہے وہ ان احادیث کو بطور دلیل بیان کرتا ہے، جس میں کھانے سے کفارہ لازم آتا ہے۔ دنیا کا کوئی عقل مند شخص فاسد کہنے والے کی تائید نہیں کرے گا۔ کیوں؟ اس لیے کہ مدعیٰ کی دلیل اس کے دعوی پر تقریب تام نہیں، مگر افسوس کہ انوار خورشید صاحب فقہ فقہ کا راگ صبح و شام آلاپتے ہیں لیکن انہیں اتنی چھوٹی سی بات کی بھی سمجھ نہیں، خیر ان سے جو بن پڑا ہے انہوں نے کیا ہے، مگر ہم نے جو دلائل نقل کیے ہیں وہ تمام کے تمام نسخ کلام کے بعد کے ہیں۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ ایک مدت تک نماز میں کلام کرنا مباح و جائز تھا پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی حرمت نازل ہوئی، نماز میں کلام کرنے سے کب منع کیا گیا، علمائے امت میں اختلاف ہے، بعض کا خیال یہ ہے کہ مکہ مکرمہ میں ہی منع کر دیا گیا اور بعض کا خیال ہے کہ مدینہ منورہ میں ہجرت کے بعد منع کیا گیا، ہمارے نزدیک صحیح بات یہ ہے کہ نماز میں کلام کرنیکی ممانعت مدینہ منورہ میں نازل ہوئی، امت مرحومہ کے اکثر علماء کا یہی مؤقف ہے، تفصیل مسئلہ فاتحہ خلف الامام میں گزر چکی ہے، اب مذکورہ دلائل کی توضیح و تشریح کرنا بھی ہم ضروری سمجھتے ہیں، حضرات محترم پہلی حدیث سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ہے جس میں واضح بیان ہے کہ حضور علیہ السلام نے کلام کے بعد سجدہ سہو کیا، اور یہ واقعہ بھی نسخ کلام کے بعد کا ہے، کیونکہ اس میں ظہر کی چار رکعتوں کا ذکر ہے، اور پانچویں رکعت آپ علیہ السلام نے سہو سے پڑھی تھی، جس سے ثابت ہوا کہ یہ واقعہ مدینہ طیبہ میں پیش آیا۔ کیونکہ حضور علیہ السلام جب تک مکہ مکرمہ میں رہے ظہر و عصر اور عشاء کی نمازیں دو دو رکعتیں تھیں جب ہجرت کی تو دو رکعتوں کی بجائے چار رکعتیں فرض کر دی گئی جیسا کہ ام المؤمنین صدیقہ کائنات سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔

(بخاری ص ۵۶۰ ج ۱ کتاب مناقب الانصار باب التاریخ من این ارخو التاریخ، الحدیث ۳۹۳۵)

جب نبی مکرم ﷺ نے مکہ مکرمہ سے ہجرت کی تو سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ حبشہ میں تھے، سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ حبشہ سے مدینہ منورہ کب تشریف لائے، اس پر تمام اکابر و اصاغر احناف کا اتفاق ہے۔

کہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کو سلام کرتے تھے اس حال میں کہ آپ نماز میں ہوتے تھے، آپ ہمیں جواب دیتے تھے، جب ہم نجاشی شاہ حبشہ کے یہاں سے واپس لوٹے تو ہم نے آپ کو سلام کیا آپ نے جواب نہیں دیا نماز کے بعد ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہم آپ کو دوران نماز سلام کرتے تھے تو آپ جواب دیتے تھے آپ نے فرمایا کہ نماز میں

مصروفیت ہوتی ہے۔ (بخاری ص۱۶۰ ج۱ و مسلم ص۲۰۴ ج۱)

اس حدیث میں، رجعنا من عند النجاشی، کے الفاظ سے حنفی حضرات کا استدلال ہے کہ رجوع سے مراد دوسرا رجوع ہے جو مدینہ طیبہ میں ہوا، اور اس رجوع کے وقت کلام کرنے کی اباحت ختم ہو کر ممانعت نازل ہو چکی تھی، جیسا کہ (۱) طحاوی نے (معانی الاثار ص۳۰۵ ج۱) میں (۲) زیلعی نے (نصب الرایہ ص۱۷ ج۲) میں (۳) عینی نے (عمدۃ القاری ص۲۶۸ ج۷) میں (۴) ملا علی القاری نے (مرقاۃ ص۵ ج۳) میں (۵) ابن ترکمانی نے (الجوہر النقی ص۳۶۲ ج۲) میں (۶) ابن عابدین نے (حاشیہ البحر الرائق ص۳ ج۲) میں (۷) مولوی عبدالحی لکھنوی نے (امام الکلام ص۱۳۴ و مجموعہ رسائل ص۱۲۲ ج۳) میں (۸) نیموی نے (آثار السنن ص۱۷۳) میں (۹) گنگوہی نے (الکوکب الدری ص۱۷۵ ج۱) میں (۱۰) عثمانی نے (فتح الملہم ص۱۲۸ ج۲) میں (۱۱) سہارنپوری نے (بذل المجہود ص۹۶، ۱۱۰ ج۲) میں (۱۲) کاشمیری نے (فیض الباری ص۴۳۶ ج۲) میں (۱۳) احمد علی نے (حاشیہ بخاری ص۱۶۰ ج۱) میں (۱۴) بنوری نے (معارف السنن ص۵۱۰ ج۳) میں (۱۵) عبدالعزیز نے (بغیۃ الالمعی ص۲۷ ج۲) میں (۱۶) تھانوی نے (اعلاء السنن ص۲۷ ج۵) میں (۱۷) تقی عثمانی نے درس ترمذی ص۱۵۳ ج۲) میں (۱۸) سرفراز نے (احسن الکلام ص۱۹۴ ج۹۱ میں (۱۹) حقانی نے (توضیح السنن ص۲۵۵ ج۲) میں اور (۲۰) سعیدی نے (شرح صحیح مسلم ص۹۷ ج۲) میں صراحت کی ہے اور یہی بات درست بھی ہے، اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ مدینہ میں جب آئے تو کلام کرنے کی رخصت ختم ہو چکی تھی جبکہ جو حدیث سابقہ صفحات میں ہم نقل کر کے استدلال کر رہے ہیں وہ نسخ کلام کے بعد کی ہے، کیونکہ اس میں خود ابن مسعود رضی اللہ عنہ موجود تھے، جیسا کہ صلی بنا، کے الفاظ کا مفاد ہے، اس پوری تفصیل سے دو باتیں ہمارے سامنے کھل کر آ جاتی ہیں۔

،الف، ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کے پیش نظر یہ واقعہ مدینہ طیبہ میں پیش آیا اور اس نماز میں سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ خود شامل تھے۔

،ب، سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ جب مدینہ منورہ میں آئے تو ان کے آنے سے پہلے نماز میں کلام کرنا منسوخ ہو چکا تھا۔

الغرض یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ گئی کہ جس حادثہ نماز کی خبر سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ دے رہے ہیں وہ نسخ کلام کے بعد پیش آیا، اور اس حدیث میں نبی مکرم ﷺ نے اصلاح نماز کے لیے کلام کیا ہے، لہذا ثابت ہوا کہ اگر کسی وجہ سے نماز میں غلطی کی اطلاع نہ ہو سکے تو سلام پھیرنے کے بعد اصلاح نماز کے لیے کلام کرنے سے نماز فاسد و باطل نہیں ہوتی۔

ہماری دوسری دلیل سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، اور یہ ساری دنیا جانتی ہے کہ سیدنا ابو

ہریرہ رضی اللہ عنہ متاخر اسلام ہیں انہوں نے غزوہ خیبر کے ایام میں اسلام قبول کیا جیسا کہ بخاری کی بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے (رقم الحدیث ۲۸۲۷) جبکہ نسخ کلام اس سے مدتوں پہلے ہو چکا تھا۔ کیونکہ بالاتفاق سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ غزوہ بدر کے موقع پر مدینہ آئے اور بدر میں شریک تھے (فتح الباری ص۵۷ ج۳ و معارف السنن ص۵۱۰ ج۳) اور پہلے بحوالہ یہ گزر چکا ہے کہ ابن مسعود جب مدینہ آئے تو ان کے آنے سے پہلے نسخ کلام کا حکم نازل ہو چکا تھا۔ بہر حال اس حکم کے نزول کے ایک زمانہ بعد ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا اور جس حادثہ نماز کی وہ خبر دے رہے ہیں اس میں وہ خود شامل تھے، جیسا کہ، صلی بنا، اور، بینما انا صلی مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم، کے الفاظ کا تقاضہ ہے الغرض نسخ کلام کے بعد یہ واقعہ پیش آیا ہے۔

اور حدیث میں صاف الفاظ ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سہو سے دو رکعتوں پر سلام پھیر دیا۔ ذوالیدین نے بتایا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دوسرے صحابہ کرام سے اس کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے تصدیق کی اور آپ علیہ السلام نے سابقہ نماز پر بنا کر کے باقی کی نماز پڑھی اور سجدہ سہو کیا۔ اس سے ہمارے مؤقف کی ترجمانی ہوتی ہے علامہ ابو الحسن سندھی فرماتے ہیں۔

واستدل بالحديث من قال الكلام مطلقاً لا يبطل الصلوٰة بل ما يكون لا صلاحها فهو معفو ومن يقول بابطال الكلام مطلقا يحمل الحديث على انه قبل نسخ اباحة الكلام فى الصلوٰة لكن يشكل عليهم ان النسخ كان قبل بدرو هذه الواقعة قد حضرها ابو هريرة وكان اسلامه ايام خيبر وقال صاحب البحر من علمائنا الحنفية ولم ارلهذا الا يراد جوابا شافيا۔

یعنی اس حدیث سے ان لوگوں نے استدلال کیا ہے جو مطلقا کلام سے نماز باطل نہ ہونے کا کہتے ہیں بلکہ جو کلام اصلاح نماز کے لیے ہو وہ معاف ہے اور جو نماز کے فاسد ہونے کا مؤقف رکھتے ہیں وہ اس حدیث کو نماز میں کلام کی اباحت کے منسوخ ہونے سے پہلے پر محمول کرتے ہیں۔ لیکن ان پر یہ مشکل ہے کیونکہ کلام کا منسوخ ہونا تو غزوہ بدر سے پہلے کا واقعہ ہے جبکہ نماز کے واقعہ میں خود ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ موجود تھے اور انہوں نے خیبر کے دنوں میں اسلام قبول کیا اور ہمارے حنفی علماء سے صاحب البحر الرائق نے کہا ہے کہ میں اس کا کوئی تسلی بخش جواب نہیں پاتا۔

(حاشیه سندهی على النسائی ص۱۸۲ ج۱)

ان الفاظ سے ملتے جلتے خیالات کا اظہار علامہ سندھی نے (حاشیہ ابن ماجہ ص۱۷۱) میں بھی کیا ہے، اور اپنی تائید میں علامہ ابن نجیم کا قول بھی ذکر کیا ہے، جسے، البحر الرائق ص۲ ج۳ سے دیکھا جا سکتا ہے۔

تیسری دلیل سیدنا معاویہ بن حدتج رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، اور یہ صغیر صحابی ہیں حتی کہ بعض نے انہیں تابعین میں شمار کیا ہے (تقریب)

اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی وفات سے دو مہینے پہلے اسلام قبول کیا تھا جیسا کہ تراجم ورجال کی کتابوں سے ثابت ہے (دیکھئے فتح الباری ص۹۷ ج۳) یہ کہتے ہیں کہ مغرب کی نماز میں بھول جانے پر نبی مکرم ﷺ نے دوبارہ اسی نماز پر بنا کر کے آخری رکعت پڑھی تھی حالانکہ اس کے دوران کلام بھی ہوا اور حضور علیہ السلام مسجد سے بھی تشریف لے گئے تھے اگر کہا جائے کہ اس میں مکرر اقامت کہنے کا بھی ذکر ہے، تو جواب اس کا یہ ہے کہ

”وامر بلال فاقام“ کا ایک مفہوم تو وہی ہے جو ہم نے ترجمہ میں اختیار کیا ہے اور امام نسائی کا بھی یہی میلان ہے جیسا کہ ان کے ترجمہ باب سے معلوم ہوتا ہے، دوسرا مفہوم علامہ محمود محمد سبکی نے یہ بیان کیا ہے کہ لوگوں کو دوبارہ نماز پڑھنے کے لیے بلانا مراد ہے،

(المنہل العزب المورود ص۱۵۰ ج٦)

ہمارے نزدیک دوسرا مفہوم درست ہے، کیونکہ حدیث کے الفاظ، اقام الصلاۃ، کے ہیں، اقام للصلاۃ کے نہیں۔

چوتھی دلیل سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے، جس میں انہوں نے سہواً ایک رکعت پڑھائی علم ہونے پر انہوں نے سابقہ نماز پر بنا کر کے آخری رکعت پڑھائی یہ واقعہ یقیناً حضور علیہ السلام کے بعد پیش آیا، کیونکہ جس نماز میں یہ سہو ہوا، اس جماعت میں امام عطاء بن ابی رباح بھی موجود تھے جو بالاتفاق تابعی ہیں۔ علاوہ ازیں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی تائید کی اور کہا ان کا ایسا کرنا حضور علیہ السلام کی سنت سے ہٹ کر نہیں بلفظ دیگر عین سنت ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ اس مسئلہ پر صحابہ کرام میں اتفاق و اتحاد پایا جاتا ہے۔ جو اس کے برعکس دعویٰ کرتا ہے وہ دلیل دے، صرف فلاں نے ایسا لکھا ہے فلاں نے یوں کہا ہے سے بات نہیں چلے گی۔ پھر سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کا اثر بھی ہماری تائید کرتا ہے، اور یہ وہ جلیل القدر صحابی ہیں جو عشرہ مبشرہ میں شامل ہیں۔ تابعین عظام میں سے سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے نواسے امام عروہ بن زبیر بھی یہی مؤقف رکھتے ہیں اور اپنے فتویٰ کی تائید میں حضور علیہ السلام سے بھی ایسا کرنا نقل کرتے ہیں، علقمہ بن قیس جو کبائر تابعین سے ہیں وہ بھی یہی کہتے ہیں۔ امام شافعی امام مالک امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا مؤقف بھی ہمارے حق میں ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں۔

فذهب مالك والشافعي و احمد و اسحق الیٰ ان كلام القوم فی الصلوٰة لا ما مهم لا صلاح الصلاة مباح وكذا الكلام من الامام لا جل السهو لا يفسدها۔

یعنی امام مالک امام شافعی امام احمد امام اسحاق اس طرف گئے ہیں کہ اگر قوم نماز میں اصلاح نماز کے لیے پیش امام سے کلام کرے تو یہ مباح ہے، ایسا ہی امام سے سہو کی وجہ سے کلام کرنے سے نماز

فاسد نہیں ہوتی (عمدۃ القاری ص۳۰۹ ج۷)

علامہ ابن عبدالبر فرماتے ہیں۔

وممن قال من السلف بمعنی حدیث ذی الیدین ورأی البناء جائزا لمن تکلم فی صلاته ساهیا عبدالله بن الزبیر و ابن عباس وعروة و عطاء والحسن وقتادة والشعبی وروی ایضاً عن الزبیر بن العوام و ابی الدرداء مثل ذلك۔

سلف میں سے جو لوگ سیدنا ذی الیدین کی حدیث کے موافق کہتے ہیں اور سابقہ نماز پر بناء کرنے کو جائز کہتے ہیں اس شخص کو جو بھول کر نماز میں کلام کرلے، (وہ یہ ہیں) سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ (تابعین سے) امام عروہ امام عطاء امام حسن امام قتادہ امام شعبیؒ اور اس کے مثل مروی ہے سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابو درداء رضی اللہ عنہ سے۔

(التمهید لما فی الموطا من المعانی والاسانید ص۳۶۹ ج۱)

فصل دوم

(۱) عن معاویة بن الحکم السلمی قال بینا انا اصلی مع رسول اللهﷺ اذ عطس رجل من القوم فقلت یرحمك الله، فرمانی القوم بابصارهم فقلت واثكل امیاه ما شانكم تنظرون الی فجعلوا یضربون بایدیهم علیٰ افخاذهم فلما رأیتهم یصمتوننی لكنی سكت فلما صلی رسول اللهﷺ فبابی هو وامی ما رایت معلما قبله ولا بعده احسن تعلیما منه فوالله ما كهرنی ولاضربنی ولا شتمنی ثم قال ان هذه الصلوٰة لا یصلح فیها شیئی من كلام الناس انما هو التسبیح والتكبیر و قرأة القرآن، الحدیث۔

(مسلم ص۲۰۳ ج۱)

حضرت معاویہ بن حکم سلمی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا کہ مقتدیوں میں سے ایک صاحب نے چھینک ماری۔ میں نے جواباً یرحمک اللہ، کہا تو لوگ مجھے گھورنے لگے، میں نے کہا تمہاری مائیں گم پائیں تمہیں کیا ہوگیا جو مجھے اس طرح گھور رہے ہو، لوگ اپنے ہاتھ اپنی رانوں پر مارنے لگے۔ تب میں نے محسوس کیا کہ یہ مجھے خاموش کرنا چاہتے ہیں تو میں خاموش ہو گیا، جب رسول اللہ ﷺ نماز پڑھ چکے تو میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں میں نے آپ سے پہلے اور آپ کے بعد کوئی استاذ ایسا نہیں دیکھا جو تعلیم دینے میں آپ سے اچھا ہو، بخدا آپ نے نہ مجھے ڈانٹا نہ مارا نہ برا بھلا کہا، بس اتنا فرمایا کہ یہ نماز ایسی ہے جس میں لوگوں کی بات چیت کی بالکل گنجائش نہیں ہے۔ اس میں تو تسبیح تکبیر اور قرأت ہوتی ہے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص۵۳۶)

الجواب اولاً: یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ اگر لاعلم اور سہواً کوئی شخص کلام کرے تو اس کی نماز ہو جاتی ہے کیونکہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو نماز لوٹانے کا حکم نہیں دیا۔ جبکہ حنفیہ کے نزدیک لاعلم اور بھول کر کلام کرنے سے بھی نماز باطل ہو جاتی ہے۔

(فتح الملهم ص۱۲۷ ج ۲)

ثانیاً: اس حدیث میں نبی مکرم ﷺ نے تین چیزوں کو نماز قرار دیا ہے، الف، تسبیح، ب، تکبیر، ت، قرأۃ قرآن جبکہ حنفیوں کے نزدیک مقتدی قرأت کرنے کا مجاز نہیں۔ علاوہ ازیں اس حدیث سے ثابت ہوا کہ تکبیر تحریمہ نماز کا جزو ہے جبکہ حنفیہ کے نزدیک شرط ہے یعنی خارج نماز ہے۔

(شرح نقایه ص۶۷ ج ۱)

ثالثاً: اختلاف نماز کے اندر کلام کرنے کی ممانعت پر نہیں، یہ انوار صاحب کی بھول ہے، بلکہ اختلاف اس میں ہے کہ اگر پیش امام کو سہو ہو جاتا ہے اور دوران نماز اس غلطی کا ازالہ نہیں ہو سکتا تو بھولا ہوا امام جب سلام پھیرے، سلام پھیرنے اور اگلی رکعت کو شروع کرنے کے دوران کلام کرنے میں ہے۔ آپ قرآن وسنت سے یہ ثابت کریں کہ یہ درمیانی وقفہ بھی نماز کا جزو ہے، تب یہ آپ کی دلیل ہے، ورنہ نہیں، محترم یہ نماز کا حصہ نہیں کیونکہ سلام پھر چکا ہے اور حدیث زیر بحث میں نماز کے اندر کلام کرنے کا ذکر ہے، الفاظ پر غور کریں۔ ان هذه الصلاة، بے شک یہ نماز، جبکہ یہ درمیانی وقفہ نماز کا حصہ و جزو نہیں سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ **قال رسول الله ﷺ مفتاح الصلاة الطهور و تحريمها التكبير و تحليلها التسليم،**

یعنی نماز کی چابی طہارت ہے نماز کا تحریمہ (تمام چیزوں کا ممنوع ہو جانا) تکبیر ہے اور نماز سے باہر آنا جس سے تمام چیزیں اس کے لیے حلال ہو جاتی ہیں۔ وہ سلام ہے۔

(ابو داؤد کتاب الصلاة باب الامام یحدث بعد ما یرفع راسه من آخر رکعة، الحدیث ۶۱۸ و ترمذی کتاب الطهارة باب ما جاء ان مفتاح الصلاة الطهور، الحدیث ۳)

سلام خواہ اختتام نماز پر ہو یا غلطی سے درمیان میں پھیر دیا جائے، کلام مباح ہو جاتا ہے جو شخص اس بات کا مدعی ہے کہ سہواً پھیرے ہوئے سلام کے بعد وقفہ میں کلام مباح نہیں وہ دلیل عنایت کرے۔

(۲) عن عبدالله قال كنا نسلم على رسول الله ﷺ وهو فى الصلوٰة فيرد علينا فلما رجعنا من عند النجاشي سلمنا عليه فلم يرد علينا فقلنا يا رسول الله كنا نسلم عليك فى الصلوٰة فترد علينا فقال ان فى الصلوٰة شغلا

(بخاری ص۱۶۰ ج۱ مسلم ص۲۰۴ ج ۱ و اللفظ لمسلم)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کو سلام کرتے تھے اس حال میں کہ آپ نماز میں ہوتے تھے، آپ ہمیں جواب دیتے تھے، جب ہم نجاشی (شاہ حبشہ) کے یہاں سے واپس لوٹے تو ہم نے آپ کو سلام کیا، آپ نے جواب نہیں دیا (نماز کے بعد) ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہم آپ کو دوران نماز سلام کرتے تھے تو آپ جواب دیتے تھے، آپ نے فرمایا کہ نماز میں مصروفیت ہوتی ہے۔

(۳) عن عبداللہ بن مسعود قال کنا نسلم علی رسول اللہ ﷺ فی الصلوٰۃ قبل ان نأتی ارض الحبشۃ فیرد علینا فلما رجعنا سلمت علیہ وھو یصلی فلم یرد علی فاخذنی ما قرب وما بعد فجلست حتی قضی رسول اللہ ﷺ الصلوٰۃ فقلت لہ یا رسول اللہ قد سلمت علیک وانت تصلی فلم ترد علی السلام فقال ان اللہ قد یحدث من امرہ ما یشاء وانہ مما احدث ان لا تکلموا فی الصلوٰۃ۔

(مسند حمیدی ص ۵۲ ج ۱ ابو داؤد ص ۱۳۳ ج ۱، نسائی ص ۱۳۷ ج ۱)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم سرزمین حبشہ آنے سے پہلے رسول اللہ ﷺ کو نماز کے دوران سلام کرتے تھے، تو آپ جواب دیتے تھے، جب ہم حبشہ سے واپس آئے تو میں نے آپ کو سلام کیا اس حال میں کہ آپ نماز پڑھ رہے تھے، آپ نے میرے سلام کا جواب نہیں دیا، مجھے قریب و بعید کی فکروں نے آ گھیرا، میں بیٹھ گیا حتی کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز پوری فرما لی، میں نے آپ سے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں نے آپ کو جب کہ آپ نماز پڑھ رہے تھے سلام کیا تھا، آپ نے میرے سلام کا جواب نہیں دیا؟ آپ نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ اپنے معاملہ میں جو چاہتے ہیں نئے احکام نازل فرما دیتے ہیں۔ اور ان نئے احکام میں سے یہ حکم بھی ہے کہ تم نماز میں باتیں نہ کرو، (حدیث اور اہل حدیث ص ۵۳۶ تا ۵۳۸)

الجواب اولاً: سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث آپ کے لیے تب مفید تھی جب ان کا یہ بیان ہوتا کہ رسول اللہ ﷺ نے سہواً سلام پھیر دیا اور میں نے سلام عرض کیا اور آپ نے، وعلیکم السلام، نہ کہا، مگر اس حدیث میں یہ نہیں بلکہ دوران نماز سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے سلام کیا اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جواب نہ دیا۔

ثانیاً: حدیث کے الفاظ ہمارے سامنے ہیں۔ **ان فی الصلوٰۃ شغلا، لا تکلموا فی الصلوٰۃ،** (یعنی نماز میں تو ایک دوسرا کام ہے جس میں مصروف رہنا چاہیئے، نماز میں کلام نہ کرو،) ہم بھی کہتے ہیں کہ نماز میں عمداً کلام کرنا جائز نہیں اس سے نماز باطل ہو جاتی ہے، اس میں قطعاً اختلاف نہیں بلکہ سہواً سلام پھیر دیا جائے اور اگلی رکعت شروع کرنے کے درمیانی وقفہ میں کلام کرنے کے متعلق

اختلاف ہے، آپ قرآن وسنت سے اس وقفہ کو نماز ثابت کریں، پھر ان احادیث سے استدلال کریں۔
ثالثاً: حنفیہ کے نزدیک اگر کسی شخص نے نماز میں چھینک ماری یا ڈکار لیا اور اس سے کچھ کلام بن گیا (لغوی کلام) تو اس سے نماز فاسد نہ ہوگی، (فتاویٰ محیط بحوالہ شرح نقایہ ص ۹۲ ج ۱) اگر سہواً کسی کو سلام عرض کر دیا تو بھی نماز فاسد نہ ہوگی (شرح نقایہ ص ۲۹ ج ۱ و نماز مسنون ص ۴۸۱) یہ آپ کس دلیل سے مستثنیٰ قرار دیتے ہیں؟ قرآن وحدیث سے نہ سہی کسی صحابی کا فتویٰ یا عمل ہی دکھا دیں۔
رابعاً: سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی مذکورہ روایت ہمارے مخالف نہیں بلکہ موافق ہے، تفصیل فصل اول میں گزر چکی ہے۔

(۴) عن زید بن ارقم قال کنا نتکلم فی الصلاۃ یکلم الرجل صاحبه وهو الیٰ جنبه فی الصلوٰۃ حتی نزل وَقُومُوا للهِ قنتين، فامرنا بالسكوت و نهینا عن الكلام۔

(بخاری ص ۱٦٠ ج ۱ و مسلم ص ۲٠٤ ج ۱ واللفظ لمسلم)

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نماز میں باتیں کر لیا کرتے تھے، ایک شخص دوسرے شخص سے جو اس کے پہلو میں ہوتا نماز میں باتیں کر لیا کرتا تھا حتی کہ جب یہ آیت نازل ہوئی کہ، کھڑے رہو اللہ تعالیٰ کے حضور میں عاجزی کے ساتھ، تو ہمیں خاموش رہنے کا حکم دیا گیا اور بات سے منع کر دیا گیا (حدیث اور اہل حدیث ص ۵۳۸)

الجواب اولاً: یہ حدیث بھی نماز کے اندر کلام کرنے کے متعلق ہے، نتکلم فی الصلوٰۃ،، کے الفاظ پر انوار صاحب غور کریں، اور اسی سے ہی منع کیا گیا، اور ہم اس کی تصدیق کرتے ہیں۔ اور نماز میں عمداً کلام کرنے کو ناجائز کہتے ہیں کہ اس سے نماز باطل ہو جاتی ہے، ہم مکرر عرض کرتے ہیں کہ درمیانی وقفہ نماز نہیں کیونکہ سلام پھیر چکا ہے گو سہواً ہی سہی بہر حال سلام پھر چکا ہے، لہذا سابقہ فصل کی احادیث کے پیش نظر، نماز کے متعلق کلام مباح ہے، اس سے انکار محض تقلیدی ضد ہے، اس کے رد پر آپ کے پاس قرآن وحدیث تو کجا کسی صحابی کا قول وعمل بھی موجود نہیں۔
ثانیاً: جیسے نماز میں کلام کرنے سے منع کیا گیا ہے ویسے ہی اس حدیث میں، امرنا بالسکوت، خاموش رہنے کا بھی حکم ہے، لہذا جس طرح نماز میں کلام کرنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے اسی طرح نماز میں، آوازے کسنے سے بھی نماز باطل ہو جاتی ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے، قوموا لله قنتين،، کے نزول پر سکوت کا حکم دیا ہے اور کلام سے منع کیا ہے، مگر افسوس کہ آپ آدھی حدیث کو مانتے ہیں جبکہ آدھی کے منکر ہیں، آپ کی فقہ میں لکھا ہے۔

لو استعطف کلبا اوهرة اوساق حمارا لا تفسد لانه صوت لا هجاء له،
یعنی نماز پڑھنے والے نے اگر کُتّے یا بلی کو بلایا یا گدھے کو ہنکایا تو نماز فاسد نہ ہوگی کیونکہ یہ

آوازیں ہیں جن کے، ہجے نہیں (اور کلام میں حروف کا ہونا چاہئے)

(درمختار مع الفتاوی شامی ص۶۱۴ ج۱)

ثالثاً: جس آدھی کو تسلیم کرتے ہیں، اس کے متعلق بھی ذرا تفصیل سن لیجئے آپ کے علامہ قاضی خاں فرماتے ہیں۔

اذا تکلم فی صلاته عامدا اونا ئما یسیرا او کثیرا قبل ان یقعد قدر التشهد فسدت صلاته۔

یعنی تشہد کی مقدار بیٹھنے سے پہلے نماز میں خواہ عمداً یا نیند میں کلام کر دیا، تھوڑا ہو یا زیادہ تو اس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے، (فتاوی قاضی خاں ص۱۳۶ ج۱)

اس عبارت پر غور کریں یہ کیا کہہ رہے ہیں، مقدار تشہد بیٹھنے کی، قید لگا کر وہ چھٹی دے رہے ہیں کہ اس کے بعد کلام کرنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی، علامہ حلبی فرماتے ہیں۔

حتی ان المصلی اذا احدث عمداً بعد ما قعد قدر التشهد اوتکلم او عمل عملا ینافی الصلاة کالا کل والشرب وغیره ذلك تمت صلاته بالاتفاق۔

یعنی اگر نمازی مقدار تشہد کے بعد جان بوجھ کر بے وضو ہو گیا یا عمداً کلام کر دیا یا کوئی ایسا کام کر دیا جو نماز کے منافی ہے مثلاً کھا پی لیا وغیرہ تو اس کی نماز بالاتفاق پوری ہو گئی۔

(حلبی کبیر ص ۲۹۱ باب السابعة الخروج بصنعة)

دیکھا آپ نے حنفیہ کے نزدیک قعدہ آخیرہ میں تشہد کے قدر بیٹھنے کے بعد اگر کلام سہواً یا عمداً کر دیا جائے تو اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی اور آئمہ احناف کے نزدیک بالاتفاق نماز ہو گئی۔ گویا انوار صاحب کے تقلیدی مذہب میں کلام مذکورہ جگہ پر منافی نماز نہیں جبکہ ان کی پیش کردہ حدیث میں عموم ہے، الغرض حنفیہ کا اس حدیث پر ایمان صرف حلق سے اوپر اوپر ہی ہے۔ اور وہ بھی صرف رد وہابیت کے لیے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

(۵) عن سهل بن سعد عن النبی ﷺ انه قال من نابه شئی فی الصلوٰة فلیقل سبحان الله انما التصفیق للنسا والتسبیح للرجال۔

(شرح معانی الآثار للامام الطحاوی ص۳۰۲ ج)

حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جسے اپنی نماز میں کوئی چیز پیش آئے اس چاہئے کہ وہ سبحان اللہ کہے بے شک تصفیق (ایک ہاتھ کی پشت پر دوسرے ہاتھ کی پشت سے مارنا) عورتوں کے لیے ہے۔ اور تسبیح مردوں کے لیے (حدیث اور اہل حدیث ص۵۳۹)

الجواب اولاً: ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ اور یہی ہمارا مسلک و مذہب ہے، مگر محترم یہ نماز کے اندر کی بات ہے حدیث کے الفاظ، فی صلوٰۃ جس کا معنی جناب نے، اپنی نماز کیا ہے گو یہ معنی غلط ہے کیونکہ لفظ فی بمعنی اپنی نہیں آتا لیکن ہمارے مدعا کے لیے کافی ہے کہ اس حدیث کا تعلق نماز پڑھتے وقت سے ہے، جبکہ زیر بحث مسئلہ درمیانی وقفہ کے بارے ہے جیسا کہ ہم تفصیل لکھ چکے ہیں۔

ثانیاً: آپ نے اس سے بایں معنی استدلال کیا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہوا کہ نماز میں دوسرے کو متنبہ کرنے کی یہ صورت تو اپنائی جا سکتی ہے (ص ۵۴۱)

گویا آپ کے نزدیک دوسری کوئی صورت جائز نہیں، کیوں؟ اس لیے کہ اس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے، مگر آپ کے فقہا اسے تسلیم نہیں کرتے۔ وہ کتے بلی کو بلانے کی اجازت دیتے ہیں گھوڑے کو ہنکانے کی رخصت عنایت کرتے ہیں۔ مقدار تشہد بیٹھنے کے بعد کلام کے مباح کا فتویٰ دیتے ہیں، تفصیل گزر چکی ہے، خاص اس حدیث کے متعلق بھی چند لطائف حنفیہ ملاحظہ کریں۔

دیوبندیوں کے نزدیک اگر امام قعدہ اولیٰ میں بیٹھنے کی بجائے کھڑا ہونے لگے اور مقتدی نے لفظ، التحیات، کہہ کہ لقمہ دیا تو نماز فاسد نہ ہوگی، (فتاویٰ دار العلوم دیوبند ص ۶۲ ج ۴)

امام آخری قعدہ پڑھ کر سہواً سلام پھیرنے کی بجائے کھڑا ہونے لگے اور مقتدی نے لفظ، سلام علیکم،، کہہ کر لقمہ دیا اور امام نے قبول کر لیا تو نماز فاسد نہیں بلکہ صحیح ہے (فتاویٰ دار العلوم ص ۶۸ ج ۴)

ان دونوں مثالوں سے ثابت ہوا کہ پیش امام کو غلطی پر متنبہ کرنے کے لیے کسی رکن نماز کا لفظ کہہ کر لقمہ دینا حنفیہ کے نزدیک جائز ہے، جبکہ مذکورہ حدیث میں صرف تسبیح کہنے کی اجازت ہے۔ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہ معنوی کلام نہیں؟ یقیناً کلام ہے، مگر حنفیہ کے نزدیک یہ صورت جائز ہے۔ پھر گھوڑے کو ہنکانا کتے بلی کو بلانا بھی ان کے نزدیک مفسد نماز نہیں، مقدار تشہد بیٹھنے کے بعد کلام کرنے سے نماز کو فاسد نہیں کہتے، آخر یہ تمام صورتیں کس دلیل سے مستثنیٰ ہیں؟ اس کی دلیل دو، قارئین کرام نوٹ کر لیں دلیل دینے سے یہ قاصر ہیں، کیونکہ قرآن وسنت میں اس پر کوئی دلیل نہیں۔

(٦) عن جابر قال قال رسول الله ﷺ الکلام ینقض الصلوٰة ولا ینقض الوضوء۔

(دار قطنی ص ١٧٤ ج ١)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا (نماز میں) کلام کرنا نماز کو توڑ دیتا ہے وضو کو نہیں توڑتا۔

الجواب اولاً: ہم متعدد بار کہہ چکے ہیں کہ نماز میں کلام کرنے کی اجازت نہیں مگر دیوبندیوں کے نزدیک تو نماز میں کلام کرنا ولایت کی دلیل ہے۔ شورش کاشمیری مرحوم فرماتے ہیں کہ

مولانا اسحاق مانسہروی...... فجر کی نماز پڑھا رہے تھے پہلے رکوع میں سورہ فاتحہ کے بعد دوسری سورۃ

بھول گئے۔ ڈیڑھ دو منٹ کھڑے رہے، خدا جانے کیا تعطل پیدا ہو گیا کوئی سورت ذہن میں نہ آ رہی تھی۔ معاً ایک دوہا ذہن میں آ گیا۔

قرأت کی اور پڑھ دیا۔

دیوے وچ تیل نہیں اوں، وسناں ایں کتھے ماہیا
ملنے دی وہل نہیں اوں۔، اللہ اکبر،

(ترجمہ) چراغ میں تیل نہیں، میرے محبوب تو کہاں ہے؟ کیا ملنے کی فرصت نہیں ''اللہ اکبر''

خود فرمایا کہ مقتدیوں میں دن بھر یہی چرچا رہا کہ حضرت نے آج اللہ تعالیٰ سے براہ راست گفتگو کی ہے۔

(بوئے گل نالہ دل، دود چراغ محفل صفحہ ۲۰۳ مطبوعہ چٹان پریس لاہور ۱۹۸۸ء)

ثانیاً: گھوڑے کو ہنکانا، کتے بلے کو بلانا، مقدار تشہد کے بعد کلام کرنا بھی اس حدیث کی رو سے نماز کو فاسد کر دیتا ہے، کیونکہ یہ بھی کلام لغوی و عرفی ہے۔ اس کی تخصیص ثابت کریں کہ کس دلیل سے آپ یہ چیزیں مستثنیٰ قرار دیتے ہیں۔

ثالثاً: یہ ہمارے مخالف نہیں کیونکہ وقفہ کو نماز نہیں کہتے، اور نماز کے اندر عمداً کلام ہمارے نزدیک بھی مفسد صلاۃ ہے۔

رابعاً: علامہ زیلعی حنفی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث ضعیف ہے کیونکہ سند میں ابو شیبہ ابراہیم بن عثمان راوی ہے جسے متعدد آئمہ نے ضعیف قرار دیا ہے، اور دوسرا راوی یزید دالانی ہے جس کے منفرد ہونے پر احتجاج کرنا جائز نہیں۔ (نصب الرایہ ص٦٦ ج٢)

ابو شیبہ کی تضعیف پر محدثین کے اقوال تراویح کے باب میں آ رہے ہیں۔ علاوہ ازیں اس کا متن بھی مضطرب ہے، یزید دالانی سے یہی روایت متعدد راویوں نے نقل کی ہے مثلاً شعبیؒ، ابن جریج، وغیرہ نے مگر وہ کلام کی جگہ پر، الضحک، یعنی ہنسنا کا لفظ روایت کرتے ہیں۔

(دارقطنی ص١٧٣ ج١ و بیهقی ص١٤٤ ج١)

الغرض یہ روایت متن کے لحاظ سے مضطرب اور سنداً سخت ضعیف ہے۔

(۷) عن عطاء بن ابی رباح ان عمر بن الخطاب صلی با صحابه الظهر او العصر رکعتین ثم سلم فقیل له انك صلیت رکعتین قال اکذلك قالوا نعم فاعاد بهم الصلوٰة۔

(کتاب الحجة للامام محمد ص١٥٧ ج١)

حضرت عطاء بن ابی رباح سے روایت ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں کو ظہر یا عصر کی نماز پڑھائی دو رکعتیں، پھر سلام پھیر دیا۔ آپ سے کہا گیا کہ آپ نے تو دو رکعتیں پڑھائی ہیں۔ آپ نے فرمایا کیا واقعی ایسا ہے؟ لوگوں نے کہا کہ ہاں آپ نے ان کو دوبارہ نماز پڑھائی (حدیث اور اہل حدیث ص۵۴۰)

الجواب اولاً: یہ صحیح وصریح احادیث کے خلاف ہے۔ جن میں صاف الفاظ میں آتا ہے کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کلام کے بعد سابقہ نماز پر بنا کر کے نماز پڑھائی۔ علاوہ ازیں آثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بھی خلاف ہے، جیسا کہ فصل اول میں ہم بیان کر چکے ہیں۔

ثانیاً: یہ روایت مرسل ہے جیسا کہ حنفی اکابر کو بھی اعتراف ہے (آثار السنن ص۱۷۴ و اعلا السنن ص۳۹ ج۵) وجہ یہ ہے کہ امام عطاء نے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ کو نہیں پایا، اور امام عطاء کی مرسل روایات سب سے زیادہ ضعیف ہیں کیونکہ یہ ہر ایک سے روایت لے لیتے تھے، جیسا کہ امام یحییٰ قطان نے صراحت کی ہے۔ اور امام احمد فرماتے ہیں کہ سب سے زیادہ ضعیف مراسیل حسن بصری اور عطاء بن ابی رباح کی ہیں (میزان الاعتدال ص۷۰ ج۳)

الغرض یہ روایت سخت ضعیف ہے۔

ثالثاً سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا سابقہ نماز پر بنا نہ کرنے سے نماز کا فاسد و باطل ہونا لازم نہیں آتا، جیسے عام طور پر بے وضو ہونے پر حنفی بنا نہیں کرتے، تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ حنفیہ کے نزدیک بوجہ حدث سابقہ نماز باطل ہوجاتی ہے۔ نہیں قطعاً نہیں، کیونکہ حنفیہ کے نزدیک بناء جائز ہے۔

(دیکھئے معارف السنن ص۳۲ ج۱ و درس ترمذی ص۱۵۱ ج۱)

الغرض یہ روایت ضعیف ہونے کے علاوہ اس سے حنفیہ کا مسلک ثابت نہیں ہوتا

(۸) عن ابن جریج قال قلت لعطاء ارایت لو سهوت فی المکتوبة، فتکلمت قال بلفظة قلت نعم قال قدا نقطعت صلوٰتك فعد لها جدیداً۔

(مصنف عبدالرزاق ص۳۲۹ ج۲)

حضرت ابن جریج فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عطاء بن ابی رباح سے عرض کیا کہ اگر میں فرض نماز میں بھولے سے کلام کرلوں تو بتلایئے اس کا کیا حکم ہے۔ آپ نے فرمایا کہ کلام الفاظ کے ساتھ کیا ہے؟ تو میں نے کہا کہ ہاں، آپ نے فرمایا کہ تمہاری نماز ٹوٹ گئی پھر دوبارہ نئے سرے سے پڑھو

(حدیث اور اہل حدیث ص۵۴۰)

الجواب اولاً یہ تابعی کا قول ہے جو مرفوع احادیث اور اقوال صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا معارض نہیں ہوسکتا۔

ثانیاً: سابقہ فصل میں گزر چکا ہے کہ سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے وقفہ کے دوران کلام کیا پھر سابقہ نماز پر بناء کرتے ہوئے آخری رکعت پڑھی، امام عطاء بن ابی رباح نے جب اس کا تذکرہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے کیا تو انہوں نے فرمایا کہ ابن زبیر نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت سے ہٹ کر نہیں کیا، اس سے ثابت ہوا کہ امام عطاء بن ابی رباح کو ایک مدت تک اس مسئلہ کا علم نہ تھا۔ جب سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بتایا تو انہوں نے یقیناً سابقہ مؤقف سے رجوع کر لیا ہوگا ورنہ آپ سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مناقشہ کرتے۔

ثالثاً: انقطعت کا معنی فاسد و باطل نہیں بلکہ منقطع ہونا ہے، جیسے حنفی حدث پر نماز کو منقطع تسلیم کرتے ہیں (درس ترمذی ص۱۵۱ ج۱) اور وضو کے بعد بناء کے قائل ہیں۔ اگر کہا جائے کہ اثر میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ فعد لها جديدا، یعنی نئے سرے سے گنتی شروع کرو، تو جواب یہ ہے کہ یہ جواز کی صورت تو بنتی ہے مگر نماز کا فاسد ہونا اس سے ثابت نہیں ہوتا۔

رابعاً: اثر میں اس کی صراحت نہیں کہ یہ کلام مقدار تشہد بیٹھنے سے پہلے تھا، ممکن اور بالکل ممکن ہے یہ کلام بعد میں ہو، لہذا یہ حنفیہ کے موافق نہیں بلکہ مخالف ہے، مزید اثر میں اس بات کی بھی وضاحت نہیں کہ گھوڑے کو ہنکانے کتے بلے کو بلانے کی بجائے کسی انسان کو بلایا تھا۔

الغرض یہ حنفیہ کے دعوٰی پر تقریب تام نہیں

خامساً: اثر خاص فرضوں کے متعلق ہے۔ جبکہ حنفی سنن ونوافل میں بھی کلام کو مفسد نماز کہتے ہیں۔

فما كان جوابكم فهو جوابنا۔

سادساً: امام عبدالرزاق مدلس بھی ہیں اور یہاں انہوں نے تحدیث کی صراحت نہیں کی لہذا روایت ضعیف ہے۔

سابعاً: نماز کے اندر کی بات ہے، اور یہ ہمارے خلاف نہیں

(۹) عن ابراهيم انه سئل عن رجل صلىٰ فتكلم وقد بقيت عليه ركعة قال يستقبل صلوٰة۔

(مصنف عبدالرزاق ص۳۳۰ ج۱)

حضرت ابراہیم نخعی سے ایک ایسے شخص کے بارے میں سوال ہوا جس نے نماز میں کلام کر لیا تھا اور اس کی ایک رکعت باقی تھی (کہ وہ کیا کرے) آپ نے فرمایا نئے سرے سے نماز پڑھے (حدیث اور اہل حدیث ص۵۴۰)

الجواب اولاً: یہ فتوٰی ایک صغیر تابعی کا ہے جو احادیث صحیحہ مرفوعہ اور تعامل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا معارض نہیں ہو سکتا۔

ثانیاً: اس میں کلام لفظی اور معنوی کی تقسیم نہیں، ممکن ہے کہ اس نے کلام معنوی کیا ہو اور گھوڑے کتے بلے کو بلایا ہو، دریں صورت یہ قول حنفیہ کے مخالف ہے۔

ثالثاً: اس کی سند ضعیف ہے، امام ابراہیم سے نقل کرنے والے، مغیرہ بن مقسم ضبی کوفی ہیں اور یہ مدلس ہیں جیسا کہ امام نسائی وغیرہ نے صراحت کی ہے (طبقات المدلسین ص ۴۶)

دوسرا راوی امام سفیان ثوری ہیں اور یہ بھی مدلس ہے، تفصیل مسئلہ رفع الیدین میں گزر چکی ہے۔ اور زیر بحث سند میں تحدیث کی صراحت نہیں۔ الغرض یہ روایت سخت ضعیف ہے

خلاصہ کلام یہ کہ اگر امام کو سہو ہو جائے اور دوران نماز اس کی اصلاح نہ ہو سکے اور سلام پھیر دیا جائے تو اصلاح نماز کے لیے نماز شروع کرنے سے پہلے نماز کی رکعات وغیرہ کی تحقیق کے بارے کلام کیا جا سکتا اور تحقیق کے بعد سابقہ نماز پر بناء کرکے باقی ماندہ نماز پڑھ کر سجدہ سہو کر لیا جائے تو نماز ہو جاتی ہے، احادیث صحیحہ اور اقوال صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔ ایسا ہی اگر بھول کر کلام کیا جائے تو نماز لوٹانے کی ضرورت نہیں جیسا کہ صحیح مسلم کی حدیث سیدنا معاویہ بن حکم سلمی رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے۔

اس کے برعکس حنفیہ کا جو مؤقف ہے کہ کلام جائز نہیں ہاں گھوڑے کو ہنکانے اور کتے بلے کو بلانے سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔ آخری قعدہ میں مقدار تشہد بیٹھنے کے بعد عمداً کلام کرنا ان کے نزدیک مفسد صلاۃ نہیں۔ چھینک یا ڈکار آنے پر لغوی کلام بن جانے سے بھی ان کے ہاں نماز باطل نہیں ہوتی، سہواً کسی کو نماز میں سلام عرض کرنے سے بھی نقض صلاۃ کے قائل نہیں (ان تمام چیزوں کی تفصیل گزر چکی ہے) انوار صاحب اپنے اس مؤقف پر قرآن و حدیث تو کجا آثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی کوئی قول پیش نہیں کر سکے، بلکہ تابعین عظام سے بھی کسی کا قول اپنی تائید میں نقل نہیں کیا یہ ان کی کھلی عاجزی ہے۔ انہوں نے اس سلسلہ میں جو بھی زیب رقم کیا ہے وہ غیر متعلقہ ہے۔ کیونکہ ہم ایک خاص صورت میں کلام کو مباح کہتے ہیں۔ اور وہ بھی سلام پھرنے پر اور اس پر ہم بفضلہ تعالیٰ حدیث و آثار کے دلائل رکھتے ہیں۔ اور ایسے دلائل جو تمام کے تمام نسخ کلام کے بعد کے ہیں، (تفصیل گزر چکی ہے)

ہم پورے جزم و یقین کے ساتھ یہ بات عرض کرتے ہیں کہ سہواً سلام پھیرنے اور بناء کرنے کے درمیانی وقفہ میں کلام کرنے پر فساد نماز پر کوئی دلیل قرآن و سنت اور آثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں موجود نہیں، اگر ہے تو پیش کریں ہم اپنے مؤقف پر نظر ثانی کرنے کے لیے تیار ہیں، ان شاء اللہ۔

مگر قارئین کرام! یاد رکھئے! کہ سورج مغرب سے طلوع ہو سکتا ہے لیکن حنفی اس کا ثبوت پیش نہیں کر سکتے۔

(۴۹) باب وتر فرض و واجب نہیں بلکہ سنت ہیں

فصل اول

(۱) عن سعید بن یسار انه قال کنت أسیر مع عبد الله بن عمر بطریق مکة فقال سعید، فلما خشیت الصبح نزلت فاوترت ثم لحقته، فقال عبدالله بن عمر، أین کنت؟ فقلت، خشیت الصبح فنزلت فاوترت، فقال عبدالله، أما لك فی رسول الله (ﷺ) اسوة حسنة؟ فقلت، بلی والله، قال، فان رسول اللهﷺ کان یوتر علی البعیر،

امام سعید بن یسار فرماتے ہیں کہ میں سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ مکہ مکرمہ کے راستے میں چل رہا تھا، جب مجھے طلوع فجر کا خدشہ ہوا تو میں سواری سے اترا اور وتر پڑھ کر ان کے ساتھ جا ملا، سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ آپ کہاں رہ گئے تھے؟ میں نے کہا کہ مجھے طلوع فجر کا اندیشہ ہوا اور میں نے اتر کر وتر پڑھا، سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ کیا آپ کے لیے رسول اللہ ﷺ اسوہ حسنہ نہیں؟ میں نے کہا کیوں نہیں اللہ کی قسم! سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ اونٹ پر سوار رہ کر ہی وتر پڑھ لیا کرتے تھے۔

(بخاری کتاب الوتر باب الوتر علی الدابة، الحدیث ۹۹۹، و مسلم کتاب صلاة المسافرین باب جوازه صلاة النافلة علی الدابة فی السفر حیث توجهت، الحدیث ۱۶۱۵)

(۲) قال سالم کان عبدالله بن عمر یصلی علی دابته من اللیل وهو مسافر، ما یبالی حیث کان وجهه، قال ابن عمر وکان رسول اللهﷺ یسبح علی الراحلة قبل ای وجه توجه ویوتر علیها غیر انه لا یصلی علیها المکتوبة۔

امام سالم فرماتے ہیں کہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سفر کی حالت میں رات کے وقت جانور کے اوپر ہی نماز پڑھ لیتے تھے، اور کچھ پرواہ نہ کرتے کہ اس کا منہ کس طرف ہے، سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ بھی نفل نماز اونٹنی پر ادا فرما لیا کرتے تھے خواہ اس کا منہ کس طرف ہی ہوتا۔ اور وتر بھی سواری پر ہی پڑھ لیا کرتے تھے صرف فرض نماز سواری پر نہ پڑھتے تھے۔

(بخاری کتاب التقصیر باب ینزل للمکتوبة، الحدیث ۱۰۹۸، مسلم کتاب صلاة المسافرین باب جواز صلاة النافلة علی الدابة فی السفر حیث توجهت، الحدیث ۱۶۱۸)

(۳) عن ابن عمر قال کان النبیﷺ یصلی فی السفر علی راحلته حیث توجهت به، یومی ایماء صلاة اللیل الا الفرائض و یوتر علی راحلته۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سفر میں رات کو نماز (تہجد) اپنی اونٹنی پر

ہی اشارے سے پڑھا کرتے تھے مگر فرض نمازیں (اونٹنی سے اتر کر پڑھا کرتے اور) وتر سواری پر ہی پڑھتے تھے۔

(بخاری کتاب الوتر باب الوتر فی السفر، الحدیث ۱۰۰۰)

(۴) قال ابن حزم و انس بن مالك قال النبیﷺ ففرض الله علی امتی خمسین صلاة، فرجعت بذلك حتی مررت علی موسی فقال ما فرض الله لك علی امتك؟ فقلت فرض خمسین صلاة، قال موسیٰ، فارجع الی ربك، فان امتك لا تطیق ذلك، فراجعنی فوضع شطرها، فرجعت الی موسیٰ، قلت، وضع شطرها، قال، راجع ربك فان امتك لا تطیق، فراجعت، فوضع شطرها، فرجعت الیه فقال، ارجع الی ربك فان امتك لا تطیق ذلك، فراجعته، فقال هن خمس وهن خمسون، لا یبدل القول لدی، فرجعت الی موسی، فقال، راجع ربك، فقلت، استحییت من ربی، ثم انطلق بی حتی انتهی بی الی سدرة المنتهی، وغشیها الوان لا ادری ماهی ثم ادخلت الجنة فاذا فیها حبائل اللؤلؤ، واذا ترابها المسك،، الحدیث۔

ابن حزم (اپنے شیخ سے) اور سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ (سیدنا ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ) نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے میری امت پر پچاس نمازیں فرض کیں، میں جب یہ حکم لیکر سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے پاس پہنچا تو انہوں نے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری امت پر کیا فرض کیا؟ میں نے کہا کہ پچاس نمازیں فرض کیں ہیں! انہوں نے کہا کہ اپنے رب کے پاس لوٹ جا، کیونکہ تیری امت اتنی طاقت نہیں رکھتی۔ میں لوٹا اور اللہ تعالیٰ سے عرض کیا اللہ نے کچھ نمازیں معاف کر دیں، میں پھر موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا اور کہا کہ اللہ تعالیٰ نے کچھ نمازیں معاف کر دیں ہیں، انہوں نے کہا اپنے رب کے پاس لوٹ جا، تیری امت اتنی طاقت نہیں رکھتی، میں لوٹا پھر اللہ تعالیٰ نے کچھ نمازیں معاف کر دیں، پھر موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا، انہوں نے کہا کہ اپنے رب کے پاس لوٹ جا، تیری امت اتنی طاقت نہیں رکھتی، میں پھر لوٹا (ایسا ہی کئی بار ہوا) آخر اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ پانچ نمازیں ہیں، اور درحقیقت پچاس ہیں، میرے پاس بات نہیں بدلتی، پھر موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا انہوں نے کہا اپنے رب کے پاس لوٹ جا، میں نے کہا اب مجھے اپنے رب سے عرض کرنے میں شرم آتی ہے، پھر جبریل مجھے سدرۃ المنتہیٰ تک لیا گیا اور کئی طرح کے رنگوں نے اس کو ڈھانپ رکھا تھا۔ میں نہیں جانتا کیا تھے، پھر مجھے جنت میں لے گئے، کیا دیکھتا ہوں وہاں موتیوں کے ہار ہیں اور مٹی مشک (کی طرح معطر) ہے۔ الحدیث

(بخاری کتاب الصلوٰۃ باب کیف فرضت الصلوٰۃ فی الاسرا...... الحدیث ۳۴۹، و مسلم کتاب الایمان باب الاسراء برسول الله صلی علیه وسلم...... الحدیث ۴۱۵)

(۵) عن ابن شهاب ان عمر بن عبدالعزيز اخر الصلاة يوما فدخل عليه عروة بن الزبير فاخبره ان المغيرة بن شعبة اخر الصلاة يوماوهو بالعراق فدخل عليه ابو مسعود الانصارى فقال ما هذا يا مغيره، اليس قد علمت ان جبريل صلوات الله و سلامه عليه نزل فصلى فصلى رسول اللهﷺ ثم صلى فصلى رسول اللهﷺ ثم صلى فصلى رسول اللهﷺ ثم صلى فصلى رسول اللهﷺ ثم صلى فصلى رسول اللهﷺ ثم قال بهذا امرت فقال عمر لعروة اعلم ما تحدث به، او ان جبريل هو اقام لرسول اللهﷺ وقوت الصلاة؟ قال عروة كذلك كان بشير بن ابى مسعود يحدث عن ابيه

امام ابن شہاب بیان کرتے ہیں کہ ایک دن عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے (عصر کی نماز اول وقت سے) دیر کی تو عروۃ بن زبیر ان کے پاس پہنچے اور ان سے کہا کہ سیدنا مغیرہ بن شعبہؓ نے ملک عراق میں نماز میں دیر کی تو ان کے پاس سیدنا ابومسعود انصاریؓ گئے اور ان سے کہا کہ مغیرہؓ تم یہ کیا کرتے ہو، کیا تم کو معلوم نہیں کہ (معراج کی صبح کو) سیدنا جبریل ؑ (نماز سکھانے کے لیے اترے) انہوں نے نماز پڑھی اور رسول اللہﷺ نے (ان کی اقتدا میں) نماز پڑھی، پھر انہوں نے نماز پڑھی اور رسول اللہﷺ نے (ان کی اقتدا میں) نماز پڑھی، انہوں نے پھر نماز پڑھی اور رسول اللہﷺ نے (ان کی اقتدا میں) نماز پڑھی، پھر سیدنا جبریل ؑ نے کہا کہ مجھے ایسا ہی حکم ہوا، سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے سیدنا عروہ بن زبیر رحمہ اللہ سے کہا کہ آپ ذرا سمجھ لیں کہ تم حدیث بیان کرتے ہو کہ جبریل ؑ نے رسول اللہﷺ کے لیے نمازوں کے اوقات مقرر کیے سیدنا عروہ رحمہ اللہ نے کہا کہ سیدنا بشیر اپنے والد سیدنا ابومسعود انصاریؓ سے ایسے ہی روایت کرتے تھے۔

(بخاری کتاب مواقیت الصلاة باب مواقیت الصلوٰة و فضلها ......الحدیث ٥٢١، و مسلم کتاب المساجد باب اوقات الصلوت الحدیث ١٣٧٩)

(٦) عن عروة قال اخبرنى بشير بن ابى مسعود عن ابيه ان رسول اللهﷺ قال نزل جبريل فامنى حتى عد خمس صلوات۔

سیدنا ابومسعود انصاریؓ راوی ہیں کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا کہ جبریل نے اتر کر میری امامت کروائی یہاں تک آپ ؑ نے پانچ نمازوں کو شمار کیا۔

(مصنف ابن ابی شیبه ص٣١٩ ج ١)

(۷تا ۱۳) امامت جبریل علیہ السلام کی حدیث سیدنا عبداللہ بن عباسؓ سیدنا جابر بن عبداللہؓ سیدنا ابو ہریرۃؓ سیدنا عمرو بن حزمؓ سیدنا ابو سعید (الخذریؓ) سیدنا انس بن مالکؓ اور سیدنا ابن عمرؓ سے بھی مروی ہے، تفصیل کے لیے۔ (نصب الرایہ ص۲۲۱ ج۱، ارواء الغلیل ص۶۸ ج۱) کی مراجعت کریں۔

(۱۴) عبدالله بن بريدة ان يحيىٰ بن يعمر حدثه انه حج فلقى عبدالله بن عمر فقال

عبدالله بن عمر حدثنی عمر بن الخطاب انه كان جالسا مع رسول اللهﷺ فی قوم فاقبل رجل شاب عليه ثياب بيض حتى قام على القوم فسلم ثم قال بصوت عال يا محمد اسئلك قال رسول اللهﷺ نعم يجيبه بمثل صوته بالارتفاع قال يا محمد مالا سلام قال ان تشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له وان محمدا عبده و رسوله تصلى الخمس وتوتى الزكوة وتحج البيت و تصوم رمضان قال فاذا فعلت ذلك فانا مسلم قال نعم۔

امام عبداللہ بن بریدہ راوی ہیں کہ ان سے یحیٰ بن یعمر نے بیان کیا کہ انہوں نے حج کیا اور سیدنا عبداللہ بن عمر ؓ سے ملاقات ہوئی تو سیدنا عبداللہ بن عمر ؓ نے سیدنا عمر بن خطاب ؓ سے روایت بیان کی کہ میں قوم کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ایک نوجوان شخص آیا اور وہ سفید کپڑے پہنے ہوئے تھا۔ یہاں تک کہ وہ لوگوں کے اوپر آ کر بلند آواز سے کہنے لگا کہ اے محمد ﷺ میں آپ سے سوال کرتا ہوں، حضرت رسول اللہ ﷺ نے بھی اس کی مثل بلند آواز سے کہا کہ ہاں میں جواب دوں گا۔ اس شخص نے کہا کہ اے محمد مصطفیٰ ﷺ اسلام کیا ہے؟ آپ علیہ التحیۃ والسلام نے فرمایا کہ تو گواہی دے کہ کوئی الہ نہیں مگر اللہ، اس کا کوئی شریک نہیں، یا وہ واحد ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ اور محمد مصطفیٰ ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں۔ پانچ نمازیں پڑھے زکوۃ ادا کرے، بیت اللہ کا حج کرے اور رمضان کے روزے رکھے، وہ شخص کہنے لگا کہ جب میں یہ کام کروں تو میں مسلمان ہوں، آپ علیہ التحیۃ والسلام نے فرمایا۔ ہاں

(قيام الليل ص۱۹۳ باب الاخبار الدالة على ان الوتر سنة وليس بفرض)

(۱۵) عن طلحة بن عبيدالله يقول جاء رجل الى رسول اللهﷺ من اهل نجد ثائر الراس نسمع دوى صوته ولا نفقه مايقول حتى دنا فاذا هو يسال عن الاسلام، فقال رسول اللهﷺ خمس صلوٰت فى اليوم والليلة، فقال هل على غيرها؟ قال، لا، الا ان تطوع ، قال رسول اللهﷺ، وصيام رمضان، قال هل على غيره؟ قال، لا، الا ان تطوع، قال ، وذكرله، رسول اللهﷺ الزكاة، قال هل على غيرها؟ قال، لا، الا ان تطوع، قال، فادبر الرجل وهو يقول، والله لا ازيد على هذا ولا انقص، قال رسول اللهﷺ فافلح ان صدق۔

سیدنا طلحہ بن عبیداللہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ نجد والوں میں سے ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا، اس کے بال بکھرے ہوئے تھے، ہم اس کی آواز سنتے تھے مگر بات سمجھ نہیں آتی تھی۔ یہاں تک کہ وہ قریب آیا، تو معلوم ہوا کہ وہ اسلام (کے ارکان وشرائع) پوچھ رہا ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اسلام یہ ہے کہ دن اور رات میں پانچ نمازیں پڑھنا، اس نے کہا کہ اس کے علاوہ بھی کوئی نماز مجھ پر ہے؟ آپ علیہ التحیۃ والسلام نے فرمایا کہ نہیں، مگر یہ کہ تو نفل پڑھے (تو بات دیگر ہے) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اور رمضان کے روزے رکھنا، اس نے کہا کہ اور تو کوئی روزہ مجھ پر نہیں؟ آپ ؑ نے فرمایا

کہ نہیں۔ مگر یہ کہ تو نفلی روزے رکھے (تو بات اور ہے) سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے زکوٰۃ کا بیان کیا تو وہ کہنے لگا کہ بس اور تو کوئی صدقہ مجھ پر نہیں؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا نہیں مگر یہ کہ نفلی صدقہ دے تو اور بات ہے، راوی نے کہا کہ وہ شخص پھر پیٹھ موڑ کر چلا گیا اور کہتا جاتا کہ اللہ تعالیٰ کی قسم میں نہ اس سے بڑھاؤں گا اور نہ ہی گھٹاؤں گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر یہ سچا ہے تو اپنی مراد کو پہنچ گیا۔

بخاری کتاب الایمان باب الزکاۃ من الاسلام، الحدیث ٤٦، مسلم کتاب الایمان باب بیان الصلوٰۃ التی ھی احد ارکان الاسلام، الحدیث ١٠٠)

(۱۶) عن انس بن مالك قال نهينا ان نسال رسول الله ﷺ عن شئی۔ فكان يعجبنا ان يجئی الرجل من اهل البادية، العاقل، فيساله و نحن نسمع، فجاء رجل من اهل البادية، فقال، يا محمد! أتانا رسولك فزعم لنا أنك تزعم ان الله ارسلك؟ قال، صدق، قال، فمن خلق السماء؟ قال، الله، قال، فمن خلق الارض؟ قال، الله ، قال۔ فمن نصب الجبال۔ وجعل فيها ما جعل؟ قال۔ الله، قال، فبالذی خلق السماء و خلق الارض و نصب هذه الجبال الله ارسلك؟ قال، نعم، قال، وزعم رسولك ان علينا خمس صلوات فی يومنا وليلتنا، قال، صدق، قال، فبالذی ارسلك الله امرك بهذا؟ قال، نعم، قال وزعم رسولك ان علينا زكاة فی اموالنا، قال، صدق، قال، فبالذی ارسلك، الله امرك بهذا؟ قال، نعم، قال، وزعم رسولك ان علينا صوم شهر رمضان فی سنتنا قال، صدق، قال، فبالذی ارسلك، الله أمرك بهذا؟ قال۔ نعم قال، وزعم رسولك ان علينا حج البيت من استطاع اليه سبيلا، قال، صدق قال، ثم ولی قال والذی بعثك بالحق! لا ازيد عليهن ولا انقص منهن، فقال النبی ﷺ، لئن صدق ليدخلن الجنة۔

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ سے سوالات کرنے سے منع کر دیا گیا، اس لیے ہمیں اچھا معلوم ہوتا تھا کہ دیہات کے رہنے والوں میں سے کوئی سمجھ دار آدمی آئے اور آپ علیہ السلام سے کچھ سوالات کرے، اور ہم سنیں، چنانچہ دیہات کے رہنے والوں میں سے ایک شخص آیا اور کہنے لگا کہ اے محمد ﷺ آپ کا قاصد، ہمارے پاس آیا اور کہنے لگا کہ آپ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے، آپ نے فرمایا اس نے سچ کہا، اس دیہاتی نے دریافت کیا بھلا آسمان کو کس نے پیدا کیا؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے (پیدا کیا) پھر اس نے پوچھا زمین کو کس نے پیدا کیا، آپ علیہ السلام نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے (پیدا کیا) اس کے بعد اس نے سوال کیا کہ پہاڑوں کو کس نے قائم کیا اور ان میں جو چیزیں ہیں وہ کس نے پیدا کیں، آپ علیہ السلام نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے (پیدا کیں)

اس پر اس نے کہا قسم ہے، اس ذات کی جس نے آسمان پیدا کیا زمین بنائی اور پہاڑوں کو قائم کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے، آپ علیہ السلام نے فرمایا ہاں،، اس پر اس نے عرض کیا کہ آپ کے قاصد نے یہ بتایا ہے کہ دن رات میں ہم پر پانچ نمازیں فرض ہیں آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ چیز بھی اس نے صحیح بیان کی، وہ شخص بولا قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے، کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان نمازوں کا حکم دیا ہے؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا ہاں، دیہاتی بولا کہ آپ کے قاصد نے یہ چیز بھی بتلائی کہ ہمیں اپنے مالوں کی زکوۃ دینا ہے، آپ علیہ السلام نے فرمایا یہ چیز بھی اس نے درست بیان کی، اس پر دیہاتی بولا قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو معبوث کیا ہے، کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو زکوۃ کا حکم دیا ہے؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا ”ہاں“ پھر وہ دیہاتی بولا کہ آپ کے قاصد نے یہ چیز بھی بتلائی کہ ہم پر ہر سال رمضان کے روزے ہیں۔ آپ نے فرمایا اس نے درست کہا، اس پر وہ بولا قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے، کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو روزوں کا حکم دیا ہے؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا ”ہاں۔“ دیہاتی نے کہا کہ آپ کے قاصد نے یہ بھی بتایا کہ جس کے پاس زادراہ اور طاقت ہو اس پر بیت اللہ کا حج فرض ہے، آپ نے فرمایا سچ کہا، یہ سن کر وہ دیہاتی پیٹھ پھیر کر چل دیا، اور کہنے لگا قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا میں ان امور کی ادائیگی میں کسی قسم کی کمی یا زیادتی نہ کروں گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر یہ اپنے قول میں سچا ہے تو ضرور جنت میں جائے گا۔

(بخاری کتاب العلم باب القراۃ والعرض علی المحدث ، الحدیث ٦٣ ، صحیح مسلم کتاب الایمان باب السوال عن ارکان الاسلام، الحدیث ١٠٢ واللفظ للمسلم)

(۱۷) عن انس قال سال رجل رسول اللہ ﷺ فقال یا رسول اللہ! کم افترض اللہ عزوجل علی عبادہ من الصلوٰت؟ قال، افترض اللہ علی عبادہ صلوٰات خمس، قال یا رسول اللہ! ھل قبلھن او بعد ھن شئیا؟ قال، افترض اللہ علی عبادہ صلوات خمس، فحلف الرجل لا یزید علیہ شئیا ولا ینقص منہ شئیا، قال رسول اللہ ﷺ، ان صدق لید خلن الجنۃ۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر کتنی نمازیں فرض کی ہیں۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔ وہ شخص بولا اے اللہ کے رسول! ان نمازوں کے آگے یا پیچھے اور کوئی نماز فرض ہے؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔ اس شخص نے قسم اٹھائی کہ میں ان نمازوں میں نہ بڑھاؤں گا اور نہ گھٹاؤں گا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر اس نے سچ کہا تو جنت میں جائے گا۔

(سنن نسائی کتاب الصلوٰة باب کم فرضت فی الیوم واللیلة، الحدیث ٤٦٠ و مسند احمد ص٢٦٧ ج٣ و مستدرك ص٢٠١ ج١ و دار قطنی ص٢٣٠ ج١ و صحیح ابن حبان رقم الحدیث ١٤٤٤)

(۱۸) عن عوف بن مالك الا شجعی قال كنا عند رسول اللهﷺ تسعة اوثمانية او سبعة، فقال، ألاتبايعون رسول اللهﷺ؟ وكنا حديث عهد ببيعة فقلنا قدبا يعناك يا رسول الله! ثم قال، ألا تبايعون رسول اللهﷺ؟ قال، فبسطنا ايدينا وقلنا، قدبا يعناك يا رسول الله! فعلامة نبايعك؟ قال، علی ان تعبدوا الله ولا تشر كوابه شئيا، والصلوٰت الخمس، وتطيعوا الله، وأسر كلمة خفية۔ ولا تسالوا الناس شئيا، فلقد رايت، كان بعض اولئك النفر يسقط سوط احدهم، فما يسال احدا يناوله اياه۔

سیدنا عوف بن مالک اشجعیؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہﷺ کے پاس نو یا آٹھ یا سات افراد تھے کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ تم اللہ کے رسول کی بیعت نہیں کرتے، اور ہم انہیں دنوں بیعت کر چکے تھے، ہم نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ہم نے تو بیعت کر لی ہے، پھر آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ تم اللہ کے رسول کی بیعت نہیں کرتے، ہم نے عرض کیا ہم نے تو بیعت کر لی ہے، پھر فرمایا کہ تم اللہ کے رسول کی بیعت نہیں کرتے، سیدنا عوف بن مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے اپنے ہاتھ بڑھا دیئے اور عرض کیا اے اللہ کے رسول ہم بیعت تو کر چکے اب کس چیز پر بیعت کریں؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ اس پر کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اور پانچ نمازیں (پڑھنے) پر اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو، اور ایک بات آہستہ سے فرمائی کہ لوگوں سے کسی چیز کا سوال نہ کرو، البتہ میں نے اس جماعت میں سے بعض حضرات کو دیکھا کہ ان کا (سواری سے) کوڑا گر جاتا تھا تو کسی سے اس کے اٹھانے کا سوال نہیں کرتے تھے (یعنی خود سواری سے اتر کر کوڑا پکڑ لیتے)

(صحیح مسلم کتاب الزکاة باب کراهة المسالة للناس، الحدیث ٢٤٠٣)

(۱۹) عن ابن عباس رضی الله عنهما ان النبیﷺ بعث معاذاً الی اليمن فقال، ادعهم الی شهادة ان لا اله الاالله وانی رسول الله، فان هم اطاعوا لذلك، فاعلمهم ان الله افترض عليهم خمس صلوات فی كل يوم وليلة، فان هم اطاعوا لذلك فاعلمهم ان الله افترض عليهم صدقة فی اموالهم، توخذ من اغنيائهم وترد علی فقرأئهم۔

سیدنا عبداللہ بن عباسؓ راوی ہیں کہ رسول اللہﷺ نے جب سیدنا معاذ بن جبلؓ کو یمن کی طرف بھیجا تو معاذ سے کہا کہ یمن والوں کو (سب سے) پہلے اس بات کی دعوت دینا کہ وہ گواہی دیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی الہ نہیں اور میں (محمدﷺ) اس کا رسول ہوں، اگر وہ اس بات کو تسلیم کر لیں تو ان سے کہنا کہ اللہ تعالیٰ نے دن رات میں ان پر پانچ نمازیں فرض کیں ہیں۔ پھر اگر وہ اس کو

تسلیم کرلیں تو ان کو بتانا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر ان کے مال میں سے صدقہ فرض کیا ہے، جو ان کے مال داروں سے لیا جائے گا اور انہیں کے محتاج لوگوں کو دیا جائے گا۔

(بخاری کتاب الزکوٰۃ باب وجوب الزکوٰۃ ...... الحدیث ۱۳۹۵، و مسلم کتاب الایمان باب الدعاء الی الشھادتین و شرائع الاسلام، الحدیث ۱۲۱)

(۲۰) عن معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ من صلی الصلوات الخمس، حج البیت الحرام، وصام رمضان ولا ادری اذکر الزکاۃ ام لا، کان حقا علی اللہ ان یغفرلہ ان ھاجر فی سبیلہ او مکث بارضہ التی ولد بھا، الحدیث۔

سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص پانچ نمازیں پڑھے، بیت الحرام کا حج کرے، رمضان کے روزے رکھے، اور مجھے معلوم نہیں کہ زکوٰۃ کا بھی ذکر آپ نے کیا یا نہیں، تو اللہ تعالیٰ پر حق ہے کہ وہ اسے بخش دے، خواہ اس نے ہجرت کی ہو یا اسی زمین میں رہے جہاں اس کی ولادت ہوئی تھی۔

(مسند احمد ص ۲٤۰ ج ٥)

(۲۱) عن ابی الدرداء رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ خمس من جاء بھن مع الایمان دخل الجنۃ، من حافظ علی الصلوٰات الخمس علی وضوئھن ورکوعھن و سجودھن و مواقیتھن و صام رمضان وحج البیت ان استطاع الیہ سبیلا، واعطی الزکاۃ طیبۃ بھا نفسہ، وادی الامانۃ، قالوا، یا ابا الدرداء! وما أداء الامانۃ؟ قال، الغسل من الجنابۃ۔

سیدنا ابو درداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص پانچ چیزوں کے ساتھ بمع ایمان آیا (اللہ تعالیٰ کی عدالت میں) وہ جنت میں داخل ہوگا۔ جس شخص نے پانچ نمازوں کی حفاظت کی، ان کے وضو رکوع و سجود اور اوقات کے ساتھ اور رمضان کے روزے رکھے، بیت اللہ کا حج کیا اگر زاد راہ کی توفیق رکھتا تھا۔ اور زکوٰۃ ادا کی اپنے نفس کو پاک کرنے کے لیے اور امانت کو ادا کیا، (راوی کہتے ہیں کہ ہم نے) کہا کہ اے ابو درداء امانت کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ غسل جنابت کرنا۔

(ابو داؤد کتاب الصلاۃ باب المحافظۃ علی الصلوٰت، الحدیث ٤۲۹)

(۲۲) قال سعید بن المسیب ان ابا قتادۃ بن ربعی اخبرہ قال قال رسول اللہ ﷺ قال اللہ عزوجل انی فرضت علی امتک خمس صلوات و عھدت عندی عھداً۔ انہ من جاء یحافظ علیھن لوقتھن ادخلتہ الجنۃ، ومن لم یحافظ علیھن فلا عھد لہ عندی۔

سیدنا ابو قتادہ بن ربعی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ میں نے آپ کی امت پر پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔ اوران کے لیے میرے ہاں وعدہ ہے کہ جو شخص

(میرے حضور) ان کی حفاظت (صحیح طریقہ سے ادا) کرتے ہوئے اور وقت پر پڑھتے ہوئے آیا میں اسے جنت میں داخل کروں گا۔ اور جس نے ان نمازوں کی حفاظت نہ کی اس کے لیے میرے ہاں کوئی عہد نہیں۔

(ابو داؤد کتاب الصلاۃ باب المحافظة علی الصلوت، الحدیث ٤٣٠)

(۲۳) عن ابی امامة قال سمعت رسول اللهﷺ یخطب فی جمعة الوداع فقال اتقوا الله ربکم و صلوا خمسکم و صوموا شهر کم وادوا زکاة اموالکم وأطیعوا ذا أمرکم تدخلوا جنة ربکم، قال، قلت لابی امامة منذکم سمعت من رسول اللهﷺ هذا الحدیث؟ قال سمعته وانا ابن ثلاثین سنة۔

سیدنا ابو امامۃ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اللہ ﷺ سے خطبہ سنا آپ فرما رہے تھے کہ اے لوگو! تم اپنے رب سے ڈرو اور اپنی پانچوں نمازیں پڑھو، اور اپنے مہینہ (رمضان) کے روزے رکھو، اور اپنے مالوں کی زکوۃ ادا کرو، اور اپنے امراء (حکمرانوں) کی اطاعت کرو، تم اپنے رب کی جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔ (راوی حدیث امام سلیم بن عامر) فرماتے ہیں کہ میں نے سیدنا ابو امامۃ رضی اللہ عنہ سے پوچھا آپ نے یہ حدیث کب سے رسول اللہ ﷺ سے سنی ہے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ اس وقت میری عمر تیس سال تھی۔

(سنن ترمذی کتاب الجمعة باب منه (ممایلی ما ذکر فی فضل الصلاة) الحدیث ٦١٦) و مسند احمد ص٢٥١ و ٢٦٢ ج٥ و مستدرك حاکم ص٩، ٣٨٩ ج١ و ابن حبان (موارد) رقم الحدیث ٧٩٥ ترمذی، حاکم وذہبی ابن حبان اور علامہ البانی نے صحیح قرار دیا ہے (الصحیحه ٨٦٧)

(۲۴) عن عبادة بن الصامت قال سمعت رسول اللهﷺ یقول، خمس صلوات افترضهن الله علی عباده فمن احسن وضؤهن وصلاهن لوقتهن، وأتم رکوعهن وسجودهن وخشوعهن کان له عهد علی الله ان یغفرله، ومن لم یفعل فلیس له علی الله عهد، ان شاء عذبه وان شاء غفرله۔

سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ آپ فرما رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر پانچ نمازیں فرض کیں ہیں، جو ان کا اچھی طرح وضو کرے اور وقت پر پڑھے اور ان کا رکوع و سجود اور خشوع پورا کرے تو اس کے لیے اللہ تعالیٰ کے حضور عہد ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے بخش دے، اور جو شخص ایسا نہ کرے تو اس کے لیے اللہ کے ہاں کوئی عہد نہیں۔ چاہے تو اسے معاف کردے یا عذاب دے۔

(المعجم الاوسط للطبرانی ص٣٣٣ ج٥ رقم الحدیث ٤ ٦٥٥ ص١٤٧ ج١٠ رقم الحدیث ٩٣١١)

(۲۵) عن عبداللہ بن الصنابحی قال زعم ابو محمد ان الوتر واجب، فقال عبادة بن الصامت كذب ابو محمد، اشهد انی سمعت رسول الله ﷺ يقول خمس صلوات افترضهن الله عزوجل، من احسن وضوء هن و صلاهن لوقتهن وأتم ركوعهن وخشو عهن، كان له على الله عهد ان يغفرله، ومن لم يفعل فليس له على الله عهد، ان شاء غفرله، وان شاء عذبه،

امام عبداللہ بن صنابحی فرماتے ہیں کہ ابو محمد کا گمان ہے کہ وتر واجب ہے تو سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ابو محمد نے خطا کی ہے میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ آپ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے پانچ نمازیں فرض کیں ہیں۔ جو شخص اچھی طرح ان کے لیے وضو کرے گا اور وقت پر ہرایک نماز پڑھے اور رکوع و سجود پورا کرے اور خشوع سے پڑھے گا تو اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کے لیے عہد ہے کہ اسے بخش دے اور اگر ایسا نہ کرے گا تو اللہ پر کوئی عہد نہیں چاہے تو معاف کر دے یا عذاب کرے۔

(ابو داؤد کتاب الصلاۃ باب المحافظة علی الصلوٰت، الحدیث ۴۲۵، و مسند احمد ص۳۱۷و ۳۲۲ ج۵)

(۲۶) عن ابن محيريز، ان رجلا من بنى كنانة، يدعى المخدجی، سمع رجلا بالشام، يدعى ابا محمد، يقول، ان الوتر واجب، قال المخدجی، فرحت الى عبادة بن الصامت فاخبرته فقال عبادة، كذب ابو محمد سمعت رسول الله ﷺ يقول، خمس صلوات كتبهن الله على العباد، فمن جاء بهن لم يضيع منهن شيئا استخفافا بحقهن كان له عند الله عهد ان يدخله الجنة، ومن لم يات بهن فليس له عند الله عهد، ان شاء عذبه وان شاء ادخله الجنة،

امام ابن محیریز بیان کرتے ہیں کہ بنی کنانہ کے ایک شخص جسے مخدجی کہتے تھے شام میں ایک آدمی سے سنا جس کا نام ابو محمد تھا۔ وتر واجب ہے۔ مخدجی کہتے ہیں کہ یہ سن کر میں سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اور ان سے بیان کیا۔

سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ابو محمد نے غلط کہا میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ علیہ السلام فرماتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر پانچ نمازیں فرض کیں ہیں جو شخص ان کو ہلکا نہ جان کر ادا کرے گا تو اس کا اللہ کے ہاں عہد ہوگا کہ اللہ اسے جنت میں داخل کرے، اور جو شخص ان کو ادا نہ کرے گا تو اللہ تعالیٰ کے حضور اس کے لیے کوئی عہد نہیں۔ چاہے اس کو عذاب دے یا جنت میں داخل کرے۔

(ابو داؤد کتاب الوتر باب فی من لم یوتر، الحدیث ۱۴۲۰ و موطا امام مالک ص۱۰۷ و نسائی کتاب الصلاة باب المحافظة علی الصلوٰت الخمس، الحدیث ۴۶۲، و مسند احمد ص۳۱۵و ۳۱۹ ج۵ و بیہقی

ص۳۶۱ ج۱ و ص۸و ٤٦٧ ج۲ و ص۲۱۷ ج۱۰ و مسند حمیدی رقم الحدیث ۳۸۸، و ابن ابی شیبه ص۲۹٦ ج۲ و ص۲۳۵ ج۱٤ و عبدالرزاق ص۵ ج)

(۲۷) عن ابن عباس قال قال رسول اللهﷺ امرت برکعتی الضحی وبالوتر ولم یکتب۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے چاشت کی نماز اور وتر کا حکم دیا گیا ہے مگر فرض نہیں کی گئی۔

(مسند احمد ص۲۳۲ ج۱)

(۲۸) عن انس قال قال رسول اللهﷺ أمرت بالوتر والأضاحی ولم یعزم علی۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے وتر اور ضحیٰ کی نماز کا حکم دیا گیا ہے مگر مجھ پر لازم نہیں کی گئیں۔

(مصنف عبدالرزاق ص۵ ج۳ رقم الحدیث ٤۵۷۲)

نمبر ۲۷و ۲۸ کی روایات سخت ضعیف ہیں، تفصیل کے لیے، (تلخیص الحبیر ص۱۸ ج۲) کی مراجعت کریں، ہمارا ان سے استدلال نہیں اور نہ ہی انہیں شواہد میں پیش کرتے ہیں یہ صرف انوار صاحب پر حجت ہیں کہ وہ بعض ضعیف روایات کا سہارا لیکر وجوب وتر کا دعوٰی کرتے ہیں لیکن صحیح اور ضعیف روایات کی بنا پر عدم وجوب آخر کیوں تسلیم نہیں کرتے؟

(۲۹) عن جابر بن عبدالله قال صلی بنا رسول اللهﷺ رمضان ثمان رکعات و اوتر فلما کانت اللیلة القابلة اجتمعنا فی المسجد ورجونا ان یخرج فیصلی بنا فاقمنا فیه حتی اصبحنا فقلنا، یا رسول اللهﷺ رجونا ان تخرج فتصلی بنا قال انی کرهت او خشیت ان یکتب علیکم الوتر۔

سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رمضان المبارک میں نماز (تراویح) آٹھ رکعات اور وتر پڑھے۔ جب اگلی رات آئی تو ہم مسجد میں ٹھہرے رہے حتی کہ صبح ہوگئی، (صبح) ہم نے کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ! ہم آپ کے انتظار میں رہے کہ آپ آتے ہیں تو نماز با جماعت پڑھیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے پسند نہیں یا فرمایا کہ مجھے خدشہ تھا کہ نماز وتر تم پر فرض نہ ہو جائے۔

(صحیح ابن حبان ص٦٤ ج۵ رقم الحدیث ۲٤۰٦ و صحیح ابن خزیمه ص۱۳۸ ج۲ رقم الحدیث ۱۰۷۰)

(۳۰) عن علی رضی اللہ عنہ قال الوتر لیس بحتم کهیئة المکتوبة ولکنه سنة سنها رسول اللهﷺ۔

سیدنا علی مرتضی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وتر فرض نماز کی طرح لازم نہیں بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔

(سنن نسائی کتاب قیام اللیل باب الامر بالوتر، الحدیث ۱٦۷۷، و ترمذی کتاب الصلاة باب ما جاء ان الوتر لیس بحتم، الحدیث ٤٥٦ و مسند احمد ص۸٦و۹۸ ج۱)

(۳۱) عن علی قال الوتر لیس بحتم کصلاتکم المکتوبة ولکن سن رسول الله صلی الله علیه وسلم قال ان الله وتر یحب الوتر فا وتروا یا اهل القرآن۔

سیدنا علی مرتضی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں وتر فرض نماز کی طرح لازم نہیں بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے، آپ علیہ التحیۃ والسلام نے فرمایا۔ بلا شبہ اللہ تعالیٰ ایک ہے اور وتر (ایک عدد) کو پسند کرتا ہے، اے اہل قرآن تم وتر پڑھو،

(ترمذی باب سابق الحدیث ٤٥٥، ومسند احمد ص۱۰۰ ج۱ و ابن ماجة کتاب اقامة الصلوات باب ما جاء فی الوتر، الحدیث ۱۱٦۹)

(۳۲) عن عبادة بن الصامت وقدسئل عن الوتر فقال امر حسن جمیل قد عمل به النبی صلی الله علیه وسلم والمسلمون من بعده ولیس بواجب

سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے وتر کے متعلق سوال ہوا تو انہوں نے فرمایا کہ یہ ایک بہترین عمل ہے جو نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آپ کے بعد مسلمانوں نے کیا ہے، مگر واجب نہیں۔

(قیام اللیل ص۱۹۷ باب الاخبار الدالة علی ان الوتر سنة ولیس بفرض)۔

(۳۳) عن الشعبی الوتر تطوع وهو من اشرف التطوع

امام شعبی فرماتے ہیں کہ وتر نفل ہیں اور تمام نوافل سے شرف والے ہیں

(قیام اللیل ص۱۹۷)

(۳٤) عن محمد قال لم اعلم من التطوع شیئا کان اعز علیهم ان یترکوا من الوتر والرکعتین قبل صلوٰة الصبح وکانوا یحبون ما اخروا من الوتر وهومن اللیل وکانوا یحبون ان یبکروا بالرکعتین قبل صلوٰة الصبح وهما من النهار

امام محمد فرماتے ہیں کہ مجھے معلوم نہیں کہ نوافل میں ان سے زیادہ بھی کوئی محترم ہیں، وتر اور صبح کی نماز سے پہلے کی دو رکعات (سنت) کو خاص طور پر نہ چھوڑا جائے، وہ پسند کرتے تھے کہ رات کی نماز کے آخر میں وتر پڑھے اور دن کی نماز صبح سے پہلے دو رکعات (سنت) ادا کرے۔

(قیام اللیل ص۱۹۷)

(۳۵) عن ابن جریج قلت لعطاء اوتر وانا جالس من مرض قال نعم ان شئت انما هوتطوع۔

امام ابن جریج فرماتے ہیں کہ میں نے امام عطاء سے سوال کیا کہ کیا میں بیماری کی وجہ سے وتر کی نماز بیٹھ کر پڑھ سکتا ہوں؟ آپ نے فرمایا کہ ہاں اگر تو چاہے، کیونکہ وتر نفل ہے۔

(قیام اللیل ص١٩٧)

(۳۶) عن ابن جریج قال قلت لعطاء أواجب الوتر والرکعتان امام الصبح اوشیء من الصلاة قبل المکتوبة او بعدها؟ قال، لا۔

امام ابن جریج فرماتے ہیں کہ میں نے امام عطاء بن ابی رباح سے سوال کیا کہ کیا وتر اور صبح کی نماز سے پہلے کی دو رکعات (سنت) یا فرض نماز سے پہلے کوئی چیز یا بعد میں واجب ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں۔

(مصنف عبدالرزاق ص٣ ج٣ رقم الحدیث٤٥٦٧)

(۳۷) عن عبدربه بن سعید انه قال الوتر سنة امربه رسول اللهﷺ وصلاها المسلمون لا ینبغی ترکها۔

امام عبد ربہ بن سعید فرماتے ہیں کہ وتر سنت ہیں رسول اللہ ﷺ نے انہیں پڑھنے کا حکم دیا ہے اور مسلمان انہیں پڑھتے رہے ہیں لہٰذا ان کا ترک جائز نہیں۔

(قیام اللیل ص١٩٨)

(۳۸) قال یحیٰی بن سعید لا نری ان یترك احد الوتر متعمدا فان فعل رأینا ان قد ترك سنة من سنن رسول اللهﷺ

امام یحیٰی بن سعید فرماتے ہیں کہ ہم (شرعی طور پر) کسی ایک کے لیے بھی وتر کو جان بوجھ کر ترک کرنے کا (جواز) نہیں دیکھتے، جس نے بھی ایسا کیا اس نے رسول اللہ ﷺ کی سنن میں سے ایک سنت کو ترک کیا۔

(قیام اللیل ص١٩٨)

(۳۹) عن مجاهد الوتر سنة معروفة۔

امام مجاہد فرماتے ہیں کہ وتر معروف سنت ہے۔

(قیام اللیل ص١٩٧ و مصنف ابن ابی شیبه ص٢٩٥ ج٢)

(۴۰) سعید بن المسیب قال سن رسول اللهﷺ الوتر کما سن الفطر والاضحیٰ۔

امام سعید بن مسیّب فرماتے ہیں کہ وتر رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے، جیسا کہ عیدین۔

(مصنف ابن ابی شیبه ص٢٩٥ ج٢)

(۴۱) عن عامر انه سئل عن رجل ینسی الوتر قال لا یضره کانما هو فریضة۔

امام عامر شعبیؒ سے ایسے شخص کے متعلق سوال ہوا جو نماز وتر پڑھنا بھول گیا۔ آپ نے فرمایا کہ

اسے کوئی نقصان نہیں دے گا۔ جیسے فرض نماز رہ جانے سے نقصان ہوتا ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص۲۹۶ ج۲)

(۴۲) عن الحسن انه کان لا یری الوتر فریضة۔

امام حسن نماز وتر کو فرض نہیں جانتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص۲۹۶ ج۲)

(۴۳) عن عطاء و محمد بن علی قالا الاضحیٰ و الوتر سنة۔

امام عطاء بن ابی رباح اور محمد بن علی فرماتے ہیں کہ اضحیٰ اور وتر سنت ہیں۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص۲۹۶ ج۲)

قارئین کرام مذکورہ احادیث و آثار اور اقوال تابعین سے ثابت ہے کہ وتر کی نماز فرض و واجب نہیں بلکہ نوافل راتبہ ہے۔ پوری بحث اور تمام دلائل کا ایک بار خلاصہ نکال دیا جائے تو عوام الناس کے لیے مفید رہے گا۔ ان شاء اللہ

الف، معراج کی رات میں نمازیں پانچ فرض کی گئیں۔ ب، معراج کی رات کے اگلے دن جب جبریل امین علیہ السلام تعلیم نماز کے لیے نازل ہوئے، تو پانچ ہی نمازوں کی تعلیم دی۔

ت، نبی علیہ السلام نے بھی پانچ نمازوں کی تعلیم دی، اور پڑھنے کا عہد کرنے والے کو جنت کی بشارت بھی سنائی۔ اور جب آخری دور نبوی میں آپ علیہ السلام نے سیدنا معاذؓ کو یمن کی طرف بھیجا تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں تلقین کی کہ کلمہ توحید کے بعد لوگوں کو پانچ نمازوں کی تعلیم دینا۔ انہیں احادیث کے پیش نظر معروف صحابی سیدنا عبادہ رضی اللہ عنہ وجوب وتر کی نفی کرتے ہیں۔ اور وجوب وتر کے قائلین پر انہیں احادیث کو بطور حجت پیش کرتے ہیں۔

ث، سیدنا علی مرتضی رضی اللہ عنہ وتر کی فرضیت کی نفی کرتے ہیں اور سنت بتاتے ہیں۔ یہ حدیث گو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے مگر حکماً مرفوع ہے۔

ج: جس رات حضور علیہ الصلوٰۃ **والسلام** نے نماز تراویح ادا کرنے کے لیے تشریف نہ لائے، سوال کرنے پر یہ عذر بیان کیا کہ مجھے وتر کے **فرض** ہونے کا خدشہ تھا لہٰذا ترک کر دی ہے، گویا ترک کا سبب نماز وتر کا فرض ہونا تھا۔

د: انہیں دلائل و براہین کی بنا پر صحابہ کرام تابعین عظام اور جمہور امت مرحومہ وجوب وتر کی بجائے وتر کے سنت ہونے کی قائل ہے۔

فرض اور واجب کا فرق جمہور امت کے نزدیک فرض و سنت کے درمیان مامور بہ کا کوئی درجہ نہیں، ان کے نزدیک **فرض** اور واجب **ایک** ہی چیز ہے، جبکہ حنفی **ان میں فرق کے قائل ہیں ان کے ہاں** فرض وہ ہے جس **کا لزوم دلیل قطعی** سے ثابت ہو اور واجب وہ ہے جو دلیل ظنی سے ثابت ہوا پھر ان

کے نزدیک فرض کی دو قسمیں ہیں، فرض عملی اور فرض علمی۔ اور وتر کو فرض عملی کہتے ہیں اور علمی لحاظ سے واجب قرار دیتے ہیں (فتاویٰ شامی ص۳ ج ۲)

گویا عملی لحاظ سے اسے فرض کہتے ہیں مگر دلیل قطعی کے عدم کی وجہ سے واجب کہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انوار صاحب نے حدیث، ان اللہ امرکم بصلوٰۃ، سے دلیل پکڑی ہے، خلاصہ یہ کہ حنفیہ کے نزدیک وتر فرض عملی ہے، یہاں پر ایک لطیفہ ذکر کرنا بھی خالی از فائدہ نہ ہوگا تفصیل اس کی یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے پاس ایک شخص آیا اس نے فرض نمازوں کی تعداد پوچھی، امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے جواب دیا کہ پانچ نمازیں فرض ہیں، اس نے اس پر کہا کہ آپ کے نزدیک وتر کا حکم کیا ہے، امام صاحب نے فرمایا وتر فرض ہیں۔ اس نے کہا کہ فرض نمازیں کتنی ہیں۔ امام نے پانچ بتائیں اس نے کہا کہ ان کو شمار کر کے بتائیں امام صاحب نے، فجر، ظہر، عصر، مغرب، عشاء کی نمازیں گن دیں، اس نے مکرر پوچھا کہ فرض نمازوں کی تعداد کتنی ہے؟ امام صاحب نے پانچ بتائی۔ اس پر وہ اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ آپ کو تو حساب بھی اچھی طرح نہیں آتا۔ (قیام اللیل ص ۱۹۸)

مولانا بنوری فرماتے ہیں کہ اس سے اگر فرض عملی مراد لیا جائے تو تب کوئی حرج نہیں ہے۔ (معارف السنن ص ۱۷۲ ج ۴)

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ حنفیوں کے نزدیک وتر فرض ہی ہیں، لہذا حضرت شاہ صاحب کا اور ان کی پیروی میں مولانا عثمانی کا یہ کہنا کہ وجوب وتر اور سنیت وتر کا اختلاف محض لفظی ہے (فیض الباری ص ۳۶۵ ج ۲ و درس ترمذی ص ۲۱۱ ج ۲) غلط ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ وجوب وتر پر کوئی دلیل قرآن و سنت میں موجود نہیں، اور ایسا ہی فرض اور سنت کے درمیان مامور بہ کا درجہ وجوب بھی بلا دلیل اور غیر ثابت شدہ ہے۔

فصل دوم

(۱) عن عبداللہ بن بریدۃ عن ابیہ قال سمعت رسول اللہ ﷺ یقول الوتر حق فمن لم یوتر فلیس منا الوتر حق فمن لم یوتر فلیس منا الوتر حق فمن لم یوتر فلیس منا۔

(ابو داؤد ۲۰۱ ج ۱، مستدرک ص ۳۰۵ ج ۱)

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو سنا آپ فرما رہے تھے وتر حق (واجب) ہیں جس نے وتر نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں وتر حق (واجب) ہیں جس نے وتر نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں، وتر حق (واجب) ہیں جس نے وتر نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں (حدیث اور اہل حدیث ص ۵۴۴)

الجواب اولاً: لفظ حق بمعنی واجب نہیں بلکہ بمعنی ثابت ہے، کیونکہ یہی لفظ بول کر نبی کریم ﷺ نے ایک تین پانچ اور سات وتر پڑھنے کی اجازت دی ہے، (جیسا کہ آگے انوار صاحب کی پیش کردہ روایت نمبر۱۰ میں تفصیل آ رہی ہے) حق کے لفظ کو بمعنی ثابت لینے کے لیے یہ حدیث قرینہ ہے کیونکہ دلی خواہش پر وجوب میں کمی بیشی نہیں ہوتی، جبکہ سیدنا ابو ایوب رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں اس کی رخصت ہے، ثابت ہوا کہ یہاں حق بمعنی واجب لینا قطعی طور پر غلط ہے

ثانیاً: اس کی سند میں، عبیداللہ بن عبداللہ ابو منیب راوی ہے امام بخاری فرماتے ہیں کہ اس کے پاس مناکیر ہیں۔ (تہذیب ص۶۷ ج۷) علامہ ذہبی ابن جوزی علامہ نووی اور البانی نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔ (ارواء الغلیل ص١٤٦ ج٤١٧ البدر المنیر ص٣٤٨ ج٤)

(۲) عن عبداللہ بن عمر عن النبی ﷺ قال اجعلوا آخر صلوٰتکم باللیل وترا۔ (بخاری ص١٣٦ ج١ و مسلم ص٢٥٧ ج١)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا اپنی رات کی آخری نماز وتر بناؤ۔

(۳) عن ابن عمر ان النبی ﷺ قال بادروا الصبح بالوتر۔

(مسلم ص٢٥٧ ج١)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا صبح ہونے سے پہلے پہلے وتر پڑھ لیا کرو۔

(۴) عن ابی سعید أن النبی ﷺ اوتروا قبل ان تصبحوا۔

(مسلم ص٢٥٧ ج١)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا صبح ہونے سے پہلے وتر پڑھ لیا کرو۔

(۵) عن جابر قال قال رسول اللہ ﷺ من خاف ان لا یقوم من آخر اللیل فلیوتر اولہ ومن طمع ان یقوم آخرہ فلیوتر آخر اللیل فان صلوٰۃ آخر اللیل مشھود و ذالک افضل۔

(مسلم ص٢٥٨ ج١)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جسے یہ اندیشہ ہو کہ وہ رات کے آخری حصہ میں نہیں اٹھ سکے گا تو اسے چاہیے کہ وہ شروع رات ہی میں وتر پڑھ لے اور جسے یہ امید ہو کہ وہ رات کے آخری حصہ میں اٹھ جائے گا تو اسے چاہیے کہ رات کے آخری حصہ ہی میں وتر پڑھے، کیونکہ رات کے آخری حصہ کی نماز فرشتوں کے حاضر ہونے کا وقت ہے اور یہ افضل ہے (حدیث اور اہل حدیث

ص ۵۴۴ و ۵۴۵)

وجہ استدلال میں فرماتے ہیں کہ

آپ نے صحابہ کرام کو وتر پڑھنے کا حکم دیا ہے اور یہ قانون ہے کہ امر وجوب کے لیے ہوتا ہے، جب تک کہ دوسرے معنی مراد لینے کا قرینہ نہ ہو (حدیث اور اہل حدیث ص ۵۵۱)

الجواب اولاً: انوار صاحب آپ نے حسب عادت یہاں ڈنڈی ماری ہے، کیونکہ امر نفس وتر کے متعلق نہیں بلکہ رات کے آخری حصہ میں اور نماز تہجد کے آخر میں پڑھنے کے متعلق ہے۔ چنانچہ حدیث کے راوی سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

عن نافع ان ابن عمر قال من صلى من الليل فليجعل آخر صلاته وترا، فان رسول الله ﷺ كان يامر بذلك۔

امام نافع سے روایت ہے کہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو شخص رات کی نماز (تہجد) پڑھے تو وہ وتر کو نماز کے آخر میں پڑھے رسول اللہ ﷺ یہی حکم دیا کرتے تھے

(مسلم كتاب صلاة المسافر باب صلاة الليل مثنى مثنى والوتر ركعة من آخر الليل، الحديث ١٧٥٤)

راوی حدیث سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی اس وضاحت سے ثابت ہوا کہ امر نفس وتر کے متعلق نہیں بلکہ اس کے وقت کے بارے میں ہے، مولانا شبیر احمد عثمانی فرماتے ہیں کہ نماز تہجد پڑھنے والے کو حکم ہے کہ وہ نماز کے آخر میں وتر پڑھے (فتح الملهم ص ٣١٣ ج ٢)

یہی وجہ ہے کہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نقض وتر کے قائل تھے، یعنی اگر رات کو نماز عشاء کے وقت وتر پڑھ لیے جائیں اور پھر صبح کے وقت تہجد کے لیے اٹھا جائے تو ان کے نزدیک دوبارہ وتر ادا کیے جائیں (مسند احمد بحوالہ مجمع الزوائد ص ۲۴۶ ج ۲ و مصنف عبدالرزاق ص ۲۹ ج ۳) اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ امر کا لفظ وتر پڑھنے کے متعلق نہیں بلکہ وقت وتر کے بارے ہے، لیکن انوار صاحب اپنے تقلیدی مؤقف کو ثابت کرنے کے لیے حدیث نبوی میں معنوی تحریف کرتے ہوئے ذرا بھر حیا نہیں کرتے۔

ثانیاً: ملا علی القاری نے (مرقاة ص ١٦٤ ج ٣) میں علامہ سندھی نے (حاشيه سنن نسائی ص ٣٤٧) میں مولانا عبدالحق محدث دہلوی نے (اشعة اللمعات ص ٥٧٠ ج ١) میں سید انور شاہ صاحب کاشمیری نے (عرف الشذی علی الترمذی ص ٢٢٠ ج ١) میں مولانا خلیل احمد سہارنپوری نے (بذل المجهود ص ٢٣٢ ج ٢) میں مولانا محمد یوسف بنوری نے (معارف السنن ص ١٢٧ ج ٤) میں مولانا تقی عثمانی نے (درس ترمذی ص ٢٤٠ ج ٢) میں اکابرین احناف نے صراحت کی ہے کہ، اجعلوا آخر صلوتكم بالليل، میں امر وجوب پر نہیں بلکہ استحباب پر محمول ہے۔

ثالثاً: وجوب کے معنی پر کونسا قرینہ ہے، اس کی بحوالہ صراحت کریں، محترم آپ کے پاس صرف

امر کا لفظ ہے اور اس سے آپ دعوٰی وجوب کرتے ہیں۔ دراصل آپ قرآن وسنت کے پیرو کار نہیں بلکہ مقلد امٰی ہیں، جیسے آپ کے مقتدا نے کہا ویسے آپ نے مان لیا۔ ورنہ امر کا لفظ تو اور بھی متعدد مقامات پر ہے مگر آپ اسے واجب نہیں کہتے۔ چند مثالیں پیش خدمت ہیں۔ ملاحظہ کریں۔

(۱) نبی مکرم ﷺ نے دائیں طرف سے وضو شروع کرنے کا حکم دیا ہے،

(مسند احمد ص۳۵۴ ج۲، و ابو داؤد کتاب اللباس باب فی الانتعال، الحدیث ۴۱۴۱) و ابن ماجه کتاب الطهارة باب التیمن فی الوضوء، الحدیث ۴۰۲)

اس حکم کے باوجود حنفی واجب تو کجا سنت بھی نہیں مانتے اور دائیں طرف سے شروع کرنے کو مستحب کہتے ہیں۔

(شرح نقایه ص۹ ج۱ و هدایه ص۶ ج۱ و اعلاء السنن ص۱۱۸ ج۱)

(۲) انسان عورت سے ہم بستری کرے اور مکرر کرنے کا ارداہ کرے تو نبی مکرم ﷺ نے وضو کرنے کا حکم دیا ہے۔

(مسلم کتاب الحیض باب جواز نوم الجنب...... الحدیث ۷۰۷)

مگر حنفی اس کے وجوب کے منکر ہیں اور اس کو استحباب پر محمول کرتے ہیں۔

(فتح الملهم ص۴۶۵ ج۱)

(۳) میت کو غسل دینے والے کو نبی مکرم ﷺ نے غسل کرنے کا حکم دیا ہے۔

(ابوداؤد کتاب الجنائز باب فی الغسل من غسل المیت، الحدیث ۳۱۶۱) و مسند احمد ص۴۳۳ ج۲) و بیهقی ص۳۰۳ ج۱)

مگر حنفی اس حکم سے وجوب تسلیم نہیں کرتے بلکہ استحباب کے قائل ہیں،

(الدر المختار مع فتاوی شامی ص۱۷۰ ج۱ و درس ترمذی ص۲۷۸ ج۳ واعلاء السنن ص۲۲۸ ج۱ و السعادیه ص۲۷۱ ج۱)

(۴) جو شخص جمعہ پڑھنے کے لیے آئے اسے نبی مکرم ﷺ نے غسل کرنے کا حکم دیا ہے۔

(بخاری کتاب الجمعة باب هل علی من لم یشهد الجمعة غسل من النساء والصبیان وغیرهم، الحدیث ۸۹۴ و مسلم کتاب الجمعة باب کتاب الجمعة، الحدیث ۱۹۸۲)

مگر حنفیہ کے نزدیک اس امر سے وجوب ثابت نہیں ہوتا بلکہ غسل جمعہ سنت کہتے ہیں۔ (حدیث اور اہل حدیث ص۲۱۴)

(۵) سیدنا قیس بن عاصم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی علیہ السلام کے پاس اسلام قبول کرنے کے لیے آیا تو آپ علیہ السلام نے مجھے غسل کرنے کا حکم دیا۔

ابو داؤد کتاب الطهارة باب الرجل یسلم فیومر بالغسل، الحدیث ۳۵۵، و ترمذي كتاب الجمعة باب ما ذكر في الاغتسال عند ما يسلم الرجل، الحديث ۶۰۵ و نسائی کتاب الطهارة باب غسل الكافر اذا اسلم، الحدیث

۱۸۸، ومسند احمد ص۶۱ ج۵ و ابن حبان (موارد) رقم الحدیث ۲۳۴ و ابن خزیمہ رقم الحدیث ۲۵۴و ۲۵۵)

اس حکم نبوی کے باوجود حنفیہ کے نزدیک کافر جب اسلام قبول کرے تو اس پر غسل واجب نہیں بلکہ مستحب ہے۔ (اعلاء السنن ص۲۴۱ ج۱)۔

(۶) نبی مکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے کتے کے جوٹھے برتن کو سات بار دھونے کا حکم دیا ہے،

(مسلم کتاب الطھارۃ باب حکم و لوغ الکلب، الحدیث ۶۵۱)

اس حکم کے باوجود حنفیہ کے نزدیک برتن کو سات بار دھونا واجب نہیں مستحب ہے۔

(اعلاء السنن ص۲۸۸ ج۱ و الطحطاوی علی مراقی الفلاح ص۱۹)

(۷) سفر میں جنابت کے علاوہ تین دن موزے نہ اتارنے کا رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے حکم دیا ہے۔

(ترمذی کتاب الطھارۃ باب المسح علی الخفین للمسافر والمقیم، الحدیث ۹۶)

اس حکم کے باوجود حنفیہ کے نزدیک واجب وسنت تو کجا صرف رخصت ہے۔

(اعلاء السنن ص۳۳۸ ج۱)

(۸) رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے زخم کی پٹی پر مسح کرنے کا حکم دیا ہے۔

(مصنف عبدالرزاق ص۱۶۱ ج۱ رقم الحدیث ۶۲۳، و دار قطنی ص۲۲۶و ۱۲۷ج۱، و بیھقی ص۲۲۸ ج۱)

مگر حنفیہ کے نزدیک یہ صرف رخصت ہے فرض و واجب اور سنت نہیں ہے۔ اور اگر کوئی شخص پٹی اتار کر عضو وضو کو دھو لے تو اس میں کوئی حرج نہیں صاحب شرح الوقایہ فرماتے ہیں۔

یجوز المسح علی الجبیرۃ یعنی زخم کی پٹی پر مسح جائز ہے (شرح وقایہ ص۱۰۶ ج۱)

(۹) نبی مکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے قضائے حاجت کو جاتے ہوئے ساتھ تین ڈھیلے لے جانے کا حکم فرمایا ہے

(ابو داؤد کتاب الطھارۃ باب الاستنجاء بالاحجار، الحدیث ۴۰)

مگر حنفیوں کے نزدیک ڈھیلے لے کر جانا واجب نہیں بلکہ مستحب ہے۔

(بذل المجھود ص۲۶ ج۱) بلکہ ان کے نزدیک تو مطلقاً عدد بھی مسنون نہیں، تفصیل کے لیے (تحفہ حنفیہ ص۸۲ ج۱) کی مراجعت کریں، جہاں ہم نے اس پر متعدد حوالے نقل کیے ہیں۔

(۱۰) حضور علیہ السلام سے ایسے کپڑے کے بارے سوال ہوا جس کو حیض کا خون لگ جائے تو آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ اسے دھو ڈالا جائے اور اگر اس کا اثر اور رنگ زائل نہ ہو تو اسے کسی زرد چیز سے بدل (یعنی رنگ کر) دیا جائے۔

(ابو داؤد کتاب الطھارۃ باب المراۃ تغسل ثوبھا الذی تلبسه فی حیضھا (الحدیث ۳۵۷)

مگر حنفیہ کے نزدیک زرد چیز سے رنگنا واجب نہیں۔ (اعلاء السنن ص۲۰۵ ج۱)

تلک عشرۃ کاملۃ

انوار صاحب کو، اعلاء السنن، پر از حد فخر ہے اور اس سے انہوں نے استفادہ کرنے کا اعتراف بھی کیا ہے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۱۳۶) ہم نے بھی ان دس مقامات کی نشاندہی ان کی معتمد کتاب کی جلد اول سے کی ہے۔ اگر ہم مزید تھوڑی سی محنت کریں تو بفضلہٖ تعالیٰ سینکڑوں مثالیں دے سکتے ہیں۔ مگر ہمارا مدعا ان چند مثالوں سے بھی حاصل ہو جاتا ہے کہ امر سے وجوب کا دعوٰی ثابت نہیں ہوتا۔

(٦) عن ابی سعید قال قال رسول اللهﷺ من نام عن وتره او نسيه فليصله اذا اصبح او ذكر (مستدرك حاكم ص۳۰۲ ج۱، دارقطنی ص۲۲ ج۲)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص وتر پڑھے بغیر سو جائے یا پڑھنا بھول جائے اسے چاہیے کہ وہ صبح اٹھ کر یا جب یاد آئے وتر پڑھ لے (ص ۵۴۶) وجہ استدلال میں فرماتے ہیں کہ

وتر رہ جانے کی صورت میں قضاء کرنے کا حکم دیا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وتر واجب ہیں کیونکہ قضاء فرض و واجب ہی کی کی جاتی ہے (حدیث اور اہل حدیث ص۵۵۲)

الجواب اولاً: محترم آپ پہلے قرآن و حدیث سے یہ اصول ثابت کریں کہ قضاء صرف فرض اور واجب کی ہوتی ہے۔ یہ محض آپ کا قیاس فاسد اور نظریہ باطل ہے، اور اس پر قرآن و حدیث سے کوئی دلیل موجود نہیں، ہم اپنے دین و ایمان کی محکمی کی بناء پر پورے جزم و یقین کے ساتھ یہ بات عرض کرتے ہیں کہ قضاء سے وجوب ثابت نہیں ہوتا

ثانیاً: سنن رواتب کی قضاء کا نبی مکرم ﷺ نے حکم بھی دیا ہے اور خود بھی قضاء پڑھی ہیں۔ آپ علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ جس شخص نے سنت فجر نہ پڑھی ہوں وہ طلوع آفتاب کے بعد پڑھ لے، (ترمذی رقم الحدیث ۴۲۳) اور ایک حدیث میں ہے کہ جس کی سنت فجر رہ جائیں حتی کہ سورج طلوع ہو جائے تو وہ آفتاب طلوع ہونے کے بعد پڑھ لے (بیہقی ص۴۸۴ ج۲ و دارقطنی ص۳۸۳ ج۱) واقعہ تعریس میں خود رسول اللہ ﷺ نے فجر کی دو سنتوں کی قضاء پڑھی ہے۔ جیسا کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے (مسلم ص۲۳۸ ج۱) میں سیدنا ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے (مسلم ص۲۳۹ ج۱) میں سیدنا عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے (بخاری ص۹۴ ج۱ و مسلم ص۲۴۰ ج۱) میں سیدنا عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ سے (ابوداؤد مع عون ص۱۷۰ ج۱) میں سیدنا ذمخبری حبشی رضی اللہ عنہ سے (ابو داؤد ص۱۷۰ ج۱) میں سیدنا جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے (نسائی ص۷۲ ج۱) میں سیدنا ابی مریم رضی اللہ عنہ سے (نسائی ص۷۲ ج۱) میں مروی ہے۔ اور نماز ظہر کی پہلی چار سنتوں کو آپ علیہ السلام نے نماز ظہر کے بعد قضاء کیا ہے (ترمذی ص۲۳۷ ج۱) ظہر کے بعد والی دو رکعت کی

قضاء آپ نے عصر کے بعد کی ہیں۔

(بخاری الحدیث ١٢٣٣) و مسلم، الحدیث ١٩٣٣)

ایسا ہی جب نبی مکرم ﷺ کی تہجد کی نماز رہ جاتی تو آپ دن میں ۱۲۔ رکعات پڑھ کر اس کی قضاء کرتے۔

(مسلم ص٢٥٦ و ابو داود ص٥٠٦ ج١ و ترمذی ص٤٠٣ ج١ و نسائی ص٢٠٨ ج١ و ابن ماجة ص١٣٥ و عبدالرزاق ص٥٠ ج٣ و بیهقی ص٤٨٤ ج٢)

اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ فجر ظہر کی سنتوں کی قضاء بھی حضور علیہ السلام نے کی ہے اور نماز تہجد کی قضاء بھی آپ نے پڑھی ہے، اگر قضاء سے وجوب ثابت ہوتا ہے تو انوار صاحب ان سنن و نوافل کو بھی واجب تسلیم کر لیں۔

(۷) عن الاشعث بن قیس قال تضیفت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فقام فی بعض اللیل فتناول امراته فضربها ثم نادانی یا اشعث قلت لبیك قال احفظ عنی ثلثا حفظتهن عن رسول الله ﷺ لا تسئل الرجل فیم یضرب امراته ولا تساله عمن یعتمد من اخوانه ولا یعتمدهم ولا تنم الا علی وتر۔

(مستدرك حاكم ص١٧٥ ج١)

حضرت اشعث بن قیس فرماتے ہیں کہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے گھر ایک دفعہ مہمان بنا۔ آپ رات کے کسی حصہ میں اٹھے بیوی کو بلا کر سرزنش کی، پھر مجھے آواز دی کہ اے اشعث، میں نے عرض کیا حاضر ہوں، فرمایا میری جانب سے تین باتیں یاد رکھو، یہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے (سن کر) یاد کی تھیں، (۱) کسی سے یہ نہ پوچھو کہ وہ اپنی بیوی کو کیوں مار رہا ہے (۲) اور کسی سے یہ نہ پوچھو کہ اسے اپنے دوستوں میں سے کس پر اعتماد ہے، اور کس پر نہیں (۳) وتر پڑھے بغیر نہ سو، (حدیث اور اہل حدیث ص۵۴۷)

الجواب اولاً: محترم نے یہ وضاحت نہیں کی کہ اس حدیث سے وجوب وتر کا مسئلہ کیسے ثابت ہوتا ہے اگر انوار صاحب اس بات سے وجوب وتر ثابت کرتے ہیں کہ نبی مکرم ﷺ نے سونے سے پہلے وتر پڑھنے کی نصیحت کی ہے تو اس سے وجوب وتر ثابت نہیں ہوتا بلکہ حنفیہ کے استدلال کے موافق رات کو وتر پڑھ کر سونے کا وجوب ثابت ہوتا ہے، لیکن یہ ان کے بھی موافق نہیں، کیونکہ ان کے نزدیک بھی آخری رات میں وتر پڑھنا مستحب ہے (فتاوی عالم گیری ص۱۱۱ ج۱)

ثانیاً: اس کی سند میں، عبدالرحمٰن المسلی راوی ہے۔ اسے ازدی نے ضعفاء میں شمار کرتے ہوئے کہا ہے کہ فیہ نظر یعنی اس میں کلام ہے (تہذیب ص۲۷۲ ج۶) اس کے

علاوہ اس کی کسی سے توثیق منقول نہیں، حافظ ابن حجرؒ نے ''تقریب'' میں اسے مقبول قرار دیا ہے۔ یعنی متابعت کی صورت میں ورنہ لین الحدیث ہے، کما فی مقدمہ تقریب۔

الغرض یہ روایت المسلی کی وجہ سے ضعیف ہے۔

ثانیاً: اس کی سند میں اضطراب ہے، بعض راویوں نے، عن عبداللہ عن ابی عبدالرحمٰن المسلی کہہ کر نقل کیا ہے، (بیہقی ص ۳۰۵ ج ۷) جبکہ بعض نے، عن داؤد بن عبداللہ الاودی، کہہ کر نقل کیا ہے، (مسند احمد ص ۲۰ ج ا و مسند طیالسی ص ۱۰ و مستدرک حاکم ص ۱۷۵ ج ۴)

الغرض یہ اضطراب ہے، جس کو دور کرنے کا کوئی قرینہ موجود نہیں۔

ثالثاً: امر سے وجوب ثابت نہیں ہوتا تفصیل پہلے عرض کر دی گئی ہے، علاوہ ازیں امر نفس وتر کے متعلق نہیں بلکہ وتر پڑھنے کے وقت کے بارے میں ہے۔

رابعاً: اس حدیث کے برعکس سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا عمل تھا وہ یہ کہ آپ ہمیشہ وتر آخری رات میں پڑھا کرتے تھے۔ (ابو داؤد کتاب الوتر باب فی الوتر قبل النوم، الحدیث ١٤٣٤)

(٨) عن خارجة بن حذافة قال ابو الوليد العدوى قال خرج علينا رسول الله ﷺ فقال ان الله قد امدكم بالصلوٰة هى خيرلكم من حمرالنعم وهى الوتر فيما بين العشاء الى طلوع الفجر۔

(ابو داؤد ص ٢٠١ ج ١ و ترمذى ص ١٠٣ ج ١ و مستدرك حاكم ص ٣٠٦ ج ١)

حضرت خارجہ بن حذافہ عدوی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہارے مدد کی ہے، یا تمہارے لیے ایک نماز زائد کی ہے۔ جو تمہارے لیے سرخ اونٹوں سے زیادہ بہتر ہے وہ نماز وتر ہے اسے اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے عشاء سے لیکر صبح صادق تک مقرر کیا ہے۔ (حدیث اور اہل حدیث ۵۴۷)

الجواب اولاً: امدکم کا معنی واجب نہیں، کیونکہ زائد یہاں جنس میں نہیں بلکہ غیر جنس میں ہے، جیسا کہ حدیث میں آتا ہے کہ

عن ابی سعید الخدری قال قال رسول اللہ ﷺ ان اللہ عزوجل زادکم صلوٰۃ الی صلوتکم خیر لکم من حمرہ النعم ألا وھی الرکعتان قبل صلوة الفجر۔

سیدنا ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے نماز سے دوسری نماز تک ایک نماز زائد کی ہے، جو تمہارے لیے سرخ اونٹوں سے زیادہ بہتر ہے، آگاہ رہو وہ نماز فجر سے پہلے کی دو رکعت ہیں (بیہقی ص ۴۶۹ ج ۲)

یہ روایت سنداً صحیح ہے جیسا کہ امام حاکم وغیرہ نے صراحت کی ہے، (نصب الرایہ ص ۱۱۲ ج ۱) اس

حدیث پر غور کریں کہ یہ انہیں الفاظ سے مروی ہے، فرق صرف اتنا ہے کہ انوار صاحب کی پیش کردہ حدیث میں، الوتر، کا لفظ ہے جبکہ اس میں، الرکعتان قبل الفجر، کے الفاظ ہیں۔ اگر انوار صاحب کے قاعدہ کو تسلیم کر لیا جائے تو صبح کی سنتیں بھی واجب قرار پاتی ہیں۔

ثانیاً: اس حدیث سے ثابت ہوا کہ وتر صرف طلوع فجر تک ہی انسان پڑھنے کا مجاز ہیں۔ کیونکہ **الی طلوع الفجر**، کہہ کر تحدید کر دی ہے مگر حنفیہ کے نزدیک اس کے بعد بھی جائز ہے۔

(فتاویٰ عالم گیری ص۱۱۱ ج ۱)

ثالثاً: یہ روایت ضعیف ہے اس میں ایک راوی عبداللہ بن راشد زوفی مجہول ہے، (میزان ص۴۲۰ ج۲) اس کی ابن حبان کے علاوہ اور کسی نے توثیق نہیں کی، جبکہ ابن حبان راویوں کی توثیق کرنے میں متساہل ہے، علاوہ ازیں خود ابن حبان فرماتے ہیں کہ

اس خبر کی سند میں اندھیرا ہے بعض راویوں کا بعض سے سماع معلوم نہیں (کتاب الثقات ص۱۱۱ ج۳)

عبداللہ کے ترجمہ میں فرماتے ہیں کہ، اسناد مشوشا، یعنی اس کی سند میں گڑ بڑ ہے،

(کتاب الثقات ص۳۵ ج۷ وتہذیب ص۲۰۵ ج۵)

علاوہ ازیں اس کی سند میں انقطاع ہے جیسا کہ امام بخاری نے صراحت کی ہے (ابن عدی ص۹۳۰ ج۳) ابن حبان بھی کہتے ہیں کہ اس کی سند میں انقطاع اور متن باطل ہے۔

(التلخیص الجبیر ص۱۶ ج ۲)

الغرض یہ روایت ضعیف ہے

(۹) عن ابی تمیم الجیشانی ان عمرو بن العاص خطب الناس یوم جمعة فقال ان ابا بصرة حدثنی ان النبی ﷺ قال ان اللہ زادکم صلوٰة وھی الوتر فصلوھا فیما بین صلوٰة العشاء الی صلوة الفجر قال ابو تمیم فاخذ بیدی ابو ذر فسار فی المسجد الی ابی بصرة فقال له انت سمعت رسول اللہ ﷺ یقول ما قال عمرو قال ابو بصرة سمعت من رسول اللہ ﷺ۔

(مسند احمد ص۷ ج۶ و مستدرک حاکم ص۵۹۳ ج۳)

حضرت ابوتمیم جیشانی سے روایت ہے کہ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ لوگوں کو خطبہ جمعہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ابو بصرہؓ نے مجھے سے حدیث بیان کی ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے ایک نماز زائد کی ہے جو وتر ہے، لہذا تم عشاء کی نماز کے بعد سے لیکر فجر کی نماز تک کے درمیان درمیان اسے پڑھا کرو، ابوتمیم کہتے ہیں کہ حضرت ابو ذرؓ نے میرا ہاتھ پکڑا اور مسجد میں جا کر ابو بصرہ سے دریافت فرمایا کہ تم نے رسول اللہ ﷺ کو وہ فرماتے سنا ہے جو

عمرو نے بیان کیا ہے، حضرت ابو بصرہ نے فرمایا جی ہاں یہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے خود سنا ہے۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۵۴۸)

الجواب: مستدرک حاکم میں یہ حدیث بلا سند ہے ہاں البتہ مسند احمد میں اس کی سند موجود ہے اور صحیح ہے مگر، زادکم، کے لفظ سے وجوب ثابت نہیں ہوتا، جیسا کہ ہم ما قبل کی حدیث کے جواب میں سیدنا ابوسعید الخذری رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث نقل کر چکے ہیں۔ جس سے ثابت ہوا کہ یہ سنن ونوافل میں اضافہ کے متعلق ہے کہ ان میں ایک نماز زائد ہوئی ہے، اور لفظ، زاد، بھی اس پر دلالت کرتا ہے کیونکہ زیادہ اس اضافہ کو کہتے ہیں جو کسی چیز کے پورا کرنے کے بعد بڑھایا جائے، اور یہ نوافل وغیرہ پر ہی صادق آتا ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ صحابی نے نبی علیہ السلام سے اسلام کے متعلق سوال کیا تو آپ نے اسے احکام اسلام بتلائے تو اس صحابی نے جاتے ہوئے کہا۔

واللہ لا أزید علی ھذا ولا انقص منه، یعنی اللہ کی قسم میں اس سے نہ بڑھاؤں گا اور نہ ہی کم کروں گا (بخاری کتاب الایمان باب الزکاۃ من الاسلام، الحدیث ٤٦ و مسلم کتاب الایمان باب بیان الصلوٰت التی ھی احد ارکان الاسلام، الحدیث ١٠٠)

اس حدیث میں لفظ، أزید، نوافل پر بولا گیا ہے، جیسا کہ اسماعیل بن جعفر کی روایت میں صراحت ہے، لا اتطوع شیئا ولا انقص مما فرض اللہ علی شیئا، یعنی میں نوافل سے کچھ بھی نہ پڑھوں گا اور جو اللہ تعالیٰ نے مجھ پر فرض کیا ہے نہ اس میں سے کچھ کم کروں گا۔

(بخاری کتاب الصوم باب وجوب صوم رمضان، الحدیث ١٨٩١)

اس سے ثابت ہوا کہ نبی علیہ السلام کی حین حیات میں ہی، زاد، کا لفظ نوافل پر بولا جاتا تھا، الغرض یہ روایت ہمارے موافق اور آپ کے مخالف ہے،

(۱۰) عن ابی ایوب الانصاری قال قال رسول اللہ ﷺ الوتر حق واجب علی کل مسلم۔

(مسند احمد ص و صحیح ابن حبان ص بحوالہ الدرایہ ص منحۃ المعبود فی ترتیب مسند الطیالسی ابی داؤد ص ١٩ ج ١، دار قطنی ص ٢٢ ج ٢)

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وتر حق ہیں واجب ہیں ہر مسلمان پر (حدیث اور اہل حدیث ص ۵۴۸)

الجواب اولاً: ان الفاظ کے ساتھ یہ روایت صرف دارقطنی میں ہے، باقی کتب حدیث میں قطعاً نہیں، تفصیل، تحفہ حنفیہ ص ۹۷ ج ۱ میں دیکھئے، ہاں البتہ مسند ابو داؤد طیالسی رقم الحدیث ۵۹۳ میں سیدنا ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا قول مروی ہے جس میں، واجب، کا لفظ شک کے طور پر آیا ہے، قال

الوتر حق او واجب، اور اس کی سند میں، عبداللہ بن بدیل الخزاعی راوی ہے جو سند اور متن میں اضافہ کرتا تھا جیسا کہ امام ابن عدی نے صراحت کی ہے (تہذیب ص ۱۵۵ ج ۵) تقریب ص ۱۶۸ میں ہے کہ صدوق یخطی، الغرض طیالسی کی روایت موقوف ہونے کے علاوہ منکر ہے

ثانیاً: غالباً ہمارے معاصر کو اس سے غلطی لگی ہے کہ امام ابوداؤد نے مذکورہ روایت کے بعد لکھا ہے کہ **وروی یزید بن هارون عن سفیان بن حسین عن الزهری عن عطاء بن یزید عن ابی ایوب الانصاری عن النبی** ﷺ (مسند طیالسی ص ۸۱ رقم الحدیث ۵۹۳)

انوار صاحب نے اس کا یہ مطلب سمجھا ہے کہ یزید بن ہارون کی روایت کے الفاظ عبداللہ بن بدیل خزاعی کی طرح ہیں۔ حالانکہ امام ابو داؤد کا یہ مطلب نہیں اگر یہ ہوتا تو وہ مثلہ وغیرہ کے الفاظ بھی تحریر کرتے لیکن ایسا قطعاً نہیں۔ پھر امام یزید بن ہارون عن حسین عن الزہری، کی مرفوع حدیث تو امام احمد نے نقل کی ہے (مسند احمد ص ۴۱۸ ج ۵) مگر اس میں واجب اور حق کا لفظ نہیں۔ خلاصہ یہ نکلا کہ مسند طیالسی اور مسند احمد اور ابن حبان میں واجب کا لفظ نہیں یہ انوار صاحب کی بھول ہے۔

ثالثاً: انوار صاحب نے متن روایت کو نقل کرنے میں بھی بددیانتی کی ہے، تفصیل کے لیے، تحفہ حنفیہ، کی مراجعت کریں۔

رابعاً: واجب کا لفظ صرف دارقطنی میں ہے اور امام دارقطنی نے آگے صراحت کی ہے کہ واجب کا لفظ غیر محفوظ ہے اور ابن حسان کا کوئی بھی متابع نہیں ہے (دارقطنی ص ۲۲ ج ۲)

خامساً: اس حدیث کے اگلے الفاظ جن کو ہمارے محترم نے نقل نہیں کیا یہ ہیں۔

فمن شاء اوتر بثلاث فلیوتر ومن شاء ان یوتر بواحدة فلیوتر بواحدة

یعنی جو تین پڑھنا چاہے وہ تین وتر پڑھ لے اور جو ایک پڑھنا چاہے وہ ایک رکعت وتر پڑھ لے، (سنن دارقطنی ص ۲۲ ج ۲)

ظاہر ہے کہ اگر وتر واجب ہوں تو ان میں کمی بیشی جائز نہیں، کیونکہ واجبات میں انسانی خواہش کے موافق کمی بیشی نہیں ہوتی۔ چونکہ یہ الفاظ انوار صاحب کے مخالف تھے اس لیے انہوں نے متن حدیث میں بددیانتی کر کے اپنا اُلو سیدھا کیا ہے۔

(۱۱) عن عبداللہ عن النبی ﷺ قال الوتر واجب علی کل مسلم۔

(کشف الاستار عن زوائد البزار ص ۳۵۲ ج ۱)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا وتر واجب ہیں ہر مسلمان پر (حدیث اور اہل حدیث ص ۵۴۸)

الجواب ہیثمی فرماتے ہیں کہ اس کی سند میں، النصر ابوعمرو، راوی سخت ضعیف ہے۔

(مجمع الزوائد ص ۲٤۰ ج ۲)

امام بخاری فرماتے ہیں کہ منکر الحدیث ہے، امام احمد ضعیف الحدیث اور ہیچ محض کہتے ہیں ابن معین فرماتے ہیں۔ لیس بشئی، لا یحل لاحد ان یروی عنہ، یعنی کچھ بھی نہیں کسی کے لیے جائز نہیں وہ اس سے روایت لے، ابوزرعہ لین الحدیث کہتے ہیں امام ابو حاتم منکر الحدیث ضعیف اور ذاہب الحدیث قرار دیتے ہیں۔ امام نسائی کہتے ہیں غیر ثقہ متروک ہے اس کی مرویات لکھی ہی نہ جائیں۔ ابن نمیر نے متروک اور دارقطنی نے ضعیف قرار دیا ہے ابن حبان فرماتے ہیں۔ اس سے احتجاج کرنا باطل ہے۔

(تهذیب ص ٤٤٢ ج ۱۰، ابن عدی ص ۲٤۸٦ ج ۷، میزان ص ۲٦ ج ٤، المجروحین ص ٤٩ ج ۳ و تاریخ کبیر للبخاری ص ۹۱ ج ۸)

الغرض یہ روایت سخت ضعیف ہے۔

ملحوظہ: آخری پروف پڑھتے وقت ”کشف الاستار“ کی مراجعت کرنے سے معلوم ہوا کہ حافظ ہیثمی کو یہاں پر غلطی لگی ہے دراصل انہیں الفاظ سے یہ روایت مسند بزار میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔

(کشف الاستار ص ۲۵۲ ج ۱، باب ماجاء فی الوتر رقم الحدیث ۷۳٤، و سنن دارقطنی ص ۳۰ ج ۲، والعلل المتناهیة ص ٤۵۲ ج ۱)

اور النضر ابوعمد راوی بھی اس کی سند میں ہے جبکہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی روایت کی سند میں النضر ابوعمر نہیں ہے بلکہ ایک راوی جابد ہے۔

(کشف الاستار ص ۳۵۲ ج ۱، باب سابق رقم الحدیث ۷۳۳)

اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے صراحت کی ہے کہ یہ جابر جعفی ہے۔

(الدرایة فی تخریج احادیث الهدایة ص ۱۹۰ ج ۱)

اور یہ معروف کذاب راوی ہے، عقیدہ کے لحاظ سے رافضی اور رجعت علی کا مؤقف رکھتا تھا، متعدد اہل علم کے علاوہ امام ابوحنیفہ نے کذب قرار دیا ہے (میزان ص ۳۸۰ ج ۱)

الغرض یہ روایت باطل ہے، تعریف ہے رب قدیر کے لیے جو بھولتا نہیں اور تمام عیبوں سے پاک ہے۔

(۱۲) عن عاصم بن ضمرة قال قال علی ان الوتر لیس بحتم کصلوتکم المکتوبة ولکن رسول اللہ ﷺ اوتر ثم قال یا اهل القرآن اوتروا فان اللہ وتر یحب الوتر۔

(مستدرک حاکم ص ۳۰۰ ج ۱)

حضرت عاصم بن ضمرة فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا وتر فرض نماز کی طرح تو ضروری نہیں ہیں لیکن رسول اللہ ﷺ نے وتر پڑھے پھر فرمایا اے قرآن والو وتر پڑھو بے شک اللہ تعالیٰ وتر (طاق) ہیں اور وتر (طاق عدد) کو پسند فرماتے ہیں۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۵٤۹)

الجواب: اولاً جس نالائق و نابکار کو، ان اللہ وتر، کا معنی نہیں آتا اس نے اہل حدیث کے رد کا ٹھیکا لیا ہوا ہے، ٹھیکے دار صاحب آپ نے جو، اللہ وتر ہے کا مفہوم بریکٹ میں طاق، بیان کیا ہے وہ نرا کفر ہے، کیونکہ طاق اس عدد کو کہتے ہیں جو دو پر تقسیم نہ ہو، جیسے ایک تین پانچ وغیرہ ہیں لہذا انوار صاحب کو یہاں طاق کی بجائے، اکیلا، یا ایک معنیٰ کرنا چاہئے تھا، ان اللہ وتر، کا معنی آئمہ لغت نے بھی منفرد اور واحد، کیا ہے (مجمع بحار الانوار ص١٠ ج٥ و لسان العرب ص٢٧٤ ج٥ و تاج العروس ص٥٩٧ ج٣ و المفردات القرآن ص٢٦٣ و المعجم الوسيط ص١٠١٠)

لہذا انوار صاحب کو ہمارا برادرانہ مشورہ ہے کہ آپ بے شک وتر ایک نہ مانیں لیکن اللہ تعالیٰ کو ایک تسلیم کرتے ہوئے تجدید ایمان کرلیں، اگر مناسب خیال کریں تو اپنے کسی مفتی سے رجوع کرکے تجدید نکاح بھی کرلیں تو آپ کی اس میں بہتری ہے

ثانیاً: انوار صاحب نے یہ بیان نہیں کیا کہ اس اثر کو وجوب وتر سے کیا تعلق ہے، اگر امر سے استدلال ہے تو اس کا جواب پہلے گزر چکا ہے اور اگر فرض نہ ہونے کا استدلال ہے، تو یہ ان کی بھول ہے کیونکہ فرض کی ضد واجب نہیں بلکہ نفل ہے، علاوہ ازیں اس اثر کے دوسرے طریق میں سنت کا لفظ ہے یعنی فرض نہیں سنت ہیں۔ جیسا کہ ہم فصل اول میں نقل کرچکے ہیں۔ لہذا انوار صاحب کا استدلال باطل ہے

(۱۳) عن مالك انه بلغه ان رجلا سال عبدالله بن عمر عن الوترؤاجب هو فقال عبدالله بن عمر قد اوتر رسول الله ﷺ واوتر المسلمون قال فجعل الرجل يردد عليه و عبد الله بن عمر يقول قد اوتر رسول الله صلى الله عليه وسلم واوتر المسلمون۔

(موطا امام مالك ص١٠٩)

حضرت امام مالک سے مروی ہے کہ انہیں یہ بات پہنچی ہے کہ ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے وتر کے بارے سوال کیا کہ کیا وتر واجب ہیں تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے وتر پڑھے اور مسلمان بھی وتر پڑھتے رہے، امام مالک فرماتے ہیں کہ وہ شخص آپ سے بار بار یہی پوچھتا رہا اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے رہے کہ رسول اللہ ﷺ نے وتر پڑھے اور مسلمان بھی پڑھتے رہے (حدیث اور اہل حدیث ص۵۵۰)

الجواب اولاً: یہ روایت مسند احمد ص۲۹، ۵۸ ج۲ میں صحیح سند کے ساتھ مروی ہے، معلوم نہیں کہ انوار صاحب علل الحدیث میں اتنے کمزور کیوں ہیں، موصول کو چھوڑ کر منقطع کو پیش کرتے ہیں۔

ثانیاً: یہ تو ہماری دلیل ہے کہ کیونکہ سائل نے وجوب کے بارے سوال کیا ہے، اور آپ نے اسے جواب دیا ہے کہ یہ امت مرحومہ میں معمول بھا ہے اور طریقہ مسلوکہ ہے، اگر سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ وتر کو

واجب جانتے تو سائل کو کہہ دیتے کہ واجب ہے۔

ثالثاً: رہا انوار صاحب کا مواظبت سے وجوب کا استدلال تو یہ غلط ہے، کیونکہ مواظبت سے وجوب اس وقت ثابت ہوتا ہے جب سنت ومستحب کی طرف نہ پھیرا جا سکتا ہو۔ انوار صاحب غور کریں کہ اذان حنفیہ کے نزدیک سنت ہے حالانکہ امت مرحومہ میں نسل درنسل اس پر تواتر اور مواظبت ہے۔

علاوہ ازیں احناف کے نزدیک سنن نماز ۲۴ عدد ہیں (نماز مسنون ص ۳۱۰) ان چوبیس سنن پر ایک ایک حدیث پیش کر دیجئے کہ نبی ﷺ نے ان افعال نماز کو کبھی کبھار ترک بھی کیا ہے، اگر آپ پیش نہ کر سکے یقیناً پیش نہ کر سکے تو لازم آئے گا کہ آپ اپنے دعوے میں کاذب ہیں۔

(۱۴) عن ابی ایوب قال الوتر حق او واجب۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص۲۹۷ ج۲)

حضرت ابو ایوب فرماتے ہیں کہ وتر حق ہیں یا واجب ہیں (حدیث اور اہل حدیث ص ۵۵۰)

الجواب اولاً: ثابت ہوا کہ حق اور واجب آپس میں متضاد ہیں۔ جبکہ انوار صاحب کے نزدیک حق کا لفظ وجوب پر دلالت کرتا ہے، جیسا کہ انہوں نے اپنی دلیل اول میں حق کا معنی بریکٹ میں واجب کیا ہے (ص ۵۴۴) اور اس اثر میں اس کی تردید ہوتی ہے۔

ثانیاً: اثر میں واجب کا لفظ شک کے طور پر آیا ہے، اور انوار صاحب نے کوئی ایسی دلیل درج نہیں کی جس میں انہوں نے حق (ثابت) کی بجائے واجب کو ترجیح دی ہے، جبکہ ایک جماعت حفاظ نے امام زہری سے حق کا لفظ ہی روایت کیا ہے۔ مثلاً۔

(۱) دوید بن نافع (نسائی رقم الحدیث ۱۷۱۱) (۲) اوزاعی (نسائی رقم الحدیث ۱۷۱۲) (۳) ابو معید (نسائی رقم الحدیث ۱۷۱۳) (۴) معمر (سنن دار قطنی ص۲۳ ج۲) (۵) بکر بن وائل (ابو داود رقم الحدیث ۱۴۲۲) (۶) یونس (ابن حبان رقم الحدیث ۲۴۰۲) (۷) ابی حفص (طبرانی کبیر ص۱۲۸ ج۴ حدیث نمبر ۳۹۶۷) (۸) محمد بن اسحاق (مستدرک حاکم ص۳۰۳ ج۱)

اس جماعت کے بالمقابل امام سفیان بن عیینہ شک کے طور پر امام زہری سے حق، او واجب، کے الفاظ نقل کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ تردد والی روایت کو بغیر تردد والی پر محمول کیا جائے گا۔ علاوہ ازیں امام سفیان بن عیینہ خود بھی جماعت حفاظ کے موافق اور بغیر شک کے امام زہری سے حق کا لفظ روایت کرتے ہیں۔

(طبرانی کبیر ص١٤٨ ج٤ رقم الحدیث ٣٩٦٦، مستدرک حاکم ص٣٠٣ ج١)

اس پوری تفصیل سے ثابت ہوا کہ متن میں، حق، کا لفظ محفوظ اور واجب کا لفظ شاذ ہونے کی وجہ سے غیر محفوظ ہے۔ جب آپ نے اس قدر بات سمجھ لی ہے تو اب سنئے کہ حق کے لفظ سے وجوب ثابت نہیں ہوتا، تفصیل گزر چکی ہے

(۱۵) عن مجاهد قال هو واجب ولم يكتب۔

(مصنف ابن ابی شیبه ص۲۹۷ ج۲)

حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ وتر واجب ہیں فرض نہیں کیے گئے (حدیث اور اہل حدیث ص۵۵۰)

الجواب اولاً: اس اثر میں، واجب، کا لفظ فقہی اصطلاح کے مطابق استعمال نہیں کیا گیا، بلکہ لغوی معنوں میں بولا گیا ہے، یعنی وتر ثابت ہیں اور اس کو نہ پڑھنے سے شرع میں قابل ملامت سمجھا گیا ہے۔

ثانیاً: اگر واجب کو فقہی اصطلاح کے موافق بھی کر لیا جائے، جو یقیناً غلط ہے، تو تب بھی اس سے وجوب وتر کا ثبوت نہیں ملتا، کیونکہ یہ تابعی کا قول ہے، جو احادیث مرفوعہ صحیحہ کا رد کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔

(۱۶) عن طاؤس الوتر واجب يعاد اليه اذا نسى۔

(مصنف عبدالرزاق ص۸ ج۳)

حضرت طاؤس سے مروی ہے کہ وتر واجب ہیں اگر بھولے سے رہ جائیں تو قضاء پڑھے جائیں گے۔

الجواب اولاً: واجب کا لفظ لغوی معنوں میں بولا گیا ہے، فقہی اصطلاح مراد نہیں، ثانیاً: قضاء سے وجوب ثابت نہیں ہوتا، ثالثاً: سند میں ابن جریج ہیں۔ جو زبردست مدلس ہیں (طبقات المدلسین ص۴۱) اور زیر بحث سند میں تحدیث کی صراحت نہیں۔ لہٰذا سند ضعیف ہے۔

رابعاً: تابعی کا قول مرفوع احادیث کے معارض نہیں ہو سکتا۔

(۱۷) عن حماد قال او تروانِ طلعت الشمس۔

(مصنف عبدالرزاق ص۱۰ ج۳)

حضرت حمادؒ فرماتے ہیں کہ وتر پڑھو اگرچہ سورج طلوع ہو جائے (یعنی اگر قضاء پڑھنی پڑے تو پڑھو۔

(۱۸) عن وبرة قال سالت ابن عمر عن رجل اصبح ولم يوتر قال ارأيت لونمت عن الفجر حتى تطلع الشمس اليس كنت تصلى كانه يقول يوتر۔

(مصنف ابن ابی شیبه ص۲۹۰ ج۲)

حضرت وبرہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ اگر کوئی شخص وتر پڑھے بغیر صبح کر دے تو کیا کرے؟ آپ نے فرمایا بتلاؤ اگر تم صبح کی نماز پڑھے بغیر سوتے رہو حتی کہ سورج طلوع ہو جائے تو تم صبح کی نماز نہیں پڑھو گے، گویا آپ یہ فرما رہے تھے کہ وہ شخص وتر پڑھے۔

(۱۹) عن الشعبى و عطاء والحسن و طاؤس و مجاهد قالوا لا تدع الوتر وان طلعت الشمس۔

(مصنف ابن ابی شیبه ص۲۹۰ ج۲)

حضرت امام شعبی حضرت عطاء حضرت حسن بصری حضرت طاوس حضرت مجاہد رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ وتر کو نہ چھوڑو اگرچہ سورج طلوع ہو جائے

(۲۰) عن الشعبیؒ قال لا تدع الوتر ولو تنصف النهار۔

(مصنف ابن ابی شیبه ص ۲۹۰ ج ۲)

حضرت امام شعبیؒ فرماتے ہیں کہ وتر کو نہ چھوڑ اگرچہ نصف النہار ہی کیوں نہ ہو جائے۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۵۵۰ تا ۵۵۱)

الجواب اولاً: قضاء سے وجوب ثابت نہیں ہوتا، ہم اس پر دلائل نقل کر چکے ہیں۔ ثانیاً آخری دونوں روایات ضعیف ہیں نمبر ۱۹ کی سند میں لیث بن ابی سلیم، ہے جو اختلاط کا شکار ہو گئے تھے، اور ان کی مرویات میں تمیز نہیں ہو سکی (تقریب ص ۲۸۷) اور نمبر ۲۰ کی سند میں، ھیثم راوی مدلس ہے، (تقریب ص ۳۶۵) اور سماع کی صراحت نہیں۔

خلاصہ کلام انوار صاحب نے کل دلائل بیس نقل کیے ہیں۔ ۱۲ مرفوع احادیث ہیں مکررات کو حذف کیا جائے تو دس رہ جاتی ہیں۔ مرفوع میں سے، ۱، ۷، ۸، ۱۰، ۱۱ پانچ احادیث ضعیف ہیں۔ بقایا پانچ میں سے، ۲، ۳، ۴، ۵ کا تعلق وجوب وتر سے نہیں بلکہ تہجد کے ساتھ وتر پڑھنے کا حکم ہے اور آخری حدیث نمبر ۶ قضاء وتر کے بارے ہے۔ پھر ان میں سے ۸، ۹، ۱۲ سے وجوب کی نفی ہوتی ہے اور سنت ہونا ثابت ہوتا ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دو قول نقل کیے ہیں ایک ضعیف ہے تو دوسرے سے وجوب کی نفی ہوتی ہے رہے آثار تابعین تو ان میں سے ۱۶، ۱۹، ۲۰ ضعیف ہیں اور بقایا دو میں قضاء وتر کا مسئلہ ہے۔

گویا انوار صاحب مرفوع وموقوف اور آثار تابعین میں سے کوئی دلیل بھی وجوب وتر کی نہیں دے سکے۔ مگر اس کے باوجود پوری ڈھٹائی سے فرماتے ہیں۔ مذکورہ احادیث و آثار سے ثابت ہو رہا ہے کہ وتر کی نماز واجب ہے ص ۵۵۱) آگے چل کر فرماتے ہیں۔

اللہ کے نبی حضرت محمد ﷺ فرما رہے ہیں کہ وتر واجب ہیں۔ صحابہ کرام کے فرامین سے ثابت ہو رہا ہے کہ وتر واجب ہیں۔ تابعین کرام کہہ رہے ہیں کہ وتر واجب ہیں۔ لیکن غیر مقلدین کہہ رہے ہیں کہ نہیں صاحب وتر واجب نہیں ص ۵۵۲)

محترم ان میں سے کوئی بھی وجوب وتر کا قائل نہیں، یہ آپ کی غلط بیانی اور کذب ہے، امام ابوحنیفہ اور ان کے مقلدین کے علاوہ وجوب وتر کا کوئی بھی قائل نہیں۔ حتی کہ امام محمد اور قاضی ابو یوسف بھی وجوب کے قائل نہیں۔ بلکہ سنت کہتے ہیں (ہدایہ مع فتح القدیر ص ۳۶۹ ج ۱)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ والحق ان الوتر سنة، یعنی خالص حق یہی ہے کہ وتر سنت ہے۔ (حجة الله البالغة ص ۱۷ ج ۲)

(۵۰) باب رکعات وتر

فصل اول

(۱) عن ابن عمر ان رجلا سال رسول اللهﷺ عن صلاة الليل،، فقالﷺ صلاة الليل مثنىٰ مثنىٰ فاذا خشى احدكم الصبح صلى ركعة واحدة تو تره ما قد صلى، وعن نافع ان عبد الله بن عمر كان يسلم بين الركعة والركعتين في الوتر حتى يامر ببعض جاجته۔

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے رات کی نماز کے متعلق سوال کیا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: رات کی نماز دو دو رکعت ہے۔ اور جب تم میں سے کوئی صبح ہونے سے ڈرے تو ایک رکعت وتر پڑھ لے وہ (ایک وتر) اس کی پوری نماز کو طاق بنا دے گا۔ امام نافع فرماتے ہیں کہ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جب وتر کی تین رکعت پڑھتے تو دو رکعت پڑھ کر سلام پھیرتے تھے یہاں تک کہ کسی ضرورت سے گفتگو بھی کرتے۔

(بخاری کتاب الوتر باب ماجاء فی الوتر، الحدیث ۹۹۰، ۹۹۱ و مسلم کتاب صلاۃ المسافرین باب صلاۃ اللیل مثنیٰ مثنیٰ والوتر رکعۃ من آخر اللیل، الحدیث ۱۷۴۸)۔

(۲) عنا بن عمر قال قال النبى ﷺ صلاة الليل مثنى مثنى، فاذا اردت ان تنصرف فاركع ركعة توترلك ما صليت۔

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ رات کی نماز دو دو رکعتیں ہیں۔ پھر جب تو نماز سے فارغ ہونے کا ارادہ کرے تو ایک رکعت وتر پڑھ لے۔ وہ تیرے لیے ساری نماز کو طاق کر دے۔

(بخاری کتاب الوتر باب ماجاء فی الوتر، الحدیث ۹۹۳)۔

(۳) عن ابن عمر عن النبى ﷺ انه قال صلاة الليل مثنى مثنى فاذا خفت الصبح فاوتر بواحدة واجعل آخر صلاتك وترا۔

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ رات کی نماز دو دو رکعت ہے پھر جب صبح ہو جانے کا خوف ہو تو ایک وتر پڑھ لو۔ اور اپنی نماز کے آخر میں وتر کرو۔

(ترمذی کتاب الصلاۃ ماجاء ان الصلاۃ اللیل مثنیٰ مثنیٰ، الحدیث ۴۳۷، نسائی کتاب قیام اللیل باب کیف صلاۃ اللیل، الحدیث ۱۶۷۲، ابن ماجہ کتاب اقامۃ الصلاۃ باب ماجاء فی الصلاۃ اللیل رکعتین ۱۳۱۹)۔

(۴) حدثنا شعبة قال سمعت عقبة بن حريث قال سمعت ابن عمر يحدث ان رسول

اللہ ﷺ قال صلاة الليل مثنىٰ مثنىٰ، فاذا رايت ان الصبح يدركك فاوتر بواحده فقيل لابن عمر ما مثنىٰ مثنىٰ؟ قال ان تسلم فى كل ركعتين۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا: کہ رات کی نماز دو دو رکعت ہے۔ پھر جب تم دیکھو کہ طلوع فجر ہو جائے گی تو ایک رکعت پڑھ لو، سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کہ دو دو رکعت سے کیا مراد ہے۔ تو آپ نے جواب دیا کہ ہر دو رکعت پر سلام پھیرا جائے۔

(صحیح مسلم کتاب صلاة المسافرین باب صلاة اللیل مثنیٰ مثنی والوتر رکعة من آخراللیل، الحدیث ۱۷۶۳).

(۵) عن انس بن سيرين قال قلت لابن عمر، ارأيت الركعتين قبل صلاة الغداة نطيل فيهما القراة؟فقال كان النبى ﷺ يصلى من الليل مثنىٰ مثنىٰ ويوتر بركعة ويصلى ركعتين قبل صلاة الغداة وكان الأذان باذنيه۔

امام انس بن سیرین فرماتے ہیں کہ میں نے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے سوال کیا کہ آپ کیا سمجھتے ہیں کہ میں فجر کی سنتوں میں قرأت لمبی کیا کروں؟ انہوں نے جواب دیا کہ رسول اللہ ﷺ رات کی نماز دو دو رکعت پڑھا کرتے تھے گویا آپ کے کان میں تکبیر کی آواز پڑ رہی ہے۔ (یعنی جلدی پڑھتے)۔

بخاری کتاب الوتر باب ساعات الوتر، الحدیث ۹۹۵، مسلم کتاب صلاة المسافرین باب صلاة اللیل مثنیٰ مثنیٰ والوتر رکعة من آخر اللیل الحدیث ۱۷۶۱).

(۶) عن ابن عمر قال قال رسول اللہ ﷺ الوتر ركعة من آخر الليل۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ وتر ایک رکعت ہے رات کے آخر میں۔

مسلم کتاب صلاة اللیل المسافرین باب صلاة اللیل مثنیٰ مثنیٰ والوتر رکعة من آخر اللیل الحدیث ۱۷۵۷)و نسائی کتاب قیام اللیل باب کم الوتر، الحدیث ۱۶۹۰و ابو عوانہ ص۳۳۳ ج۲)،وبیهقی ص۲۲ ج۳ و مسند طیالسی ص(۱۹۲۶) و مسند احمد ص۳۱۱ ج۱).

(۷) عن ابن عمر قال قال رسول اللہ ﷺ صلاة الليل مثنىٰ مثنىٰ والوتر ركعة قبل الصبح۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ رات کی نماز دو دو رکعت ہے اور وتر ایک رکعت ہے صبح صادق سے پہلے۔

سے) دوسری رکعت پڑھ کر کھڑے ہوگئے ہم نے سبحان اللہ کہا تو آپ نے بھی سبحان اللہ کہا، اور اپنی نماز پوری کرلی، اور سلام پھیرا تو دو سجدہ سہو کئے پھر نماز سے فارغ ہو کر فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ کو ایسے ہی کرتے دیکھا ہے جیسا کہ میں نے کیا ہے۔

(حدیث اور اہل حدیث ص۷۰۴)

الجواب: بلاشبہ یہ روایت متعدد طرق کی وجہ سے صحیح ہے (راجع ارواء الغلیل رقم الحدیث ۳۸۸) لیکن حنفیہ کے مؤقف پر یہ تقریب تام نہیں کیونکہ یہ صرف دائیں طرف سلام پھیر کر سجدہ سہو کرتے ہیں پھر تشہد پڑھ کر سلام پھیرتے ہیں۔ جب کہ حدیث میں صرف سجدہ سہو سے پہلے سلام پھیرنے کا ذکر ہے۔ باقی امور سے حدیث ساکت ہے۔

ثانیا: ہمارے خلاف نہیں کیونکہ ہم سلام پھیر کر سجدہ سہو کو بھی مسنون کہتے ہیں۔

(۸) عن علقمة ان ابن مسعود سجد سجدتی السهو بعد السلام و ذکر ان النبی ﷺ فعل ذلك۔ (ابن ماجه ص۸٦)۔

حضرت علقمہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے دو سجدہ سہو کیئے سلام پھیرنے کے بعد اور ذکر کیا کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی ایسا ہی کیا تھا۔

(حدیث اور اہل حدیث ۷۰۴)۔

الجواب: محترم یہ ہمارے مخالف نہیں اور آپ کے موافق نہیں، کیونکہ اس میں صرف دائیں ہی طرف سلام پھیرنا اور سجدہ سہو کے بعد تشہد پڑھنا ثابت نہیں ہے۔ جب کہ یہ آپ کے دعویٰ پر تقریب تام ہی نہیں تو خصم پر حجت کیسی۔

(۹) عن ابی عبیدة قال قال عبد الله بن مسعود اذا قام احدکم فی قعود او قعد فی قیام او سلم فی الرکعتین فلیتم ثم یسلم ثم یسجد سجدتین یتشهد فیها ویسلم۔

(المدونة الکبریٰ ص۱۳٦ ج۱)۔

حضرت ابو عبیدہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم میں سے کوئی جب قعدہ کی جگہ قیام کرلے یا قیام کی جگہ قعدہ کرلے یا دو رکعتوں میں سلام پھیر لے تو اسے چاہیے کہ نماز پوری کرکے سلام پھیرے پھر دو سجدہ سہو کرکے التحیات پڑھے اور سلام پھیرے۔

(حدیث اور اہل حدیث ص۷۰۴)

الجواب: اولاً صرف معمولی سی کسر رہ گئی ہے، اگر وہ بھی پوری ہوتی تو یہ اثر حنفیہ کے مؤقف کی ترجمانی کرتا تھا۔ وہ کسر یہ ہے کہ ثم یسلم، کی جگہ ثم یسلم عن یمینه، (پھر دائیں طرف سلام پھیرے)۔ کے الفاظ ہوتے، لیکن اثر میں یہ الفاظ نہیں ہیں، لہٰذا حنفیہ کا مسلک وعمل تا حال بے ثبوت ہی رہا۔

ثانیاً: اس کی سند میں سفیان ثوری ہیں جو مدلس ہیں۔ میزان میں ہے کہ یدلس عن الضعفاء، ضعیف راویوں سے تدلیس کرتے ہیں۔ (ص ۱۶۹ ج ۱) دوسرا راوی خصیف بن عبد الرحمن ہیں جو کہ صدوق ہیں مگر سیئی الحفظ ہیں آخری عمر میں اختلاط ہوگیا تھا۔ (تقریب ص ۹۲)۔

پھر ابو عبیدہ کا اپنے والد سے سماع ثابت نہیں۔ (تقریب ص ۴۱۶) مزید برآں کتاب مدونہ کبریٰ کی سند اور توثیق محل نظر ہے، خلاصہ کلام یہ کہ جس روایت میں تدلیس کا شبہ ہو اور ایک راوی سئی الحفظ ہو پھر اس کا طریق بھی مرسل ہو اور جس کتاب میں پائی جاتی ہو اس کی صحت بھی ناقابل اعتبار ہو، اس روایت کے باطل ہونے میں کیا کلام ہوسکتا ہے۔۔

(۱۰) عن عبد الله بن عباس قا ل سجدتا السهو بعد السلام ۔

(طحاوی ص۲۹۹ ج ۱)۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ سجدہ سہو سلام پھیرنے کے بعد ہیں۔ (حدیث اوراہل حدیث ص ۷۰۵)

الجواب: علامہ نیموی فرماتے ہیں کہ اس کی سند حسن ہے (آثار السنن) مگر حنفیہ کے دعویٰ پر تقریب تام نہیں، کیوں؟ اس لیے کہ **بعد السلام عن یمینه**، کے الفاظ نہیں، تشہد کا ذکر نہیں دوسرے سلام سے اثر ساکت ہے، صرف سلام پھیرنے کے بعد سجدہ سہو کرنا ہمارے خلاف نہیں۔ یہ انوار صاحب کا وہم اور خبط بے ربط ہے۔

(۱۱) عن عطاء بن ابی رباح قال صلیت خلف ابن الزبیر فسلم فی الرکعتین فسبح القوم فقام فاتم الصلوٰة، فلما سلم سجد سجدتین بعد السلام قال عطاء فانطلقت الی ابن عباس فذکرت له ما فعل ابن الزبیر فقال احسن و اصاب ۔

(طحاوی ص۲۹۸ ج ۱)۔

حضرت عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے پیچھے نماز پڑھی، انہوں نے (بھولے سے) دو رکعتوں ہی پر سلام پھیر دیا، لوگوں نے سبحان اللہ کہا تو آپ کھڑے ہوگئے اور نماز پوری کی پھر آپ نے سلام پھیر کر دو سجدہ سہو کئے۔ سلام کے بعد حضرت عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس گیا اور ان سے ذکر کیا کہ حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے ایسے کیا ہے آپ نے فرمایا: انہوں نے اچھا کیا اور درست کیا۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۷۰۵)

الجواب: اولاً یہ روایت آپ کے دعویٰ پر تقریب تام نہیں اور ہمارے خلاف نہیں کیونکہ ہم بھی سلام پھیر کر سجدہ سہو کرنے کو مسنون تسلیم کرتے ہیں۔

ثانیاً: سند میں جابر بن یزید الجعفی ہے جو کذاب ہے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جابر سے بڑھ کر میں نے کسی کو جھوٹا نہیں دیکھا (تہذیب) الغرض یہ روایت ضعیف ہے۔

(۱۲) عن ابی عبد الرحمن بن حنظلة بن الراهب ان عمربن الخطاب صلی صلاة المغرب فلم یقرأ فی الرکعة الاولیٰ شیئا فلما کانت الثانیة قرأ فیها بفاتحة الکتاب وسورة مرتین فلما سلم سجد سجدتی السهو۔

(طحاوی ص۲۹۸ ج ۱)۔

حضرت عبدالرحمٰن بن حنظلہ بن راہب سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے (ایک مرتبہ) مغرب کی نماز پڑھائی تو پہلی رکعت میں بالکل قرأت نہیں کی دوسری رکعت میں آپ نے سورہ فاتحہ دو مرتبہ پڑھیں پھر آپ نے سلام پھیر کر دو سجدہ سہو کیے۔ (حدیث اور اہل حدیث ۷۰۶)

الجواب: اولاً پہلی دو رکعت میں قرأت تو حنفیہ کے نزدیک بھی فرض ہے اور فرض چھوٹ جانے پر حنفی سجدہ سہو کے قائل نہیں مولوی اشرف علی تھانوی فرماتے ہیں۔

اگر بھولے سے نماز کا کوئی فرض چھوٹ جائے تو سجدہ سہو کرنے سے نماز درست نہیں ہوتی پھر سے پڑھے، (بہشتی زیور ص۳۳ حصہ دوم)۔

اگر کہا جائے کہ دوسری رکعت میں انہوں نے پہلی رکعت کی بھی قرات کی تھی لہٰذا پہلی رکعت کی فرض قرأت بھی ادا ہوگئی جواباً عرض ہے کہ یہ صورت بھی آپ کے نزدیک جائز نہیں۔ کیونکہ پہلی دو رکعتوں میں تو مطلق قراۃ آپ کے نزدیک بھی فرض ہے۔

الغرض آپ کے نزدیک سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی نماز ہی نہیں ہوئی، فما کان جوابکم فهو جوابنا۔

ثانیاً: سند میں، عکرمہ بن عمار۔ راوی مدلس ہے جیسا کہ امام نسائی امام احمد، امام دارقطنی نے صراحت کی ہے، (تہذیب ص۲۶۲ ج۷، طبقات ص۴۲)۔ اور روایت بھی معنعن ہے جب کہ صحیح سند سے ثابت ہے کہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے نماز لوٹائی تھی۔

(کتاب المسائل للامام صالح بن احمد بحواله تغلیق التغلیق ص۴۴۸ ج۲ وفتح الباری ص۶۹ ج۳)۔

ثالثاً: ہم متعدد بار عرض کر چکے ہیں کہ سلام پھیرنے کے بعد سجدہ سہو کی روایات سے آپ کا مسلک ثابت نہیں ہوتا، مولانا تھانوی سجدہ سہو کا طریقہ بتاتے ہوئے فرماتے ہیں۔ سجدہ سہو کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اخیر رکعت میں فقط التحیات پڑھ کر ایک طرف (یعنی داہنی طرف) سلام پھیر کر دو سجدے کرے، پھر بیٹھ کر التحیات اور درود شریف اور دعا پڑھ کے دونوں طرف سلام پھیرے۔

(بہشتی زیور ص۳۴ حصہ دوم)۔

قارئین کرام! اس تفصیل کو ملاحظہ کریں، اور انواری دلائل کو مکرر ملاحظہ کریں، تو آپ خود جان

جائیں گے کہ اس مؤقف کو انوار صاحب کے تمام دلائل مل کر بھی ثابت نہیں کرتے، لیکن کتنے ستم کی بات ہے کہ مؤلف حدیث اوراہل حدیث۔

دھڑا دھڑ غیر متعلقہ احادیث و آثار نقل کرتا جاتا ہے مگر اصل اختلاف پر ایک حدیث اور اثر بھی نقل کرنے کی زحمت گوارہ کرنے کو تیار نہیں، محترم یہ دلائل نہیں بلکہ آپ کا خبط بے ربط ہے۔

(۱۳) عن عمران بن حصین قال فی سجدتی السهو یسلم ثم یسجد ثم یسلم۔

(طحاوی ۲۹۹ ج ۱)۔

حضرت عمران بن حصین ؓ فرماتے ہیں کہ سجدہ سہو میں پہلے سلام پھیرے پھر سجدہ سہو کرے پھر سلام پھیرے۔ (حدیث اوراہل حدیث ۷۰۶)

(۱۴) عن انس انه قال فی الرجل یهم فی صلاته لایدری ازاد ام نقص قال یسجد سجدتین بعد ما یسلم ۔

(طحاوی ص۲۹۹ ج ۱)۔

حضرت انس ؓ نے ایسے شخص کے بارے میں جسے نماز میں وہم ہوتا ہے اور پتہ نہیں چلتا کہ زیادتی کی ہے یا کمی کی ہے۔ فرمایا وہ سلام پھیرنے کے بعد دو سجدہ سہو کرے۔

(۱۵) عن قیس بن ابی حازم قال علی صلی بنا سعد بن مالك فقام فی الرکعتین الاولین فقالوا سبحان الله فقال سبحان الله فمضی فلما سلم سجد سجدتی السهو۔

(طحاوی ص۲۹۸ ج ۱)۔

حضرت قیس بن ابی حازم ؒ فرماتے ہیں کہ ہمیں سعد بن مالک ؓ نے نماز پڑھائی تو آپ (بھولے سے) پہلی دو رکعتوں ہی میں کھڑے ہوگئے لوگوں نے سبحان اللہ کہا تو آپ نے بھی سبحان اللہ کہا، اور کھڑے ہی رہے، (اور نماز پوری کرکے) سلام پھیرا اور سجدہ سہو کیے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص۷۰۶, ۷۰۷)

الجواب: محترم اختلاف اس میں نہیں کہ سلام کے بعد سجدہ سہو جائز ہے کہ نہیں ہم بھی اسے سنت تسلیم کرتے ہیں۔ بلکہ اختلاف حنفی نقطہ نظر سے ہے۔ آپ نے خود مولانا خالد گھرجاکھی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے۔

لیکن احناف میں جو رائج ہے کہ ایک طرف سلام پھیر کر پھر سہو کے سجدے کرنے کے بعد التحیات پڑھنا تو یہ سنت سے ثابت نہیں۔ (صلاۃ النبی ص۳۵۲)۔

یہ ہے جناب ہمارا اور آپ کا بنیادی اختلاف، مگر افسوس کی بات تو یہ ہے کہ جس مسئلہ میں نزاع ہے اس پر دلائل نہیں دیتے جب کہ اتحادی میں نقل کرتے ہیں۔ پھر کتنی ڈھٹائی سے مولانا گرجاکھی کی

عبارت پر تبصرہ کرتے ہیں کہ لیکن غیر مقلدین اس قدر احادیث و آثار کی موجودگی میں بھی یہی کہہ رہے ہیں کہ سجدہ سہو سلام سے پہلے ہی کرنا چاہیے اور سجدہ سہو کے بعد التحیات نہیں پڑھنی چاہیے کہ سنت سے ثابت نہیں، یہ ہے عمل بالحدیث کے دعویداروں کا علم وعمل۔

(حدیث اور اہل حدیث ۷۰۹)۔

پہلے اعتراض دیکھئے پھر مولانا کا دل آزار جواب ملاحظہ کریں اعتراض حنفیہ کے مسلک پر ہے جو اب محل سجدہ سہو کا ہے، کوئی دانا کہہ سکتا ہے کہ یہ اعتراض کا جواب ہے۔ محترم آپ نے جو دلائل نقل کئے ہیں ان میں سے کسی دلیل پر انگلی رکھیے کہ یہ ہمارے مؤقف کی ترجمانی کرتی ہے کہ۔ درود تک تشہد پڑھ کر دائیں طرف سلام پھیرا جائے پھر سجدہ سہو کر کے مکمل تشہد پڑھا جائے پھر دونوں جانب سلام پھیرا جائے، اگر آپ اس پر صرف ایک ہی حدیث نقل کر دیں صحیح کا مطالبہ بھی نہیں کرتے، حسن ہی دکھا دیں مزید رعایت دیتے ہیں کسی صحابی کا فتویٰ ہی پیش کر دیں، اگر اب بھی اپنے مسلک کو ثابت نہ کر سکے تو معلوم ہوا کہ آپ نے غلط بیانی کی ہے۔ اور آپ کا مسلک بے ثبوت ہے۔

افسوس خواجہ محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ نے اس بات کا شکوہ بھی کیا تھا کہ حنفیہ نے سجدہ سہو کرنا ہو تو اولاً صرف تشہد تک پڑھ کر صرف دائیں جانب سلام پھیرتے ہیں، یہ بھی حنفیہ کی خصوصی اختراع ہے جس کا کسی حدیث سے ثبوت نہیں ملتا، پھر مکمل التحیات پڑھ کر دونوں طرف سلام پھیرتے ہیں۔ (حدیث اور غیر اہل حدیث ص ۱۱۷)

خواجہ صاحب کے اس اعتراض کے بعد حدیث اور اہل حدیث کے ۱۴ ایڈیشن شائع ہوئے ہیں مگر کیا مجال کہ اس وزنی اعتراض کو اٹھایا ہو اٹھانا تو بجا محترم نے اسے ہاتھ لگانا بھی گوارہ نہیں کیا۔ جان من یہ تحقیق نہیں بلکہ تقلید ہے۔

خلاصہ کلام: انوار صاحب نے کل پندرہ دلائل درج کئے ہیں، ان میں سے نمبر ۲، ۳، ۹، ۱۱، ۱۲ ضعیف ہیں۔ نمبر ۶ شاذ ہے اور نمبر ۴، ۵، ۱۲، حنفیہ کے خلاف ہیں تفصیل: گزر چکی ہے ان تمام چیزوں کو بھی نظر انداز کیجئے انوار صاحب ایڑی چوٹی کا زور لگانے کے باوجود کوئی ایسی دلیل درج نہیں کر سکے جس کا یہ معنی ومفہوم ہو کہ درود تک تشہد پڑھ کر صرف دائیں طرف سلام پھیرا جائے پھر سجدہ سہو کئے جائیں بعدہ مکمل التحیات پڑھ کر دونوں طرف سلام پھیرا جائے۔

(۶۰) باب مقتدی کا سہو

(۱)عن عمر عن النبیﷺ قال لیس علی من خلف الامام سهو فان سها الامام فعلیه وعلی من خلفه السهو، وان سها من خلف الامام فلیس علیه سهو والامام کافیه۔

(دارقطنی ص۳۷۷ ج۱)۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے روایت کرتے ہیں، کہ آپ نے فرمایا جو شخص امام کے پیچھے ہے۔ اس پر سجدہ سہو نہیں ہے۔ اگر امام کو سہو ہو جائے تو اس پر اور جو اس کے پیچھے ہے اس پر سجدہ سہو ہے اور اگر مقتدی کو سہو ہو جائے تو اس پر سجدہ سہو نہیں ہے اس کو امام ہی کافی ہے۔

(حدیث اور اہل حدیث ص۷۱۰)

الجواب: اس کی سند میں خارجہ بن مصعب، راوی متروک الحدیث ہے امام احمد کہتے ہیں کہ اس کی روایات لکھی ہی نہ جائیں امام ابن نمیر فرماتے ہیں ضعیف و کذاب اور غیر ثقہ ہے۔ امام ابن معین ہیچ محض قرار دیتے ہیں، امام یحییٰ کہتے ہیں کہ غیاث بن ابراہیم سے تدلیس کرتا ہے اور غیاث ذاہب الحدیث، اور امام نسائی ضعیف و غیر ثقہ اور متروک کہتے ہیں۔ امام ابو حاتم فرماتے ہیں کہ مضطرب الحدیث غیر پختہ ہے اس کی مرویات سے احتجاج نہ کیا جائے۔ امام ابن خراش امام حاکم، امام ابو احمد نے متروک الحدیث کہا ہے امام دارقطنی نے ضعیف قرار دیا ہے۔امام یعقوب کہتے ہیں کہ (ہمارے دوست) تمام محدثین کے نزدیک ضعیف ہے۔امام ابن مدینی امام ابوداؤد نے ضعیف قرار دیا ہے، امام ابن حبان کہتے ہیں کہ غیاث بن ابراہیم سے تدلیس کرتا ہے اور خارجہ نے غیاث سے اس کی وضع کردہ روایات کو سنا تھا اس لئے خارجہ کی روایات میں موضوع روایات بھی ہیں۔ لہٰذا ان سے احتجاج کرنا جائز نہیں، امام ابن جارود، امام عقیلی، امام سعید بن سکن امام ابو زرعہ، امام ابو العرب صقلی نے اسے ضعیف راویوں میں ذکر کیا ہے۔ (تہذیب التہذیب ص۷۷، ۷۸ ج۳)۔

الغرض یہ روایت من گھڑت اور باطل ہے امام بیہقی، حافظ ابن حجر، اور علامہ البانی نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔

(السنن الکبریٰ ص۳۵۲ ج۲، والتلخیص الحبیر ص۶ ج۲، ارواء الغلیل ص۱۳۱ ج۲)۔

ثانیا: خود انوار صاحب کے تقلیدی مذہب میں بھی اگر مقتدی رکوع و سجود تکبیر اولیٰ وغیرہ بھول جائے یا سہوا بے وضو ہو جائے تو اس کا یہ سہو امام نہیں اٹھاتا، لہٰذا اس روایت کو علی الاطلاق آپ تسلیم نہیں کرتے۔

(۲) عن ابراهیم انه قال اذا سهوت خلف الامام و حفظ الامام فلیس علیك سهو وان

سها وحفظت فعليك السهو وان لم يسجد الامام فلا تسجد وكذلك اذا سها جميع من مع الامام اوسها الامام۔

(كتاب الاثار للامام ابو حنيفة بروايت الامام ابى يوسف ص۳۷)۔

حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب تم امام کے پیچھے بھول جاؤ اور امام محفوظ رہے تو تم پر سجدہ سہو نہیں ہے اور اگر امام بھول جائے تو تم محفوظ رہو تو تم پر بھی سجدہ سہو ہوگا اور اگر امام سجدہ نہ کرے تو تم بھی سجدہ نہ کرو، اور اسی طرح اگر سارے مقتدی بھی بھول جائیں تو کسی پر بھی سجدہ سہو نہیں ہوگا، اور اگر امام بھول جائے تو سب پر ہوگا۔ (حدیث اور اہل حدیث ۱۷۱)

الجواب: اولاً سند میں امام ابوحنیفہ اور ان کے شاگرد قاضی ابو یوسف دونوں مجروح ومتکلم فیہ راوی ہیں مسئلہ فاتحہ خلف الامام میں تفصیل گزر چکی ہے۔ پھر امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے یہ روایت حماد سے روایت کی ہے اور حماد سے امام صاحب نے کتب حماد نہیں پڑھی (الجرح والتعدیل ص۴۵۰ ج۸)۔

ثانیا: آپ کے نزدیک بھی بعض صورتوں میں امام مقتدی کا سہو نہیں اٹھاتا۔ مثلا مقتدی بھول کر مصافحہ یا سلام کا جواب دے دیتا ہے نماز میں دنیاوی حاجت مانگتا ہے۔ نماز میں قہقہ لگاتا ہے نماز میں برہنہ ہوجاتا ہے۔ تکبیر میں لفظ اللہ کے ہمزہ کو لمبا کردیتا ہے وغیرہ لہٰذا یہ اثر ہمارے ہی نہیں جناب کے بھی خلاف ہے۔

الغرض انوار صاحب مقتدی پر سجدہ سہو نہ ہونے پر کوئی صحیح حدیث مرفوع یا موقوف پیش نہیں کرسکے، تیسری دلیل انوار صاحب نے اجماع کو پیش کیا ہے۔ جو کہ غلط ہے، کیونکہ سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہ سے حالت اقتداء میں بھول جانے پر سجدہ سہو کرنے کی روایت آئی ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ۴۰ ج۲)۔

امام ابن سیرین اور امام ابی سلیمان اور امام ابن حزم وغیرہ کا بھی یہی مؤقف ہے۔

(المحلى بالاثار ص۸۱ ج۳ رقم مسله ۴۸۰)۔

ہمارے نزدیک بھی صحیح اور درست بات یہی ہے کہ مقتدی کے بھول جانے پر مقتدی پر سجدہ سہو نہیں ہے جس کی دلیل سیدنا معاویہ بن الحکم سلمی رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے کہ انہوں نے لاعلمی کی وجہ سے نماز میں کلام کیا تو نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے نماز لوٹانے یا سجدہ سہو کرنے کا حکم نہیں فرمایا تھا۔

(مسلم ۲۰۳ ج۱)۔

حدیث کا مکمل متن نماز میں کلام کرنے کی بحث میں فصل دوم کی پہلی حدیث میں گزر چکا ہے۔ قارئین کرام وہاں سے ایک نظر دیکھ لیں، امام بیہقی نے، السنن الکبریٰ ص۳۵۱ ج۲ میں اس سے ہی استدلال کیا ہے۔ بلاشبہ اہل حدیث میں سے بعض کا یہی مؤقف ہے کہ اگر مقتدی بھول جائے تو اس پر

بھی سجدہ سہو ہوگا۔

جیسا کہ انوار صاحب نے بھی نواب صاحب کا، بدور الاہلہ ص ۶۸ سے کلام نقل کیا ہے کہ اگر مقتدی کو امام کے پیچھے خود اپنی طرف سے سہو ہو جائے تو اس پر سجدہ سہو اس سہو میں داخل ہونے کی بناء پر واجب ہوگا کیونکہ سجدہ سہو کے دلائل مقتدی کو بھی شامل ہیں۔ اور مقتدی سے امام کی ہمراہی میں خود اپنے سہو سے سجدہ سہو کے ساقط ہونے کی کوئی دلیل نہیں آئی۔ (حدیث اور اہل حدیث ۷۱۲)

مگر انوار صاحب نواب صاحب کی دلیل کا رد نہیں کر سکے کیونکہ انہوں نے جو بھی زیب رقم فرمایا ہے وہ سند کے لحاظ سے سخت ضعیف ہے۔ جو نواب صاحب کے استدلال کے بالمقابل ناقابل قبول ہے، ہاں ہم نے نواب صاحب کے استدلال کو صریح حدیث سے بفضلہ تعالیٰ غلط ثابت کر دیا ہے۔ اس لئے خالص حق اور درست بات یہی ہے کہ نماز میں اگر مقتدی معمولی غلطی سہواً کرے تو اس پر سجدہ سہواً نہیں ہے۔ لیکن اگر اس کی غلطی سنگین ہے مثلاً قرأت کرنی بھول گیا، رکوع و سجود رہ گیا تکبیرات انتقال یا کوئی بھی نماز کا رکن یا مسنون اذکار ترک کر دے تو ایسا سہو امام نہیں اٹھاتا، خود حنفیہ کے نزدیک بھی صرف مقتدی کی وہی بھول ہی امام اٹھاتا ہے جن صورتوں میں ان کے نزدیک سجدہ سہو ہے، رہے وہ حصص نماز جو فرض ہیں یا مفسد صلاۃ ہیں تو ان میں امام مقتدی کا سہو نہیں اٹھاتا۔

چنانچہ مولانا محمود حسن خاں صاحب دیوبندی کے شاگرد خاص جناب ابو القاسم محمد رفیق دلاوری فرماتے ہیں۔

اگر مقتدی جماعت میں سو گیا اور امام کے ساتھ اس کا ایک سجدہ رہ گیا تو جب تک یہ سجدہ نہ کرے گا، نماز نہ ہوگی، اس کو چاہیئے کہ بیدار ہونے کے بعد فی الفور اس سجدہ کو کر کے امام کے ساتھ ہو جائے، دوسری صورت یہ ہے کہ امام کے سلام پھیرنے کے بعد ایک سجدہ کر کے سجدہ سہو کر لے، اس فوت شدہ سجدہ کے ادا کئے بغیر نماز نہ ہوگی،

(عماد الدین ص ۵۹۶ طبع شیخ غلام علی اینڈ سنز فصل ۱۲۳ جماعت کے متفرق مسائل)

(۶۱) باب سجدہ تلاوت بغیر وضو بھی جائز ہے

فصل اول

كان ابن عمر يسجد على غير وضوء۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سجدہ تلاوت بے وضوء کیا کرتے تھے۔ (بخاری ۱۴۶ ج۱)۔

قرآن کریم نے نماز کے لئے وضو شرط قرار دیا ہے۔ اور سنت میں کہا گیا کہ نماز وضو کے بغیر نہیں ہوتی۔ (ابو داؤد رقم الحدیث ۱۰۱)۔

اگر وضوء سجدہ تلاوت کے لئے بھی شرط ہوتا تو قرآن وسنت میں اس کی وضاحت آتی، کیونکہ بھول جانا اللہ تعالیٰ کی ذات کی صفات کے خلاف ہے، لہٰذا یہ اپنی طرف سے اضافہ ہے اور ہر وہ چیز جو اپنی طرف سے اضافہ ہو وہ قابل رد ہے، سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ فرماتے ہیں کہ ہر وہ عمل جس پر ہماری طرف سے کوئی ثبوت نہیں وہ مردود ہے۔ (مسلم رقم الحدیث ۴۴۹۳)۔

لہٰذا سجدہ تلاوت کے لئے وضو کو، شرط قرار دینا،، باطل ہے ہاں اگر کوئی وضو کرے تو اچھا ہے مگر شرط قرار دینا باطل ہے۔

فصل دوم

(۱) عن ابن عمر عن النبی ﷺ لا تقبل صلاة بغير طهور۔

(ترمذی ص۱۳ ج۱)۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے روایت کرتے ہیں کہ (آپ نے فرمایا) کوئی نماز بغیر طہارت کے قبول نہیں ہوتی۔

وجہ استدلال میں فرماتے ہیں کہ سجدہ تلاوت من جملہ صلاۃ ہے، کیونکہ اس میں نماز کی طرح نیت بھی شرط ہے۔ ستر عورت بھی شرط ہے۔ استقبال قبلہ بھی ضروری ہے اس میں تکبیر بھی ہے تسبیح بھی ہے، آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ کوئی نماز بھی طہارت کے بغیر قبول نہیں ہوتی، تو جب نماز کے لئے طہارت ضروری ہوئی تو سجدہ تلاوت کے لئے بھی جو کہ من جملہ نماز ہے، طہارت ضروری ہوگی اور جس طرح کوئی نماز طہارت کے بغیر جائز نہیں اسی طرح سجدہ تلاوت بغیر طہارت کے جائز نہیں۔ (حدیث اور اہل حدیث ص۷۱۳)

الجواب: اولاً نماز کم از کم ایک رکعت ہوتی ہے۔ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول

اللہ ﷺ نے فرمایا۔ **الوتر رکعة من آخر اللیل**، وتر ایک رکعت ہے رات کے آخر میں۔

(مسلم کتاب صلاة المسافرین باب صلاة اللیل مثنیٰ مثنی …… الحدیث ۱۷۵۷)۔

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا **صلاة اللیل والنھار مثنیٰ مثنیٰ**، دن اور رات کی نماز دو دو رکعت ہے۔

(ابو داؤد (۱۲۹۵) ترمذی (۵۹۷) ابن ماجه (۱۳۲۲) نسائی (۱۶۶۷) مسند احمد ۲/۲۶، ۵۱) بیهقی ص۴۸۷ ج۲، ابن حبان (موارد) ۶۳۶، ابن خزیمه (۱۲۱۰) دار قطنی ۱/۴۱۷).

ثابت ہوا کہ جو ایک رکعت یا دو رکعت مکمل نہیں، وہ نماز نہیں جب کہ سجدہ تلاوت رکعت ہے اور نہ ہی دو رکعت ہے لہٰذا نماز نہیں، معلوم ہوا کہ سجدہ تلاوت بلا وضو جائز ہے جس طرح دیگر اذکار جائز ہیں اسی طرح یہ بھی جائز ہے۔

ثانیا: اگر کہا جائے کہ سجدہ نماز کا ایک حصہ ہے لہٰذا نماز ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ غلط ہے کیونکہ کوئی بھی حصہ تب تک نماز نہیں جتنی دیر تک اسے مکمل نہ کرے جس طرح شریعت میں حکم ہے، مثلا کوئی شخص تکبیر اولیٰ کہے یا رکوع کرے پھر اسے جان بوجھ کر توڑ دے تو کوئی بھی اسے نماز نہیں کہتا، ہاں مگر یہ کہ وہ جمعہ کی دو رکعت یا صبح کی نماز کی دو رکعت یا سفر میں دوگانہ ادا کرے یا دن اور رات میں دو رکعت ادا کرے تو وہ اس کی نماز ہے مکرر عرض ہے کھڑا ہونا، بیٹھنا، تکبیر کہنا، قراءت سورہ فاتحہ، بھی نماز کا ایک حصہ ہیں تو کیا آپ کے نزدیک کھڑا ہونا، بیٹھنا، تکبیر (اللہ اکبر) کہنا، سلام عرض کرنا، اور سورہ فاتحہ کی تلاوت کے لئے بھی وضو شرط ہے۔ اگر نہیں یقیناً نہیں تو کیا وجہ ہے کہ آپ سجدہ تلاوت کو تو بلا وضو ناجائز کہتے ہیں جب کہ اذان کو بغیر وضو کہنے کی اجازت عنایت کرتے ہیں۔

(قدروی ص۲۱، ھدایہ ص۲۱۹ ج۱)۔

حالانکہ اذان میں، اللہ اکبر کا لفظ بھی ہے۔ جو نماز کا ایک حصہ ہے اور حنفیہ کے نزدیک تو تکبیر اولیٰ فرض ہے اور رسول اللہ ﷺ زندگی کے آخر تک نماز کو اللہ اکبر سے شروع کرتے رہے۔

(بخاری رقم الحدیث ۸۰۳)۔

اگر انوار صاحب کے استدلال کو درست تسلیم کرلیا جائے تو لازم آئے گا کہ، اللہ اکبر، بھی وضو کے بغیر کہنا جائز نہیں بلکہ کھڑا ہونا، بیٹھنا سلام عرض کرنا، بھی بغیر وضو کے ناجائز ہی ہے اور یہ کوئی بھی نہیں کہتا لہٰذا انوار صاحب کا استدلال باطل ٹھہرا۔

(حک و اضافہ کے ساتھ منقول از المحلی لابن حزم مسئلہ نمبر۱۱۶)۔

(۲) **عن نافع عن ابن عمر انه قال لا یسجد الرجل (سجدة التلاوة) الا وھو طاھر**۔

(بیهقی ص۳۲۵ ج۲).

حضرت نافع حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: کوئی شخص بھی سجدہ تلاوت طہارت کے بغیر نہ کرے۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۷۱۳)

الجواب: اولاً سند میں لیث بن ابی سلیم مختلط ہے، اور اس کی روایات میں تمیز نہیں ہو سکی جس کی جہ سے یہ ترک کر دیا گیا ہے۔ (تقریب ص ۲۸۷) جو اس کی صحت کا مدعی ہے وہ کسی دلیل خاص سے ثابت کرے کہ مروی عنہ نے اختلاط سے قبل سماع کیا ہے۔

ثانیاً: اس روایت سے حنفیہ کا مسلک ثابت نہیں ہوتا کیونکہ ہم بھی اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ طہارت کے بغیر سجدہ تلاوت جائز نہیں مگر طہارت سے مراد وضو نہیں بلکہ حالت جنابت اور حیض وغیرہ ہے۔

خلاصہ کلام: انوار صاحب نے سجدہ تلاوت کے لئے وضو کے شرط ہونے کے لئے دو دلیلیں درج کی ہیں۔ پہلی دلیل کبریٰ صغریٰ کو ملا کر بطور نتیجہ وضو کا اثبات کیا ہے کہ چونکہ سجدہ بھی نماز کا ایک حصہ ہے لہٰذا سجدہ تلاوت کے لئے نماز کی طرح وضو شرط ہے۔ یہ دلیل احناف کو تب مفید تھی، جب نماز کے تمام ارکان کو علیحدہ علیحدہ کرنے پر بھی وضو کے قائل ہوتے حالانکہ ایسا قطعاً نہیں، ان کے نزدیک تکبیر تحریمہ، قیام مطلق قرأت، رکوع سجدہ، اور تشہد آخری، فرائض نماز ہیں۔ سوال یہ ہے کہ آیا ان کے نزدیک اگر کوئی شخص، اللہ اکبر کہے یا تلاوت قرآن کرے، یا قیام کرے تو ان کے لئے وضو کو شرط قرار دیتے ہیں، نہیں قطعاً نہیں۔ پھر نماز کا ایک اہم جزو دعا بھی ہے، اور سلام پھیرنا تو ان کے نزدیک بھی واجب ہے کیا یہ دعا کے لئے اور سلام کہنے کے لئے وضو کو شرط قرار دیتے ہیں قطعاً نہیں! ثابت ہوا کہ انوار صاحب کا یہ تمام صغریٰ و کبریٰ غلط اور باطل ہے۔

دوسری دلیل میں صرف طہارت کا ذکر ہے، یہ انوار صاحب کے لئے تب مفید ہے جب یہ کسی دلیل سے ثابت کریں کہ بے وضو ہونے سے انسان نجس ہوتا ہے۔ الغرض انوار صاحب اپنے مؤقف پر کوئی صریح دلیل پیش نہیں کر سکے۔

(٦٢) باب مسافت قصر

فصل اول

(۱) عن یحییٰ بن یزید الھنائی قال سالت انس بن مالك عن قصر الصلاۃ؟ فقال كان رسول اللهﷺ اذا خرج مسیرۃ ثلاثة أمیال او ثلاثة فراسخ، شعبة الشاك، صلی رکعتین۔

امام یحیٰی بن یزید الھنائی فرماتے ہیں کہ میں نے سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے نماز قصر کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب تین میل یا تین فرسخ (۹ میل امام شعبی راوی حدیث کو شک ہے) سفر کرتے تو دو رکعت نماز پڑھا کرتے تھے۔

(مسلم کتاب صلاۃ المسافرین باب صلاۃ المسافرین وقصرھا۔ الحدیث ۱۵۸۳)۔

(۲) عن یحییٰ بن یزید الھنائی قال سالت انس بن مالك عن قصر الصلاۃ وكنت اخرج الیٰ الكوفة فاصلی رکعتین حتی ارجع، فقال انس كان رسول اللهﷺ اذا خرج مسیرۃ ثلاثة امیال، او ثلاثة فراسخ، شك شعبة، قصر الصلاۃ۔

امام یحیٰی بن یزید الھنائی فرماتے ہیں کہ میں نے سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ میرے لئے کیا حکم ہے کہ میں کوفہ کی طرف جاتا ہوں اور راستہ میں دو دو رکعت پڑھتا، حتی کہ واپس لوٹ آتا، سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب تین میل یا تین فراسخ (۹ میل ۲۲ کلو میٹر) کی مسافت پر نکلتے تو نماز کو قصر کرکے پڑھتے تھے (راوی حدیث کو شک ہے تین میل یا تین فراسخ)۔

(بیھقی ص۱٤٦ ج۳، مسند احمد ص۱۲۹ ج۳)۔

قارئین کرام مذکورہ حدیث صحیح ہے اور اس کے موافق ہی سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے امام یحیٰی کو فتویٰ دیا ہے اوردور حاضر کے سلفی علماء نے اس سے ہی مسافت قصر پر استدلال کیا ہے۔ اور اس میں فراسخ کو دلائل شرعیہ سے ترجیح حاصل ہے (راجع دین الحق)۔

اگر ہم اس پر ڈنڈی مارتے تو انوار صاحب کی طرح متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے آثار نقل کرتے جو حنفیہ کے خلاف ہیں۔ مگر بفضلہٖ تعالیٰ ہم اس عادت سیئہ میں قطعاً مبتلا نہیں ہیں۔ انوار صاحب نے ہیر پھیر کرکے ان اقوال صحابہ کرام کو بھی نقل کردیا ہے۔ جو حنفیہ کے خلاف ہیں، یہاں پر ہم صرف اس غرض کے لئے نقل کررہے ہیں تاکہ قارئین کرام کو اس حقیقت کا علم ہوجائے کہ مسافت قصر میں صحابہ کرام میں بھی اختلاف تھا۔

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ تین میل پر قصر کرنے کا فتویٰ دیا کرتے تھے۔

(ابن ابی شیبہ ص٤٤۳ ج۲ والمحلیٰ ص۱۹۹ ج۳)۔

بلکہ ایک ساعت کے سفر پر بھی قصر کا فتویٰ دیتے تھے۔

(ابن ابی شیبه ص۴۴۵ ج۲ والمحلی ص۱۹۹ ج۳)۔

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ تین میل کی مسافت پر قصر کر لیا کرتے تھے۔

(ابن ابی شیبه ص۴۴۵ ج۲، والمحلی ص۱۹۸ ج۳) سند صحیح هے (سلسله صحیحه ۳۱۰ ج۱)۔

سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ مقام نخلہ کی طرف نکلے اور شام کو گھر بھی آئے تھے مگر آپ نے وہاں پر ظہر وعصر کی نمازوں میں قصر کر کے دو دو رکعت پڑھیں تھیں۔

(مصنف ابن ابی شیبه ص۴۴۳ ج۲ والمحلی ۱۹۷ ج۳)۔

امام ابو اشعشاء جابر بن زید فرماتے ہیں کہ چھ میل پر نماز کو قصر کر لیا جائے،

(مصنف ابن ابی شیبه ۴۴۴ ج۳، والمحلی ۲۰۰ ج۳)۔

سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پوتے امام قاسم اور سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہم کے پوتے سیدنا سالم فرماتے ہیں کہ مکہ کے رہنے والے منیٰ میں قصر کریں۔ ابن ابی شیبہ ص والمحلی ۲۰۰ ج۳)۔

امام سعید بن مسیّب فرماتے ہیں کہ ایک برید (۱۲ میل) پر قصر کر لی جائے۔

(المحلی ۲۰۰ ج۳)۔

یہ تمام اقوال صحابہ کرام اور تابعین عظام اور فقہاء مدینہ منورہ کے ہیں۔

امام ابن حزم نے المحلی میں اتنے آثار نقل کئے ہیں کہ ان کا بیسواں حصہ بھی حنفی پیش نہیں کر سکتے،

یہ بات ملحوظ رہے کہ مذکورہ تمام اقوال کی اسناد صحیح وحسن لغیرہ کے درجہ کی ہیں۔

لہٰذا انوار صاحب نے غیر صریح روایات نقل کر کے ان کا جو نتیجہ نکالا ہے اور آخر میں پھر من گھڑت روایت پیش کر کے علماء حدیث کو مطعون کیا ہے۔ یہ ان کا خبط بے ربط ہے اور کھینچ تان کر اپنے مؤقف پر آثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نقل کیا ہے۔ (گو وہ آثار ان کے خلاف ہیں اگر ان کو ان کے دعویٰ پر تقریب تام مان بھی لیا جائے تو تب بھی حجت شرعی نہیں ہیں کیونکہ یہ مسلمہ اصول ہے کہ جس مسئلہ میں آثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مختلف ہوں وہاں ان کے آثار قابل حجت نہیں ہوتے۔ راجع، مقدمہ۔ اور زیر بحث مسئلہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں صرف دو ہی مسلک نہیں بلکہ بیس کے لگ بھگ ہیں۔

جو کتب احادیث و شروح میں موجود ہیں۔ اگر اس کی ضرورت پڑی اور ہم مجبور کر دیئے گئے تو بفضلہ تعالیٰ بحوالہ ان کی نشان دہی کر دیں گے انشا اللہ تعالیٰ۔

مگر انوار صاحب اس حقیقت سے چشم پوشی کر کے چند آثار صحابہ کرام نقل کر کے جماعت اہل حدیث کو مطعون کر رہے ہیں۔ جو کسی لحاظ سے بھی قابل ستائش نہیں۔ مزید دکھ کی بات یہ ہے کہ کوئی ایک اثر بھی ایسا نہیں جو حنفیہ کے مسلک کی ترجمانی کرتا ہو۔

عورت کے لئے جو اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان رکھتی ہے کہ وہ تین دن یا تین سے زیادہ مسافت کا سفر کرے مگر اس حال میں کہ اس کا باپ یا بیٹا یا شوہر یا بھائی یا کوئی محرم اس کے ساتھ ہو۔ (حدیث اور اہل حدیث ص۷۱۶)

الجواب: ان احادیث میں عورت کو محرم کے ساتھ سفر کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ اور اس کے بغیر اسے سفر کی رخصت نہیں ہے سفر خواہ کم ہو یا زیادہ، تین دن کا ہو یا کم وبیش بہر حال اسے اکیلے سفر کرنے کی رخصت نہیں ہے۔ ان احادیث کا یہ مطلب قطعاً نہیں کہ تین دن سے کم مدت کا سفر اکیلی یا غیر محرم کے ساتھ کرسکتی ہے۔ کیونکہ جس طرح تین دن کے سفر سے منع کیا گیا ہے اسی طرح تین دن سے کم اور زیادہ مدت کے سفر سے بھی منع کیا گیا ہے۔ زیادہ مدت کی حدیث کو تو خود انوار صاحب نے نمبر ۵ میں درج کردیا ہے اور کم مدت کی احادیث ہم نقل کردیتے ہیں۔

(i) عن ابی سعید الخدری قال سمعت من رسول الله ﷺ قال لاتسافر امراة مسیرة یومین لیس معها زوجها او ذومحرم۔

سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ کوئی عورت دو دن کا سفر نہ کرے مگر یہ کہ اس کے ساتھ اس کا خاوند یا ذی محرم ہو۔

(بخاری ص۲۵۱ ج۱، مسلم ۴۳۳ ج۱)۔

(ii) عن ابی هریرة عن النبی ﷺ قال لا یحل لامرأة تومن بالله والیوم الآخر تسافر یوم الامع ذی محرم۔

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی مکرم ﷺ نے فرمایا کسی عورت کے لئے حلال نہیں جو اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتی ہو کہ وہ سفر کرے ایک دن کی مسافت کا مگر ذی محرم کے ساتھ۔

(مسلم ص۴۳۳ ج۱)۔

(iii) عن ابی هریرة قال قال رسول الله ﷺ لا یحل لا مرأة مسلمة تسافر مسیرة لیلة الاومعها رجل ذوحرمة منها۔

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کسی مسلمان عورت کے لئے حلال نہیں کہ وہ ایک رات کا بھی سفر کرے مگر یہ کہ اس کے ساتھ ذی محرم ہو۔ (مسلم ص۴۳۳ ج۱)۔

(iv) عن ابی هریرة ان رسول الله ﷺ قال لاتسافر المرأة بریدا الامع ذی محرم۔

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کوئی عورت ذی محرم کے بغیر ایک برید کا بھی سفر نہ کرے۔

(صحیح ابن حبان ص١٧٦ ج٥، رقم الحدیث ٢٧١٦، ومستدرك حاكم ص٤٤٢ ج٢)۔

(۷) عن ابن عباس قا ل قال رسول الله ﷺ لاتسافر المرأة الامع ذی محرم ولا یدخل علیها رجل الا ومعها ذو محرم۔

سیدنا عبد اللہ بن عباس ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کوئی عورت سفر نہ کرے مگر ذی محرم کے ساتھ اور عورت سے کوئی ملاقات نہ کرے مگر یہ کہ اس کے ساتھ کوئی ذی محرم ہو۔

(بخاری ص ۲۵۰ ج ۱، مسلم ص ۴۳۴ ج ۱)۔

قارئین کرام ان احادیث کو مکرر ایک نظر ملاحظہ کریں، ان کا کھلا مفاد یہ ہے کہ عورت کسی غیر مرد کے ساتھ محرم کے بغیر سفر نہ کرے۔ سفر خواہ تین دن سے زیادہ ہو یا تین دن کا یا ایک دن رات کا یا ایک دن کا یا صرف ایک رات کا یا چند میل کا ہو، بہرحال عورت سفر ذی محرم کے بغیر نہ کرے، آخری حدیث میں تو مطلق سفر سے منع فرمایا ہے، خواہ وہ ایک میل کا ہی کیوں نہ ہو۔ مگر حیرت ہے انوار صاحب تین دن کی احادیث کو نقل کرنے کے بعد بطور نتیجہ فرماتے ہیں کہ، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سفر میں تین دن رات کو ضرور دخل ہے۔ اور مسافر کہلانے کا مستحق وہی ہے جو تین دن اور رات کی مسافت کے ارادہ سے گھر سے چلے۔ حدیث اور اہل حدیث ۲۱۷۔

محترم آپ کی پیش کردہ احادیث میں محض تین دن اور رات کا ہی ذکر نہیں بلکہ اس سے کم اور زیادہ کا بھی ذکر ہے لہٰذا آپ کسی دلیل سے ثابت کریں کہ عورت صرف تین دن و رات کا سفر ہی غیر محرم کے ساتھ نہیں کر سکتی اگر چار پانچ دن کا سفر کرے یا ایک دن یا نصف دن کا سفر کرے تو یہ جائز اور مباح ہے۔ اگر آپ یہ کسی وزنی دلیل سے ثابت کر دیں تو ہم آپ کی قرآن دانی اور حدیث فہمی کے علاوہ جناب کے مؤقف کو درست بھی تسلیم کر لیں گے، مگر ایسا کبھی بھی ممکن نہیں اور کوئی غیرت مند شخص اپنی بیوی کو غیر محرم کے ساتھ دو چار دن بھیجنا تو کجا دس پندرہ منٹ کے لئے بھی تنہائی فراہم کرنے کو تیار نہیں ہوتا، الغرض ان احادیث سے آپ کا مسافت سفر ثابت کرنا سینہ زوری ہے۔

(٦) عن علی بن ربیعة الوالبی قال سالت عبد الله بن عمرا لیٰ کم تقصر الصلاة؟ فقال تعرف السویداء قال قلت لاولکن قد سمعت بها قال هی ثلث لیالی قواصد فاذا خرجنا الیها قصرنا الصلاة۔

(کتاب الاثار للامام ابو حنیفة بروایت الامام محمد ص٢٩)۔

حضرت علی بن ربیعہ و البی ؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمر ؓ سے سوال کیا کہ کتنی مسافت پر نماز قصر کرنی چاہیئے، آپ نے فرمایا سویداء کو جانتے ہو میں نے عرض کیا کہ جانتا تو نہیں لیکن اس کے بارے میں سنا ہے فرمایا وہ تین درمیانی راتوں کی مسافت پر ہے۔ جب ہم وہاں جاتے ہیں تو نماز میں قصر کرتے ہیں۔ (حدیث اور اہل حدیث ۱۱۷)

انوار صاحب نے آگے چل کر نمبر ۹، ۱۰ میں موطا امام مالک ص ۱۳۰ سے سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے اور نمبر ۱۱ میں مصنف ابن ابی شیبہ ص ۴۳۴ ج ۲ سے سولہ فرسخ کا قول درج کیا ہے اور نمبر ۱۲ میں بیہقی ص ۱۳۷ ج ۳، کے حوالے سے چار برید سے زیادہ کا مؤقف نقل کیا، اور نمبر ۱۳ میں بخاری ص ۱۴۷ ج ۱ کے حوالے سے چار برید یعنی سولہ فرسخ کی روایت درج کی ہے۔

(حدیث اور اہل حدیث ۷۱۸، ۷۱۹)

الجواب: اولاً گو ان کی اسنادی بحث کو بھی چھیڑا جا سکتا ہے مگر اس سے ہم صرف نظر کرتے ہیں اور انوار صاحب پر واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ ان آثار سے آپ کا مسلک قطعاً ثابت نہیں ہوتا تفصیل حسب ذیل ہے۔

احناف کے نزدیک اصل فتویٰ مسافت پر نہیں بلکہ وقت پر ہے یعنی ان کے نزدیک فاصلہ پر اعتبار نہیں بلکہ تین دن رات کی مسافت اصل میں سفر قصر ہے، خود انوار صاحب فرماتے ہیں کہ معلوم ہوا کہ نماز میں قصر کے لئے مسافت سفر تین دن رات کا سفر ہے، (حدیث اور اہل حدیث ص ۷۲۱)

ثانیاً: چلو اسے بھی مان لیتے ہیں کہ احناف نے ضرورت زمانہ کے پیش نظر وقت کی بجائے مسافت پر فتویٰ دینا شروع کر دیا ہے۔ مگر خود ان میں بھی اختلاف ہے کہ کتنی مسافت پر قصر کی جائے۔ ۳۶ میل ۴۶ میل ۴۸ میل ۶۰ میل وغیرہ اقوال ملتے ہیں (نماز مسنون ص ۷۰۹)۔

گو انوار صاحب نے یہ دعویٰ بھی کیا ہے کہ محققین علماء احناف نے ۴۸ میل کو مسافت قرار دیا ہے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۷۲۱)

مگر دیو بندیوں کے فقیہ العصر مفتی اعظم رشید احمد صاحب فرماتے ہیں کہ اکثر مشائخ نے ۱۸ فراسخ، ۵۴ میل شرعی، ۶۱-۴/۱۱ میل انگریزی کو متوسط قول قرار دے کر اس پر فتویٰ دیا ہے علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی قول کو مفتی بہ لکھا ہے اور احتیاط بھی اسی میں ہے۔

(القول الاظہر ص ۴ مندرجہ احسن الفتاویٰ ص ۹۴ ج ۴)۔

انوار صاحب نے سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے قول کو دلیل بنانے کے لئے محققین علماء کا نام لے کر غلط بیانی کی ہے۔ پھر جہاں یہ غلط بیانی ہے وہاں ہی اپنے اکابرین کے محقق ہونے کی نفی کو بھی مستلزم ہے۔

ثالثاً: انوار صاحب نے یہ وضاحت نہیں کی کہ ۴۸ میل انگریزی ہیں یا شرعی ہیں۔ کیونکہ ۴۸ میل شرعی ۵۴ میل انگریزی بنتے ہیں جو تقریباً پونے ۸۸ کلو میٹر سفر بنتا ہے، ان میں ظاہر ہے کہ ایک بین فرق ہے۔

رابعاً: سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مختلف اقوال مروی ہیں انوار صاحب نے جو دلیل نمبر ۶ میں

بحوالہ کتاب الاثار درج کی ہے اس کی رو سے ۷۲ میل شرعی فاصلہ بنتا ہے۔ جیسا کہ حافظ ابن حجر نے (فتح الباری ص۴۵۳ ج۲)۔ میں صراحت کی ہے۔ دوسرا قول آپ سے یہ مروی ہے کہ خیبر اور مدینے کا درمیانی راستہ مسافت قصر ہے۔ (مصنف عبدالرزاق ص۵۲۶ ج۲) اور یہ ۹۶ میل شرعی ہے۔ تیسرا قول آپ سے تیس میل شرعی کا مروی ہے۔ (مصنف عبدالرزاق ص۵۲۵ ج۲)۔

چوتھا قول آپ سے ایک میل کا بھی موجود ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ص ج۲)

پانچواں قول تین میل کا بھی مروی ہے (مصنف ابن ابی شیبہ ص۴۴۳ ج۲)۔

چھٹا قول آپ سے ایک ساعت کے سفر پر بھی قصر کرنے کا مروی ہے (مصنف ابن ابی شیبہ ص۴۴۵ ج۲)

حافظ ابن حجر نے ان مختلف اقوال کو درج کر کے کہا ہے کہ ان تمام کی اسناد صحیح ہیں اوران کا آپس میں تعارض ہے۔ (فتح الباری ص۴۵۳ ج۲)۔ یہی بات حافظ ابن حزم نے المحلی ص۲۰۲ ج۳) میں کہی ہے آخر انوار صاحب نے کس دلیل سے ۷۲میل، ۹۶ میل، ۳۰ میل تین میل ایک میل اور ایک ساعت کے فتویٰ کورد کر کے چار برید کی روایت کو ترجیح دی ہے اور یہ بھی وضاحت کریں کہ ۷۲ میل کی روایت ان کے مسلک کی ترجمانی کس طرح کرتی ہے۔ کیونکہ بقول انوار صاحب محققین علماء احناف نے ۴۸ میل پر فتویٰ دیا ہے جو۷۲ میل کے خلاف ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مختلف اقوال مروی ہیں جن میں بعض ہمارے مؤقف کی بھی ترجمانی کرتے ہیں۔ لہٰذا انوار صاحب جو جواب ۹۶ میل سے لے کر ایک ساعت کے سفر کا دیں گے وہی جواب ہماری طرف سے چار برید کی روایات کا سمجھ لیں۔ اللہ اللہ خیر سلا۔

(۸) عن عمر قال تقصر الصلاۃ فی مسیرۃ ثلث لیال

(کنز العمال ص ۲۳٤ ج۸)۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تین رات کی مسافت (کے سفر) میں نماز قصر کی جائے۔

(حدیث اور اہل حدیث ۷۱۸)

الجواب: صاحب کنز العمال نے اس کو بحوالہ ابن جریر نقل کیا ہے، مگر اس کی سند درج نہیں کی، جو اس کا مدعی ہے وہ اس کی صحیح سند پیش کرے، بدون اسناد کوئی چیز دین میں حجت نہیں ہے۔ امام عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اسناد دین سے ہے اگر سند نہ ہوتی تو جو کوئی چاہتا کہہ دیتا، (مقدمہ صحیح مسلم رقم الحدیث ۳۲)۔

امام محمد بن سیرین فرماتے ہیں کہ علم حدیث دین ہے لہٰذا تم یہ دیکھو کہ اپنے دین کو کہاں سے لے رہے ہو، (مقدمہ صحیح مسلم رقم الحدیث ۲۶) اس کے بعد میرے فاضل دوست الشیخ محمد صفدر عثمانی حفظہ اللہ تعالیٰ نے اس کی سند پر اطلاع دی تھی، اس میں محمد بن زید بن خلیلدہ راوی مجہول ہے، امام ابو حاتم

نے (الجرح والتعدیل ص۲۵۶ ج۷) میں اسے ذکر تو کیا ہے مگر کوئی جرح یا تعدیل بیان نہیں کی، اور اس سے روایت کرنے والا محمد بن حسن شیبانی ہے۔ (تہذیب الاثار لابن جریر ص۱۸۴ ج۴ ق ۲ رقم الحدیث ۳۰۵۳) اور شیبانی سخت ضعیف ہے دیکھئے تحفہ حنفیہ ص ۴۴۵ ج۱ الغرض یہ روایت سخت ضعیف ہے۔

(۱۰) عن عطاء بن ابی رباح قال قلت لابن عباس اقصر الی عرفة فقال ،لا، قلت اقصر الی مر قال ،لا، قلت اقصر الی الطائف والی عسفان قا ل نعم وذلك ثمانيه واربعون ميلا وعقد بيده۔

(مصنف ابن ابی شیبه ص٤٤٥ ج٢، مسند امام شافعی ١٨٥ ج١)۔

حضرت عطاء بن ابی رباح فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے عرض کیا کہ میں عرفہ کی مسافت میں قصر کرسکتا ہوں؟ فرمایا نہیں، میں نے عرض کی کہ مر کی مسافت میں قصر کرسکتا ہوں؟ فرمایا: نہیں میں نے عرض کیا طائف اور عسفان کی مسافت میں قصر کر سکتا ہوں، فرمایا ہاں ان کی مسافت اڑتالیس میل ہے۔ ہاتھ سے گرہ لگا کر (شمار کر کے) دکھایا۔

(حدیث اور اہل حدیث ص۷۲۰)

الجواب: اولاً حنفیہ کا اصل مسلک تین دن کی مسافت پر قصر کرنا ہے۔ ۴۸ میل کا فتویٰ بعد کے فقہاء نے دیا ہے۔ تفصیل دین الحق ص ۵۶۸ ج ۱ میں عرض کردی گئی ہے۔

ثانیاً: دین الحق میں ہم نے علامہ ابن ہمام اور مولوی اشفاق الرحمٰن کاندھلوی کے حوالے سے صراحت کی ہے کہ ۴۸ میل ایک دن کی مسافت ہے لہٰذا احناف کا اس سے مسلک ثابت نہیں ہوتا۔ مصنف ابن ابی شیبہ ص۴۴۳ ج ۲ میں صحیح سند سے سیدنا عبد اللہ بن عباس کا فتویٰ ہے کہ ایک دن کی مسافت پر قصر کرنا جائز ہے، حافظ ابن حجر ان دونوں آثار میں تطبیق دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ۴۸ میل کو ایک دن میں طے کیا جاسکتا ہے۔ (فتح الباری ص۴۵۳ ج۲)۔

الغرض سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے اثر سے حنفیہ کا مسلک ثابت نہیں ہوتا اور اسے اپنے مؤقف پر پیش کرنا انوار صاحب کی سینہ زوری ہے راجع دین الحق۔

(۱۱) عن ابن عباس قا ل قا ل رسول الله ﷺ يا اهل مكة لا تقصروا الصلاة فی ادنیٰ من اربعة برد من مكة الی عسفان

(معجم طبرانی کبیر بحواله مجمع الزوائد ص١٥٧ ج٢)۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے اہل مکہ تم چار برید سے کم سفر میں قصر نہ کیا کرو۔ چار برید مکہ سے عسفان تک ہوتے ہیں۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ٧٢٠)

الجواب: اولاً: اسلام کے احکام تو تمام دنیا کے لئے یکساں ہیں اس میں عربی و عجمی سیاہ و سفید بلا امتیاز ہیں، جب کہ مذکورہ روایت تعلیم اسلامی کے یکسر خلاف ہے خاص اہل مکہ کے لئے کیوں ہے؟ یہ چیز ہی اس کے موضوع ہونے کے لئے کافی ہے۔

ثانیا: احناف کا مسلک تین دن کی مسافت کا ہے۔ جب کہ چار برید کا سفر صرف ایک ہی دن کا ہے، جیسا کہ ہم اکابر احناف کے حوالے سے (دین الحق ص۵۶۹ ج۱) میں عرض کر چکے ہیں، لہٰذا اس سے انوار صاحب کا استدلال کرنا سینہ زوری ہے۔

ثالثا: طبرانی کبیر ص۹۷ ج۱۱ رقم الحدیث ۱۱۱۶۲) میں **ثنا اسماعیل بن عیاش ثنا ابن مجاھد عن ابیه وعطاء** کے طریق سے مروی ہے بیہقی ص۱۳۷، ۱۳۸ ج۳، دار قطنی ص۳۸۷ ج۱ میں صراحت ہے کہ ابن مجاہد، عبد الوہاب بن مجاہد ہے اور یہ کذاب ہے، جیسا کہ امام سفیان ثوری نے وضاحت کی ہے۔ (میزان ص۶۸۲ ج۳) امام حاکم فرماتے ہیں کہ موضوع روایات بیان کرتا ہے۔ (المدخل ص۱۷۳)۔

عبد الوہاب سے روایت کرنے والا اسماعیل بن عیاش ہے اور کتاب کے ابتدا میں قے اور نکسیر سے وضو ٹوٹ جانے کی بحث میں، فصل دوم میں انوار صاحب کی پہلی دلیل کے جواب میں ہم تفصیل سے لکھ آئے ہیں کہ اسماعیل کی غیر شامی راویوں سے روایات ضعیف ہوتی ہیں۔ علامہ البانی نے اس روایت کو موضوع قرار دیا ہے۔ (الضعیفہ ۴۳۹)۔

(۱۲) حدثنا ابراهيم بن عبد الاعلى قال سمعت سويد بن غفلة الجعفى يقول اذا سافرت ثلاثا، فاقصر۔

(كتاب الحجة ص۱٦۸ ج ۱)۔

حضرت ابراہیم بن عبد الاعلی فرماتے ہیں کہ میں نے سوید بن غفلہ جعفی رحمۃ اللہ علیہ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ جب تو تین دن کا سفر کرے تو قصر کر۔ (حدیث اور اہل حدیث ص۷۱۸)

الجواب: آپ نے معنوی تحریف کی ہے۔ متن روایت میں صرف ثلاثا کا لفظ ہے جو بمعنی تین آتا ہے۔ مگر آپ نے اس کا معنی، تین دن، کیا ہے جو بد دیانتی ہے، اگر آپ کہہ دیں کہ ثلاثا کے بعد ایام کا لفظ محذوف ہے تو ہم کہتے ہیں کہ ثلاثا کے بعد فراسخ، کا لفظ محذوف ہے لہٰذا اس کا صحیح معنی یہ ہے کہ جب تین فراسخ یعنی ۹ میل سفر کرے تو قصر کر۔

خلاصہ کلام: انوار صاحب نے مکررات کے ساتھ کل دلائل پندرہ نقل کئے ہیں جن کی تفصیل اس طرح ہے کہ (۱) موزوں پر مسح کرنے کی احادیث، (۲) عورت کا بغیر محرم کے سفر نہ کرنا، (۳) چار برید کی روایت، (۴) ابن عمر، (۵) اور ابن عباس کا قول، (۶) اور معروف تابعی امام سوید بن غفلہ کا اثر۔

پہلی دلیل کا تعلق نماز قصر سے نہیں بلکہ طہارت سے ہے۔ طہارت پر نماز کو قیاس کرنا قیاس فاسد

ہے۔ دوسری دلیل کا تعلق نماز قصر سے نہیں بلکہ عورت کو ذی محرم کے بغیر سفر نہ کرنے کے متعلق ہے اور حدیث میں جس طرح تین دن سفر کرنے کی ممانعت ہے اسی طرح ایک برید (۱۲ میل) سفر کرنے سے بھی روکا گیا ہے، تیسری دلیل اقوال صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا قول ضعیف ہے، سیدنا ابن عمر اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اقوال سے حنفیہ کا مسلک ثابت نہیں ہوتا مزید یہ کہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ کے اقوال باہم مخالف ہیں۔ چوتھی دلیل امام سوید تابعی کا قول ہے۔ جو کہ مجمل ہے، جس دلیل سے انوار صاحب نے اپنے مسلک کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے اس دلیل سے وہ ہمارے مخالف نہیں بلکہ موافق ہے۔ آخری دلیل چار برید کی روایت ہے جو حنفیہ کے خلاف ہونے کے علاوہ من گھڑت اور باطل ہے۔ الغرض انوار صاحب کوئی صحیح وصریح حدیث پیش نہیں کر سکے کہ نماز قصر کرنے کے لئے تین دن کی مسافت شرط ہے، مولانا تقی عثمانی نے تو کھلے لفظوں میں اعتراف کیا ہے۔

بہر حال اس باب میں کوئی صریح حدیث مرفوع موجود نہیں البتہ جمہور کے حق میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے آثار ہیں (درس ترمذی ص ۳۳۲ ج ۲) ان آثار کی حقیقت آپ پڑھ آئے ہیں۔

(۶۳) باب مدت قصر

فصل اول

(۱) عن عكرمة عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال اقام رسول الله ﷺ تسعة عشرة يقصر فنحن اذا سافرنا تسعة عشر قصرنا وان زدنا أتممنا۔

امام عکرمہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ انیس دن تک قیام کیا تو قصر کرتے رہے اور ہم صحابہ کرام سفر میں انیس دن ٹھہرتے ہیں تو قصر کرتے ہیں اگر قیام انیس دن سے زیادہ ہوتو نماز پوری پڑھتے ہیں۔

(بخاری کتاب التقصیر باب ماجاء فی التقصیر وکم یقیم حتی یقصر، الحدیث ١٠٨٠)۔

(۲) عن ابن عباس ان رسول الله ﷺ سافر فاقام تسع عشرة يقصر الصلاة، قال فنحن اذا سافرنا قمنا تسع عشرة قصرنا الصلاة فاذا زدنا على ذلك أتممنا۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے سفر کیا اور ایک جگہ پر ۱۹دن قیام کیا تو نماز کو قصر کرکے پڑھتے رہے، اور ہم صحابہ کرام جب سفر کرتے ہیں اور ۱۹ دن قیام کرتے ہیں تو نماز کو قصر کرکے پڑھتے ہیں اور جب اس سے زیادہ قیام کرتے ہیں تو نماز پوری پڑھتے ہیں۔

(مسند ابو یعلی ص ۲۰ ج ۳ رقم الحدیث ٢٣٦٤)۔

(۳) عن ابن عباس قال سافر رسول الله ﷺ سفرا، فصلى تسعة عشر يوما، ركعتين ركعتين، قال ابن عباس فنحن نصلي فيما بيننا وبين تسع عشرة ركعتين ركعتين فاذا أقمنا أكثر من ذلك صلينا أربعا۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک سفر کے دوران ۱۹ دن دو دو رکعتیں ادا فرمائیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی اپنے سفر کے دوران ۱۹ دن تک دو دو رکعتیں ہی پڑھتے ہیں مگر جب ۱۹ دن سے زیادہ قیام کریں گے تو چار چار رکعتیں (پوری نماز) ادا کریں گے۔

(سنن ترمذی کتاب الصلاۃ باب ماجاء فی کم تقصر الصلاۃ الحدیث ٥٤٩)۔

مذکورہ احادیث وآثار سے ثابت ہوا کہ اگر کسی جگہ مسافر ۱۹ دن قیام کرے تو نماز کو دو دو رکعت ادا کرے اور اگر اس سے زیادہ کا ارادہ ہوتو پھر قصر کی بجائے پوری نماز پڑھے، رسول اللہ ﷺ کی ان احادیث کی راوی حدیث سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے یہی سمجھا ہے اور احناف کا مسلمہ اصول ہے کہ

راوی حدیث کو ہماری نسبت زیادہ خبر ہے کہ اس میں کیا ہے، مشہور محدث امام اسحاق بن راھویہ کا یہی مذہب ہے۔ (ترمذی زیر رقم الحدیث ۵۴۸)۔

فصل دوم

(۱) عن مجاهد قال كان ابن عمر اذا اجمع على اقامة خمس عشرة سرح ظهره وصلى اربعا۔

(مصنف ابن ابی شيبه ص ٤٥٥ ج ٢)۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جب پندرہ دن ٹھہرنے کا پختہ ارادہ فرمالیتے تو گھوڑے سے زین اتار دیتے اور چار رکعت ادا کرتے۔

الجواب: اولا سند میں عمر بن ذر راوی ہے جو امام مجاہد سے نقل کر رہا ہے، اور امام بردیجی فرماتے ہیں کہ مجاہد سے مناکیر روایت کرتا ہے۔ (تہذیب ص۲۷۹ ج۴، طبع جدید)۔

ثانیا: یہ مسئلہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں مختلف فیہ ہیں بلکہ خو سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ کے اقوال میں بھی اختلاف ہے، امام نافع بیان کرتے ہیں کہ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ جب ۱۲ دن قیام کا پختہ ارادہ ہو تو نماز کو پورا پڑھا جائے قصر نہ کی جائے۔ (مصنف عبدالرزاق ص۵۳۴ ج۲، رقم الحدیث ۴۳۴۲) یہی روایت آپ کے بیٹے سالم بیان کرتے ہیں (عبدالرزاق رقم الحدیث ۴۳۴۲) (سند صحیح ہے)۔ لہٰذا انوار صاحب جو جواب ۱۲ دن کا دیں گے وہی جواب ہماری طرف سے پندرہ دن کا ہے۔

سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب دس دن قیام کرے تو نماز پوری پڑھے۔

(مصنف ابن ابی شيبه ٤٥٥ ج٢ والمحلی ص٢١٧ ج٣)۔

سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ شام میں ایک مہینہ رہے تو نماز کو قصر کرتے رہے، جب کہ آپ کے ہم سفر امام عبدالرحمٰن بن مسور قصر کرتے رہے, جب امام عبدالرحمٰن نے آپ پر اعتراض کیا تو انہوں نے فرمایا ہم (سنت) کو زیادہ جاننے والے ہیں۔

(مصنف عبد الرزاق ص٥٣٥ ج٢ رقم الحديث ٤٣٥٠)۔

یہ تمام آثار انوار صاحب کے تقلیدی مذہب کے خلاف ہیں، سند کے لحاظ سے تمام کے تمام صحیح ہیں

فما كان جوابكم فهو جوابنا۔

الغرض یہ مسئلہ صحابہ کرام میں مختلف فیہ ہے، اور جن مسائل میں صحابہ کرام کا اختلاف ہو وہاں اقوال صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حجت نہیں ہوتے (راجع مقدمہ)۔

(۴،۳،۲) انوار صاحب نے مکرر اس روایت کو کتاب الحجۃ للامام محمد ص۷۰ ج۱ سے پھر کتاب

الا ثار سے پھر، جامع المسانید سے نقل کیا ہے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص۴۷۲)

الجواب: اولاً ان تمام کی اسناد میں، موسیٰ بن مسلم، راوی ہے اور یہ ابن رومان ہے اسے امام ابو حاتم اور ذہبی نے مجہول قرار دیا ہے۔ (تہذیب ص۳۷۲ ج۱۰، میزان ص۲۲۲ ج۴)۔

ثانیا: پہلے عرض کر دیا گیا ہے کہ یہ مسئلہ صحابہ کرام میں مختلف فیہ ہے بلکہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ کا ایک قول بھی ان کے اس قول کے خلاف ہے اور جس مسئلہ میں اختلاف صحابہ ہو وہاں ان کے اقوال حجت نہیں ہوتے (راجع مقدمہ)۔

(۵) عن سعید بن المسیب قال اذا قدمت بلدۃ فاقمت خمسۃ عشر (یوما) فاتم الصلاۃ۔

(کتاب الحجۃ ص ۱۷۱ ج ۱)۔

حضرت سعید بن مسیّب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب تم کسی شہر میں آؤ اور اس میں پندرہ دن ٹھہرو تو نماز پوری پڑھو، (حدیث اور اہل حدیث ص۴۷۴)

الجواب: اولا اس اثر کا یہ مطلب نہیں کہ اس سے کم مدت قیام کرنا ہو تو قصر ہی کرو، کیونکہ امام سعید بن مسیّب سے صحیح سند کے ساتھ یہ فتویٰ بھی منقول ہے کہ اگر چار دن ٹھہرنے کا ارادہ ہو تو نماز پوری پڑھی جائے۔

(مصنف عبد الرزاق ص۵۳۴ ج۲، مصنف ابن ابی شیبہ ص۴۵۵ ج۲، والمحلی ص۲۱۷ ج۳)۔ بلکہ تین دن قیام کرنے پر بھی وہ قصر کی بجائے پوری نماز پڑھنے کا فتویٰ دیتے ہیں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ص۴۵۵ ج۲)۔

لہٰذا انوار صاحب جو تین اور چار دن کے فتویٰ کا جواب دیں گے وہی ہماری طرف سے پندرہ دن کا تصور کر لیں۔

ثانیا: حنفیہ کے امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ ہمیں جب کوئی حدیث صحیح الاسناد مل جاتی ہے تو اسی کو لیتے ہیں اور جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال و آثار ملتے ہیں تو ان میں سے کسی ایک قول کو منتخب کر لیتے ہیں۔ اور ان کے دائرہ سے نہیں نکلتے، البتہ جب کوئی قول تابعین کا آتا ہے (اور ہمارے فیصلہ کے خلاف ہوتا ہے) تو اس سے مزاحمت کرتے ہیں۔

(الجواہر المضیہ ص ۲۵۰ ج ۲ و مقدمہ انوار الباری ص۲۵ ج ۱)۔

اس سے ثابت ہوا کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک تابعین کے اقوال حجت نہیں، ان کو دلیل سے رد بھی کیا سکتا ہے۔ اور اصول فقہ حنفیہ میں بھی دلائل کو چار قرار دیا گیا ہے (۱) قرآن (۲) سنت (۳) اجماع (۴) اور قیاس، مگر اقوال صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین کا ان میں ذکر نہیں، لیکن انوار صاحب نے زیر

بحث مسئلہ میں ادلہ اربعہ سے کوئی دلیل بھی درج نہیں کی۔ ہاں یہ ضرور فرمایا ہے کہ ظاہر ہے کہ یہ تعین کوئی ایسی چیز تو ہے نہیں جس میں عقل و رائے کو دخل ہو اور ان حضرات نے خود ہی یہ تعین کر لی ہو اس لئے یہی کہا جائے گا کہ ضرور ان حضرات نے حضور علیہ الصلاۃ والسلام سے سن کر یا آپ کے عمل کو دیکھ کر ہی یہ تعین کی ہے، لہٰذا ان کے یہ فتاویٰ حدیث مرفوع کے حکم میں ہوں گے۔ (حدیث اور اہل حدیث ۷۲۵)

محترم، ہوں گے، سے بات نہیں بنتی ہے کوئی دلیل عنایت کریں مدت اقامت کے متعلق اگر آثار صحابہ کرام ؓ مرفوع کے حکم میں ہیں تو آپ سیدنا سعد بن ابی وقاص ؓ کے قول تیس دن کو مرفوع بھی مان لیں اور سیدنا علی ؓ کے اثر دس دن کو بھی مرفوع تسلیم کر لیں۔ سیدہ عائشہ ؓ فرماتی ہیں کہ جب مسافر پڑاؤ ڈال دے تو نماز پوری پڑھے۔

(ابن ابی شیبہ ص ۴۵۵ ج ۲)۔

امام حسن بصری (ایضا) اور امام سعید بن جبیر سے بھی یہی منقول ہے۔

(مصنف عبد الرزاق ص ٥٣٩ ج ٢)۔

تو کیا یہ تمام آثار مرفوع کے حکم میں ہیں؟ اس نالائق کو اتنا بھی علم نہیں کہ نماز قصر کے احکام میں اختلاف صحابہ کرام ؓ معروف ہے۔ اگر یہ آثار مرفوع کے حکم میں ہوتے تو تابعین عظام اور امت مرحومہ میں اختلاف نہ ہوتا، مزید برآں ابن عمر ؓ کے فتاویٰ میں بھی اختلاف ہے۔ تو کیا یہ مرفوع حدیث میں اختلاف ہے حالانکہ اجماع امت ہے کہ نبی مکرم ﷺ کے ارشادات میں اختلاف نہیں ہوتا۔ اس کو بھی چھوڑیئے انوار صاحب وضاحت کریں کہ یہ دس دن کے فتویٰ کی بجائے ۱۵ دن کا ضعیف فتویٰ ہی مرفوع کے حکم میں کیوں ہے؟

اور حکماً مرفوع ہونے میں دس دن کا کیوں شامل نہیں؟ محترم اگر حکما مرفوع ہیں تو تمام آثار صحابہ ہی حکماً مرفوع ہیں۔

خلاصہ کلام: یہ کہ انوار صاحب اپنے مؤقف پر قرآن وسنت سے کوئی دلیل بھی درج نہیں کر سکے، جو بھی زیب فرمایا ہے وہ ادلہ اربعہ سے ہٹ کر ہے۔ پھر ابن عمر ؓ اور ابن مسیب کے اقوال میں بھی تعارض ہے اور وجہ ترجیح میں موصوف نے کوئی دلیل درج نہیں کی۔ بایں ہمہ علمائے اہل حدیث پر اعتراض کے شوق میں پہلے فتاویٰ ثنائیہ ص ۶۰۱ ج ۱ سے چار دن کی مدت نقل کرتے ہیں پھر کہتے ہیں کہ فیصلہ فرمائیں کہ یہ حدیث کی موافقت ہے یا مخالفت؟ (حدیث اور اہل حدیث ص ۷۲۵)

پہلا تو آپ کا یہی جھوٹ ہے کیونکہ آپ نے کوئی حدیث درج نہیں کی صرف آثار صحابہ کرام ؓ نقل کئے ہیں دوسری پردہ پوشی آپ نے یہ کی ہے کہ حاشیہ میں اس فتویٰ کی تردید تھی جس کا محترم نے کوئی ذکر نہیں کیا تیسری غلط بیانی یہ کی کہ حاشیہ میں وضاحت تھی کہ چار دن کی مدت حدیث سے

مستنبط ہے ان کے الفاظ ہیں۔

بعض محدثین کا مسلک ہے جو حجاج کے بعد فراغت تین روز کی اجازت سے مستنبط ہے۔ (حاشیہ فتاویٰ ثنائیہ ص۶۰۱ ج۱)۔

ہم وضاحت کر آئے ہیں کہ امام سعید بن مسیّب بھی چار دن کی مدت قرار دیتے ہیں موصوف نے انہیں مخالفت حدیث کا طعنہ نہیں دیا، لیکن فاتح قادیان کو دھرلیا، کاش آپ نے دورہ حدیث کرنے کی بجائے کہیں سے حدیث فہمی کا بھی درس لیا ہوتا، تو آپ کو معلوم ہو جاتا کہ چار دن کی مدت بے دلیل نہیں بلکہ حدیث سے مستنبط ہے جو عند المحدثین معروف ہے اور مسند احمد ص۵۲ ج۵، بیہقی ص۱۴۷ ج۳ کے علاوہ سنن نسائی رقم الحدیث ۱۴۵۵، ۱۴۵۶، میں سیدنا العلاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ سے مرفوعا مروی ہے اس استنباط پر گرفت کرنا اور اس کا دلائل سے غیر صحیح ہونا ثابت کرنا تو آپ کا حق ہے، مگر یہ آپ کو قطعا حق حاصل نہیں کہ اسے حدیث کی مخالفت کہنا، کیونکہ یہ مسئلہ حدیث سے مستنبط ہے استنباط غلط ہے یا صحیح یہ الگ بحث ہے، لیکن اسے حدیث دشمنی سے تعبیر کرنا آپ کا سولہ آنے جھوٹ ہے۔ پھر یہ موٴقف فقط فاتح قادیان شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری کا ہی نہیں بلکہ اس بزرگ ہستی کا بھی ہے جسے محترم جلیل القدر تابعی، قرار دیتے ہیں جو غیار امت سے ہیں اور زمانہ کے اعتبار سے خیر القرون میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ افسوس اس بات کا ہے محترم کو اس بات کی طرف توجہ بھی دلائی گئی تھی لیکن موصوف نے سنی ان سنی کردی ہے۔ چنانچہ خواجہ قاسم مرحوم فرماتے ہیں۔ گویا مصنف کے نزدیک یہ صرف غیر مقلدین کا مسلک ہے اگر مصنف کی بے خبری کا یہی عالم تھا تو کیا کسی حکیم نے بتایا تھا کہ ۹۱۲ صفحات کی کتاب ضرور لکھنی ہے۔ میرے بھائی! آئمہ ثلاثہ یعنی امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی مذہب ہے (ترمذی ص۳۸۵)۔

ان کا استدلال اس حدیث سے ہے جس کے مطابق نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین مکہ سے فرمایا تھا کہ مکہ میں تین روز سے زیادہ قیام نہ کریں۔

اور یہ استدلال اسی طرح کا ہے جیسے حنفی تین روز کی مسافت کے لیے موزوں یا محرم والی روایتوں سے استدلال کرتے ہیں۔ (حدیث اور غیر اہل حدیث ص۱۲۲ طبع جدید)۔

(۶۴) باب نماز قصر رخصت ہے یا عزیمت؟

فصل اول

امت مرحومہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے لے کر تا حال اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ قصر نماز عزیمت ہے یا رخصت ہے۔ سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا رخصت کے قائل ہیں۔ امام احمد اور امام مالک سے بھی ایک روایت یہی ہے جب کہ امام شافعی رخصت کے تو قائل ہیں مگر پوری نماز پڑھنے کو افضل قرار دیتے ہیں۔ کتب حدیث اور شروحات میں اس کی تفصیل موجود ہے۔ اسی طرح علمائے اہل حدیث میں سے بھی بعض کی یہ رائے کہ قصر رخصت ہے، عزیمت نہیں لہٰذا اگر پوری نماز پڑھ لی جائے تو نماز ہو جائے گی، ہاں البتہ قصر افضل ہے۔ اس کی تردید کے لئے انوار صاحب نے ایک مستقل باب تحریر کیا ہے۔ حالانکہ اس کی ضرورت نہ تھی۔ علمائے اہل حدیث میں سے اکثریت کا مؤقف عزیمت ہی ہے۔ اور ہم بھی یہی مؤقف رکھتے ہیں۔ ہم پہلے چند اکابر محدثین کا مسلک نقل کرتے ہیں پھر پاک و ہند کے علمائے اہل حدیث کے چند فتویٰ درج کریں گے بعدہ فصل دوم میں انواری دلائل میں سے بعض کا بے انوار ہونا ثابت کریں گے۔ ان شا اللہ تعالیٰ۔

(۱) امام ابن حزم نے، المحلی بالاثار مسئلہ نمبر ۵۱۲ میں اس پر نہایت پر مغز بحث کی ہے اور دلائل سے ثابت کیا ہے کہ سفر میں قصر عزیمت ہے رخصت نہیں ہے۔ اس پر انہوں نے قرآن و سنت اور آثار صحابہ کرام درج کئے ہیں، مثلاً سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ، سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ، سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ، سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ، سیدنا جابر رضی اللہ عنہ، سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ، سیدنا ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

فمن أتمها عامد فان كان عالما بان ذلك لا يجوز بطلت صلاته،

اگر جان بوجھ کر نماز پوری پڑھے اور یہ بھی جانتا ہے کہ پوری نماز پڑھنا جائز نہیں تو اس کی نماز باطل ہے۔

(المحلی بالاثار ص ۱۸۵ ج ۳)۔

(۲) امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے، قاعدۃ فی الاحکام، میں اس پر بیس صفحات پر محیط بحث کی ہے کہ سفر میں قصر عزیمت ہے رخصت نہیں۔ اس سلسلہ میں انہوں نے قائلین رخصت کے دلائل کا مدلل جواب بھی دیا ہے۔ (دیکھئے مجموع فتاویٰ ص ۱۴۳ تا ۱۶۳ ج ۲۴)۔

(۳) امام شوکانی نے نیل الاوطار، میں اس پر مفصل بحث کی ہے فریقین کے دلائل کا تجزیہ کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ سفر میں پوری نماز پڑھنے کو افضل کہنا غلط ہے، کیونکہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمام اسفار میں

ہمیشہ قصر کرتے رہے ہیں، اور یہ ناممکن ہے کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام فاضل کو چھوڑ کر مفضول پر عمل کرتے رہے ہوں (نیل الاوطار ص ۲۱۵ ج ۳)۔

(۴) نواب صدیق حسن خاں مرحوم محدث قنوجی کا بھی یہی نظریہ ہے، ہم ان کا یہاں پر مفصل فتویٰ درج کر رہے ہیں آپ فرماتے ہیں کہ۔ علمائے سلف و خلف میں سے بہت سے وجوب قصر کے قائل ہیں خطابی معالم میں فرماتے ہیں اکثر علمائے سلف اور فقہاءِ عصر کا خیال ہے کہ یہ واجب ہے۔ حضرت علی، عمر، ابن عمر، اور ابن عباس، کے علاوہ عمر بن عبد العزیز، قتادہ حسن سے بھی یہی مروی ہے حماد بن ابی سلیمان تو اس قدر فرماتے ہیں کہ اگر سفر میں کوئی چار رکعت پڑھ لے تو وہ دوبارہ نماز پڑھے، امام مالک فرماتے ہیں کہ اگر وقت باقی ہے تو دھرالے، نووی نے بھی بہت سے اہل علم کی طرف اسے منسوب کیا ہے۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضرت عثمان اس کی رخصت کے قائل ہیں۔ ابن عباس (ایک روایت میں) شافعی اور احمد کا بھی یہی خیال ہے نووی نے اس فعل کو بھی اہل علم کے ایک گروہ کی طرف منسوب کیا ہے۔

قائلین وجوب کے دلائل میں سے صحیحین کی یہ حدیث ہے ابن عمر فرماتے ہیں کہ **صحبت النبی ﷺ وکان لایزید فی السفر علی رکعتین وابا بکر وعمر وعثمان۔**

یعنی میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ رہا آپ سفر میں دو رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے، اسی طرح ابو بکر عمر عثمان کا عمل تھا۔

(بخاری کتاب التقصیر باب من لم یتطوع فی السفر دبر الصلاۃ الحدیث ۱۱۰۱ و مسلم کتاب صلاۃ المسافرین باب قصر الصلاۃ بمنیٰ الحدیث ۱۵۹ واللفظ للبنماری)۔

لیکن اس حدیث سے استدلال درست نہیں۔ صرف مداومت سے وجوب ثابت نہیں ہوتا۔

دوسری دلیل یہ حدیث ہے۔

الصلاۃ اول ما فرضت رکعتین فاقرت صلاۃ السفر واتمت صلاۃ الحضر، پہلے صرف دو رکعت نماز فرض ہوئی، پھر حضر میں چار رکعتیں کردی گئیں لیکن سفر میں وہی دو رکعت فرض رہی۔

(بخاری کتاب التقصیر باب قصر اذا خرج من موضعۃ، الحدیث ۱۰۹۰، مسلم کتاب صلاۃ المسافرین باب صلاۃ المسافرین وقصرھا، الحدیث ۱۵۷۰ تا ۱۵۷۲)۔

اس سے استدلال یوں ہے کہ حضر میں چار رکعت سے زیادہ پڑھنا جس طرح ناجائز ہے اسی طرح سفر میں دو سے زیادہ پڑھنا ناجائز ہے۔

اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول ہے اور وہ فرضیت نماز کے وقت حاضر نہ تھیں۔ یہ جواب اتنا عمدہ نہیں ہے۔ اس لئے کہ یہ ایسا معاملہ ہے جس میں اجتہاد کو دخل نہیں، لہٰذا یہ

مرفوع کے حکم میں داخل ہے۔ نیز حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بوقت فرضیت نماز حاضر نہ ہونا قادح نہیں، اس لئے کہ انہوں نے کسی صحابی سے سنا ہوگا۔ اور مراسیل صحابہ باجماع اہل اصول حجت ہیں۔ اسی پر یہ اعتراض بھی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس کی روایت سے متعارض ہے۔ روایت یوں ہے۔

فرضت الصلاۃ فی الحضر اربعا وفی السفر رکعتین۔

(مسلم باب سابق الحدیث ۱۵۷۵)۔

یعنی حضر میں چار اور سفر میں دو رکعتیں فرض ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث اور اس سے پہلی حدیث میں تطبیق ممکن ہے کہ شب معراج تو دو رکعت ہی فرض ہوئی لیکن بعد میں زیادہ کردی گئی، چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔

فرضت الصلاۃ فی الحضر والسفر رکعتین فلما أقام النبی ﷺ بالمدینۃ و زید فی صلاۃ الحضر رکعتان وترکت صلاۃ الفجر لطول القرأۃ وصلاۃ المغرب لانھاوتر النھار۔

یعنی سفر وحضر میں دو دو رکعتیں فرض تھیں جب آپ ﷺ مدینہ تشریف لائے اور امن ہوگیا تو حضر میں نماز کی رکعتیں بڑھا دی گئیں نماز فجر اسی طرح رہی کیونکہ اس کی قرأۃ لمبی ہوتی ہے اور نماز مغرب دن کے وتر ہیں[۱]۔

(ابن خزیمہ رقم الحدیث ۳۰۵، ۹۴۴، ابن حبان (موارد) رقم الجدیث ۵۴۴ و بیہقی ص۱۴۵ ج۳، ۳۶۳ ج۱ ومسند احمد ص۲۴۱ ج۶)۔

رخصت کے قائلین اس حدیث کا معنی یہ کرتے ہیں، فرضت بمعنی قدرت، لیکن یہ تاویل تکلف محض ہے نیز حدیث کا دوسرا حصہ **فاقرت فی السفر وزیدت فی الحضر**، اس کی نفی کرتا ہے، نووی کہتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ جو قصر کرنا چاہے اس پر ہی فرض ہے، لیکن یہ پہلے سے بھی زیادہ تکلف ہے۔ قائلین وجوب کی تیسری دلیل مسلم کی یہ روایت ہے

عن ابن عباس قال ان اللہ فرض الصلاۃ علی لسان نبیکم ﷺ علی المسافر رکعتین وعلی المقیم اربعا والخوف رکعۃ۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کے ذریعہ سے مسافر پر دو رکعت فرض کی ہیں اور مقیم پر چار اور بحالت خوف صرف ایک رکعت۔ (مسلم ص۲۴۱ ج۱)۔

اس حدیث میں تصریح ہے کہ بحالت سفر فرض ہی دو رکعت ہے،، اللہ کی فرض کی ہوئی رکعات پر زیادتی درست نہیں۔

چوتھی دلیل ان کی حضرت عمر کی حدیث ہے جو نسائی میں ہے۔

صلاۃ الاضحی رکعتان، وصلاۃ الفطر رکعتان، وصلاۃ المسافر رکعتان، و صلاۃ

الجمعة رکعتان، تمام غیره قصر علی لسان النبی ﷺ۔

(نسائی رقم الحدیث ۱۴۴۱، ۱۵۶۷)۔

اس حدیث کے رجال صحیح بخاری کے ہیں۔ اس میں تصریح ہے کہ مسافر کی نماز دو رکعت ہی ہے۔ اور یہ قصر نہیں بلکہ مکمل ہے

پانچویں دلیل۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ کی یہ روایت ہے۔ **امرنا ان نصلی رکعتین فی السفر۔** یعنی ہمیں سفر میں دو رکعت پڑھنے کا ہی حکم ہے۔ (نسائی بحوالہ نصب الرایہ ص ۱۹۰ ج ۲)۔

اور جو قصر کو واجب نہیں سمجھتے ان کی پہلی دلیل یہ آیت ہے۔

(۱) **لیس علیکم جناح ان تقصرو من الصلاة،** تم پر گناہ نہیں اگر تم نماز قصر کرو۔ یہ الفاظ رخصت پر دلالت کرتے ہیں۔ وجوب پر نہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ آیت صلاۃ الخوف سے متعلق ہے قصر دو چیزوں میں ہے۔ تعداد رکعات میں اور ارکان میں، اسی طرح اس کا نقص بھی دو چیزوں سے ہے، ضرب فی الارض (سفر) اور خوف ہوں گے تو ارکان میں بھی قصر ہوگا، اور تعداد رکعات میں بھی، اگر خوف بحالت اقامت ہو تو تعداد مکمل رہے گی۔ لیکن ارکان میں قصر ہوگا۔ اسی طرح جب سفر ہو لیکن خوف نہ ہو اس وقت قصر تعداد ہوگا۔ لیکن ارکان مکمل ادا کئے جائیں گے۔ ظاہر ہے یہ آیت صلاۃ الخوف کے متعلق ہے۔ اس میں قصر عدد کا ذکر نہیں بلکہ قصر ارکان کا ذکر ہے۔

قائلین رخصت کی دوسری دلیل مسلم اور سنن کی یہ روایت ہے۔

(۲) **عن یعلی بن امیة قال قلت لعمر بن الخطاب فلیس علیکم جناح ان تقصروا من الصلاة ان خفتم ان یفتنکم الذین کفر وافقد امن الناس فقال عجبت مما عجبت منه فسالت رسول الله ﷺ فقال صدقة تصدق الله بها علیکم فاقبلوا صدقته۔**

یعنی انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے بحالت خوف نماز قصر کرنے کی اجازت دی تھی، اب تو امن ہو چکا ہے اب قصر کرنے کی کیا ضرورت ہے، تو حضرت عمر نے کہا مجھے بھی یہی تعجب ہوا تھا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا؟ یہ تو صدقہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے تم پر کیا ہے اس کا صدقہ قبول کرو۔ مسلم ص ۲۴۱ ج ۱)۔

اس سے استدلال یوں ہے کہ صدقہ کے الفاظ دلالت کرنے میں واجب نہیں، لیکن اس کا جواب یہ ہے امر وجوب کے لئے ہوتا ہے اور آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں۔

فاقبلوا صدقته الله، کا صدقہ قبول کرو۔ اس لئے یہ دلیل ان کے خلاف جاتی ہے۔

(۳) تیسری دلیل ان کی یہ ہے کہ صحابہ نے ایک دفعہ آنحضرت ﷺ کے ہمراہ سفر کیا۔ بعض نے روزہ رکھا بعض نے افطار کیا۔ بعض نے نماز قصر کی بعض نے پوری پڑھی کسی نے دوسرے پر اعتراض نہ کیا۔

نووی نے شرح مسلم میں لکھا ہے کہ یہ حدیث مسلم کی طرف منسوب کی جاتی ہے۔ لیکن ہمیں اس میں نہیں ملی، اس کا جواب یوں ہے کہ اس حدیث میں ذکر نہیں کہ نبی ﷺ کو بھی اس امر کی اطلاع تھی اس کے برعکس آپ کے اقوال و افعال اس کے خلاف موجود ہیں حضرت عثمان نے جب منیٰ میں پوری نماز پڑھی تو کئی صحابہ اس پر معترض ہوئے۔

قائلین رخصت کی چوتھی دلیل نسائی دارقطنی اور بیہقی کی یہ روایت ہے۔

(۴) عن عائشة قالت خرجت مع النبی ﷺ فی عمرة فی رمضان فافطر و صمت و قصرت و اتممت فقلت بابی وامی افطرت وصمت وقصرت واتممت فقال احسنت یا عائشة قال الدارقطنی هذا اسناده حسن۔

یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ رمضان میں عمرہ کے لئے روانہ ہوئی، آپ نے روزہ نہ رکھا میں نے رکھا آپ نے نماز قصر ادا کی، اور میں نے پوری نماز پڑھی، پھر آپ سے دریافت کیا تو فرمایا تو نے اچھا کیا اے عائشہ!

(نسائی رقم الحدیث ۱۴۵۷ وبیهقی ص۱۴۲ ج۳ و دارقطنی ص۱۸۸ ج۲)۔

اس کی سند میں عبد الرحمٰن بن یزید حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتا ہے اور اس کے متعلق ابن حبان کہتے ہیں ثقات سے نہیں۔ البتہ ابن معین نے اسے ثقہ قرار دیا ہے۔

اس کے علاوہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس کا سماع بھی مختلف ہے دارقطنی کہتے ہیں وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس اس وقت گیا جب کہ چھوٹا تھا ابوحاتم کا قول ہے کہ اس کی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس حاضری بحالت صغر سنی ہوئی، اس نے ان سے کچھ بھی نہیں سنا، ابو بکر نیشا پوری کہتے ہیں اس کا عن عائشہ رضی اللہ عنہا کہنا غلط ہے اس کے باوجود دارقطنی نے سنن میں اس اسناد کو حسن قرار دیا ہے بدر منیر میں ہے کہ اس حدیث کا متن منکر ہے اس لئے کہ آنحضرت ﷺ نے چار عمرے کئے ان میں سے رمضان میں کوئی بھی نہیں ہے۔ اس کے برعکس اس روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا رمضان میں عمرہ کے لئے روانہ ہوئیں، آپ کے چار عمرے ذو القعدہ میں ہیں۔ البتہ جو عمرہ آپ نے حج کے ساتھ کیا اس کا احرام ذوالقعدہ میں باندھا لیکن اسے ذوالحجہ میں کیا (البدر المنیر ص۵۲۸ ج۴) شوکانی فرماتے ہیں کہ بعض اہل علم نے اس حدیث کی توجیہات بیان کی ہیں لیکن یہ توجیہات سے زیادہ تاویلات ہیں، ابن حزم فرماتے ہیں **هذا الحدیث لاخیر فیه**، (المحلی ص۱۹۰ ج۳) ابن جوزی نے آپ کی تردید کرنا چاہی ہے مگر کر نہیں سکے۔ الھدی میں (ابن قیم نے) اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر جھوٹ باندھا گیا ہے۔ (زاد المعاد ص۱۵۸ ج۱، طبع مصر ۱۹۷۰ء)

(۵) ان کی پانچویں دلیل دارقطنی ص۱۸۹ ج۲ کی یہ روایت ہے۔

عن عائشة ان النبی ﷺ کان یقصر فی السفرو یتم ویفطر ویصوم۔ یعنی آنحضرت ﷺ سفر میں قصر بھی کرتے تھے کبھی پوری بھی پڑھ لیتے تھے، اسی طرح کبھی روزہ رکھتے لیکن کبھی افطار کرلیتے، دارقطنی نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے امام احمد نے اس حدیث کو منکر قرار دیا ہے۔ چنانچہ صاحب التلخیص الحبیر نے اس کا ذکر کیا ہے، اس کے بعد لکھتے ہیں وصحته بعیدة، کہ اس کا صحیح ہونا بعید از امکان ہے اس لئے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آنحضرت کی وفات کے بعد نماز پوری پڑھنی شروع کی، عروہ کہتے ہیں کہ انہوں نے بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرح تاویل کی، اگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس کوئی مرفوع روایت ہوتی ہے تو عروہ ایسے نہ کہتے، الہدی میں منقول ہے کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے اسے بھی کذب علی الرسول ﷺ قرار دایا ہے۔ (زاد المعاد ص۱۵۸ ج۱)

الغرض اس طرح کی ضعیف روایات قائلین وجوب کے دلائل کے معارض ہونے کے قابل نہیں، تحقیق یہی ہے کہ قصر واجب ہے۔ رخصت نہیں۔ چنانچہ شوکانی، وبل الغمام میں لکھتے ہیں حق بات یہی ہے کہ قصر واجب ہے۔ احادیث کا مقتضی یہی ہے۔

(الدلیل الطالب ص۳۷۹ بحواله فتاوی علمائے حدیث ص۲۰۶ ج۴)۔

بلاشبہ علمائے اہل حدیث میں سے بعض کا یہی مؤقف ہے کہ قصر رخصت ہے عزیمت نہیں پوری نماز پڑھی جاسکتی ہے۔ لیکن یہ مؤقف صرف چند علمائے اہل حدیث کا ہی نہیں بلکہ جلیل القدر صحابی اور خلیفہ راشد سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور سیدنا عائشہ رضی اللہ عنہا کا بھی ہے امام شافعی بھی اسی کے قائل ہیں۔ اور ایک روایت میں امام احمد کا مسلک بھی یہی ہے۔ انوار صاحب جو توجیح خلیفہ راشد رضی اللہ عنہ اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے عمل کی کریں گے وہی جواب ہماری طرف سے بعض علمائے اہل حدیث کے مؤقف کا سمجھ لیں۔

ممکن ہے کہ انوار صاحب سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے عمل کو یہ کہہ کر رد کردیں کہ انہوں نے مکہ مکرمہ میں گھر بنالیا تھا، لہٰذا منیٰ میں پوری نماز پڑھنا بوجہ اقامت تھی، پہلی بات تو یہ ہے کہ روایت منقطع ہے۔ (فتح الباری ص۴۵۶ ج۲)۔ دوسری بات یہ ہے کہ حاجی پر منیٰ میں قصر ہی ہے۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ دارقطنی کی روایت کوامام احمد نے منکر کہا ہے اور اس کی صحت بعید ہے کیونکہ عائشہ رضی اللہ عنہا سفر میں پوری نماز پڑھا کرتی تھیں۔ عروہ نے ذکر کیا ہے کہ انہوں نے بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرح تاویل کی تھی (التلخیص الحبیر ص۴۴ ج۲)۔

حافظ ابن حجر نے جس روایت عروہ کی طرف اشارہ کیا ہے وہ بخاری (۱۰۹۰) ومسلم ۵/۱۹۵ وغیرہ میں ہے اس سے ثابت ہوا کہ انہوں نے اتمام کے لئے تاویل کی تھی اگر مکہ کے باسی ہوچکے تھے تو تاویل کی ضرورت نہ تھی ثابت ہوا کہ ان دونوں صحابہ کرام رضی اللہ عنہما کے نزدیک قصر رخصت تھی۔

فصل دوم

اب ہم انوار صاحب کے بعض ضعیف و کمزور دلائل کا ذکر بھی کر دینا چاہتے ہیں، تاکہ بات پوری طرح صاف ہوجائے۔

(۱) عن ابن عمر قال قال رسول اللہ ﷺ صلاۃ السفر رکعتان من ترک السنہ فقد کفر۔

(رواہ ابن حزم بسند صحیح عمدۃ القاری ص١٣٣ ج٧)۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سفر کی نماز دو رکعتیں ہیں جس نے سنت (یعنی اس طریقہ) کو چھوڑا تحقیق اس نے کفر کیا۔ (حدیث اور اہل حدیث ۷۲۷)

الجواب: اولاً اس روایت کی رو سے تو مسافر قطعی طور پر دو رکعت پڑھنے کا پابند ہے مغرب کی تین رکعت ادا کرے گا وہ بھی کافر ہوجائے گا۔ حالانکہ یہ حنفیہ کا بھی مسلک نہیں ہے۔

ثانیاً: اس روایت کی رو سے دوگانہ پڑھنا سنت قرار پاتا ہے، متن روایت میں صاف سنت کا لفظ ہے مگر احناف کے نزدیک سنت نہیں بلکہ واجب ہے، انوار صاحب نے اس حقیقت پر پردہ ڈالنے کے لئے بریکٹ میں سنت کا معنیٰ، طریقہ، کردیا ہے حالانکہ متن روایت میں ایسا کوئی قرینہ نہیں۔

ثالثاً: امام ابن حزم نے (المحلی ص۱۸۶ ج۳) میں جو اس کی سند درج کی ہے اس میں عبد اللہ بن رجاء راوی ہے امام احمد فرماتے ہیں ہیں اس کی کتب جل گئی تھیں، اور حافظہ سے روایت کرتا تھا، اور اس کے پاس مناکیر ہیں (میزان ۴۲۱ ج۲) یہی وجہ ہے کہ کبھی یہ مرفوع بیان کرتا ہے اور کبھی موقوف بیان کرتا ہے جیسا کہ خود امام ابن حزم نے محلی میں صراحت کی ہے۔ اور نمبر۴ میں انوار صاحب نے بھی بحوالہ (مجمع الزوائد ص۱۵۴ ج۲) موقوف نقل کیا ہے، گو ھیثمی نے کہا ہے کہ اس کی سند کے راوی صحیح کے ہیں لیکن اس سے مذکورہ اعتراض کا جواب نہیں بنتا کیونکہ عبد اللہ بن رجاء ثقہ و صدوق ہے۔ اس کی روایات میں مناکیر کتب جل جانے کی وجہ سے آئی ہیں ہاں اگر اس کا کوئی ثقہ متابع مل جائے تو روایت درجہ صحت کو پہنچ جاتی ہے۔

(۲) عن ابی الکنود سالت ابن عمر عن صلاۃ السفر فقال رکعتان نزلتا من السماء فان شئتم فردوھما۔

(مجمع الزوائد ص٧٢٨)۔

حضرت ابو الکنود رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے سفر کی نماز کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا: دو رکعتیں ہیں جو آسمان سے اتری ہیں چاہو تو ان کو رد کردو۔

(حدیث اور اہل حدیث ص۷۲۸)

الجواب: ابوالکنود راوی کی کسی محدث نے توثیق نہیں کی صرف ابن حبان نے اسے ثقات میں ذکر کیا ہے۔ (تہذیب ص۲۱۳ ج۱۲)۔ حافظ ابن حجر نے اسے مقبول کہا ہے (تقریب ص۴۲۳) یعنی متابعت کی صورت میں ورنہ لین الحدیث ہے۔ (مقدمہ تقریب) اور یہاں متابعت ثابت نہیں۔ دوسرا راوی اس میں شریک بن عبد اللہ ہے۔ (طبرانی صغیر ص۱۸۴ ج۱ رقم الحدیث ۹۹۷) اور یہ مختلط ہے (تقریب ۱۴۵)۔

الغرض یہ روایت ضعیف ہے۔

(۳) عن السائب بن یزید الکندی ابن اخت النمر قال فرضت الصلاة رکعتین ثم زید فی الصلاة الحضر واقرت صلاة السفر۔

(مجمع الزوائد ص١٥٤ ج٢)۔

حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ نمر کے خواہر زادے فرماتے ہیں کہ نماز سفر دو دو رکعت فرض ہوئی تھی پھر حضر کی نماز میں اضافہ ہوگیا اور سفر کی نماز یونہی برقرار رکھی گئی۔

(حدیث اور اہل حدیث ص۴۲۸)

الجواب: ہیثمی نے اسے (طبرانی کبیر ص۱۵۵ ج۷) سے نقل کیا ہے گو یہ کہا ہے کہ اس کے راوی صحیح کے راوی ہیں مگر یہ ان کا وہم ہے کیونکہ سند میں سعد بن سعید الانصاری ہے جو سیئی الحفظ ہے۔ (تقریب ص۱۱۸)۔

ایسے راویوں کی روایات متابعت کے بغیر قابل قبول نہیں ہوا کرتی۔

(۴) عن ابن عباس قال صلی رسول اللہ ﷺ حین سافر رکعتین وحین اقام اربعا قال وقال ابن عباس فمن صلی فی السفر اربعا کمن صلی فی الحضر رکعتین الحدیث۔

(مجمع الزوائد ص١٥٥ ج٢)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جب سفر کیا تو دو دو رکعتیں پڑھیں اور جب آپ مقیم ہوئے تو چار پڑھیں۔ راوی کہتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں جو شخص دوران سفر چار رکعتیں پڑھتا ہے، وہ ایسے ہی ہے جیسے وہ شخص جو حضر میں دو رکعت پڑھے، (حدیث اور اہل حدیث ۴۳۰)

الجواب: آپ نے روایت کا مکمل متن درج نہیں کیا۔ انوار صاحب کے نقل کردہ الفاظ سے آگے کی عبارت یہ ہے۔

قال وقال ابن عباس لن تقصر الصلاة الامرة، واحدة حیث صلی رسول اللہ ﷺ رکعتین و وصلی الناس رکعت قلت فی الصحیح بعضه، رواه احمد وفیه حمید بن علی

العقیلی قال الدارقطنی لا یحتج به، وذکره ابن حبان فی الثقات۔

یعنی ابن عباس ؓ نے فرمایا کہ نبی مکرم ﷺ نے صرف ایک بار نماز کو قصر کیا تھا جب آپ نے دو رکعت اور لوگوں نے آپ کی اقتدا میں ایک ایک رکعت پڑھی تھی۔ اسے امام احمد نے مسند میں روایت کیا ہے۔ اور سند میں حمید بن علی راوی ہے امام دارقطنی فرماتے ہیں کہ اس سے احتجاج نہ کیا جائے، ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا ہے۔ (مجمع الزوائد ص۱۵۵ ج۲، وفی نسخۃ الاخری ص۱۵۸ ج۲) انوار صاحب نے اگلا حصہ مطلب برآری کے لیے حذف کیا ہے کیونکہ ان کے نزدیک صلاۃ خوف کی یہ کیفیت نہیں بلکہ ان کے نزدیک طائفہ اولیٰ ایک رکعت امام کے ساتھ پڑھ کر چلی جائے، پھر طائفہ ثانیہ دوسری رکعت امام کے ساتھ پڑھ کر چلا جائے پھر پہلا طائفہ آ کر اپنی نماز پوری کرے، اس کے بعد دوسرا طائفہ آ کر اپنی نماز پوری کرے۔ (ھدایہ ص۱۲۲ ج۱) شرح نقایہ ۱۴۲ ج۱)۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ یہ طریقہ احادیث سے ثابت نہیں (فتح الباری ص۳۴۵ ج۲)۔

چونکہ اس طریقہ سے مذکورہ روایت سے نفی ہوتی تھی۔ اس لئے انوار صاحب نے جان بوجھ کر آدھی حدیث نقل کر کے اپنے مسلک کی لاج رکھ لی۔

(۵) عن ابی هریرة قال سافرت مع رسول الله ﷺ ومع ابی بکر وعمر کلهم صلی من حین یخرج من المدینة الی ان یرجع الیها رکعتین فی المسیر والمقام بمکة۔

(مجمع الزوائد ص۱۵۶ ج۲)۔

حضرت ابو ہریرہ ؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ سفر کیا ہے۔ سب نے مدینہ سے جاتے اور واپس مدینہ آنے تک دو رکعتیں ہی پڑھیں سفر کے دوران بھی اور مکہ مکرمہ اقامت کے دوران بھی۔ (حدیث اور اہل حدیث ص۴۳۲)

الجواب: ہیثمی نے اسے طبرانی الاوسط اور مسند ابو یعلی کی طرف منسوب کیا ہے۔ لیکن طبرانی الاوسط (۱۵۷۸)۔ میں یہ روایت ابن عمر ؓ سے مختصر مروی ہے جب کہ سیدنا ابو ہریرہ ؓ سے مسند ابو یعلی ص۳۳۰ ج۵) رقم الحدیث ۵۸۳۶) میں ہے سند حسن درجہ کی ہے۔ لیکن انوار صاحب جو اس سے ثابت کرنا چاہتے ہیں وہ ثابت نہیں ہوتا کیونکہ محض فعل سے وجوب ثابت نہیں ہوتا ہاں البتہ افضلیت کی بات جدا ہے۔

(۶) عن عطاء بن یسار قال ان ناسا قالوا یا رسول الله ﷺ کنا مع فلان فی السفر فابی الا ان یصلی لنا اربعا اربعا فقال رسول الله ﷺ اذا والذی نفسی بیده تضلون۔

(المدونه الکبریٰ ص۱۲۱ ج۱)۔

حضرت عطاء بن یسار ؒ فرماتے ہیں کہ کچھ لوگوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ! ہم

فلاں صاحب کے ساتھ سفر میں تھے انہوں نے ہمیں نماز پڑھانے سے انکار کیا بجز اس صورت کے کہ وہ چار چار رکعت پڑھائیں گے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے ایسی صورت میں تم گمراہ ہو جاؤ گے۔

(حدیث اور اہل حدیث ص۴۳۳)

الجواب: اولاً یہ روایت کذب اور بہتان ہے رسول اللہ ﷺ پر، تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ کتاب مدونہ الکبریٰ کی اسناد مخدوش ہیں پھر اس کا طریق بھی مرسل ہے۔

ثانیا: سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور ام المؤمنین صدیقہ کائنات سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا سفر میں پوری نماز پڑھنا تو بخاری ومسلم کی احادیث سے ثابت ہے اور طحاوی نے (شرح معانی الاثار ص۲۴۶ ج۱) میں سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے صحیح سند کے ساتھ سفر میں پوری نماز پڑھنا بیان کیا ہے۔ اور تابعین عظام سے ایک گروہ رخصت کا قائل ہے آئمہ اربعہ میں سے امام احمد، امام مالک، امام شافعی، قصر میں رخصت کے قائل ہیں۔ (درس ترمذی ص۳۲۵ ج۲)۔

سوال یہ ہے کہ آیا مذکورہ تمام بزرگ گمراہ ہوگئے تھے۔ انوار صاحب وضاحت کریں کہ قرآن و سنت میں گمراہی پر کیا وعید آئی ہے؟ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور سیدنا سعد رضی اللہ عنہ تو عشرہ مبشرہ میں شامل ہیں مگر انوار خورشید صاحب شرم وحیاء کو بالائے طاق رکھ کر ان پر کفر کا فتویٰ صادر کرتے ہوئے کوئی عار محسوس نہیں کرتا۔ اس نالائق کی جس قدر مزمت کی جائے کم ہے لاٹھی اور سانپ میں تمیز کیے بغیر دلائل نقل کرتے جانا، علم نہیں، جہالت ہے، سنیت نہیں رافضیت ہے۔ دینی خدمت نہیں، اغیار کی ترجمانی ہے، محترم نے یہاں حاطب اللیل بن کر قابل ستائش کام نہیں کیا، اہل علم بیدار مغز ہوا کرتے ہیں، وہ دلیل کی صحت وسقم کو پرکھتے ہیں اور منفی اثرات کو ذہن میں رکھ کر بیان کرتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ ہر چمکنے والی چیز سونا نہیں ہوتی۔

(۷) عن ابراهيم ان ابن مسعود قال من صلى فى السفر اربعا اعاد الصلاة۔

(معجم طبرانی کبیر ص۲۸۹ ج۹)۔

حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا جس نے سفر میں چار رکعتیں پڑھیں وہ اپنی نماز لوٹائے۔ (حدیث اور اہل حدیث ۴۳۳)

الجواب: اولاً اس اثر سے ثابت ہوا کہ مسافر اگر چار رکعت پڑھے گا تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی۔ حالانکہ حنفیہ کے نزدیک باطل نہیں ہوتی بلکہ نماز ہو جاتی ہے اگر نمازی نے قعدہ اولیٰ کیا ہو۔ (ہدایہ ص۱۱۳ ج۱ وشرح نقایہ ص۱۲۱ ج۱)۔

ثانیا: اگر نماز نہیں ہوتی تو انوار صاحب وضاحت کریں کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور

سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کی نماز نہیں ہوتی تھی؟ اور آیا وہ بے نماز ہی فوت ہوئے؟ قرآن وسنت میں بے نماز پر جو فتویٰ ہے اس کی بھی ذرا وضاحت کر دیجئے پھر آئمہ اربعہ میں سے تین امام بھی رخصت کے قائل ہیں کیا یہ سب بزرگ بے نماز اور آئمہ ھدیٰ سے خارج ہیں؟

ثالثاً: ہیثمی فرماتے ہیں کہ ابراہیم نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے کچھ بھی نہیں سنا (مجمع الزوائد ۱۵۵ ج ۲)۔ گویا روایت منقطع ہے۔ راقم عرض کرتا ہے کہ سند میں۔ غالب بن عبید اللہ راوی ہے امام یحییٰ بن معین فرماتے ہیں۔ ثقہ نہیں امام دارقطنی کہتے ہیں۔ متروک ہے (میزان ۳۳۱ ج ۳)۔ امام ابن مدینی فرماتے ہیں کہ ضعیف اور ہیچ محض ہے ابن سعد، عقیلی، ساجی نے ضعیف قرار دیا ہے۔

امام ابوحاتم، امام نسائی نے متروک اور منکر الحدیث قرار دیا ہے عجلی ابن جارود، ابن شاہین نے ضعفاء میں ذکر کیا ہے۔ (لسان المیزان ص ۴۱۵ ج ۴) کوئی ادنیٰ کلمہ توثیق بھی راقم کو کتب رجال سے اس کے حق میں نہیں ملا۔ الغرض یہ روایت سخت ضعیف ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ سفر کی حالت میں نماز کو قصر کر کے ہی ادا کرنا چاہیے، رسول اللہ ﷺ نے ہمیشہ سفر میں قصر ہی کی ہے۔ جمہور صحابہ کرام رضی اللہ عنہ بھی قصر کے ہی قائل ہیں اگر پوری نماز پڑھنی جائز ہوتی تو رسول اللہ ﷺ بیان جواز کے لئے ایک آدھی دفعہ ہی نماز پوری پڑھ لیتے۔ مگر ایسی کوئی روایت بھی موجود نہیں جو قابل ذکر اور لائق دلیل ہو۔ اس لئے بے خطر اور سلامتی کا راستہ یہی ہے کہ نماز سفر میں قصر کی جائے اور یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ صحیح و خالص حق بات یہی ہے کہ مسافر پر دو رکعت ہی فرض ہے۔ احادیث صحیحہ سے یہی ثابت ہوتا ہے۔ لہٰذا قصر کو افضل کہنا درست نہیں۔ اور نہ ہی یہ بات درست ہے کہ پوری پڑھنا افضل ہے کیونکہ اس بات کا نتیجہ تو یہ نکلا کہ رسول اللہ ﷺ ہمیشہ فاضل کو چھوڑ کر مفضول پر عمل کرتے رہے۔ حالانکہ نبی مکرم ﷺ اولیٰ و بہتر اور افضل کام کیا کرتے تھے مزید یہ کہ جو حضرات پوری نماز پڑھنے کو باطل کہتے ہیں اس سے بھی ہم برآت کا اظہار کرتے ہیں کیونکہ یہ مسئلہ خیر القرون سے مختلف فیہ ہے اور بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بہر حال رخصت کے قائل تھے۔ ان کی نمازوں کو باطل قرار دینا چھوٹا منہ اور بڑی بات ہے اس سلسلہ میں کوئی مرفوع حدیث ثابت نہیں۔ اور انوار صاحب نے اس کے متعلق جو دلائل نقل کئے ہیں۔ ان کی حقیقت آپ پڑھ آئے ہیں۔ سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابی ذر غفاری رضی اللہ عنہ باوجود کہ سفر میں قصر کرنے پر سختی سے قائل تھے۔ مگر فتنہ کے خوف سے چار رکعت بھی پڑھ لیا کرتے تھے۔

(فتح الباری ص٤٥٢ ج٢)۔

(۶۵) باب نماز قصر میں سنتوں کا پڑھنا لازم نہیں

فصل اول

(۱) عن عیسیٰ بن حفص بن عاصم قال حدثنی ابی انه سمع ابن عمر یقول صحبت رسول اللهﷺ فکان لا یزید فی السفر علی رکعتین وابا بکر وعمر و عثمان کذلك رضی اللہ عنہم

امام عیسیٰ اپنے والد حفص سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے سیدنا عبد للہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہا۔ آپ علیہ السلام دو رکعتوں سے زیادہ نہ پڑھتے تھے۔ اور اسی طرح سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ بھی دو رکعت پڑھا کرتے تھے۔

(بخاری کتاب التقصیر باب من لم یتطوع فی السفر دبر الصلاۃ، الحدیث ۱۱۰۲)۔

(۲) عن حفص قال صحبت ابن عمر فی طریق مکة ، قال فصلی لنا الظهر رکعتین، ثم اقبل واقبلنا معه، حتی جاء رحله، وجلس وجلسنا معه، فحانت منه التفاتة نحو حیث صلی، فرأی ناسا قیاما فقال مایصنع هولاء؟ قلت یسبحون، قال لوکنت مسبحا أتممت صلاتی، یا ابن أخی انی صحبت رسو ل اللهﷺ فی السفر، فلم یزد علی رکعتین، حتی قبضه الله، وصحبت ابا بکر فلم یزد علی رکعتین حتی قبضه الله، وصحبت عمر فلم، یزد علی رکعتین، حتی قبضه الله، ثم صحبت عثمان فلم یزد علی رکعتین، حتی قبضه الله، وقد قال الله تعالیٰ لقد کان لکم فی رسول الله اسوة حسنة (الاحزاب ۲۱)۔

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پوتے امام حفص بیان کرتے ہیں کہ میں مکہ مکرمہ کے راستہ میں سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ آیا، آپ نے ہمیں ظہر کی دو رکعت نماز پڑھائی پھر وہ آئے اور ہم بھی ان کے ساتھ آئے یہاں تک کہ اپنے اترنے کی جگہ پہنچے اور بیٹھ گئے اور ہم بھی ان کے ساتھ بیٹھ گئے، تو آپ کی نگاہ اس جگہ پڑی جہاں ہم نے نماز پڑھی تھی۔ کچھ لوگوں کو کھڑے ہوئے دیکھا، دریافت کیا یہ کیا کرتے ہیں میں نے عرض کی کہ سنتیں پڑھتے ہیں ، تو آپ کہنے لگے اگر مجھے سنتیں پڑھنی ہوتیں تو میں نماز پوری پڑھتا، پھر فرمایا کہ اے میرے بھتیجے! میں سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہا ، آپ نے دو رکعت سے زیادہ نہیں پڑھیں۔ حتیٰ کہ آپ کی وفات ہوگئی، اور میں ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہا، آپ نے دو رکعت سے زیادہ نہیں پڑھیں یہاں تک کہ آپ کی وفات ہوگئی، اور میں عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہا، آپ

نے بھی دو رکعت سے زیادہ نہیں پڑھیں، حتیٰ کہ آپ اللہ کو پیارے ہوگئے، میں عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہا، آپ نے بھی دو رکعت سے زیادہ نہیں پڑھیں۔ حتیٰ کہ آپ فوت ہوگئے، اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ رسول اللہ ﷺ تمہارے لیے اسوہ حسنہ ہیں۔

(صحیح مسلم کتاب صلاۃ المسافرین باب صلاۃ وقصرھا الحدیث ۱۵۷۹)۔

(۳) عن کریب عن اسامة بن زید رضی اللہ عنہما انه سمعه یقول دفع رسول الله ﷺ من عرفه فنزل الشعب فبال ثم توضا ولم یسبغ الوضوء فقلت له، الصلاة فقال، الصلاة امامك فجاء المزدلفة فتوضاء فاسبغ ثم اقیمت الصلاة فصلی المغرب، ثم اناخ کل انسان بعیره فی منزله، ثم اقیمت الصلاة فصلی ولم یصل بینهما۔

امام کریب بیان کرتے ہیں کہ میں نے سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے سنا کہ آپ فرما رہے تھے۔ کہ رسول اللہ ﷺ عرفہ سے آئے اور مزدلفہ میں گھاٹی پر اترے وہاں آپ نے پیشاب کیا پھر وضو کیا اور پورا وضو نہ کیا۔ (یعنی خوب پانی نہ بہایا) میں نے عرض کیا نماز؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ نماز آگے چل کر پڑھیں گے پھر مزدلفہ میں آئے اور وضو کیا پھر نماز کی تکبیر ہوئی اور مغرب کی نماز ادا کی پھر ہر شخص نے اپنا اونٹ ٹھکانے پر بٹھایا پھر تکبیر ہوئی اور عشاء کی نماز ادا کی اور ان کے درمیان آپ ﷺ نے کوئی نفل وغیرہ نہ پڑھے۔

(بخاری کتاب الحج باب الجمع بین الصلاتین بالمزدلفة، الحدیث ۱۶۷۲، مسلم کتاب الحج باب الافضة من عرفات الی المزدلفة ۳۰۹۹)۔

(۴) عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال جمع النبی ﷺ المغرب والعشاء بجمع کل واحدة منهما باقامة، ولم یسبح بینهما ولا علی اثر کل واحدة منها۔

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی مکرم ﷺ نے مزدلفہ میں مغرب وعشاء کی نماز ایک ہی اقامت سے جمع کر کے پڑھیں۔ اور ان دونوں کے درمیان سنتیں نہیں پڑھیں اور نہ ہی ان دونوں سے پہلے یا بعد میں سنتیں پڑھیں۔

(بخاری کتاب الحج باب من جمع بینهما ولم یتطوع، الحدیث ۱۶۷۳، مسلم کتاب الحج باب سابق الحدیث ۳۱۱۱)۔

(۵) عن انس یقول خرجنا مع النبی ﷺ من المدینة الی مکة، فکان یصلی رکعتین رکعتین حتی رجعنا الی المدینة الحدیث۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نبی مکرم ﷺ کے ساتھ مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ گئے تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام دو دو رکعتیں ہی پڑھتے رہے حتیٰ کہ ہم مدینہ طیبہ میں واپس آگئے۔

(بخاری کتاب التقصیر باب ماجاء فی التقصیر وکم یقیم حتی یقصر الحدیث ۱۰۸۱ ومسلم کتاب صلاة

المسافرین باب صلاة المسافرین وقصرها الحدیث ١٥٨٦)۔

(٦) عن ابن عون عن مجاهد قال سألناه أكان ابن عمر يتطوع فى السفر فقال، لا، فقلت فركعتين قبل الفجر قال ما رأيته ترك تينك فى سفر ولاحضر۔

امام ابن عون فرماتے ہیں کہ ہم نے امام مجاہد سے سوال کیا کہ کیا سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ سفر میں نوافل پڑھا کرتے تھے، تو آپ نے فرمایا، نہیں، میں نے کہا کیا صبح کی سنتیں بھی؟ تو انہوں نے کہا کہ میں نے سفر وحضر میں ان دو رکعتوں کو ترک کرتے نہیں دیکھا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص ۳۸۰ ج ۱)۔

(۷) عن ابن عمر انه كان لا يتطوع فى سفر قبل الصلاة ولا بعدها وكان يصلى من لليل۔

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ سفر میں نماز سے پہلے اور بعد میں نفل نہ پڑھا کرتے تھے۔ اور رات کو (تہجد) پڑھا کرتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ۳۸۰ ج ۱)۔

(۸) عن عبد الله بن دينار قال كان ابن عمر يتطوع بالليل ولا يتطوع بالنهار فى السفر وكان يصلى الى بعيره۔

امام عبداللہ بن دینار کہتے ہیں کہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سفر میں دن کے وقت نوافل نہ پڑھا کرتے تھے ہاں رات کو سواری پر پڑھ لیا کرتے تھے۔

(مصنف عبدالرزاق ص ۵۵۸ ج ۲ رقم الحدیث ۴۴۴۶)۔

(۹) عن نافع ان ابن عمر كان لايتطوع فى السفر فى الصلاة النهار۔

امام نافع بیان کرتے ہیں کہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سفر میں دن کی نمازوں (کے ساتھ) نوافل نہیں پڑھا کرتے تھے۔

(مصنف عبدالرزاق ص ۵۵۸ ج ۲ رقم الحدیث ۴۴۴۷)۔

(۱۰) عن سعيد بن يسار انه قال كنت اسير مع عبد الله بن عمر بطريق مكة، فقال سعيد فلما خشيت الصبح فنزلت فاوترت، فقال عبد الله اما لك فى رسول الله (ﷺ) اسوة حسنة ؟ فقلت بلىٰ والله، قال فان رسول الله ﷺ كان يوتر على البعير۔

امام سعید بن یسار فرماتے ہیں کہ میں سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ مکہ مکرمہ کے راستے پر چل رہا تھا مجھے صبح ہونے کا ڈر ہوا تو سواری سے اتر کر وتر پڑھا سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کیا آپ کے لئے رسول اللہ ﷺ اسوہ حسنہ نہیں؟ میں نے کہا کیوں نہیں اللہ کی قسم، تو آپ نے فرمایا کہ

رسول اللہ ﷺ تو اونٹ پر سوار رہ کر وتر پڑھ لیتے تھے۔

(بخاری کتاب الوتر باب الوتر علی الدابة، الحدیث۹۹۹، مسلم کتاب صلاة المسافرین باب جواز صلاة النافلة علی الدابة فی السفر حیث توجهت الحدیث ١٦١٥)۔

(۱۱) عن ابن عمر قال کان النبی ﷺ یصلی فی السفر علی راحلته حیث توجهت به، یومی ایما صلاة اللیل الا الفرائض ویوتر علی راحلته۔

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی مکرم ﷺ سفر میں رات کی نماز اور وتر اونٹنی پر ہی اشارے سے پڑھا کرتے تھے۔ وہ جدھر چاہے آپ علیہ الصلاۃ والسلام کو لے جاتی، مگر فرض نماز (سواری سے اتر کر پڑھتے تھے)

(صحیح بخاری کتاب الوتر فی السفر الحدیث، ١٠٠٠، مسلم باب سابق الحدیث ١٦١٠)۔

قارئین کرام مذکورہ حدیث و آثار کی وضاحت سے پہلے ہم مناسب خیال کرتے ہیں کہ زیر بحث مسئلہ میں امت مرحومہ کے تعامل کی وضاحت کر دیں، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ امام نووی فرماتے ہیں کہ سفر میں نوافل ادا کرنے کے متعلق علمائے امت میں تین مؤقف ہیں (۱) مطلق منع ہیں (۲) مطلق جائز ہیں (۳) سنتوں اور نوافل کا فرق کرتے ہیں۔ اور یہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کا مذہب ہے کہ عام نوافل تو پڑھے جائیں جب کہ سنتوں کو ترک کیا جائے۔

(۴) حافظ صاحب کہتے ہیں کہ چوتھا مذہب یہ ہے کہ دن اور رات کا فرق کرتے ہیں۔

(۵) نماز سے قبل کی جائز ہیں بعد میں نہیں۔ (فتح الباری ص۴۶۲ ج۲)۔

ان کے علاوہ بھی کئی اقوال ہیں مثلاً حالت سیر میں ترک کرنا اور حالت قیام میں پڑھنا افضل ہے، علامہ عینی نے، عمدہ القاری ص۱۴۴ ج۷ میں علامہ ہندوانی کا یہ قول نقل کیا ہے۔ عام اکابر دیو بند کا یہی مسلک ہے کیونکہ امام محمد سے ایک روایت میں یہی منقول ہے۔ دیکھئے بزل المجہود ص۲۴۱ ج۲ و فتح الملہم ص۲۵۱ ج۲ فیض الباری ص۳۹۹ ج۲ حاشیہ بخاری ص۱۴۹ وغیرہ۔

ہمارے نزدیک سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا مؤقف سب سے زیادہ پختہ ہے کہ عام نوافل وغیرہ پڑھے جاسکتے ہیں جب کہ فرض نماز سے پہلے اور بعد کی سنتوں کو نہ پڑھا جائے اور ان کا نہ پڑھنا ہی اولیٰ و بہتر ہے کیونکہ ان کا پڑھنا رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں ایسا ہی خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم سے بھی ثابت نہیں، ہاں البتہ صبح کی سنتوں کو پڑھا جائے جیسا کہ (بخاری ص۱۴۹ ج۱ و مسلم ص۲۳۹ ج۱) میں مرفوعاً ثابت ہے وتر کو بھی ادا کیا جائے جیسا کہ آخری دو حدیثوں کا مفاد ہے۔

باقی جو دن اور رات کا فرق کرتے ہیں یا حالت سیر اور قیام کا فرق کرتے ہیں۔ یہ مرفوع احادیث کے خلاف ہے کیونکہ دن اور رات دونوں میں نوافل ادا کرنا حضور علیہ الصلاۃ والسلام سے ثابت ہیں۔

رات کا ثبوت تو ہماری آخری نقل کردہ حدیث سے ثابت ہے جب کہ دن میں نوافل پڑھنے کا ثبوت یہ ہے کہ نبی مکرم ﷺ نے فتح مکہ کے دن سیدہ ام ہانی رضی اللہ عنہا کے گھر چاشت کی آٹھ رکعت نماز پڑھی۔

(بخاری ص ۱۵۷ ج ۱، مسلم ص ۲۴۹ ج ۱)۔

یہ حدیث جہاں دن کے وقت مسافر کے نوافل پڑھنے پر دلیل ہے وہاں ہی حالت نزول میں نوافل ادا کرنے کی بھی دلیل ہے، اور حالت سیر میں نماز پڑھنے کا ثبوت یہ ہے کہ آپ نے نماز وتر اور تہجد حالت سیر ہی میں پڑھی ہے۔

الغرض مسافر دن رات اور نزول و قیام کی صورتوں میں نوافل پڑھ سکتا ہے سنتوں کو بھی پڑھ لے تو گناہ نہیں بلکہ ثواب ہے لیکن مسافر کے لئے یہ مؤکدہ نہیں۔ خواہ حالت سیر میں ہو یا نزول میں، دن ہو یا رات لیکن فجر کی سنتیں بہرحال مسافر کے لئے بھی مؤکدہ ہی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کا معمول پڑھنے کا ہی تھا۔ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ بھی پڑھا کرتے تھے۔ ہمارے اس مؤقف کی کوئی دلائل سے تردید کر دے تو ہم قبول کرنے کو تیار ہیں۔ یاد رہے کہ ہمارا اختلاف اس میں ہے کہ حالت سفر میں صبح کی سنتوں اور وتر کے علاوہ کوئی نوافل رواتب مؤکدہ نہیں، گویا پڑھنے اور نہ پڑھنے میں سرے سے اختلاف ہی نہیں۔ لہٰذا انوار صاحب نے جو یہاں پر بحث اٹھائی ہے وہ سرے سے غلط اور خلط مبحث ہے۔

فصل دوم

(۱) عن البراء بن عازب قال صحبت رسول اللهﷺ ثمانية عشرة سفرا فما رايته ترك الركعتين اذا زاغت الشمس قبل الظهر۔

(ترمذی ص ۱۲۳ ج ۱)۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اٹھارہ سفروں میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہا ہوں میں نے نہیں دیکھا کہ آپ نے سورج ڈھلنے کے بعد ظہر سے پہلے دو رکعتیں چھوڑی ہوں۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۷۳۸)

الجواب: اولاً اختلاف عام نوافل میں نہیں (ہم بھی جواز کے قائل ہیں) بلکہ نوافل رواتب میں ہے جنہیں عرف عام میں سنتیں کہا جاتا ہے اور کون نہیں جانتا کہ نماز ظہر سے پہلے کی سنتیں دو نہیں چار ہیں۔ اگر احادیث پر نظر نہیں تو (ہدایہ ص ۹۵ ج ۱) شرح نقایا ص ۱۰۰ ج ۲ و کبیری ص ۳۸۳ کو ہی دیکھ لیا ہوتا۔ ان میں صاف صراحت ہے کہ ظہر کی نماز سے پہلے چار رکعات سنت مؤکدہ ہیں اور دو رکعت ظہر کی نماز کے بعد، ام المؤمنین صدیقہ کائنات سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا راویہ ہیں کہ نبی مکرم ﷺ ظہر کی نماز سے پہلے چار رکعت ترک نہ کرتے الحدیث۔ (بخاری ص ۱۵۷ ج ۱)۔

اور اگر پہلے ادا نہ کر سکتے تو بعد میں پڑھ لیا کرتے تھے۔ (ترمذی ص ۸۹)۔

ثابت ہوا کہ مذکورہ روایت سنن کے متعلق نہیں عام نوافل تھے جو نبی مکرم ﷺ پڑھا کرتے تھے۔ اگر سنتیں ہوتیں تو دو کی بجائے چار رکعت ادا فرماتے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں۔

لا نسلم ان هاتين الركعتين من السنن الرواتب وانما هى سنة الزوال الواردة فى حديث ابى ايوب الانصارى۔

ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ یہ دو رکعتیں سنت مؤکدہ تھیں۔ بلکہ زوال کی دو رکعت تھیں جیسا کہ ابو ایوب انصاری کی روایت میں وارد ہے۔ (عمدۃ القاری ص ۲۱۰ ج ۷ طبع جدید و بزل المجہود ص ۲۴۰ ج ۲)۔

مولانا فخر الحسن گنگوہی حنفی فرماتے ہیں۔

وبعضہ گفت اند کہ ایں دو رکعت از مطلق نوافل بود نہ رواتب وایں قول سعید ست۔

یعنی بعض نے کہا ہے کہ یہ دو رکعت عام نوافل تھے سنت مؤکدہ نہ تھیں، اور یہ قول اچھا ہے۔

(حاشیہ ابو داؤد ص ۱۷۲ ج ۱)۔

ثانیا: سند میں ابو بسریٰ الغفاری راوی ہے اس کی کسی محدث نے توثیق نہیں کی علامہ ذہبی نے مجہول قرار دیا ہے۔ (میزان ص ۴۹۵ ج ۴) حافظ ابن حجر نے مقبول لکھا ہے۔ (تقریب ص ۳۹۴) یعنی متابعت کی صورت میں ورنہ لین الحدیث (مقدمہ تقریب) اور یہاں متابعت ثابت نہیں۔ علامہ البانی نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔ (ضعیف ابوداؤد ۲۶۳، ۱۲۲۲ ضعیف ترمذی ۸۳، ۵۵۶)۔

(۲) عن ابن عمر قال صليت مع النبى ﷺ فى الحضر والسفر فصليت معه فى الحضر الظهر اربعا وبعدها ركعتين وصليت معه فى السفر الظهر ركعتين وبعد ها ركعتين والعصر ركعتين ولم يصل بعدها شيئا والمغرب فى الحضر سواء ثلث ركعات لا ينقص فى حضر ولا سفر وهى وتر النهار وبعدها ركعتين۔

(ترمذی ص ۱۲۳ ج ۱)۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے نبی علیہ الصلاۃ والسلام کے ساتھ سفر و حضر میں نماز پڑھی ہے میں نے آپ کے ساتھ حضر میں ظہر کی چار رکعتیں اور اس کے بعد دو رکعتیں پڑھیں، سفر میں ظہر کی دو رکعتیں اور اس کے بعد دو رکعتیں پڑھیں ایسے ہی عصر کی دو رکعتیں پڑھیں اور اس کے بعد کچھ نہیں پڑھا مغرب کی نماز سفر و حضر میں برابر ہے یہ کل تین رکعتیں ہیں جو کہ نہ کم ہوتی ہیں نہ بڑھتی ہیں اور یہ دن کے وتر ہیں ان کے بعد بھی دو رکعتیں پڑھیں ہیں۔

(۳) عن ابن عمر انه قال صليت مع رسول الله ﷺ اربعا وليس بعد ها شيئ وصلى

المغرب ثلثا وبعدها رکعتین وقال ھی وتر النھار لاتنقص فی سفر ولاحضر وصلی العشاء اربعا وصلی بعد ھا رکعتین قال وصلی فی السفر الظھر رکعتین وصلی بعد ھا رکعتین وصلی العصر رکعتین ولیس بعدھا وصلی المغرب ثلثا وبعدھا رکعتین وصلی العشاء رکعتین وبعدھا رکعتین۔

(طحاوی ص۲۸۵ ج ۱)۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ (حضر میں عصر کی) چار رکعتیں پڑھیں اور اس کے بعد کچھ نہیں مغرب کی تین رکعات پڑھیں اور اس کے بعد دو رکعتیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ دن کے وتر ہیں جو سفر وحضر میں کم نہیں ہوتے، عشاء کی چار رکعتیں پڑھیں اوران کے بعد دو رکعتیں، حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر میں ظہر کی دو رکعتیں پڑھیں اور ان کے بعد دو رکعتیں پھر عصر کی دو رکعتیں اور ان کے بعد کچھ نہیں، مغرب کی تین رکعتیں پڑھیں اور ان کے بعد دو رکعتیں، عشاء کی دو رکعتیں پڑھیں اور ان کے بعد دو رکعتیں۔

(حدیث اور اہل حدیث ص۷۳۸ تا ۷۴۰)

الجواب: اولا یہ ایک ہی روایت ہے اور اس کی سند کا مرکزی راوی ابن ابی لیلیٰ ہے لیکن انوار صاحب نے ایک ہی روایت کو دوبارہ درج کردیا ہے ان کے دوبار نقل کرنے کا شکریہ، ہم قارئین کرام کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ ان دونوں کو مکرر ایک نظر دیکھ لیں، اس کے متن میں اضطراب ہے۔

ثانیا: اس روایت کا خلاصہ یہ نکلا کہ دن رات میں کل چھ رکعت سنتیں مؤکدہ ہیں کیونکہ ظہر کے بعد دو، مغرب کے بعد دو، عشاء کے بعد دو، حالانکہ جو سنتیں مؤکدہ ہیں ان کی تعداد تو صرف نماز ظہر میں ہی چھ رکعت ہوجاتی ہے، معلوم ہوا کہ یہ عام نوافل تھے۔ سنن مؤکدہ نہ تھیں، ورنہ ظہر سے پہلے کی بھی چار ادا کرتے۔

ثالثا: سند میں ابن ابی لیلیٰ سیئی الحفظ ہے، تفصیل مسئلہ رفع الیدین میں گزر چکی ہے۔ الغرض یہ روایت ضعیف ہے، جیسا کہ علامہ البانی نے صراحت کی ہے۔ (ضعیف ترمذی ۸۵-۵۵۸)۔

(۴) عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لاتدعوا رکعتی الفجر ولوطردتکم الخیل۔

(مسند احمد ص۴۰۵ ج ۲، ابوداؤد ص۱۷۹ ج ۱)۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فجر کی دوسنتوں کو نہ چھوڑو اگرچہ تمہیں گھوڑے دوڑائے لئے چلے جارہے ہوں۔ (حدیث اور اہل حدیث ص۷۴۰)

الجواب: اولاً گویا صبح کی سنتیں لازم قرار پائی خواہ گھوڑے دوڑائے لیے چلے جارہے ہوں۔

حالانکہ انوار صاحب کا یہ مسلک نہیں ان کے نزدیک اگر ممکن ہو تو تب سنن کو پڑھا جائے جیسا کہ ان کے باب کی سرخی سے ثابت ہوتا ہے، لیکن روایت مذکورہ میں غیر ممکن صورت میں بھی ادا کرنے پر زور دیا گیا ہے۔

ثانیا: یہ روایت ضعیف ہے سند میں، ابن سیلان راوی مجہول ہے جیسا کہ علامہ ذہبی ابن قطان وغیرہ نے کہا ہے اور علامہ البانی نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔
(ارواء الغلیل ص۱۸٤ ج۲ (٤۳۸)۔

(۵) ابو داؤد ص۲۳ ج۱ میں ہے کہ نبی مکرم ﷺ نے لیلۃ التعریس کے واقعہ میں صبح کی سنتیں بھی پڑھیں تھیں (حدیث اور اہل حدیث ص۷۴۱)

الجواب: صبح کی سنتوں کے پڑھنے کے ہم بھی قائل ہیں راجح دین الحق ص۶۳۱ ج۱)۔

(٦) عن عامر بن ربیعة انه رأى النبی ﷺ یصلی السبحة فی اللیل فی السفر علی ظهر راحلته حیث توجهت به۔

(بخاری ص١٤٩ ج١، مسلم ص٢٤٤ ج١)۔

حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی علیہ الصلاۃ والسلام کو دیکھا کہ آپ دوران سفر رات میں نفل ادا فرما رہے تھے اپنی سواری کی پشت پر وہ سواری آپ کو لے کر جس طرف کا بھی رخ کرتی۔ (حدیث اور اہل حدیث ص۷۴۲)

الجواب: اولاً یہ حدیث عام نوافل پر محمول ہے اس کا قرینہ، فی اللیل کا لفظ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز تہجد سفر کی حالت میں سواری پر پڑھ لیا کرتے تھے، آپ کے معتمد خاص حناب علامہ ظفر احمد تھانوی صاحب نے بھی اس کا یہی مفہوم بیان کیا ہے۔ (اعلاء السنن ص۳۳۰ ج۷)۔

تہجد تو حالت قیام میں بھی لازم وضروری نہیں چہ جائے کہ سفر میں اس کا وجوب تسلیم کیا جائے، محترم اختلاف فقط نوافل رواتب میں ہے اس کی دلیل دیجئے۔

ثانیا: اگر انوار صاحب اس پر ہی ضد کریں کہ یہ حدیث سنتوں پر ہی محمول ہے تو تب یہ ان کے بھی خلاف ہے، کیونکہ ان کے نزدیک بھی اگر مسافر راستے میں ہو تو سنتوں کو ترک کردے اور اگر منزل میں ہو تو پڑھ لے، دیکھئے۔ (مرقاة ص٢٢٤ ج٣ وحلبی کبیر ص٥٤٥ وبزل المجهود ص٢٤١ ج٢ فتح الملهم ص٢٥١ ج٢، وحاشیه بخاری ص ١٤٩ ج١)۔

مولانا انور شاہ صاحب کاشمیری فرماتے ہیں

قال محمد بن الحسن یترکها ان کان سائرا ویصلیها ان کان نازلا۔

یعنی امام محمد فرماتے ہیں کہ اگر حالت سفر میں ہو تو سنتوں کو ترک کردے اور اگر ٹھہرا ہوا ہو تو پڑھ لے۔

چند سطروں کے بعد فرماتے ہیں **والعمل عندی علی ما قاله محمد** میرے نزدیک اسی پر عمل ہے جو امام محمد نے کہا ہے۔ (فیض الباری ص۳۹۹ ج۲)۔

جب کہ آپ کی درج کردہ روایت میں حالت سفر کی بات ہے

(۷) عن ام هانی قالت لما كان يوم فتح مكة دعا رسول الله ﷺ بماء وسترت ام هانی وام سليم ام انس بن مالك بملحفة ثم دخل بيت ام هانی فصلی الضحیٰ اربع ركعات۔
(مجمع الزوائد ص۲۳۸ ج۲)۔

حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے دن (غسل کے لئے) پانی منگوایا ام ہانی اور ام سلیم یعنی انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی والدہ نے چادر سے پردہ کئے رکھا پھر آپ غسل کر کے ام ہانی کے گھر تشریف لے گئے اور چاشت کی چار رکعت پڑھیں۔ (حدیث اور اہل حدیث ص۷۴۲)

الجواب: اولاً انوار صاحب نے اس باب کا عنوان، دوران سفر اگر ممکن ہو تو سنتیں بھی پڑھنی چاہئیں، منعقد کیا ہے۔ مگر سنتوں کی دلیل دینے کی بجائے عام نوافل کی روایت درج کردی ہے! کون نہیں جانتا کہ نماز چاشت سنن رواتب سے نہیں، لیکن مؤلف حدیث اور اہل حدیث کی داڑھی میں علم پڑھتے پڑھاتے سفیدی آ گئی ہے مگر اسے آج تک یہ خبر نہیں کہ نماز چاشت سنن رواتب سے نہیں، تدریس کو چھوڑ کر کہیں سبزی کی دوکان کرلیں آپ کے لئے یہی بہتر ہے۔

ثانیا: ہیثمی نے اسے (طبرانی کبیر ص۴۳۰ ج۲۴ وطبرانی الاوسط ص۴۱۰ ج۱) سے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ اس کے راوی ثقہ ہیں۔ بلاشبہ اوسط کے راوی ثقہ ہیں مگر طبرانی کبیر کی سند سخت ضعیف ہے۔ عتاب بن بشیر اور خصیف دو راوی ضعیف ہیں۔ اور ہیثمی نے طبرانی کبیر کی روایت کا ہی متن درج کیا ہے۔ اور اس کا متن منکر ہے کیونکہ فتح مکہ کے دن سیدہ ام ہانی رضی اللہ عنہا کے گھر نماز پڑھنے کی حدیث بخاری ص۱۵۷ ج۱، مسلم ص۲۴۹ ج۱ کے علاوہ متعدد دیگر کتب حدیث میں ہے دیکھئے (ارواء الغلیل ص۲۱۸ ج۲)۔ ان میں آٹھ رکعت نماز چاشت پڑھنے اور رہماری پیاری بہن سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پردہ کرنے کا ذکر ہے۔ ممکن ہے کہ قارئین کہہ دیں کہ انوار خورشید علل الحدیث میں اتنی سطحی معلومات رکھتا ھے کہ بخاری و مسلم کی حدیث کو چھوڑ کر پانچویں درجہ کی کتاب کا حوالہ دے رہا ہے۔ تو ہم اپنے قارئین کرام سے عرض کریں گے کہ انوار صاحب نے ایسا عدم علم کی وجہ سے نہیں کیا بلکہ جان بوجھ کر بددیانتی کی ہے اس بددیانتی کی وجہ یہ ہے کہ انوار صاحب کے تقلیدی مذہب میں ننگے سر نماز پڑھنا مکروہ ہے جب کہ مسلم وغیرہ میں صراحت تھی کہ آپ علیہ السلام نے نماز صرف ایک کپڑے میں ادا کی تھی، جس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ نماز چاشت کو نبی مکرم ﷺ نے ننگے سر پڑھا تھا، اس روایت کو پیش نہ کرنے کی یہی وجہ تھی۔ واللہ اعلم۔

(۸) عن ابن عباس قال قد فرض لرسول الله ﷺ الصلاة فی الحضر اربعا وفی السفر رکعتین فکما یتطوع ھھنا قبلنا ومن بعدھا فکذالك یصلی فی السفر قبلھا وبعدھا۔

(طحاوی ص۲۸۷ ج ۱)۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تحقیق رسول اللہ ﷺ کے لئے فرض کی گئی ہیں حضر میں چار رکعت اور سفر میں دو رکعت، پس جیسے نماز سے پہلے اور بعد یہاں نفل پڑھے جاتے ہیں ایسے ہی سفر میں نماز سے پہلے اور نماز کے بعد نفل پڑھا کرتے تھے۔

(حدیث اور اہل حدیث ص۷۴۲)

الجواب: اولاً یہ روایت متن کے اعتبار سے مضطرب ہے ابن ماجہ (۱۰۷۲) میں یہی روایت ہے جس میں،، فرض رسول اللہ ﷺ،، کے الفاظ ہیں۔

ثانیا: سند میں، اسامہ بن زید راوی ہے یہ اسامہ کون ہے بحوالہ وضاحت کی جائے کہ یہ للیثی ہے یا عدوی؟ اگر عدوی ہے تو روایت سخت ضعیف ہے اسے امام احمد نے منکر الحدیث قرار دیا ہے۔ امام ابنِ معین نے ہیچ محض اور جوز جانی نے ضعیف قرار دیا ہے۔ (تہذیب ص۱۸۲ ج۱)

علامہ البانی نے اس روایت کو منکر قرار دیا ہے۔ (ضعیف ابن ماجه ص۷۹،)

ثالثا: یہ روایت آپ کے بھی خلاف ہے۔ تفصیل انوار صاحب کی دلیل نمبر۶ میں گزر چکی ہے۔

(۹) عن قتادة ان ابن مسعود و عائشة کانا یتطوعان فی السفر قبل الصلوٰة و بعدھا،،

(مجمع الزوائد ۱۶۳ ج۲)

حضرت قتادہ سے روایت ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سفر میں نماز سے پہلے اور نماز کے بعد نوافل پڑھا کرتے تھے۔ (حدیث اوراہل حدیث ص۷۴۳)

الجواب: اولا ہیثمی نے آگے ہی لکھا ہے

رواہ الطبرانی فی الکبیر وقتادة لم یسمع من ابن مسعود ولا عائشة و بقیة رجاله ثقات۔ (مجمع الزوائد. ص۱٦۳ ج ۲)۔

اس سے ثابت ہوا کہ روایت منقطع ہے۔ انوار صاحب نے تقلیدی ہاتھ کی صفائی دکھا کر اس جرح کو ڈکار لئے بغیر ہضم کر لیا ہے۔

ثانیا: سند میں حماد بن سلمہ راوی ہیں (طبرانی کبیر ص۳۰۱ ج۹ رقم الحدیث ۹۵۰۷) اور یہ مختلط ہیں۔ (تقریب ص۸۲) دلیل سے ثابت کیا جائے کہ راوی عنہ نے اختلاط سے قبل سماع کیا ہے۔

خلاصہ کلام: انوار صاحب نے کوئی ایک دلیل بھی نہیں دی کہ حالت سفر میں نوافل رواتب کا التزام کیا جائے، اس سلسلہ میں جو بھی زیب رقم فرمایا ہے وہ غیر متعلقہ ہے رہا یہ کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پڑھ لیا

کرتے تھے۔ ہم بھی کہتے ہیں کہ پڑھے جاسکتے ہیں۔ اور پڑھتے بھی ہیں۔ لیکن ان روایات سے نوافل رواتب کی آکدیت ثابت نہیں ہوتی لیکن انوار صاحب ان روایات کونقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔ مسافر کو حالت اطمینان میں جب کوئی تشویش اور جلدی نہ ہو فرض نمازوں میں قصر کے ساتھ سنتیں بھی ادا کرنی چاہئیں۔ (حدیث اوراہل حدیث ۷۴۵)

ہم مؤلف حدیث اوراہل حدیث کو چیلنج کرتے ہیں کہ وہ اپنی کسی دلیل پر انگلی رکھیں جس کا یہ معنی و مفہوم ہو کہ اطمینان ہو۔ تشویش اور جلدی نہ ہو تو مسافر سنتیں ادا کرنے کا پابند ہے۔ انوار صاحب کیا اوران کے دلائل کیا ہم پوری ذریت دیوبند کو چیلنج کرتے ہیں کہ وہ کسی بھی حدیث صحیح سے اپنا مؤقف ثابت کریں۔ مولانا صادق صاحب نے حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہ کے تحت لکھا تھا کہ معلوم ہوا کہ سفر میں سنتیں نفل سب معاف ہیں۔ انوار صاحب نے اسے حدیث کی مخالفت قرار دیا ہے۔ اور کہا ہے کہ یہ لوگ دوران سفر سنن ونوافل بالکل نہیں پڑھتے اور اگر کوئی پڑھے تو اس سے الجھتے ہیں۔ اور اسے روکتے ہیں (حدیث اور اہل حدیث ص ۷۴۷)

انوار خورشید کا یہ دعویٰ کذب صریح اور بہتان ہے اگر اسے اپنے قول کا پاس ہے تو اسے ثابت کرے ورنہ،، لعنت اللہ علی الکاذبین، کی وعید شدید سے ڈر جائے۔ محترم آپ نے خود ہی چند سطروں کے بعد لکھا ہے کہ نواب وحید الزمان صاحب تحریر فرماتے ہیں۔ مسافر کے لئے سنن مؤکدہ کا پڑھنا مسنون نہیں ہے۔ سوائے فجر اور وتر کے اور اگر کوئی پڑھ لے تو کوئی مضائقہ نہیں تاہم اولیٰ وبہتر نہ پڑھنا ہے (حدیث اور اہل حدیث ص ۷۴۷)

آپ کے افتراء کی حقیقت اس عبارت نے کھول دی ہے کہ آپ نے بوڑھی عمر میں جب انسان کو اللہ کی طرف رجوع کرنا چاہئے آپ نے شیطان کی پیروی کرتے ہوئے جھوٹ لکھا ہے توبہ کرلیں یہ منافقت کی علامت ہے۔ آپ کے مولانا تقی عثمانی فرماتے ہیں، حنفیہ کے نزدیک بھی اگر گنجائش ہو تو سنن رواتب کے ادا کرنے میں فضیلت ہے اور ترک کردینے میں کوئی حرج نہیں, اس لئے کہ حالت سفر میں سنن رواتب کی آکدیت ختم ہوجاتی ہے۔ البتہ سنت فجر اس سے مستثنیٰ ہے۔ (درس ترمذی ص ۳۳۶ ج ۲)۔

کاش آپ نے یہ عبارت نقل کرکے اس کا بھی رد کیا ہوتا کیونکہ یہ بھی آپ کے مدعا کے خلاف ہے اور یہی اہل حدیث کا مؤقف ہے، مولانا عبیداللہ رحمانی محدث مبارکپوری فرماتے ہیں

والراجح عندی ان لایترک فی السفر الوتر وسنة الفجر واما غیرها من الرواتب القبلية والبعدية فهی الی خيرته ان شاء فعلها وحصل ثوابها، وان شاء ترکها ولا شئی عليه أعنی انها لا تبقی فی حقه متاکدة کسنة صلاة الاقامة۔

یعنی میرے نزدیک راجح قول یہ ہے کہ وتر اور فجر کی سنتیں نہ چھوڑی جائیں اوران کے علاوہ فرض

نماز سے پہلے اور بعد کی سنتوں میں مسافر اختیار رکھتا ہے چاہئے تو پڑھ لے اسے ان کا ثواب ملے گا، چاہے تو ترک کردے تو اس پر کوئی گناہ نہیں یعنی اس کے حق میں یہ مؤکدہ نہیں ہیں جیسے اقامت کی حالت میں مسنون ہیں ۔ (مرقاۃ المفاتیح ص ۳۹۵ ج ۴)۔

محدث مبارکپوری فرماتے ہیں۔

المختار عندی المسافر فی سعة ان شاء صلی الرواتب وان شاء ترکها۔

میرے نزدیک مختار یہ ہے کہ مسافر کو سنن پڑھنے میں وسعت (اختیار) ہے چاہے تو پڑھے چاہے نہ پڑھے۔ (تحفہ الاحوذی ص ۳۸۶ ج ۱)۔

نواب صدیق حسن خاں محدث قنوجی فرماتے ہیں۔

ان شاء فعلها وحصل ثوابها وان شاء ترکها ولا شئی علیه۔

(السراج الوهاج ص ۲۸۲ ج ۱)۔

یہی بات علامہ شوکانی نے ، نیل الاوطار ص ۲۳۴ ج ۳ میں کہی ہے۔

فاتح قادیان شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری نے بھی یہی فتویٰ دیا ہے۔

(فتاویٰ علماء حدیث ص ۲۱۴ ج ۴ وفتاویٰ ثنائیه ص ۶۰۱ ج ۱)۔

علمائے اہل حدیث کی تحریرات کا استیعاب مقصود نہیں ورنہ ہم اس پر حضرات متقدمین ومتاخرین کی بفضلہ تعالیٰ بیسیوں عبارات پیش کر سکتے ہیں کہ سفر میں سنتوں کو پڑھا جائے تو ثواب ہے اگر نہ پڑھا جائے تو گناہ نہیں یہی بات ہمارے ہاں متداول ہے اس کے برعکس حنفیہ کا قول گو تحریرات کی حد تک تو ہمارے موافق ہے مگر عملی تواتر یہ ہے کہ یہ حضرات سنتوں میں عزیمت کے قائل ہیں۔ نہ پڑھنے والے پر نکیر کرتے ہیں اسی عملی تواتر کی وجہ سے ہی انوار صاحب نے یہ باب لکھا ہے جس سے ان کا مقصود مسئلہ کی وضاحت کرنا نہ تھا صرف اہل حدیث کو بدنام کرنا مطلوب تھا یہ حضرات نوافل سے دشمنی رکھتے ہیں اور اس کی دلیل یہ ہے کہ سفر میں نوافل پڑھنے والے سے لڑتے واُلجھتے ہیں۔ حالانکہ ہمارا دامن اس سے صاف ہے ، ہم پڑھنے والے کو نہ منع کرتے اور نہ ہی لڑتے ہیں یہ صرف انوار صاحب کا جھوٹ اور غلط بیانی ہے ہاں ہم یہ ضرور کہتے ہیں کہ نوافل رواتب لازم وضروری نہیں۔ بوجہ سفر اس کی آکدیت نہیں رہتی۔ اس مؤقف کے رد پر انوار خورشید نے کوئی بھی دلیل درج نہیں کی ، رہا آپ کا علامہ وحیدالزمان سے یہ نقل کرنا کہ نہ پڑھنا اولیٰ ہے جواباً عرض ہے کہ اولیٰ وغیر اولیٰ کا مطلب جائز وناجائز نہیں ہوتا، اسے افضل اور غیر افضل سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ مگر آپ نے پورے باب میں اس اختلاف پر تو ایک سطر بھی تحریر نہیں کی، اگر آپ کچھ لکھتے تو ہم یقیناً غور کرتے لیکن آپ کا مقصد ہی تفہیم مسئلہ نہ تھا صرف بدنام کرنا پیش نظر تھا۔

(٦٦) باب جمعہ ہر مسلمان پر فرض ہے شہری ہو یا دیہاتی

فصل اول

(۱) یا یھا الذین امنوا اذا نودی للصلاۃ من یوم الجمعۃ فاسعوا الی ذکر اللہ وذرو البیع۔

اے ایمان والو! جب جمعہ کے روز تم کو بلایا جائے نماز کے لیے تو اللہ کی یاد کو دوڑو اور خرید و فرخت بند کردو۔ (۶۲-۱۰)۔

(۲) عن ابن عمر عن حفصۃ عن النبیﷺ قال، علی کل محتلم رواح الجمعۃ وعلی کل من راح الجمعۃ الغسل۔

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ام المؤمنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر بالغ پر نماز جمعہ پڑھنے جانا ہے اور ہر جانے والے پر غسل ہے۔

(ابوداؤد کتاب الطهارة باب فی الغسل للجمعة الحدیث ٣٤٢، وللفظ له، ونسائی کتاب الجمعة باب التشدید فی التخلف من الجمعة، الحدیث ١٣٧٢، بیهقی ص١٨٨ ج٣، ابن خزیمه ١٧٢١، ابن حبان (موارد) رقم الحدیث ٥٦٤.

(۳) عن ابن عمر عن حفصۃ زوج النبیﷺ قالت قال رسول اللہﷺ، الجمعۃ واجب علی کل محتلم وعلی من راح الی الجمعۃ الغسل۔

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی محترمہ سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جمعہ ہر بالغ پر فرض ہے اور جو جمعہ پڑھنے جائے اس پر غسل واجب ہے۔

(المعجم الاوسط للطبرانی ص٤١١ ج٥ رقم الحدیث ٤٨١٣).

(۴) عن طارق بن شھاب عن النبیﷺ قال، الجمعۃ حق واجب علی کل مسلم فی جماعۃ الا اربعۃ عبد مملوک او امرأۃ او صبی او مریض۔

سیدنا طارق بن شہاب رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جمعہ ہر مسلمان پر حق اور فرض ہے جماعت کے ساتھ مگر چار آدمی اس سے مستثنیٰ ہیں غلام، عورت، بچہ، اور بیمار۔

(سنن ابو داؤد کتاب الصلاۃ باب الجمعة للمملوک الحدیث ١٠٦٧).

(۵) عن طارق بن شھاب عن ابی موسیٰ عن النبیﷺ قال، الجمعۃ حق واجب علی کل مسلم فی جماعۃ الا اربعۃ عبد مملوک او امرأۃ اوصبی او مریض ھذا حدیث صحیح علی شرط الشیخین و وافق الذھبی۔

سیدنا طارق بن شہاب رضی اللہ عنہ سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جمعہ ہر مسلمان پر حق اور فرض ہے، مگر چار آدمی اس سے مستثنیٰ ہیں۔ غلام، عورت، بچہ اور مریض۔

(مستدرك للحاكم ص٢٨٨ ج١ كتاب الجمعة باب من يجب عليه الجمعة)۔

(٦) عن تميم الدارى عن النبى صلی اللہ علیہ وسلم قال، الجمعة واجبة الاعلى امرأة او صبى او مريض او عبد او مسافر۔

سیدنا تمیم داری رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جمعہ فرض ہے مگر عورت، بچہ، غلام، اور مسافر پر فرض نہیں۔

(المعجم الكبير للطبرانى ص٥١ ج٢ رقم الحديث ١٢٥٧، بيهقى ص١٨٣، ١٨٤ ج٣)۔

(٧) عن مولى لآل الزبير قال قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم الجمعة واجبة على كل حالم الا اربعة الصبى والعبد والمرأة و المريض۔

سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کی آل کا غلام راوی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جمعہ ہر جوان پر فرض ہے مگر چار آدمی اس سے مستثنیٰ ہیں، بچہ، غلام، عورت، اور مریض۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص۱۰۹ ج۲، بیہقی ص۱۸۴ ج۳)۔

علامہ البانی فرماتے ہیں کہ اس کی سند صحیح ہے اور تمام راوی ثقہ ہیں۔ سوائے، غلام آل زبیر کے۔ اگر صحابہ سے ہیں تو ان کی جہالت مضر نہیں اور یہی راجح ہے کیونکہ اس سے روایت کرنے والا راوی ابو حازم مسلمان کوئی تابعی ہے اور اگر صحابی نہیں تو اس کی جہالت کی وجہ سے سند ضعیف ہے۔ (ارواء الغليل ص٥٦ ج٣)۔

(٨) عن ابن عمر قال سمعت رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم يقول الجمعة واجبة الا على ما ملكت ايمانكم او ذى علة۔

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ ارشاد فرما رہے تھے۔ کہ نماز جمعہ فرض ہے مگر غلاموں اور ذی علت (یعنی مسافر وغیرہ) پر فرض نہیں۔

(السنن الكبرىٰ للبيهقى ص١٨٤ ج٣)۔

(٩) عن جابر ان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم قال من كان يومن بالله واليوم الآخر، فعليه الجمعة يوم الجمعة الامريض او مسافر او امرأة او صبى او مملوك، الحديث۔

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اللہ تعالیٰ پر قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اس پر جمعہ پڑھنا ضروری ہے۔ مگر بیمار، مسافر، عورت، بچہ، غلام پر فرض نہیں۔

(سنن دارقطنی ص۳ ج۲، بیہقی ص۱۸٤ ج۳، واخبار اصبهان ۲۹٥ ج۲)۔

(۱۰) عن ابی هریرة قال قال رسول الله ﷺ من كان يومن بالله واليوم الاخر فعليه الجمعة الا عبدا او امرأة او صبيا، الحديث

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ پر قیامت پر ایمان رکھتا ہے اس پر جمعہ فرض ہے، مگر غلام، عورت اور بچہ پر فرض نہیں۔

(المعجم الاوسط للطبرانی ص۳٤٦ ج۸ رقم الحديث ۷۷۰٦)۔

(۱۱) عن محمد بن كعب القرظى قال قال رسول الله ﷺ من كان يؤمن بالله واليوم الاخر فعليه الجمعة يو م الجمعة الاعلى امراة او صبى او مملوك اومريض۔

محمد بن کعب قرظی رحمۃ اللہ علیہ (تابعی مرسل روایت کرتے ہیں کہ) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اس پر جمعہ پڑھنا فرض ہے، مگر عورت، بچہ، غلام اور بیمار پر فرض نہیں۔

(مصنف ابن ابی شیبه ص۱۰۹ ج۲ كتاب الصلوات با ب فی من لا تجب عليه الجمعة)۔

(۱۲) عن محمد بن كعب انه سمع رجلا من بنى وائل يقول قال النبى ﷺ تجب الجمعة على كل مسلم الا امرأة او صبى او مملوك۔

امام محمد بن کعب فرماتے ہیں کہ انہوں نے بنی وائل کے ایک شخص سے سنا کہہ رہے تھے کہ نبی مکرم ﷺ نے فرمایا کہ جمعہ ہر مسلمان پر فرض ہے۔، مگر عورت بچہ، اور غلام پر فرض نہیں۔

(السنن الکبریٰ للبیهقی ص۱۷۳ ج۳ كتاب الجمعة باب من تجب عليه الجمعة)۔

(۱۳) عن عبد الرحمن بن مالك وكان قائد ابيه بعدما ذهب بصره، عن ابيه كعب بن مالك، انه كان اذا سمع النداء يوم الجمعة ترحم لا سعد بن زرارة، قلت له اذا سمعت النداء ترحمت لا سعد بن زرارة ، قا ل، لا نه اول من جمع بنا فى هزم النبيت من حرة بنى بياضة، فى نقيع يقال له، نقيع الخضمات قلت، كم انتم يومئذ؟ قال، اربعون۔

امام عبدالرحمٰن بن کعب سے روایت ہے اور وہ اپنے والد کو راہ دکھانے والے تھے جب ان کی آنکھیں چلی گئی تھیں، وہ اپنے والد سیدنا کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب آپ نماز جمعہ کی اذان سنتے تو سیدنا اسعد بن زرارۃ رضی اللہ عنہ کے لئے دعا کرتے اور میں نے (عبد الرحمٰن) کہا جب آپ اذان جمعہ سنتے ہیں تو سیدنا اسعد رضی اللہ عنہ کے لئے دعا کرتے ہیں، انہوں نے کہا کہ اس لئے کہ پہلا جمعہ انہوں نے ہزم النبیت (مدینہ منورہ کے قریب ایک بستی) میں قائم کیا تھا جو بنی بیاضہ کی زمینوں میں سے ہے نقیع وہ مقام ہے جہاں پانی بھرا رہتا ہے جسے نقیع الخضمات کہتے ہیں میں نے ان سے پوچھا

آپ اس وقت کتنے آدمی تھے؟ تو آپ نے جواب دیا چالیس افراد۔

(ابوداؤد کتاب الصلاۃ باب الجمعة فی القریٰ الحدیث ١٠٦٩، بیهقی ص١٧٦ ج٣، مستدرك حاكم ص٢٨١ ج١، دار قطنی ص٥ ج٢، ابن خزیمه ص ١١٣ ج٣ رقم الحدیث ١٧٢٤)۔

نوٹ: حرہ بنی بیاضہ مدینہ منورہ سے ایک میل فاصلہ پر گاؤں تھا۔ (التلخیص الحبیر ص٥٧ ج٢)۔

(۱۴) عن ابی مسعود قال اول من قدم من المهاجرین المدینة مصعب بن عمیر وهو اول من جمع یوم جمعهم قبل ان یقدم رسول اللهﷺ فصلی بهم۔

سیدنا ابو مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سب سے پہلے مدینہ میں ہجرت کرنے والے سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ تھے انہوں نے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سے پہلے مدینہ طیبہ میں لوگوں کو جمع کر کے جمعہ پڑھا تھا۔

(المعجم الکبیر للطبرانی ص٢٦٧ ج١٧ رقم الحدیث ٧٣٤، طبرانی الاوسط ١٦٠ ج٧، رقم الحدیث ٦٢٩٠)۔

علامہ البانی فرماتے ہیں کہ ممکن ہے کہ سیدنا اسعد رضی اللہ عنہ نے مدینہ سے ایک میل کی مسافت بنی بیاضہ میں پہلے جمعہ قائم کیا ہو اور سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے خاص مدینہ میں سب سے پہلے جمعہ قائم کیا ہو۔ (ارواء الغلیل ص۶۹ ج۳)۔

(۱۵) عن ابن عباس قال ان اول جمعة جمعت فی الاسلام بعد جمعة فی مسجد رسول اللهﷺ بالمدینه لجمعة جمعت بجواثاء قریة من قری البحرین قال عثمان قریة من قری عبد القیس۔

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ مدینہ منورہ کی مسجد نبوی کے بعد اسلام میں سب سے پہلا جمعہ پڑھا گیا وہ جواثا گاؤں میں تھا، جو بحرین کے گاؤں میں سے ایک گاؤں ہے امام عثمان راوی حدیث کہتے ہیں، عبدالقیس کے گاؤں میں سے ایک گاؤں تھا۔

(سنن ابوداؤد کتاب الجمعة باب الجمعة فی القرأی الحدیث۔ ١٠٦٨)۔

(۱۶) عن ابن عباس قا ل ان اول جمعة جمعت فی مسجد رسول اللهﷺ فی مسجد عبد القیس بجواثی من البحرین۔

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد کے بعد سب سے پہلا جمعہ قبیلہ عبدالقیس کی مسجد میں ہوا جو بحرین کے ملک میں مقام جواثا میں تھی۔

(صحیح بخاری کتاب الجمعة باب الجمعة فی القریٰ والمدن الحدیث ٨٩٢)۔

(۱۷) عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال اول جمعة جمعت بعد جمعة فی مسجد رسول اللهﷺ فی مسجد عبد القیس بجواثی، یعنی قریة من البحرین۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ مسجد نبوی کے بعد سب سے پہلا جمعہ قبیلہ عبدالقیس کی مسجد میں بمقام جواثا میں پڑھا گیا جو بحرین کا ایک گاؤں تھا۔

(صحیح بخاری کتاب المغازی باب وفد عبد القیس الحدیث ٤٣٧١)۔

(۱۸) عن کعب بن عجرة رضی اللہ عنہ ان النبی ﷺ جمع اول جمعة حین قدم المدینة فی مسجد بنی سالم فی مسجد عاتکة۔

سیدنا کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی مکرم ﷺ جب مدینہ تشریف لائے تو آپ نے بنی سالم کی مسجد عاتکہ میں پہلا جمعہ پڑھایا۔

(اخبار المدینة للعمر بن شبه بحواله آثار السنن ص٢٨٤)۔

نوٹ: پروف پڑھتے وقت میرے فاضل دوست الشیخ زبیر علی زئی حفظہ اللہ تعالیٰ محدث حضرو نے اس روایت کی سند بتائی تھی جو، اخبار المدینہ ص۶۸ ج۱ میں ہے، اس میں ابراہیم بن یحییٰ اسلمی راوی متروک ہے، اور ابو غسان محمد بن یحییٰ کنانی راوی کے حالات کتب رجال سے دستیاب نہیں ہوئے، لہذا یہ روایت سخت ضعیف ہے،

(۱۹) عن ابی ہریرة انہم کتبوا الی عمر بن الخطاب یسالونہ عن الجمعة و ہم بالبحرین؟ فکتب الیہم ان جمعوا حیثما کنتم۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ لوگوں نے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی طرف خط لکھا اور جمعہ کے متعلق سوال کیا، ان دنوں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بحرین میں تھے۔ تو سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جواباً لکھا کہ تم جہاں کہیں بھی ہو جمعہ پڑھو۔

(المحلی بالاثار ص٢٥٣ ج٣ مسئلہ نمبر ٥٢٣)۔

(۲۰) عن ابی ہریرة انہم کتبوا الی عمر یسالونہ عن الجمعة فکتب جمعوا حیث کنتم۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ لوگوں نے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی طرف خط لکھا اور ان سے جمعہ کے متعلق پوچھا تو آپ نے جواباً لکھا کہ تم جہاں بھی ہو جمعہ قائم کرو۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص١٠١ ج٢)۔

(۲۱) عن ابن عباس قال، اذن النبی ﷺ الجمعة قبل ان یہاجروا ولم یستطع ان یجمع بمکة فکتب الی مصعب بن عمیر اما بعد فانظر الیوم الذی تجہر فیہ الیہود الزبور فاجمعوا نسائکم وابنائکم فاذا مال النہار عن شرطہ عند الزوال من یوم الجمعة فتقربوا الی اللہ برکعتین قال فہو اول من جمع حتی قدم النبی ﷺ المدینة۔

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ نبی مکرم ﷺ نماز جمعہ کا حکم دیئے گئے ، ہجرت سے پہلے لیکن مکہ مکرمہ میں اس کی اقامت (غلبہ کفار کی وجہ سے) طاقت نہ رکھتے تھے۔ تو آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی طرف خط لکھا کہ میں دیکھتا ہوں کہ جس دن یہودی جمع ہو کر زبور کو باآواز بلند پڑھتے ہیں پس آپ بھی اپنی عورتوں اور اولاد کو جمع کریں جب نصف النہار ہو اور زوال ختم ہوجائے تو جمعہ کے روز اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرو۔ دو رکعت نماز جمعہ سے، سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ اسلام کا پہلا اجتماع (جمعہ قائم ہوا) حتی کہ خود نبی مکرم ﷺ مدینہ تشریف لے آئے۔

(دارقطنی بحوالہ التلخیص الحبیر ص۵۷ ج۲ زیر رقم الحدیث ۶۲۵)۔

(۲۲) عن نافع قال كان ابن عمر يرى اهل المياه بين مكة والمدينة يجمعون فلا يعيب عليهم۔

امام نافع بیان کرتے ہیں کہ مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ کے درمیان پانی پر رہنے والے لوگ نماز جمعہ پڑھا کرتے تھے ، اور سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ان کو دیکھا کرتے تھے۔ اور ان کے جمعہ پر کوئی حرف گیری اور اعتراض نہ کرتا تھا۔

(مصنف عبد الرزاق ص۱۷۰ ج۳ رقم الحدیث ۵۱۸۵)۔

(۲۳) عن ايوب ان عمر بن عبد العزيز كتب الى اهل المياه بين مكة والمدينة، ان تجمعوا۔

امام ایوب رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ سیدنا عمر بن عبد العزیز نے اہل میاہ کی طرف خط لکھا کہ جو مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ کے درمیان رہتے تھے کہ تم جمعہ قائم کرو۔

(مصنف عبدالرزاق ص۱۶۹ ج۳ رقم الحدیث ۵۱۸۱)۔

قارئین کرام قرآن مجید کی آیت سے ثابت ہوا کہ نماز جمعہ ہر مکلّف مسلمان پر فرض ہے اور احادیث سے بھی یہی ثابت ہو رہا ہے کہ جمعہ ہر مکلّف پر فرض ہے کسی صحیح وحسن بلکہ ضعیف روایت سے بھی یہ ثابت نہیں ہے کہ آیت جمعہ سے دیہاتی خارج ہے اور اس پر جمعہ فرض نہیں ہے، بلکہ احادیث سے ثابت ہے کہ نماز جمعہ گاؤں والوں پر بھی فرض ہے، کیونکہ نبی مکرم ﷺ نے ہر بالغ پر جمعہ لازم وحق کہا ہے اور ہر مومن پر جمعہ فرض قرار دیا ہے، اور مومن صرف شہری ہی نہیں دیہاتی بھی ہیں، اسلام شہر کے باسیوں کی جاگیر نہیں کہ گاؤں والوں کو اس سے علیحدہ کردیا جائے، جو اس کی تخصیص کا قائل ہے وہ قرآن کی آیت کے بالمقابل سنت صحیحہ اور احادیث مشہورہ پیش کرے۔

پھر نبی مکرم ﷺ کی حین حیات میں عبد القیس کے گاؤں میں نماز جمعہ پڑھی گئی اور صحابہ کرام آپ

علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی مبارکہ میں ازخود کوئی کام نہ کرتے تھے۔ بلکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کہنے اورامر فرمانے پر تعمیل ارشاد ہوتا تھا۔ سیدنا اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ نے ہجرت سے قبل مدینہ منورہ کے قریب گاؤں حرہ بنی بیاضہ میں جمعہ قائم کیا اور سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے مدینہ طیبہ میں جمعہ قائم کیا اورہجرت کے وقت مدینہ طیبہ کا گاؤں ہونا صحیح بخاری ص۲۵۲ ج۱ سے مرفوع حدیث سے ثابت ہے میرے پیارے آقا و مولیٰ سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ فرماتے ہیں۔ **امرت بقریۃ تاکل القریٰ یقولون یثرب وھی المدینۃ، الحدیث۔**

امام ابن حزم فرماتے ہیں۔

من اعظم البرھان علیھم ان رسول اللہ ﷺ اتی المدینۃ وانما ھی قرأی صغار مفرقۃ بنو مالک بن النجار فی قریتھم حوالی دورھم اموالھم ونخلھم و بنو عدی بن النجار فی دارھم کذلک وبنو مازن بن النجار کذلک وبنو سالم کذلک وبنو ساعدۃ کذلک وبنو الحارث الانصار کذلک وبنو عمرو بن عوف کذلک وبنو عبد الاشھل کذلک وسائر بطون الانصار کذلک فبنی مسجدۃ فی بنی مالک بن النجاروجمع فیہ قریۃ لیست بالکبیرۃ ولا مصر ھنالک فبطل قول من ادعی ان لاجمعۃ الا فی مصر وھذا امر لا یجھلہ احد لا مومن ولا کافر بل ھونقل الکواف من شرق الارض الی غربھا۔

یعنی دیہات میں جمعہ سے روکنے والوں پر سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ جب نبی مکرم ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لائے تو یہ خود چھوٹی چھوٹی بستیوں کی صورت میں تھا، بنو مالک بن نجار کا مال اور کھجوروں کے باغ الگ تھے، بنوعدی، بنو مازن بنوسالم، بنوساعدہ، بنو حارث، بنوعمرو بن عوف، بنوعبداشہل وغیرہ بھی اسی طرح الگ الگ دیہاتی زندگی بسر کرتے تھے۔ انصار کے تمام قبائل اسی طرح قبائلی زندگی گزارتے تھے۔ نبی مکرم ﷺ نے مسجد کی بنیاد بنو مالک بن نجار میں رکھی اور جمعہ قائم فرمایا، جو چھوٹی سی آبادی تھی، یہاں کوئی شہر آباد نہ تھا۔ یہ صورت حال ہر مسلمان اور کافر پر ظاہر ہے بلکہ مشرق ومغرب کے تمام مؤرخین نے اسے نقل کیا ہے۔

(المحلی بالاثار ص۲۵۸ ج۳)۔

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بھی بحرین کے رہنے والوں کو یہی جواب دیا کہ جہاں چاہو جمعہ قائم کرو مکہ و مدینہ کے درمیان بعض قبائل قبائلی زندگی بسر کرتے تھے، جہاں پانی ملا وہاں ہی ڈیرا ڈال دیا۔ وہ زمانہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں جمعہ پڑھا کرتے کوئی ان پر حرف گیری نہ کرتا، بلکہ سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں پڑھنے کا حکم دیا۔

الغرض قرآن وسنت اورتعامل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے یہی ثابت ہوا کہ ہر جگہ جمعہ قائم کیا جاسکتا

ہے۔ جہاں بھی جمعہ پڑھانے کے لائق کوئی فرد ہو اور وہاں اتنے آدمی جمع ہو جائیں جن سے جماعت ہو سکتی ہے وہاں جمعہ قائم کیا جا سکتا ہے اور قائم کرنا چاہیئے اپنی طرف سے شہر وغیرہ کی قیود لگانا بے ثبوت اور قرآن و سنت پر اضافہ ہے، حنفیہ کے علاوہ کسی کے نزدیک بھی جمعہ کے لئے شہر ہونا شرط نہیں، یہ صرف کوفی فقہ کا ہی بے مغز اور فضول مسئلہ ہے، جس کے فضول اور خرافت ہونے کا انہوں نے عملی طور پر خود ہی اعتراف کرلیا ہے۔ پاکستان بالخصوص سندھ و پنجاب میں حنفی چھوٹے چھوٹے گاؤں و دیہات میں بھی جمعہ قائم کر چکے ہیں۔

الغرض حنفیہ کا یہ مسئلہ خارج میں ان کے اپنے ہاتھوں ہی موت کی نیند سو چکا ہے۔ اب صرف انوار صاحب جیسے ضدی حضرات کی کتب میں عجائب گھر کا مال ہو کر رہ گیا ہے۔ الحمد اللہ یہ تحریک اہل حدیث کی کامیابی اور ثمرات ہیں کہ حنفیت آہستہ آہستہ کوچ کر رہی ہے تقلید پر نزاع کا عالم طاری ہے۔ وہ جان کنی میں مبتلا ہے، انوار خورشید جیسے محقق اسے آکسیجن لگا کر زندہ رکھنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اور اسے ایسا خون دے رہے ہیں جس کا گروپ اس سے نہیں ملتا۔

فصل دوم

(ا) عن عائشة فی حدیث طویل حتی نزل بهم فی بنی عمرو بن عوف وذلك یوم الاثنین من شهر ربیع الاول، فقام ابوبكر للناس وجلس رسول الله ﷺ صامتا فطفق من جاء من الانصار فمن لم یر رسول الله ﷺ یجئی ابا بكر حتی اصابت الشمس، رسول الله ﷺ فاقبل ابو بكر حتی ظل علیه بردائه فعرف الناس رسول الله ﷺ عند ذلك فلبث رسول الله ﷺ فی بنی عمر و بن عوف بضع عشرة لیلة (وفی روایة انس بن مالك اربع عشرة لیلة) اسس المسجد الذی اسس علی التقوی وصلی فیه رسول الله ﷺ ثم ركب راحلته فساریمشی معه الناس حتی بركت عند مسجد الرسول الله ﷺ بالمدینة وهو یصلی فیه یومئذ رجال من المسلمین وكان مربدا للتمر لسهیل و سهل غلامین یتیمین فی حجر اسعد بن زرارة فقا ل رسول الله ﷺ حین بركت به راحلته هذا ان شاء الله المنزل ثم دعا رسول الله ﷺ الغلامین فساو مهما بالمربد لیتخذه مسجدا فقال بل نهبه لك یا رسول الله ﷺ فابی رسول الله ﷺ ان یقبله منهما هبة حتی ابتاعه منهما ثم بناه مسجدا۔

الحدیث (بخاری ص ۵۵۵ ج ۱)۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک طویل حدیث میں روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (مقام قباء قبیلہ) بنو عمرو بن عوف کے یہاں نزول اجلال فرمایا اور یہ ماہ ربیع الاول کا پیر کا دن تھا حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ

آنے والے لوگوں سے ملنے کے لئے کھڑے ہوگئے اور رسول اللہ ﷺ خاموش بیٹھے رہے، انصار میں سے جو بھی آتا جس نے رسول اللہ ﷺ کو پہلے نہیں دیکھا تھا وہ حضرت ابو بکر ؓ کے پاس آتا یہاں تک کہ آنحضرت ﷺ کو دھوپ لگنے لگی حضرت ابو بکر ؓ اس طرف متوجہ ہوئے اور اپنی چادر سے آپ پر سایا کیا اس وقت لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کو پہچانا ، رسول اللہ ﷺ قبیلہ بنو عمرو بن عوف میں دس رات سے کچھ اوپر (حضرت انس کی روایت کے مطابق چودہ رات) قیام فرمارہے اور آپ نے وہاں اس مسجد کی بنیاد رکھی جس کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی (یعنی مسجد قباء کی) اور رسول اللہ ﷺ اس میں نماز پڑھتے رہے۔ پھر آپ اپنی سواری پر سوار ہوئے تو لوگ بھی آپ کے ساتھ چلنے لگے یہاں تک کہ آپ کی سواری مدینہ طیبہ میں رسول اللہ ﷺ کی مسجد کے پاس آکر بیٹھ گئی۔ اس جگہ اس وقت کچھ مسلمان نماز پڑھا کرتے تھے، اور یہ جگہ دو یتیم بچوں سہیل اور سہل کی جو اسعد بن زرارۃ کی پرورش میں تھے ان کی کھجوریں خشک کرنے کی جگہ تھی، جس وقت آپ کی سواری آپ کو لے کر اس جگہ بیٹھی تھی تو آپ نے فرمایا ان شاء اللہ یہی منزل ہوگی، پھر رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں بچوں کو بلایا اور اس جگہ کا ان سے بھاؤ کرنے لگے تاکہ آپ وہاں مسجد بنائیں، وہ دونوں بچے کہنے لگے ہم آپ کو یہ جگہ ہبہ کرتے ہیں اے اللہ کے رسول ﷺ رسول اللہ ﷺ نے ان کے ہبہ کو قبول کرنے سے انکار فرمایا اور ان سے وہ جگہ خرید لی پھر وہاں مسجد بنائی۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۷۴۷ تا ۷۵۱)

انوار صاحب وجہ استدلال میں فرماتے ہیں

پہلی حدیث سے ثابت ہو رہا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جب مکہ معظمہ سے ہجرت فرمائی تو مقام قباء میں جو مدینہ طیبہ سے تین میل کے فاصلہ پر ہے۔ پیر کے دن پہنچے اور قبیلہ بنی عمرو بن عوف کے یہاں نزول اجلال فرمایا۔ وہاں مسجد کی بنا ڈالی گئی، عامہ مسلمین کی جماعت کے ساتھ علانیہ نماز ادا ہونے لگی اور آپ حضرت انس ؓ کی روایت کے مطابق چودہ شب وہاں رہے۔ پھر آپ نے وہاں سے مدینہ طیبہ کوچ فرمایا اور بنو نجار کے محلّہ میں پہنچ کر حضرت ابو ایوب انصاری ؓ کے مکان کے پاس تشریف فرما ہوئے اور مہینوں وہاں رہے یہاں تک کہ آپ کے لئے مسجد و مکانات تعمیر ہوگئے جب صحیح بخاری سے یہ ثابت ہوا کہ آپ قبا میں چودہ دن رہے تو لازمی بات ہے کہ اس دوران دو جمعے بھی آئے مگر کسی صحیح روایت سے ثابت نہیں کہ وہاں آپ نے نماز جمعہ ادا فرمائی ہو بلکہ آپ کی پہلی نماز جمعہ یا تو مدینہ طیبہ میں ہوئی یا بنو سالم کی مسجد عاتکہ میں جو مدینہ طیبہ کا ایک محلّہ ہے جو شہر سے باہر ہے، اب قابل غور بات یہ ہے کہ باوجود یہ کہ نماز جمعہ فرض ہو چکی تھی، قبا میں آپ نے نماز جمعہ کیوں ترک کی، اگر آپ مسافر تھے تو قبا والوں کو کیوں حکم نہیں دیا، اور جب مسافر کے لئے جمعہ جائز ہے اور بالفرض قباء والوں پر نماز جمعہ فرض تھی تو آپ قباء میں نماز جمعہ ضرور قائم فرماتے ، آپ کے خود جمعہ قائم نہ فرمانے

سے اہل قباء کو جمعہ قائم کرنے کا حکم نہ دینے سے ثابت ہوتا ہے کہ قباء میں نماز جمعہ درست ہی نہ تھا اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ گاؤں والوں پر جمعہ فرض نہیں، (حدیث اوراہل حدیث ۷۵۷ تا ۷۵۸)

الجواب: اولا اس ساری تقریر کا صغریٰ و کبریٰ یہ ہے قبا میں نبی مکرم ﷺ کا نماز جمعہ پڑھنا ثابت نہیں محترم عدم ذکر سے عدم شئی لازم نہیں آتا یہ آپ کی بھول ہی نہیں بلکہ زیادتی ہے غور کریں مکہ سے صحابہ ہجرت کر کے حبشہ گئے وہاں بادشاہ نجاشی نے اسلام قبول کرلیا، تو کیا آپ کسی صحیح یا حسن روایت سے بھی ثابت کر سکتے ہیں کہ مہاجرین حبشہ اور نجاشی نماز جمعہ پڑھا کرتے تھے، اگر آپ یہ ثابت کر دیں تو فی لفظ ایک ہزار نقد انعام، اگر آپ ثابت نہ کر سکے یقیناً ثابت نہ کر سکیں گے، تو کیا اس سے لازم آتا ہے کہ مصر میں بھی جمعہ جائز نہیں۔

ثانیاً: قباء میں نبی مکرم ﷺ مسافر تھے اور مسافر پر بالاتفاق جمعہ فرض نہیں، لہٰذا اگر آپ کی بات تسلیم کر لی جائے تو تب بھی ہمارے خلاف نہیں, رہا آپ کا یہ معارضہ کہ قباء والوں کونماز جمعہ پڑھنے کا کیوں حکم نہیں دیا، جوابا عرض ہے کہ کیا قباء والوں کو جمعہ پڑھنے سے منع کیا ہے؟ دلیل دیں، رہا یہ امر کہ حکم کرنا ثابت نہیں۔ تومحترم گزارش ہے کہ کیا کسی حدیث سے ثابت ہے کہ قباء والوں کو پانچ نمازیں پڑھنے کا حکم دیا تھا اگر ایسا کوئی حکم نامہ آپ کے پاس ہے تو دکھا دیں، اسی حکم نامہ سے جمعہ کا حکم بھی دکھا دیں گے، انشاء اللہ، اگر آپ نہ دکھا سکے تو کیا قباء والوں پر پانچ نمازیں بھی فرض نہ تھیں۔

ثالثاً: رہا آپ کا یہ کہنا کہ پہلی نماز جمعہ یا تو مدینہ طیبہ میں ہوئی یا بنو سالم کی مسجد عاتکہ میں جو کہ مدینہ طیبہ کا ایک محلّہ تھا، غلط محض ہے۔ کسی نے بھی یہ نہیں لکھا کہ پہلی نماز جمعہ مدینہ میں ہوئی، تمام اہل سیر بالاتفاق یہی لکھتے ہیں کہ پہلی نماز جمعہ موضع بنی سالم کی مسجد عاتکہ میں ہوئی۔

دلائل النبوة للبیهقی ص۵۰۰ ج۲ وسیرة ابن هشام ص۱۳۹ ج۲ ،تاریخ طبری ص۲۵۵ ج۲ وسیرا علام النبلاء ص۲۳٦ ج۱ طبع جدید وفتح الباری ص۱۹۵ ج۷ وسیرة النبی للشبلی ص۱۷٤ ج۱، وسیرة مصطفی للکاندهلوی ص۴۰۱ ج۱ وضیاء النبی للبهیروی ص۱۱٦ ج۲).

اوربنو سالم مدینہ کا محلّہ نہیں بلکہ قباء اور مدینہ کے درمیان ایک گاؤں تھا جیسا کہ امام بیہقی نے معرفة السنن والاثار میں موسیٰ بن عقبہ سے روایت کیا ہے۔ (بحواله التلخیص الحبیر ص٥٤ ج٢).

اور یہ مسجد نبوی سے تقریبا ایک میل دور ہے۔

آپ کی اس دلیل سے ثابت ہوا کہ گاؤں میں نماز جمعہ جائز ہے۔

رابعا: باتفاق فقہائے حنفیہ جب گاؤں میں امام کے حکم سے کوئی مسجد بنائی جائے تو وہاں جمعہ پڑھنا جائز ہے، اور بحکم امام اس مسجد کا بننا اس میں اقامت جمعہ کا حکم دینا ہے فتاویٰ الدیناری میں لکھا ہے۔

اذا بنی مسجد الرستاق بامر الامام فهو امر بالجمعة اتفاقا علی ما قال السرخسی والرستاق القری کما فی القاموس۔

یعنی جب رستاق میں حکم امام سے مسجد بنائی گئی تو وہاں بالاتفاق جمعہ کا حکم ہے۔ جیسا کہ علامہ سرخسی نے کہا ہے قاموس (لغت کی کتاب میں لکھا ہے کہ) رستاق کا معنی گاؤں ہے۔

(بحوالہ فتاویٰ شامی ص ۱۳۸ ج ۲)۔

اور اس میں شک و شبہ نہیں کہ قباء میں مسجد نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حکم سے بنائی گئی تھی، اور جو انوار صاحب نے بخاری سے حدیث نقل کی ہے اس سے ثابت ہے کہ مسجد قباء کی بنیاد ہی خود نبی ﷺ نے ڈالی لہٰذا انوار صاحب وضاحت کریں کہ باوجود کہ وہاں جمعہ جائز تھا۔ پھر آپ علیہ السلام نے نماز جمعہ کیوں ترک کی، اگر آپ مسافر تھے تو قباء والوں کو کیوں نماز جمعہ پڑھنے کا حکم نہ دیا؟ فما کان جوابکم فهو جوابنا۔

خامسا: مقام بنی عمرو بن عوف جہاں رسول اللہ ﷺ نے نزول اجلال فرمایا تھا اور مسجد قباء کی بنیاد ڈالی تھی۔ عند الحنفیہ توابع مدینہ و فنائے مدینہ سے ہے، اور ہر وہ جگہ جو توابع مصر و فنائے مصر ہو، اس میں حنفیہ کے نزدیک بھی جمعہ جائز ہے اور وہاں کے لوگوں پر جمعہ فرض و واجب ہے، تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ انوار صاحب نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ بنی عمرو بن عوف کا مقام مدینہ طیبہ سے تین میل تھا۔ مگر یہ درست نہیں۔ کیونکہ مقام بنی عمرو بن عوف مدینہ منورہ سے دو میل کے فاصلہ پر ہے۔

امام نووی فرماتے ہیں۔

قال العلماء منازل بنی عمرو بن عوف علی میلین من المدینه۔

یعنی بنی عمرو بن عوف کا مقام، (قباء) مدینہ سے دو میل ہے۔

(شرح صحیح مسلم ص ۱۲۵ ج ۱)۔ یہی بات حافظ ابن حجر نے، فتح الباری ص ۲۲ ج ۲)۔ میں مولانا شبیر احمد عثمانی دیوبندی نے (فتح الملہم ص ۲۰۱ ج ۲) میں مولانا ظفر احمد تھانوی نے، (اعلاء السنن ص ۲۰ ج ۸) میں کہی ہے۔ اور جو مقام شہر سے دو میل کے فاصلہ پر ہو وہ حنفیہ کے نزدیک توابع مصر اور فنائے مصر سے ہے۔ درمختار میں ہے۔ **والمختار للفتویٰ تقدیره بفرسخ ذکره الولواجی،** یعنی فتویٰ کے لئے مختار یہ ہے کہ فنائے مصر کا اندازہ ایک فرسخ یعنی تین میل مقرر کیا جائے۔ (درمختار مع شامی ص ۱۳۹ ج ۱)۔

انوار صاحب غور کریں کہ فنائے مصر کا اندازہ ایک فرسخ (یعنی تین میل پانچ کلومیٹر) مقرر کیا گیا ہے اور مفتی کو فتویٰ دیتے وقت یہی مختار بتایا گیا ہے، جب کہ بنی عمرو بن عوف کا مقام تو دو میل ہے (اور آج جب وہاں عمارات کی بھرمار ہے تب بھی انسان پیدل چل کر وہاں آدھے گھنٹے میں پہنچ جاتا

ہے)، لہٰذا مقام بنی عمرو بن عوف کا فنائے مدینہ میں ہونا ثابت ہوگیا ہے، محقق علی الا طلاق جناب ابن ہمام فرماتے ہیں۔

واختلفوا فيه فعن ابي يوسف ان كان الموضع يسمع فيه النداء من المصر فهو من توابع المصر والا فلا وعنه انها تجب في ثلاث فراسخ وقال بعضهم قدر ميل وقيل قدر ميلين وقيل ستة اميال وقيل ان امكنه ان يحضر الجمعةويبيت من اهله من غير تكلف تجب عليه الجمعة والا فلافي البدائع وهذا حسن۔

یعنی فقہائے حنفیہ توابع مصر وفنائے مصر کی تعریف وتحدید میں مختلف ہوئے ہیں، قاضی ابو یوسف سے ایک روایت یہ ہے کہ شہر کی اذان جس جگہ سنی جائے وہ توابع مصر میں سے ہے، اور اگر نہ سنی جائے تو پھر نہیں، اور ایک روایت یہ ہے کہ نماز جمعہ اس موضع میں واجب ہے، جو شہر سے تین فرسخ یعنی نو میل کے فاصلہ پر ہو اور بعض نے توابع مصر کی حد ایک میل بعض نے دو میل اور بعض نے چھ میل بتائی ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ جو شخص شہر میں نماز جمعہ پڑھ کر شام تک بلاتکلف اپنے گھر واپس جاسکتا ہے، تو اس شخص پر نماز جمعہ واجب ہے۔ اور اگر ایسا ممکن نہ ہو تو پھر جمعہ واجب نہیں، بدائع الصنائع میں لکھا ہے کہ یہ پچھلی تعریف خوب ہے۔

(فتح القدير ص۲۵ ج۲ طبع المكتبه الرشيديه كوئٹه۔

ابن ہمام کے کلام پر غور کریں اس میں توابع مصر کی چھ تعریفیں مذکورہ ہیں، ان میں سے دو کے علاوہ تمام تعریفیں مقام بنی عمرو بن عوف پر صادق آتی ہے۔ اور آخری تعریف تو قباء والوں پر بہت اچھی طرح صادق آتی ہیں، اور اسی تعریف کو علامہ کاسانی نے حسن (بہت خوب) کہا ہے۔ (بدائع الصنائع ص۲۶۰ ج۱)۔ اسی کے متعلق ابن نجیم فرماتے ہیں کہ صاحب بدائع کا فیصلہ احوط اور اولیٰ ہے۔

(البحر الرائق ص۱۴۱ ج۲)۔

اس تعریف کو ملحوظ رکھا جائے تو مقام بنی عمرو بن عوف والوں پر جمعہ فرض ثابت ہوا کیونکہ صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ یہ لوگ عصر کی نماز مسجد نبوی میں آپ علیہ السلام کی اقتدا میں پڑھ کر غروب آفتاب سے پہلے ہی قباء میں پہنچ جاتے تھے۔ (بخاری ص۸۷ ج۱، مسلم ص۱۲۵ ج۱)۔

سادسا: اس دلیل کی اصل بنیاد اس بات پر ہے کہ نماز جمعہ مکہ مکرمہ میں فرض ہوئی تھی، مگر انوار صاحب نے اس پر کوئی دلیل درج نہیں کی، اگر درج کرتے تو ہم اس کا مکمل محاسبہ کرتے۔

(۲) عن جابر بن عبد الله (في حديث طويل في حجة النبي ﷺ) فاجاز رسول الله ﷺ حتى اتى عرفة فوجد القبة قدضربت له بنمرة فنزل بها حتى اذا زاغت الشمس امر بالقصواء فرحلت له فاتى بطن الوادي فخطب الناس (الىٰ ان قال) ثم اذن ثم اقام فصلى

الظهر ثم اقام فصلى العصر ولم يصل بينهما شيئا۔

(مسلم ص۳۹۷ ج ۱)۔

حضرت جابر بن عبد اللہ ؓ نے نبی اکرم ﷺ کے حج کے سلسلہ میں ایک لمبی حدیث میں فرمایا تو رسول اللہ ﷺ آگے بڑھ گئے، یہاں تک کہ آپ عرفات میں تشریف لائے تو آپ نے ایک قبہ دیکھا جو آپ کے لئے دھاری دار چادر سے بنایا گیا تھا، اس میں تشریف فرما ہوگئے تھے حتی کہ جب سورج ڈھل گیا تو آپ نے (اپنی اونٹنی) قصواء کے لانے کا حکم دیا چنانچہ وہ کجاوہ ڈال کر حاضر کردی گئی آپ نے بطن وادی پہنچ کر لوگوں سے خطاب فرمایا پھر حضرت بلال نے اذان کہی پھر اقامت کہی اور آپ نے ظہر کی نماز پڑھائی (حضرت بلال نے) پھر اقامت کہی تو عصر کی نماز پڑھائی اور ان دونوں نمازوں کے درمیان کوئی نماز نہیں پڑھی۔ (حدیث اور اہل حدیث ص۵۲۷)

وجہ استدلال میں فرماتے ہیں۔

دوسری حدیث سے ثابت ہو رہا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حجۃ الوداع کی نویں ذی الحجہ کو مقام عرفات میں وقوف فرمایا تو وہاں آپ نے ظہر کی نماز ادا فرمائی حالانکہ صحیح روایات سے ثابت ہے کہ جمعہ کا دن تھا۔ (معرفة السنن والاثار ص۳۲٤ ج ٤)۔

اگرچہ آنحضرت ﷺ پر نماز جمعہ وہاں مسافر ہونے کی وجہ سے فرض نہ تھی۔ مگر اہل مکہ پر تو نماز جمعہ فرض تھی، لیکن انہوں نے بھی جمعہ کی نماز نہیں پڑھی ظہر کی پڑھی، آپ ﷺ کے ساتھ اہل مکہ کا نماز جمعہ نہ پڑھنا اس بات کی دلیل ہے کہ غیر آبادی کی وجہ سے مقام عرفات نماز جمعہ کا محل ہی نہ تھا اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اہل قریۃ پر جمعہ فرض نہیں۔ (حدیث اور اہل حدیث)

الجواب: اولاً اگر یہ تسلیم کرلیا جائے کہ جمعہ کی نہیں ظہر کی نماز پڑھی تھی۔ لیکن اس سے کسی اور صحرا اور گاؤں میں نماز جمعہ کا نہ ہونا لازم نہیں آتا۔ دیکھئے حنفیہ کے نزدیک میدان عرفات میں ظہر وعصر کی نمازوں کو جمع کرنا جائز ہے مگر اس سے کسی اور صحرا ومقام پر دو نمازوں کا جمع کرنا حنفیہ کے نزدیک لازم نہیں آتا۔

ثانیاً: اگر مکہ کے رہنے والوں نے جمعہ ادا نہیں فرمایا تو کیا انہوں نے نبی اکرم ﷺ کے ساتھ ظہر و عصر کی نمازوں کو جمع کر کے قصر ادا نہیں فرمائی؟ اگر انہوں نے نمازوں کو قصر ہی کیا ہے، یقیناً کیا ہے کیونکہ کسی حدیث سے ثابت نہیں کہ مکہ والوں نے پوری نماز پڑھی تھی، یا نبی مکرم ﷺ نے انہیں پوری پڑھنے کا ارشاد فرمایا تھا، اس سے ثابت ہوا کہ اہل مکہ بھی مسافر ہی تھے۔ اور ہم سابقہ باب میں حدیث و آثار سے ثابت کر آئے ہیں کہ ۹ میل مسافت پر قصر ہے۔ جبکہ مکہ مکرمہ سے عرفات کا فاصلہ ۱۲ میل شرعی ہے تقریباً بیس بائیس کلو میٹر، لہٰذا بوجہ مسافر جمعہ نہ پڑھا گیا تھا۔

فلا اعتراض :

ثالثاً: حنفیہ کے نزدیک دو نمازوں کو جمع بوجہ نسک کیا گیا تھا تو کیا وجہ ہے کہ ترک جمعہ کے لئے یہ عذر قبول نہیں کرتے۔ حالانکہ ان کے درمیان تفریق کی کوئی وجہ ثابت نہیں۔

(۳) عن عائشة زوج النبی ﷺ قالت کان الناس ینتابون الجمعة من منازلهم و العوالی۔

(الحدیث بخاری ص۱۲۳)۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ باہر کے لوگ مدینہ طیبہ میں نماز جمعہ پڑھنے کے لئے اپنی اپنی منازل اور عوالی سے نوبت بنوبت یعنی باری باری آتے تھے۔ (ص۷۵۲)۔

وجہ استدلال میں فرماتے ہیں۔

تیسری حدیث سے ثابت ہورہا ہے کہ اہل عوالی جمعہ میں شریک ہونے کے لئے مدینہ طیبہ نوبت بنوبت یعنی باریاں مقرر کرکے آتے تھے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اہل عوالی پر جمعہ فرض نہ تھا۔ کیونکہ اگر اہل عوالی پر جمعہ فرض ہوتا تو وہ وہیں جمعہ کروا لیا کرتے انہیں اتنی دور آنے کی ضرورت نہیں تھی۔ لیکن یہ کسی حدیث سے ثابت نہیں ۔ (حدیث اور اہل حدیث ص۷۵۹)

الجواب: اولاً اگر انوار صاحب کی اس دلیل کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو لازم آئے گا کہ اہل مدینہ پر بھی جمعہ فرض نہ تھا۔ کیونکہ حدیث میں ،الناس، کا لفظ اہل مدینہ اور عوالی کے رہنے والون کے لئے آیا ہے۔ پس اس حدیث کا مطلب تو یہ ہوا کہ لوگ نماز جمعہ پڑھنے کے لئے مسجد نبوی میں اپنے گھروں اور عوالی سے باری باری آتے تھے۔ اس سے واضح ہوا کہ مدینہ کے لوگ بھی باری باری آتے تھے, اور مصنف نے، الناس ، کا معنی جو، باہر کے لوگ کیا ہے وہ غلط ہے اور مغالطہ بھی، الغرض الناس کے ترجمہ میں باہر کے لوگ، انوار صاحب کا کذب ہے، مولوی عبد القیوم حقانی نے، (توضیح السنن ۵۴۱ ج۲) میں مولوی عابد الرحمٰن کاندھلوی نے، (ترجمہ مسلم ص۷۰۲ ج۱) میں مولوی محمد زکریا اقبال نے، (تفہیم المسلم ص۹۰۰ ج ۱) میں اور مولوی غلام رسول سعیدی بریلوی نے، شرح (صحیح مسلم ص۶۲۵ ج۲) میں اس کا معنی کیا ہے کہ لوگ اپنے گھروں اور بالائی علاقوں سے جمعہ پڑھنے کے لئے باری باری آتے تھے۔

مولوی خلیل احمد سہارنپوری فرماتے ہیں۔

من منازلهم فی المدینة و القریبة من المدینة، یعنی مدینہ منورہ کے لوگ اور اردگرد کے لوگ اپنے گھروں سے آتے تھے۔ (بزل المجہود ص۱۶۴ ج۲)۔

صحیح مسلم میں، منارلهم ومن العوالی کے الفاظ ہیں۔

(صحیح مسلم کتاب الجمعة با ب وجوب غسل الجمعة...... الحدیث ۱۹۰۸),

اس حدیث میں **العوالی،** اور **منازلهم،** کے درمیان واو عطف کی دلیل ہے کہ منازلہم سے وہ

منازل ہیں جو عوالی کے علاوہ ہیں, اور یہ منازل عام ہیں، خواہ مدینہ کے اندر ہوں یا باہر، انوار صاحب کا استدلال درست تسلیم کیا جائے تو لازم آئے گا کہ اہل مدینہ پر بھی جمعہ فرض نہ تھا۔ اور یہ کوئی بھی نہیں کہتا اور نہ ہی کسی کا مؤقف و مذہب ہے جب یہ باطل ہوا تو ملزوم خود بخود باطل ٹھہرا۔

ثانیا: انوار صاحب نے یتنابون کا معنی نوبت بنوبت یعنی باری باری آتے تھے کیا ہے یہ بددیانتی ہے جو حنفیت کی وکالت میں کی گئی ہے، لغت میں انتیات کے معنی نوبت بنوبت آنے کے نہیں بلکہ، پے در پے اور بار بار آنے کے ہیں۔ صراح، میں ہے انتیاب پیاپے آمدن یقال فلان انتیاب القوم ای اتاھم مرة بعد اخری،، قاموس میں ہے انتابھم انتیابا اتاھم مرة بعد اخریٰ۔ ص۱۳۹۔

اسی وجہ سے امام نووی نے شرح صحیح مسلم ص۲۸۰ ج۱ میں لکھا ہے کہ۔ **قوله ينتابون الجمعة،** حدیث کا مطلب یہ کے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نماز جمعہ پڑھنے کو اپنے اپنے گھروں سے اور عوالی سے رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں بار بار اور ہمیشہ آیا کرتے تھے۔ ہاں البتہ تناوب کے معنی نوبت بنوبت آنے کے ہیں، جو باب تفاعل سے ہے۔ اور انتیاب کے معنی یہ نہیں،، مزید برآں سنن نسائی میں یہی حدیث سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے جس میں،، **یحضرون**،، کے الفاظ ہیں۔

انما كان الناس يسكنون العالية فيحضرون الجمعة ، الحديث (سنن نسائی رقم الحديث ١١٣٨٥).

دیکھیے اس حدیث میں ینتابون، کی بجائے **یحضرون** آیا ہے۔ اگر انتیاب کا وہ معنی لیا جائے تو حدیث میں اختلاف لازم آئے گا۔ اور یہ باطل ہے۔ ثابت ہوا ینتابون کا معنی بار بار آنا ہے۔

ثالثا: اگر اس کا وہی معنی کیا جائے جو انوار صاحب نے اختیار کیا ہے تو تب یہ حدیث حنفیہ کے بھی خلاف ہے، کیونکہ فنائے مصر میں ان کے نزدیک بھی جمعہ جائز ہے، اور انوار صاحب کی دلیل نمبرا کے جواب میں ہم اس کی وضاحت، خامسا، کے تحت کر آئے ہیں۔ وہاں سے ایک بار اسے دیکھ لیا جائے۔ جب آپ نے اس بات کو بخوبی سمجھ لیا تو اب سنئے! کہ مدینہ سے بعض عوالی تو ایک میل پر بھی تھیں صحیح بخاری میں ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کا انتقال ہوا تو سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ مقام سخ پر تھے، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ یہ قبیلہ خزرج کی شاخ بنی حدث کی عوالی تھی۔ جو مسجد نبوی سے ایک میل دور تھی۔ (فتح الباری ص۲۱ ج۷)۔ یہی بات علامہ عینی نے، عمدة، القاری ص۲۵۶ ج۱۶ میں کہی ہے۔ تو کیا یہ ایک میل والے بھی باری باری ہی آتے تھے؟ جن پر عند الحنفیہ بھی جمعہ فرض ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ عوالی مدینہ کے وہ تمام لوگ جن پر جمعہ فرض تھا وہ مسجد نبوی آکر جمعہ پڑھا کرتے تھے۔ حدیث بخاری میں یتنابون، کے لفظ سے یہی ثابت ہوتا ہے۔

(۴) عن ابن عباس قال ان اول جمعة جمعت بعد جمعة فی مسجد رسول الله ﷺ فی مسجد عبد القيس بجواثی من البحرين۔

(بخاری ص ۱۲۲ ج ۱)۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں جمعہ قائم ہونے کے بعد سب سے پہلے بحرین کے ایک شہر جواثی میں عبد القیس کی مسجد میں جمعہ کی نماز پڑھی گئی۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۷۵۲)

وجہ استدلال میں ارشاد فرماتے ہیں کہ۔ چوتھی حدیث سے ثابت ہو رہا ہے کہ جب تک جواثا میں جمعہ قائم نہیں ہوا مسجد نبوی کے سواء کسی اور مقام میں جمعہ نہیں ہوتا تھا اب دیکھنا یہ ہے کہ ہجرت کے کتنے دن بعد جمعہ قائم ہوا حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے بیان کے مطابق اہل جواثا نے جمعہ اس وقت قائم کیا تھا جب ان کے وفد مدینہ طیبہ سے ہوکر واپس چلے گے تھے۔ (فتح الباری) اور قاضی عیاض وغیرہ نے وضاحت کی ہے کہ یہ لوگ ۸ھ ہجری میں مدینہ طیبہ آئے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ جواثا میں جمعہ ہجرت کے آٹھ سال بعد قائم ہوا ہے۔ سوال یہ ہے کہ اتنی مدت میں سینکڑوں اہل عوالی و اہل قریہ مسلمان ہوچکے تھے، اسلام دور دراز کی بستیوں تک پہنچ چکا تھا، بہت سی بستیاں مسلمانوں کے قبضے میں آگئی تھیں، خیبر بھی فتح ہو چکا تھا، جابجا مسجدیں بھی تھیں، پھر مسجد نبوی کے سوا کسی اور جگہ نماز جمعہ کیوں نہیں ہوئی، اور تو اور موضع قباء جو مدینہ طیبہ سے تین کوس کے فاصلہ پر تھا۔ جہاں آنحضرت ﷺ ہر ہفتہ تشریف لے جاتے تھے، جہاں کی مسجد کی اتنی بڑی فضیلت کہ اس کی بنیاد خود آپ ﷺ نے رکھی جس کی شان میں قرآن مجید میں، اسس علی التقویٰ وارد ہوا، ایسی متبرک مسجد پھر بھی وہاں آپ نے نہ تو اسوقت جمعہ پڑھا جب ہجرت کے بعد وہاں قیام فرمایا تھا۔ اور نہ ہی مدینہ طیبہ قیام کے بعد آپ نے وہاں جمعہ قائم فرمایا۔ فرض تو فرض اگر وہاں صرف جائز ہوتا تو گو فرض نہ سہی جب بھی جواثا سے بہت پہلے وہاں ضرور جمعہ قائم ہوجاتا تا کہ لوگ جمعہ کے روز قبا ہی رہ جاتے تھے۔ اور مدینہ طیبہ نہیں آتے تھے۔ وہ نماز جمعہ سے محروم نہ رہتے قباء وغیرہ مقامات میں جمعہ نہ ہونا بلکہ مسجد نبوی کے بعد پہلا جمعہ ہجرت کے آٹھ برس بعد جواثا میں ہونا جو بحرین میں واقع ہے اس سے ثابت ہوا کہ وہ مواضع محل اقامت جمعہ نہ تھے۔ اور چھوٹی چھوٹی بستیوں اور چھوٹے چھوٹے گاؤں میں جمعہ جائز نہیں۔ (حدیث اور اہل حدیث ۷۶۰)

الجواب: اولاً جواثا شہر نہیں گاؤں تھا، تفصیل فصل اول میں گزر چکی ہے۔ لہٰذا انوار صاحب کا راوی حدیث کے بالمقابل اسے شہر قرار دینا محض ضد اور تقلیدی تعصب ہے۔

ثانیا: اہل قباء پر نماز جمعہ فرض تھی، اور وہ مسجد نبوی میں نماز جمعہ پڑھنے کے پابند تھے۔ جیسا کہ ہم یتابون کے معنی میں تفصیل عرض کر چکے ہیں اور بعض ضعیف روایات میں اس کی وضاحت بھی آئی ہے۔ صحابی بیان کرتا ہے کہ۔

امرنا النبی ﷺ ان نشهد الجمعة من قباء، یعنی ہمیں رسول اللہ ﷺ نے قباء سے نماز جمعہ پڑھنے کے لئے مسجد نبوی میں حاضر ہونے کا حکم دیا۔ (ترمذی رقم الحدیث ۵۰۱)۔

ان اهل قباء كانوا يجمعون مع رسول الله ﷺ يوم الجمعة۔

اہل قباء جمعہ کے دن رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز جمعہ پڑھا کرتے تھے۔ (سند حسن ہے) (ابن ماجه باب ما جاء من اين توتى الجمعة الحديث ۱۱۲۴)۔

الغرض اہل قباء اور تمام اہل عوالی نماز جمعہ کے لئے مسجد نبوی میں آیا کرتے تھے۔ مزید تفصیل انوار صاحب کی دلیل نمبر ۷ کے جواب میں آرہی ہے۔

ثالثاً: انوار صاحب کا یہ تمام صغریٰ و کبریٰ باطل و فاسد ہے اور دلائل کی رو سے کاسد ہے، کیونکہ اہل عوالی کے علاوہ کسی قریہ کا اہل جواثا سے پہلے مسلمان ہونا ثابت نہیں، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں۔

وفيه دليل على تقدم اسلام عبد القيس على قبائل مضر الذين كانوا بينهم وبين المدينة وكانت مساكن عبد القيس بالبحرين وما والا هامن اطراف العراق ولهٰذا قالوا كما فى رواية شعبة عند المؤلف فى العلم وانا تاتيك من شقة بعيدة قال ابن قتيبة الشقة السفر وقال الزجاج هى الغاية التى تقصد ويدل على سبقهم الى الاسلام مارواه المصنف فى الجمعة من طريق ابى حمزة ايضا عن ابن عباس قال اول جمعة جمعت بعد جمعة فى مسجد رسول الله ﷺ فى مسجد بجواثى من البحرين وجواثى بضم الجيم وبعد الالف مثلثه مفتوحة وهى قرية شهيرة لهم وانما جمعوا بعد رجوع وفدهم اليهم فدل على انهم سبقوا جميع القرىٰ الى الاسلام۔

(فتح البارى ص۱۰۸ كتاب الايمان باب اداء الخمس من الايمان)

حاصل اس عبارت کا یہ ہے کہ عبد القیس کا اسلام قبول کرنا تمام اہل قریہ کے اسلام قبول کرنے سے پہلے کا ہے۔

علامہ شبلی نعمانی فرماتے ہیں۔

بحرین ایران کی حدود حکومت میں داخل تھا، عرب قبائل وادیوں میں آباد تھے جن میں مشہور اور باثر خاندان عبد القیس بکر بن وائل اور تمیم تھے ان میں سے عبد القیس کے قبیلہ میں سے منقذ بن حبان تجارت کے لیے نکلے۔ راہ میں مدینہ پڑتا تھا وہاں ٹھہرے آنحضرت ﷺ کو معلوم ہوا تو ان کے پاس تشریف لے گئے، اور اسلام کی دعوت دی انہوں نے اسلام قبول کیا اور سورۃ فاتحہ اور اقراء سیکھی آنحضرت ﷺ نے ان کو ایک فرمان عنایت کیا، وہ سفر سے واپس گئے تو چند روز تک کسی سے اس کا اظہار نہیں کیا، لیکن انکی بیوی نے ان کو نماز پڑھتے دیکھا تو اپنے باپ منذر بن عائذ سے شکایت کی،

انہوں نے منقذ سے دریافت کیا۔ بحث مباحثہ کے بعد منذر بھی مسلمان ہو گئے، اور آنحضرت کا نامہ مبارک لوگوں کو سنایا سب نے اسلام قبول کر لیا۔

صحیح بخاری میں روایت ہے کہ مسجد نبوی کے بعد سب سے پہلا جمعہ جس مسجد میں ادا کیا گیا وہ بحرین کی مسجد تھی جو جواثی میں واقع ہے، اس سے ثابت ہوا کہ بحرین میں ابتدائی زمانہ میں اسلام کی اشاعت ہو چکی ہے۔

(سیرۃ النبی ﷺ ص ۲۵ ج ۲ بعنوان بحرین میں اسلام مطبوعہ الفیصل ناشران کتب ۱۹۹۱ھ)

علامہ شبیر احمد عثمانی نے بھی یہ تفصیل لکھنے کے بعد لکھا ہے۔

انهم سبقوا جميع القرىٰ الى الاسلام، بلاشبہ وہ (قبیلہ عبد القیس) تمام قریۃ سے ایمان لانے میں سابق ہیں۔ (فتح الملهم ص ۱۸۲ ج ۱)۔

ان عبارات سے ثابت ہوا کہ قبیلہ عبد القیس تمام اہل قریۃ سے پہلے اسلام لائے اور ان سے پہلے کسی قریہ کے لوگ مسلمان نہیں ہوئے، لہٰذا مؤلف کا یہ کہنا کہ اسلام دور دراز کی بستیوں تک پہنچ چکا تھا خیبر فتح ہو چکا تھا،

مغالطہ بلکہ کذب صریح ہے۔ الغرض انوار صاحب کی یہ دلیل حنفیہ کے خلاف اور ہمارے موافق ہے۔

(۵) كان انس فى قصره احيانا يجمع واحيانا لا يجمع وهو بالزاوية على فرسخين۔

(بخاری ص ۱۲۳ ج ۱)

حضرت انس رضی اللہ عنہ اپنے قصر میں بمقام زاویہ جو بصرہ شہر سے چھ میل دور تھا رہتے تھے کبھی وہ جمعہ پڑھتے اور کبھی نہیں پڑھتے تھے۔

(۶) عن ابى البخترى قال رايت انسا شهد الجمعة من الزاوية هى فرسخان من البصرة۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ۱۰۲ ج ۲)۔

حضرت ابو البختری فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ آپ جمعہ پڑھنے کے لئے زاویہ سے تشریف لاتے جو بصرہ سے چھ میل کے فاصلہ پر ہے۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۷۵۳)

وجہ استدلال میں فرماتے ہیں۔

پانچویں اور چھٹی حدیث سے ثابت ہو رہا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ شہر بصرہ سے چھ میل دور زاویہ نامی بستی میں اپنے قصر میں رہتے تھے جب آپ کو جمعہ پڑھنا ہوتا تو آپ بصرہ شہر میں تشریف لا کر جمعہ ادا فرماتے اور اگر آپ وہیں رہتے تو جمعہ ادا نہ فرماتے یہ بھی اس بات کی دلیل ہے کہ گاؤں میں جمعہ

جائز نہیں۔ (حدیث اور اہل حدیث ۷۶۰)

الجواب: اولاً انوار صاحب نے جو یہ کہا ہے کہ جمعہ پڑھنا ہوتا تو بصرہ تشریف لاتے اور جب نہ آتے تو جمعہ نہ پڑھتے تھے۔ متن روایت میں کن الفاظ کا یہ معنی و مفہوم ہے؟ کوئی ایسا لفظ نہیں جو اس بات کی دلیل ہو یہ انوار صاحب نے جھوٹ بولا اور کذب تحریر کیا ہے۔

ثانیاً: احیانا یجمع واحیانا لایجمع، کے دو مطلب ہو سکتے ہیں، پہلا یہ کہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ مقام زاویہ میں کبھی نماز جمعہ پڑھتے اور کبھی یہاں نہ پڑھتے تھے۔ دوسرا مطلب یہ ممکن ہے کہ مقام زاویہ سے نماز جمعہ پڑھنے کے لئے شہر بصرہ میں کبھی آتے تھے، اور کبھی نہیں آتے تھے، اور کبھی نہیں آتے تھے۔ انوار صاحب پہلا مطلب اختیار کریں یا دوسرا کسی صورت میں اس اثر سے گاؤں میں جمعہ کا ناجائز ہونا ثابت نہیں ہوتا، اگر پہلا مطلب اختیار کریں تو یہ آپ کے خلاف ہے کیونکہ زاویہ چھوٹی سی بستی ہے اس میں سیدنا انس رضی اللہ عنہ کا نماز جمعہ ادا کرلینا گو کبھی کبھار ہی سہی مگر حنفیت کے خلاف ہے اور اگر دوسرا مطلب اختیار کریں کہ جب بصرہ میں پڑھتے تو گاؤں میں نہ پڑھتے تو یہ ہمارے خلاف نہیں، رہا انوار صاحب کا یہ کشید کرنا کہ جب بصرہ میں نہیں پڑھتے تھے تو کہیں بھی نہیں پڑھتے تھے، غلط ہے کیونکہ مقام زاویہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ کے نزدیک محل اقامت جمعہ ضرور ہے، کیونکہ وہاں آپ کا نماز عید پڑھنا ثابت ہے۔ بخاری میں ہے۔

وامر انس بن مالك مولاه، ابن ابى عتبة بالزاوية فجمع اهله وبنيه وصلى كصلاة اهل المصر وتكبير هم۔

اور سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے اپنے غلام ابن ابی عتبہ کو زاویہ میں حکم دیا انہوں نے انس رضی اللہ عنہ کے سب گھر والوں اور بیٹوں کو جمع کیا اور انس رضی اللہ عنہ نے شہر والوں کی طرح نماز عید پڑھائی اور ویسی ہی تکبیریں کہیں۔ (بخاری ص ۱۳۴ ج ۱)۔

حنفیہ کے نزدیک جس جگہ عید جائز ہے وہاں جمعہ بھی جائز ہے، لہٰذا متعین ہوا کہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ جب بصرہ میں جمعہ کے لئے تشریف نہ لے جاتے تو گاؤں میں جمعہ ادا کرلیا کرتے تھے۔

ثانیاً: بخاری کی روایت آپ کے موافق نہیں یہی وجہ ہے کہ مولانا رشید احمد گنگوہی فرماتے ہیں کہ زاویہ فنائے بصرہ سے تھا اس لئے سیدنا انس رضی اللہ عنہما کبھی جمعہ گاؤں زاویہ میں پڑھ لیا کرتے تھے اور کبھی بصرہ میں ادا فرماتے تھے۔ (لامع الدراری ص ۱۶ ج ۲)۔

جب کہ مصنف ابن ابی شیبہ ص ۱۰۲ ج ۲ سے جو روایت آپ نے نقل کی ہے وہ منقطع ہے، کیونکہ ابی البختری سے امام وکیع نے روایت کی ہے اور ابو البختری کی وفات ۸۳ھ کو ہوئی تھی، اور امام وکیع ۱۲۹ھ کے لگ بھگ پیدا ہوئے تھے۔ (تہذیب التہذیب ص ۶۵ ج ۴ ص ۱۳۱۰ ج ۱۱)۔

الغرض یہ دلیل آپ کے دعویٰ کی دلیل نہ ہونے کے باوجود سند منقطع ہے۔

(۷) عن ابن عمر انه قال انما الغسل علی من تجب علیه الجمعة علی من یاتی اهله۔

(معرفة السنن والاثار للبیهقی ص ۳۱۵ ج ٤)۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ جس پر جمعہ واجب ہے اسی پر غسل ہے اور جمعہ اس شخص پر واجب ہے جو جمعہ پڑھ کر گھر واپس آسکتا ہے۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۷۵۳)

وجہ استدلال میں فرماتے ہیں کہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے نزدیک اس شخص پر جو شہر سے اتنی دور رہتا ہو کہ شام تک گھر واپس نہ آسکے جمعہ فرض نہیں لہٰذا یہ حدیث ان لوگوں کے خلاف ہوئی، جو کہتے ہیں کہ ہر جگہ ہر مقام پر جمعہ فرض ہے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۷۶۱)

الجواب: اولا آپ کی اس دلیل سے ثابت ہوا کہ گاؤں والوں پر نماز جمعہ فرض ہے کیونکہ شہر میں جمعہ ادا کر کے انسان گھر میں بخوبی پہنچ جاتا ہے۔ ممکن ہے کہ انوار صاحب یہ عذر کریں کہ بات دور جدید کی نہیں بلکہ زمانہ رسالت اور خیر القرون کی ہے۔ تو ہم عرض کرتے ہیں کہ مدینہ منورہ کے ارد گرد دیہات کے رہنے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عوالی مدینہ سے نبی مکرم ﷺ کی اقتداء میں آکر نمازیں پڑھا کرتے تھے، اور نماز عصر پڑھ کر جب عوالی میں پہنچ جاتے تو تب بھی سورج بلند ہوتا تھا۔ حالانکہ بعض عوالی مدینہ سے چار میل کے فاصلہ پر تھیں۔ (بخاری ص ۷۸ ج ۱، مسلم ص ۲۲۵ ج ۱)۔

جب کہ نماز جمعہ پڑھ کر ان عوالی میں غروب آفتاب سے قبل پہنچ جانا نہایت آسان تھا اس سے ثابت ہوا کہ عوالی مدینہ کے رہنے والوں پر جمعہ فرض تھا حالانکہ انوار صاحب کے نزدیک ان پر جمعہ فرض نہ تھا جیسا کہ انہوں نے اپنی پہلی دوسری اور تیسری دلیل سے ثابت کیا ہے۔ **فما کان جوابکم فهو جوابنا۔**

ثانیاً: کیا وجہ ہے کہ **الجمعة علی من یاتی اهله** کا یہ مطلب نہ لیا جائے کہ نماز جمعہ ہر بالغ پر فرض ہے, **اتی اهله**، سے مجامعت مراد لینا لغت عرب میں معروف ہے۔

صحیح بخاری ۹٤٥ ج ۲ میں ہے باب ما یقول الرجل اذا اتی اهله ، حافظ ابن حجر نے فتح الباری ص ۱۵۹ ج ۱۱ میں اور مولانا احمد علی سہارنپوری دیوبندی نے حاشیہ بخاری بین السطور میں لکھا ہے ای جامع اور حدیث صحیح میں مروی ہے۔

علی کل محتلم رواح الجمعة وعلی کل من راح الغسل، یعنی ہر بالغ پر جمعہ پڑھنے جانا واجب ہے اور ہر جانے والے پر غسل ہے۔

(ابو داؤد کتاب الطهارة باب فی الغسل للجمعة الحدیث ۳٤۲، نسائی کتاب الجمعة باب التشدید فی التخلف من الجمعة الحدیث، ۱۳۷۲، بیهقی ص ۱۸۸ ج ۳ وابن خزیمه ۱۷۲۱، وابن حبان (موارد) ٥٦٤۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ اس کے راوی ثقہ ہیں (فتح الباری ص ۲۸۵ ج ۲)۔

ملحوظ رہے کہ یہ روایت سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ہی بواسطہ سیدہ ام المؤمنین حفصہ رضی اللہ عنہا روایت کی ہے اور طبرانی اوسط میں یہ الفاظ بھی مروی ہے۔

الجمعة واجب على كل محتلم وعلى من راح الى الجمعة الغسل،

یعنی جمعہ ہر بالغ پر واجب (فرض) ہے۔ اور جو جمعہ کی نماز کے لئے جائے اس پر غسل (واجب) ہے۔

المعجم الاوسط للطبراني ص ٤١١ ج ٥ رقم الحديث ٤٨١٣)۔

حافظ ابن حجر نے، فتح الباری ص ۲۸۵ ج ۲ میں اس کے راویوں کو بھی ثقہ قرار دیا ہے۔ اور یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ بیہقی کی روایت کا معنی یہ ہے کہ

الجمعة على من يمكنه ان يجامع اهله، ہے اور یہ معنی ہی درست ہے کیونکہ مرفوع حدیث سے اس کی تفسیر ہوگئی ہے لہٰذا انوار صاحب نے جو اس کا مطلب لیا ہے وہ قطعی طور پر غلط اور نا قابل قبول ہے۔

(۸) قال ابو عبيد ثم شهدت العيدمع عثمان بن عفان فجاء فصلى ثم انصرف فخطب وقال انه قد اجتمع لكم في يومكم هذا عيدان فمن أحب من اهل العالية ا ن ينتظر الجمعة فلينتظرها ومن احب ان يرجع فقد اذنت له۔ (موطا امام مالك ص ١٦٥)۔

حضرت ابو عبید رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ پھر میں حاضر ہوا عید کی نماز پڑھنے کے لئے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے ساتھ آپ تشریف لائے نماز پڑھی پھر لوگوں کو خطبہ دیا۔ اور فرمایا اس دن تمہاری دو عیدیں اکٹھی ہوگئی ہیں اہل عوالی میں سے جو یہ چاہے کہ وہ جمعہ کی نماز کا انتظار کرے تو وہ کرے اور جو چاہے واپس چلا جائے تو میری طرف سے اسے اجازت ہے۔

(حدیث اور اہل حدیث ۷۵۴)

الجواب: اولا اس حدیث سے ثابت ہوا کہ خطبہ عید نماز عید کے بعد ہے مگر تمام حنفی اس سنت کے منکر ہیں کہ یہ پہلے خطبہ پھر نماز پڑھتے ہیں۔

ثانیا: عید اور جمعہ جب اکٹھے آجائیں تو جمعہ کی فرضیت ساقط ہوجاتی ہے جی چاہئے تو نماز جمعہ پڑھے یا نہ پڑھے تفصیل آگے ایک مستقل باب میں آرہی ہے۔ اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی رخصت دینا اس لئے ہی تھی۔

مولانا عبد الحی لکھنوی فرماتے ہیں۔

اقتدى فيه عثمان بالنبي ﷺ فانه لما اجتمع العيدان صلى العيد ثم رخص في الجمعة

وقال من شاء ان یصلی فلیصلی اخرجه النسائی وابو داؤد عن زید بن ارقم۔

یعنی سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اہل عالیہ کو گھر واپس جانے کی اجازت دینے میں رسول اللہ ﷺ کی اقتداء کی ہے۔ اس لئے کہ جب عید اور جمعہ ایک دن میں جمع ہوئے تھے۔ تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عید کی نماز پڑھی پھر نماز جمعہ میں رخصت دی اور فرمایا کہ جو چاہے نماز جمعہ پڑھے۔ (التعلیق المجدص۱۳۶)

محدث مبارکپوری فرماتے ہیں کہ **قداجتمع لکم فی یومکم هذا عیدان** ان کے بعد لفظ من پر فا کا آنا بھی صاف بتا رہا ہے کہ حضرت عثمان کے اذن دینے کی علت اجتماع عیدین ہی ہے نہ کچھ اور؟ (نور الابصار ص۳۷)۔

ثالثا: سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے **فمن احب من اهل العالیة** سے تمام اہل عالیہ کو گھر جانے کی اجازت دی، حالانکہ مدینہ سے بعض عوالی صرف ایک میل کی مسافت پر ہیں۔

(الوفاء الوفاء للسمهودی بحواله التعلیق المجد ص۱۳۶)۔

پہلے تفصیل گزر چکی ہے کہ جب نبی مکرم ﷺ کی وفات ہوئی تو سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ مدینہ کی عالیہ سنح میں تھے۔ جو مسجد نبوی سے صرف ایک میل کے فاصلہ پر تھی، ظاہر ہے شہر سے اتنی مسافت پر جو گاؤں ہوتے ہیں ان میں احناف کے نزدیک بھی جمعہ فرض ہے۔ تفصیل گزر چکی ہے۔

(۹) عن عبد الرحمن السلمی عن علی قال لاجمعة ولا تشریق الافی مصر جامع۔

حضرت ابو عبد الرحمٰن سلمی رحمہ اللہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جائز نہیں ہے جمعہ اور تشریق مگر مصر جامع (بڑے شہر) میں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ص۱۶۸ ج۲)۔

(۱۰) انوار صاحب نے مکرر سے، مصنف ابن ابی شیبہ ص۱۰۱ ج۲ سے نقل کیا ہے۔ جس میں لا تشریق، کی بجائے **ولا صلاة فطرولا اضحی**، کے الفاظ ہیں، اور مصر جامع کے ساتھ **او مدینة عظیمة** کے الفاظ زائد ہیں۔

(۱۱) پھر تیسری بار اسے معرفۃ السنن والاثار ص۳۲۲ ج۴ سے نقل کیا ہے۔ اور الفاظ نمبر ۹ کے ہی ہیں۔ (حدیث اور اہل حدیث ص۷۵۴)

الجواب: اولاً آپ نے نمبر۹ کو مصنف کے جس صفحہ کے طرف منسوب کیا ہے وہ درست نہیں بلکہ صفحہ ۱۰۱ ہی ہے۔

ثانیا: آپ نے جو مصر جامع، کی وضاحت بریکٹ میں۔ بڑا شہر، کی ہے وہ اکابر احناف اور خود سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی تصریحات کے خلاف ہے کیونکہ عبد الرزاق کی روایت میں وضاحت ہے کہ۔

وکان یعد الا مصار، البصرة، والکوفة، والمدینة، والبحرین، ومصر، والشام، و

الجزیرة، وربما قال، الیمن والیمامة

اور آپ رضی اللہ عنہ شہر بھی گنواتے تھے۔ بصرہ، کوفہ، مدینہ، بحرین، مصر، شام، جزیرہ، اور کبھی یمن اور یمامہ کے نام بھی لیتے تھے۔ (مصنف عبدالرزاق ص۱۶۸ ج۳ رقم الحدیث ۵۱۷۷)۔

اس چیز کو ملحوظ رکھا جائے تو مذکورہ شہروں کے علاوہ کسی بھی شہر میں جمعہ جائز نہیں، ممکن ہے کہ انوار صاحب کہہ دیں کہ اس سے مراد ان جیسے شہر ہیں نہ کہ صرف مذکورہ شہر، جواباً عرض ہے کہ روایت میں، **کالبصر والکوفة**، کے الفاظ نہیں بلکہ **البصرة والکوفة** کے لفظ ہیں۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ ان شہروں کے علاوہ کسی بھی دوسرے شہر میں جمعہ جائز نہیں ہیں

ثالثاً: قرآن مجید اور احادیث صحیحہ یا کم از کم لغت عرب سے، مصر جامع کی تعریف مطلوب ہے، اور جو تعریف فقہاء احناف نے کی ہے۔ وہ مختلف ہے، اور جن کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ تعریف صحیح ہے اس پر بھی قرآن وسنت اور لغت سے کوئی دلیل نہیں دی جاتی، اور جب تک اس کی تعریف قرآن وسنت اور لغت سے ثابت نہ کی جائے۔

اس وقت تک اثر علی رضی اللہ عنہ سے استدلال کرنے کا حنفی کوئی حق نہیں رکھتے۔ دیکھئے حنفیہ کے معتبر محدث امام طحاوی فرماتے ہیں

خبر القلتین صحیح و اسناده ثابت ولکن ترکناه لا نا لا نعلم ما القلتان ولا نه روی قلتین اوثلاثا علی الشك۔

(بحواله مرقاة ص۵۵ ج۲ مطبوعة مکتبه حقانیه ملتان)۔

ہم بھی اثر علی رضی اللہ عنہ کی نسبت یہی تقریر پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ

اثر علی صحیح اسناده ثابت ولکن ترکناه لانا لا نعلم ما المصر الجامع ولانه روی الافی مصر جامع اومدینة عظیمة علی الشك۔

اس تقریر کی طرف امام شافعی رحمہ اللہ نے اشارہ کیا ہے۔ جیسا کہ امام بیہقی نے معرفة السنن والاثار، ص۴۶۷ ج۲ طبع دارالکتب العلمیہ بیروت ۲۰۰۱ء میں نقل کیا ہے کہ

ولاندری ماحد المصر الجامع، یعنی ہمیں معلوم نہیں کہ مصر جامع کی حد کیا ہے۔

رابعاً: یہ مُسلّمہ اصول ہے کہ جب کسی مسئلہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے آثار مختلف ہوں تو تب وہ حجت نہیں ہوا کرتے، اور ہم فصل اول میں آثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پیش کر چکے ہیں۔ جو گاؤں میں جمعہ کی فرضیت پر دلیل ہیں۔ لہٰذا آثار کو ترک کر کے احادیث مرفوع کی طرف رجوع کیا جائے گا اور مرفوع حدیث میں ہر بالغ پر جمعہ کی فرضیت ثابت ہے اور بالغ شہری ہی نہیں دیہاتی بھی ہوتا ہے، رہا انوار صاحب کا اثر علی رضی اللہ عنہ کو مرفوع قرار دینا کہ اس میں قیاس کو دخل نہیں تو جواباً عرض ہے کہ فصل اول میں

بیان کردہ آثار کو آپ جس دلیل سے موقوف قرار دیں گے اسی دلیل سے اثر علی رضی اللہ عنہ بھی موقوف قرار پائے گا محترم ایک ہی مسئلہ میں جب آثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مختلف ہوں تو پھر ایک کو مرفوع اور دوسرے کو موقوف کہنا، ہٹ دھرمی اور ضد ہے۔ اور میں نہ مانوں کا کوئی علاج تاحال دریافت نہیں ہوا۔

خامسا: لاجمعۃ میں لانفی جنس کا نہیں بلکہ کمال کا ہے معنی یہ بنتا ہے کہ گاؤں میں نماز جمعہ کمال درجے کا نہیں ہوتا۔ ناقص ہوتا ہے۔ جو جواز کو ثابت کرتا ہے لیکن انوار صاحب اس کا معنی جائز نہیں، کرتے ہیں جو صریحا بددیانتی ہے کیونکہ اگر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے نزدیک گاؤں میں جمعہ ناجائز ہوتا تو الفاظ لا یجوز ، ہوتے۔

(۱۲) عن حذیفة قال لیس علی اهل القریٰ جمعة انما الجمع علی اهل الامصار المدائن۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ۱۰۱ ج۲)۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اہل قریہ (گاؤں دیہات والوں) پر جمعہ واجب نہیں ہے بلکہ شہر والوں پر ہی ہے۔ جیسے شہر مدائن۔ (حدیث اور اہل حدیث ۷۵۵)۔

الجواب: اولاً یہ روایت منقطع ہے کیونکہ سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرنے والا ابراہیم نخعی ہے اور ابراہیم کی کسی صحابی سے ملاقات ثابت نہیں جیسا کہ امام علی بن مدینی نے صراحت کی ہے۔ (مراسیل ابن ابی حاتم ص۹)۔

ثانیاً: آپ کے بعض دلائل سے قریہ والوں پر نماز جمعہ فرض ثابت ہوتی ہے جب کہ یہ روایت اس کی نفی کرتی ہے۔

ثالثاً: مصر سے انوار صاحب تو بڑے شہر مراد لیتے ہیں۔ مگر بڑے کی وضاحت نہیں فرماتے کہ کس قدر بڑا ہو کراچی جیسا بڑا ہو یا لاہور کی طرح یا اسلام آباد جیسا مطلوب ہے۔ یا تحصیل لیول مراد ہیں یا تھانہ قسم کے شہر بھی گزارہ کر جاتے ہیں، یا جسے عرف عام میں شہر کہتے ہیں وہ مراد ہیں، جو بھی مراد لیں قرآن و سنت اور لغت سے اس کا ثبوت دیں، آپ کے علامہ تھانوی فرماتے ہیں کہ مردم شماری کے لحاظ سے کم و پیش تین ہزار کی آبادی ہو، مفتی کفایت اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ آبادی تو ڈیڑھ ہزار ہو مگر ضروریات زندگی پائے جاتے ہوں، مثلا ڈاک خانہ، سکول، ہسپتال، آٹے کی مشین، دوکانیں، موچی، کمہار، لوہار، دھوبی وغیرہ اور ایک سے زائد مسجدیں ہوں تو جمعہ درست ہے۔ بحوالہ توضیح السنن ص ۵۴۳ ج۲)۔

اس تعریف کو مدنظر رکھا جائے تو چھوٹے چھوٹے قصبات میں بھی جمعہ فرض ثابت ہوتا ہے، حالانکہ اثر حذیفہ رضی اللہ عنہ میں مصر کی تعریف میں مدین جیسے شہر قرار دیئے گئے ہیں الغرض یہ روایت جہاں ضعیف ہے وہاں ہی حنفیہ کے خلاف ہونے کے علاوہ غیر واضح ہے۔

(۱۳) قال الامام شافعی۔

قد کان سعید بن زید و ابوهریرة یکونان بالشجرة علی اقل من ستته امیال فیشهدان الجمعة ویدعا نها وقد کان یروی ان احدهما کان یکون بالعقیق فیترك الجمعة ویشهدها ویروی ان عبد الله بن عمرو بن العاص کان علی میلین من الطائف فیشهد الجمعة ویدعها۔

(کتاب الام ص ۱۹۲ ج ۱)

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت سعید بن زید اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما مقام شجرہ میں ہوتے تھے۔ چھ میل سے کم فاصلہ پر وہ کبھی جمعہ کے لئے تشریف لاتے اور کبھی جمعہ چھوڑ دیتے تھے، اور یہ بھی روایت کیا جاتا ہے کہ ان دونوں حضرات سے کوئی مقام عقیق پر ہوتا تھا تو کبھی وہ جمعہ چھوڑ بھی دیتا تھا، اور کبھی جمعہ کے لئے حاضر ہوتا تھا، اور روایت کیا جاتا ہے کہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ طائف سے دو میل کے فاصلے پر ہوتے تھے، وہ کبھی جمعہ کے لیے تشریف لاتے تھے اور کبھی چھوڑ دیتے تھے۔

(حدیث اور اہل حدیث ۷۵۶)

الجواب: اولاً یہ تمام روایات منقطع ہیں، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی ان تینوں سے ملاقات نہیں۔

ثانیا: چھ میل اور دو میل کا فاصلہ حنفیہ کے نزدیک فنائے مصر اور توابع کا حکم ہے (جیسا کہ پہلے عرض کردیا گیا ہے)۔ جس کی وجہ سے اہل فنا پر نماز جمعہ واجب ہے لہٰذا انوار صاحب وضاحت کریں کہ یہ لوگ کبھی کبھی جمعہ کیوں ترک کردیتے تھے۔ فما کان جوابکم فهو جوابنا۔

(۱۴) عن هشام عن الحسن ومحمد انهما الجمعة فی الامصار۔

(حضرت ہشام، حسن بصری، اور حضرت محمد بن سیرین رحمہما اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ ان دونوں نے فرمایا جمعہ شہروں میں ہی ہوتا ہے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۷۵۶)

الجواب: **الجمعة فی المصار**، کا آپ نے معنی غلط کیا ہے درست ترجمہ یہ ہے جمعہ شہروں میں ہے (دیکھئے توضیح السنن ص ۵۵۱ ج ۲) اور اس سے گاؤں میں جمعہ کا ناجائز ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ الجمعة، میں الف لام کمال کے لیے ہے۔ مطلب اس کا یہ ہے کہ جمعہ علی وجہ الکمال شہروں میں ہوتا ہے الف و لام کمال کے لئے کثرت سے مستعمل ہوتا ہے جیسے ان احادیث میں، **المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده و المهاجر من هجر مانهی الله (بخاری رقم الحدیث ۶۴۸۴) لیس الشدید بالصرعة۔ انما الشدید الذی یملك نفسه عند الغضب**

(بخاری رقم الحدیث ۲۱۱۴)۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ۔

قیل الالف واللام فی الکمال نحو زید الرجل ای کامل فی الرجولیة، وقال اثبات اسم

الشئی علی معنی اثبات الکمال له مستفیض فی کلامهم۔

(فتح الباری ص٤٥ ج١)۔

لہذا حسن بصری اور محمد بن سیرین کے آثار ہمارے خلاف پیش کرنا انصاف نہیں

(۱۵) عن ابی بکر بن محمد انه ارسل الی ذی الحلیفة ان لا تجمعوا بها وان تدخلوا الی المسجد مسجد رسول الله ﷺ۔

(مصنف ابن ابی شیبه ص١٠١ ج٢)۔

حضرت ابو بکر بن محمد سے روایت ہے کہ انہوں نے ذوالحلیفہ والوں کو پیغام بھیجا کہ تم وہاں جمعہ قائم نہ کرو۔ بلکہ رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں آ کر جمعہ پڑھو۔ (حدیث اور اہل حدیث)

الجواب: محترم آپ بوڑھے ہوگئے ہیں قوت حافظہ جواب دے گئی ہے امام ابو بکر بن محمد کے نزدیک اہل قری پر نماز جمعہ فرض تھی، ورنہ ذی الحلیفہ کو چھ سات میل کی مسافت پر مسجد میں حاضر ہونے کی ہرگز تکلیف نہ دیتے۔ **ان لایجتمعوا کے بعد، وان تدخلوا الی المسجد الخ......** کے الفاظ بتا رہے ہیں کہ اہل ذی الحلیفہ جمعہ پڑھنے کے مکلّف تھے۔ جب کہ حنفیہ کے نزدیک گاؤں والوں پر جمعہ فرض ہی نہیں۔

اگر انوار صاحب کہہ دیں کہ ذی الحلیفہ والے بوجہ توابع وفنائے مدینہ ہونے کے ان پر جمعہ فرض تھا تو ہم کہتے ہیں کہ جیسے آپ کے نزدیک فنائے مصر والوں پر جمعہ فرض ہے ایسے ہی فنائے مصر کے دیہات میں فقہائے احناف نے جمعہ پڑھنے کی اجازت بھی دی ہے۔

الغرض یہ اثر حنفیہ کے خلاف ہے۔

(۱۶) عن ابرهیم قال کانوا لا یجمعون فی العساکر

(مصنف ابن ابی شیبه۔ ص١٠١ ج٢)

حضرت ابراہیم نخعی ؒ فرماتے ہیں کہ صحابہ وتابعین لشکروں میں جمعہ قائم نہیں کرتے تھے۔

(حدیث اور اہل حدیث ص٧٥٦)

الجواب: لشکروں میں بوجہ سفر نماز جمعہ نہیں پڑھتے تھے۔

(۱۷) عن ابراهیم قال لاجمعة ولا تشریق الافی مصر جامع۔

(مصنف ابن ابی شیبه ص١٠١ ج٢)۔

حضرت ابراہیم نخعی فرماتے ہیں جائز نہیں ہے جمعہ اور تشریق (عید) مگر بڑے شہر میں۔

(حدیث اور اہل حدیث ٧٥٧)

الجواب: اس معنی ومفہوم کا قول سیدنا علی ؓ سے بھی مروی ہے اور اس کا جواب نمبر ۹ تا ۱۱ میں

گزر چکا ہے۔ مزید برآں اس میں ہشیم بن بشیر راوی مدلس ہے۔ (طبقات المدلسین ص ۴۷)۔

اور سند میں سماع کی صراحت نہیں بلکہ معنعن مروی ہے لہٰذا ضعیف ہے۔

(۱۸) قال حجاج و سمعت عطاء یقول مثل ذلک۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ۱۰۱ ج۲)۔

حضرت حجاج فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عطاء بن ابی رباح رحمۃ اللہ علیہ کو بھی یہی فرماتے سنا ہے (کہ جمعہ اور تشریق جائز نہیں مگر بڑے شہر میں)۔ (حدیث اور اہل حدیث ۷۵۷)

الجواب: یہ روایت مصنف میں بلاسند ہے جو اس کی صحت کا مدعی ہے وہ اس کی صحیح سند پیش کرے امام عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں کہ اگر سند نہ ہوتی تو جو کوئی چاہتا کہہ دیتا۔

(مقدمہ صحیح مسلم رقم الحدیث ۳۲)۔

خلاصہ کلام: انوار صاحب قرآن و سنت اور آثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کوئی بھی دلیل پیش نہیں کر سکے کہ گاؤں میں جمعہ پڑھنا ناجائز و حرام ہے۔ حالانکہ حنفیہ کا مسلک یہی ہے کہ گاؤں میں جمعہ قائم کرنا مکروہ تحریمی ہے اور تمام حنفی اس حرام کے مرتکب ہیں یہ چھوٹے چھوٹے گاؤں میں بھی جمعہ قائم کر چکے ہیں اور عدم جواز کا مسئلہ صرف کتابوں میں عجائب گھر کا مال ہو کر رہ گیا ہے بلکہ مفتی کفایت اللہ صاحب تو زندگی بھر یہ فتویٰ دیتے رہے ہیں کہ جس گاؤں میں جمعہ ایک مدت سے ہوتا آ رہا ہے وہاں جمعہ قائم ہی رکھا جائے، کفایت المفتی، میں اس پر متعدد فتاویٰ ہیں صرف ایک نقل کر دیا جاتا ہے فرماتے ہیں جو لوگ (گاؤں میں) جمعہ کو جائز سمجھ کر جمعہ پڑھتے ہیں ان کا فرض ادا ہو جاتا ہے۔ (کفایت المفتی ۱۸۵ ج۳)۔

مولوی محمد قاسم نانوتوی، مولوی یعقوب، مولوی حاجی امداد اللہ مفرور مکی، مولوی عبد الخالق دیوبندی وغیرہم دیہات میں جمعہ پڑھتے رہے ہیں۔ (کفایت اللمفتی ۱۸۱ ج۳)۔

مفتی رشید صاحب نے ایک دفعہ کوشش کی کہ اکابر علماء دیوبند سے مل کر سندھ کے دیہاتوں سے جمعہ پڑھنا چھوڑایا جائے تو مفتی صاحب کو دیوبندی علماء نے یہ جواب دیا کہ آپ کو زنا، شراب، سود وغیرہ فواحش کی روک تھام کے لیے کام کرنا چاہیے، آپ کی نظر میں بڑی برائی جمعہ فی القری ہے۔

(احسن الفتاویٰ ص ۱۷۵ ج۴)۔

الغرض یہ مسئلہ تو حنفیوں کے ہاتھوں ہی موت کی نیند سو چکا ہے، لیکن انوار صاحب تاحال اس پر بضد ہیں کہ نہیں صاحب گاؤں میں جمعہ جائز نہیں، پھر اس سلسلہ میں انہوں نے جو بھی زیب رقم فرمایا ہے وہ دلائل کی بجائے قیاس فاسدہ اور مغالطات کاسدہ، اور معنوی تحریفات پر مبنی ہے۔ مکرر تفصیل بیان کر دی جاتی ہے۔ انوار صاحب نے کل دلائل اٹھارہ درج کیے ہیں، ان میں سے پہلی تین روایات مرفوع

ہیں۔ دس روایات موقوف ہیں، اور پانچ آثار تابعین ہیں، مرفوع روایات میں سے احناف کا مؤقف ثابت نہیں ہوتا، بلکہ ان کے خلاف ہیں، چوتھی دلیل ہماری ہے۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ ، سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے بھی احناف کا مسلک ثابت نہیں ہوتا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے بوجہ عید عوالی مدینہ کے لوگوں کو جمعہ نہ پڑھنے کی رخصت دی، ہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول صحیح ہے، مگر اس سے حنفیہ کا مسلک بوجہ اجمال ثابت نہیں ہوتا مزید یہ کہ انوار صاحب نے اس سے نفی صحت مراد لی ہے حالانکہ اس سے وجوب کی نفی بھی مراد ہوسکتی ہے (کفایت المفتی ص ۱۹۶ ج ۳)۔

سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ سیدنا سعید رضی اللہ عنہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے اقوال منقطع اور اسناد ضعیف ہیں۔ تابعین سے امام عطاء کا قول بے سند ہے۔ پھر ہم کسی کوفی بصری پر ایمان نہیں لائے، قرآن و سنت سے ہر مسلمان پر جمعہ فرض ہونا ثابت ہے جو اس کی تخصیص کرتا ہے اور دیہاتی کو مستثنیٰ قرار دیتا ہے وہ اس کے لئے حدیث صحیح پیش کرے قرآن کی آیت کو تابعین کے اقوال سے رد نہیں کیا جا سکتا۔

(۶۷) باب شرائط جمعہ

مصر جامع، بڑے شہر کا ہونا، گاؤں دیہات میں جمعہ جائز نہیں کیونکہ آیت مبارکہ میں جملہ، وذرو البیع، (چھوڑ دو خرید وفرخت) سے ثابت ہو رہا ہے کہ یہ آیت شہر والوں ہی کے واسطے ہے۔ اس لئے کہ اس میں اذان کے وقت بیع کو چھوڑ دینے کا حکم ہے۔ اور بیع وشراء جس کو تجارت کہتے ہیں۔ شہر ہی میں ہوتی ہے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۷۶۴، ۷۷۱)

الجواب: محترم نے شہر کی کوئی تعریف نہیں کی، صرف بڑے شہر کہہ کر گزر راہ کر رہے ہیں۔ حالانکہ ان کا اخلاقی فرض تھ کہ جمعہ کی شرائط میں مصر کا ہونا ان کا مذہب تھا، تو مصر کی تعریف بھی کر دیتے تاکہ مسئلہ پوری طرح کھل جاتا ہم اس حقیقت سے بخوبی واقف ہیں کہ انوار صاحب نے اسے کیوں نہیں چھیڑا، اس لئے کہ کتب فقہ مصر کی تعریف پر اختلافات سے بھری پڑی ہیں، کوئی کچھ کہتا ہے، کوئی کچھ کہتاہے، الغرض جتنے منہ اتنی باتیں رہا انوار صاحب کا یہ کہنا کہ تجارت صرف شہروں میں ہوتی ہے خالص مغالطہ ہے۔ ہر دیہات و گاؤں میں دوکانیں ہوتی ہیں۔ جس سے اہل بستی ضروریات کی چیزیں خریدتے ہیں، بلکہ بعض قصبات میں تجارتی منڈیاں بھی ہوتی ہیں، گندم، چاول، سبزیاں، گاؤں سے ہی خرید کر تاجر لوگ شہروں میں لے جاتے ہیں۔ اس نالائق کو آج تک یہ خبر نہیں کہ ملکی معیشت کا انحصار اسی فیصد دیہاتی زندگی سے تعلق رکھتا ہے۔

انوار صاحب وضاحت کریں کہ ایسی زمین جہان دور دور تک کوئی آبادی نہیں وہاں کسان کا باغ ہے جس سے پھل خریدنے کے لئے شہر سے تاجر آتے ہیں ہر روز صبح سویرے وہاں ایک بازار لگ جاتا ہے جو مغرب تک جاری رہتا ہے۔ کیا وہ جنگل آپ کے نزدیک شہر کا حکم رکھتا ہے، اور اس مقام پر آپ کے نزدیک جمعہ جائز ہے۔

یہ صرف احتمال ہی نہیں ہم اس پر ہزاروں مقامات دکھا سکتے ہیں، حنفی عرس کرتے ہیں وہاں کئی روز تک میلہ لگا رہتا ہے جس میں بازار ہوتے ہیں، مویشیوں کی منڈی لگتی ہے تو کیا یہ میلے آپ کے نزدیک شہر کا حکم رکھتے ہیں۔

ہمارے نزدیک نارنگ موڑ ہے، اس میں تقریباً دو سو کے لگ بھگ دوکانیں ہیں، دو عدد پٹرول پمپ ہیں، ادویات، عام استعمال کی چیزیں وہاں دستیات ہیں، کیا آپ کے نزدیک یہ شہر ہے؟ قطعاً نہیں، آپ کے ہاں شہر کی تعریف یہ ہے کہ وہاں کوئی ایسا حاکم ہو جو مظلوم کی داد رسی کرنے اور ظالم کو لگام دینے کی قدرت رکھتا ہو، اس کے توابع گاؤں گنے جاتے ہوں، اس کے متعدد کوچے و محلے ہوں۔

علامہ حلبی شرح منیہ میں فرماتے ہیں۔

فی تحفة الفقهاء عن ابی حنیفة انه بلدة کبیرة فیها سلك و اسواق ولها رساتیق و فیها وال یقدر علی انصاف المظلوم من الظالم بحشمته و علمه او علم غیره یرجع الناس الیه فیما نقع من الحوادث و هذا هو الاصح۔

تحفہ میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے مروی ہے شہر وہ ہوگا جو بڑا ہو اس میں سڑکیں، بازار، سرائے، ہوں وہاں کوئی ایسا والی ہو جو اپنے دبدبہ اپنے علم یا غیر کے علم کی وجہ سے ظالم سے مظلوم کو انصاف دلا سکیں، حوادثات میں لوگ اس کی طرف رجوع کریں، اور یہی اصح ہے۔ (غنیة المستملی ص ۵۵۰)

انوار صاحب وضاحت کریں کیا یہ سب، و ذروا البیع ، ہے، شاید یہ حرف واؤ سے وال، بناتے ہوں، ذال سے نقطہ گرا کر دال مراد لیکر، یقدر، کا لفظ، سمجھتے ہوں، لفظ ، را، سے، رساتیق ، بنایا ہو دوسری واؤ سے مظلوم اور الف سے، انصاف، لام سے، علمه، ب، سے، بلدة کبیرة، ی، سے، یرجع الناس الیه، اور حرف، ع، سے، نفع، بنا کر یہ تعریف شہر وضع کی ہو، انا اللہ وانا الیہ راجعون، محترم دنیا میں ابھی عقل مند ہیں، آپ وضاحت کریں کہ ان شروط کے بغیر جس مقام پر تجارت ہوتی ہے وہاں آپ کے نزدیک جمعہ کیوں ناجائز ہے؟ پھر فنائے مصر میں کیوں جائز ہے۔ ممکن ہے کہ انوار صاحب اس تعریف میں کیڑے ڈالیں کہ فلاں فقہی نے یہ تعریف کی ہے اور فلاں نے اس کے مفتی بہ ہونے کی صراحت کی ہے ہم اس کی صراحت بھی کر دینا چاہتے ہیں کہ کتب فقہ اس سے بھری پڑی ہیں کہ فتویٰ مطلق قول امام پر دیا جائے گا۔

لہٰذا ہم نے جو قول نقل کیا ہے یہ فقہ حنفی کی ظاہر الروایۃ ہے، اس کے خلاف کوئی قول قابل قبول نہیں، الغرض یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ گئی کہ قرآن کے حکم ، وذروا البیع ، سے فقہائے حنفیہ کی شرط مصر ثابت نہیں ہوتی۔

(۱) عن مولیٰ لأل سعید بن العاص انه سأل ابن عمر عن القری التی بین مکة والمدینة ماتری فی الجمعة قال نعم اذا کان علیهم امیر فلیجمع۔

(معرفة السنن والاثار للبیهقی ص۳۲۲ ج ٤).

حضرت سعید بن العاص رضی اللہ عنہ کی آل کے ایک مولی سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے سوال کیا کہ وہ بستیاں جو مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان ہیں ان میں جمعہ کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں اگر ان پر امیر مقرر ہو تو وہ انہیں جمعہ پڑھائے۔ (حدیث اور اہل حدیث ۷۶۵)

الجواب: محترم نے اس روایت سے صحت جمعہ کے لئے امیر ہونے کی شرط ثابت کی ہے، مگر اس استدلال سے یہ تو تسلیم کر لیا کہ قرآن وسنت میں صحت جمعہ کے لے امیر کی شرط موجود نہیں! ورنہ صحابی

کا قول پیش نہ کرتے۔ رہا اس کی سند کا حال تو وہ واضح ہے کہ مولی آل سعید مجہول ہے، ان کے معتمد خاص جناب علامہ نیموی نے بھی اعتراف کیا ہے کہ اس کی سند میں جہالت ہے۔ (آثار السنن ص۲۸۷)۔
اور ان سے بھی قبل علامہ ابن ترکمانی حنفی نے لکھا ہے کہ اس کی سند مجہول ہے (الجوہر النقی ص۱۷۸ ج۳)

اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنا دین مجہول لوگوں سے لینے کا نہیں کہا، الغرض یہ روایت من گھڑت اور باطل ہے۔ پھر یہ روایت آپ کے خلاف ہے، تفصیل اگلی روایت میں آ رہی ہے۔

(۲) عن جعفر بن برقان قال كتب عمر بن عبد العزيز الى عدى بن عدى ايما اهل قرية ليسوا باهل عمود ينتقلون فامر عليهم امير يجمع بهم۔

(مصنف ابن ابی شیبه ۱۰۲ ج۲ معرفة السنن والاثار ۳۲۲ ج٤)۔

حضرت جعفر بن برقان فرماتے ہیں کہ حضرت عمر بن عبد العزیز نے حضرت عدی بن عدی کو لکھا کہ ایسی بستیوں والے جو ستونوں والے نہ ہوں جو منتقل ہوتے رہتے ہیں تو آپ ان پر ایک امیر مقرر کردیجئے جو انہیں جمعہ پڑھائے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص۷٦٦)

الجواب: اولاً امارت سے یہاں امارت شرعی نہیں کیونکہ وہ تو سیدنا عمر بن عبد العزیز ہی تھے دوسرا کوئی شخص منصب امارۃ پر قائم نہیں کیا جاسکتا تھا۔ ممکن ہے کہ انوار صاحب نائب امیر کا ڈھکوسلہ پیش کردیں جو کہ غلط ہے۔ کیونکہ متن روایت میں نائب کی نہیں بلکہ امیر کی بات ہے، اور امارت سے مراد امارت شرعی تو ممکن نہیں بلکہ خطیب و امام ہی ہوسکتا ہے ظاہر ہے کہ جمعہ پڑھے پڑھائے بغیر نہیں ہوتا، بلکہ خطیب صاحب ہی یہ فریضہ انجام دیتے ہیں۔ الغرض روایت میں امیر سے مراد سلطان وخلیفہ یا اس کا نائب نہیں ہے۔

ثانیاً: مقرر کرنے سے، امیر، نائب امیر، کا شرط ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ یہ آپ کی زیادتی ہے۔
رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ جب تین آدمی سفر کریں تو ان میں سے ایک کو امیر مقرر کردو۔ (ابو داؤد رقم الحدیث ۲٦۰۸، ۲٦۰۹)۔

تو کیا سفر کرتے وقت امیر مقرر کرنا سفر کے لئے شرط ہے؟ حدیث میں الفاظ **فليؤمروا،** امر کے ہیں۔ مگر دیوبندی اسے شرط واجب ماننا تو کجا سنت بھی تسلیم نہیں کرتے بلکہ مستحب کا درجہ دیتے ہیں۔ (بذل المجہود ص۲۳۴ ج۴)۔

اسے بھی جانے دیجئے یہ بتایا جائے اگر تین مسافر امیر مقرر کرکے سفر کریں تو کیا وہ گاؤں میں جمعہ ادا کرسکتے ہیں، جس اثر سے آپ نے استدلال کیا ہے وہ لوگ بھی مستقل رہائش پذیر نہ تھے، تبلیغی جماعت جب جاتی ہے ان میں ایک امیر ہوتا ہے آپ کے نزدیک ·· گاؤں میں جمعہ قائم کرنے کا مجاز ہیں، اگر آپ کہہ دیں کہ وہ امارت شرعی نہیں ہماری طرف سے بھی یہی سمجھ لیجئے۔

ثالثاً: اس اثر سے معلوم ہوا کہ جمعہ جنگل وصحرا میں بھی قائم کیا جاسکتا ہے کیونکہ اثر میں وضاحت ہے کہ ان کی کوئی مستقل رہائش نہ تھی، وہ ادھر ادھر منتقل ہوتے رہتے تھے، جہاں پانی اورمویشوں کے لیے چارہ دستیاب ہوا وہاں ہی پڑاؤ ڈال دیا، تو کیا آپ کے نزدیک جنگل وصحرا میں بھی جمعہ قائم کیا جاسکتا ہے، اگر نہیں یقیناً نہیں تو ثابت ہوا کہ یہ آپ کی دلیل نہیں بلکہ ہماری ہے اور آپ کے خلاف ہے۔

رابعا: اس کی سند منقطع ہے۔ مولانا نیموی فرماتے ہیں۔

قلت اسناده ضعيف لان جعفر بن برقان لم يسمع من عمر بن عبدالعزيز وكذلك لم يثبت سماعه من عدى بن عدى وانه لم يسنده، ولم يذكر انه شهد الكتابة۔

میں کہتا ہوں کہ اس کی سند ضعیف ہے کیونکہ جعفر بن برقان کا عمر بن عبد العزیز سے سماع ثابت نہیں اور اس طرح عدی بن عدی سے سماع نہیں اور جعفر نے اس کی سند بیان نہیں کی اور نہ ہی یہ ذکر کیا ہے کہ وہ خط لکھنے کے وقت حاضر تھے۔ (التعلیق الحسن علی آثار السنن ص ۲۸۸)۔ منقطع ہونے کے علاوہ سند ضعیف ہے، ابن ترکمانی حنفی فرماتے ہیں کہ سند میں، عبد اللہ بن ولید عدنی راوی ہے جسے ساجی نے ضعیف قرار دیا ہے (الجوہر النقی ص ۱۷۸ ج ۳)

خامساً: عمر بن عبد العزیز تابعی ہیں اور تابعین کے اقوال سے کوئی دینی مسئلہ ثابت نہیں ہوسکتا، خود امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ تابعین بھی (ایک کلمہ گو مسلمان) آدمی ہیں اور ہم بھی ہیں۔

(الجواهر المضيه ص ٢٥٠ ج ٢ ، مقدمه انوار البارى ص ٦٥ ج ١).

جب معاملہ ابراہیم، شعبی، حسن اور عطاء کی طرف آیا تو جیسے انہوں نے اجتہاد کیا اسی طرح میں بھی اجتہاد کرتا ہوں۔ (مناقب الامام ابوحنیفہ ص ۲۰)۔

(۳) عن ابى رافع ان ابا هريرة كتب الى عمر يسئله عن الجمعة وهو بالبحرين فكتب اليهم ان جمعوا حيث ما كنتم۔

(صحيح ابن خزيمه بحواله معرفة السنن والاثار ص ٣٢٣ ج ٤).

حضرت ابو رافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اقامت جمعہ کے بارے میں سوال سے متعلق خط لکھا جن دنوں آپ بحرین میں عامل تھے، عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ تم جہاں بھی ہو جمعہ قائم کرو۔ (حدیث اوراہل حدیث ص ۷۶۶)

الجواب: اولاً سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو بحرین کا گورنر ہونے کی محترم نے کوئی دلیل درج نہیں کی اگر کرتے تو ہم اس پر ضرور غور کرتے کتب تراجم سے ہمیں ایک روایت ،، عبد اللہ بن طلحہ کی ملی ہے۔

(طبقات ابن سعد ص ٣٣٥ ج ٤ ،سير اعلاء النبلاء ص ١٩٨ ج ٤).

مگر یہ منقطع ہے، حقیقت یہ ہے کہ وفات نبوی علیہ التحیۃ السلام کے وقت بحرین کے گورنر سیدنا ابان بن سعید رضی اللہ عنہ تھے۔ خلافت صدیقی میں ان کی خواہش کے احترام میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کی جگہ سیدنا علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ کو مقرر کردیا، اور ساتھ ۱۶ جانثاروں کی جماعت روانہ کی جن میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ سیدنا علاء رضی اللہ عنہ کی گورنری کے زمانہ میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ وہاں مؤذن تھے۔ اورخلافت فاروقی میں بھی علاء ہی گورنر تھے حتی کہ ان کی وفات ہوگئی تو سیدنا عمرفاروق رضی اللہ عنہ نے قدامہ بن مظعون کوبحرین کا گورنر مقرر کیا مگر انہیں بوجہ معزول کردیا،اور عثمان بن العاص کوگورنر مقرر کردیا، گو اس دوران حرمین شریفین بھی آتے رہے۔

(دفاع ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ ص۱٦۸ تا۱۷٤)۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ انوار صاحب نے کس دلیل سے یہ ثابت کیا ہے کہ انہوں نے جب سیدنا عمر فاورق رضی اللہ عنہ کوخط لکھا تھا اس وقت وہ بحرین کے گورنر تھے،

اگر انوار صاحب کہہ دیں کہ ہماری دلیل، وھو بالبحرین کے الفاظ ہیں،تو ہم معذرت کے ساتھ عرض کریں گے کہ آپ پہلی فرصت میں کسی فاضل سے، ھدایہ النحو ضرور پڑھیئے تاکہ آپ کو معلوم ہوجائے کہ، ھو، ضمیر ہے، یہ بمعنی ،گورنر، نہیں آتی، ہاں آپ کے لئے یہ تب مفید ہے کہ جب آپ کسی خارجی دلیل سے یہ ثابت کردیں کہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بحرین میں جتنی دیر بھی رہے گورنر ہی تھے۔ جب کہ صحیح سند کے ساتھ ثابت ہے کہ آپ وہاں مؤذن تھے۔ (فتح الباری ص۲۰۹ ج۲)۔

ثانیا: سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے جواب سے ثابت ہوتا ہے کہ جمعہ ہر مقام پر جائز ہے، حیثما کنتم کے الفاظ کا یہی مفاد ہے مگر آپ اس کے منکر ہیں،کیونکہ جنگل وصحرا میں آپ کے ہاں جمعہ جائز نہیں، الغرض یہ روایت ہمارے موافق اور آپ کے مخالف ہے۔

ثالثا: بالفرق اگر یہ بات تسلیم بھی کرلی جائے کہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے جب خط لکھا تو آپ بحرین کے گورنر ہی تھے۔ تو اس سے یہ کس طرح ثابت ہوا کہ جمعہ والی کے بغیر نہیں ہوتا اور اقامت جمعہ کے لئے سلطان یا اس کا نائب ہونا ضروری ہے۔

(۴) عن ابی سعید الخدری قال خطبنا النبی ﷺ ذات یوم فقال ان اللہ کتب علیکم الجمعة فی مقامی ھذا فی ساعتی ھذا فی شھری ھذا فی عامی ھذا الی یوم القیامة من ترکھا من غیر عذر مع امام جائر فلا جمع اللہ له شمله ولا بورك فی امرہ الا ولا صلوٰة له الا ولا حج له الا ولا برله الا ولا صدقة له۔

(مجمع الزوائد ص١٦٩ ج٢)۔

حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہمیں ایک دن خطبہ دیا تو

فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ نے تم پر جمعہ فرض فرمایا ہے میری اس جگہ میں اس گھڑی میں میرے اس مہینے میں اس سال میں قیامت تک کے لئے جس نے بلا عذر جمعہ چھوڑا امام عادل یا امام جائر (ظالم) کے ہوتے ہوئے تو اللہ تعالیٰ اسے دلجمعی اور استحکام نصیب نہ فرمائے، اور اس کے کاروبار میں برکت نہ ہو، خبردار ایسے شخص کی نماز قبول نہیں، خبردار ایسے کا حج قبول نہیں، خبر دار ایسے شخص کی کوئی نیکی قبول نہیں، خبردار ایسے شخص کا کوئی صدقہ قبول نہیں۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۷۶۷)

الجواب: اولاً یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ نماز جمعہ مدینہ طیبہ میں فرض ہوئی تھی، حدیث میں صاف الفاظ ہیں کہ جمعہ فرض اس جگہ اور اس وقت فرض ہوا ہے ظاہر ہے کہ یہ خطبہ آپ نے مدینہ میں ارشاد فرمایا کیونکہ سیدنا ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ بالاتفاق انصاری ہیں۔ جب کہ انوار صاحب کی تحقیق یہ ہے کہ جمعہ ہجرت سے قبل فرض ہو چکا تھا۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۷۵۷)

اگر انوار صاحب کے نزدیک یہ روایت قابل احتجاج ہے تو ان کا یہ کہنا کہ جمعہ ہجرت سے قبل ہی فرض ہو چکا تھا، غلط ہے بلکہ ان کی یہ دلیل کہ قباء کا جمعہ نہ پڑھنا گاؤں میں عدم صحت جمعہ کی دلیل ہے، اس کے بھی منافی ہے الغرض انوار صاحب کے نزدیک اگر یہ روایت صحیح ہے تو پھر یہ تسلیم کر لیں کہ جمعہ ہجرت کے بعد فرض ہوا ہے، لیکن یہ کبھی بھی تسلیم کرنے کو تیار نہیں۔

خلاصہ کلام یہ کہ اس روایت پر انوار صاحب کا ایمان صرف حلق کے اوپر اوپر ہی ہے وہ بھی رد وہابیت کے لئے ورنہ اس کے تمام طرق کو سامنے رکھتے تو یہ استدلال بھی نہ کرتے۔

ثانیاً: رہا انوار صاحب کا یہ دعویٰ کہ اس سے دو باتیں معلوم ہوئیں ایک یہ کہ نماز جمعہ اور دیگر نمازوں میں فرق ہے اور ترک جمعہ کی وعید تب ہے جب امیر یا نائب موجود ہو، دوسری یہ کہ اقامت جمعہ کے لئے امام یا اس کا نائب ہونا شرط ہے (حدیث اور اہل حدیث ص ۷۷۲)

تو یہ غلط اور باطل ہے کیونکہ یہ روایت سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے جس میں وضاحت ہے کہ۔

فمن ترکھا فی حیاتی او بعدی وله امام عادل او جائر استخفافا بھا او جحود الھا۔

یعنی جس نے جمعہ کو میری یا میری وفات کے بعد ترک کیا خواہ امام عادل ہو یا ظالم خواہ جمعہ کو حقیر جان کر یا انکار کر کے۔

(ابن ماجه کتاب اقامة الصلوت باب فی فرض الجمعة، الحدیث ۱۰۸۱، بیهقی ص ۹۰،۱۷۱ ج۳).

ان الفاظ پر غور کریں کہ یہاں وعید امام کے ساتھ جمعہ نہ پڑھنے پر نہیں بلکہ جمعہ کو حقیر جان کر یا اس کا انکار کر کے نہ پڑھنے پر وعید ہے، ظاہر ہے کہ ایک روایت دوسری کی تفسیر کرتی ہے۔ اور اس تفصیلی روایت سے انوار صاحب کا استدلال صرف باطل ہی قرار نہیں پاتا، بلکہ حنفی مذہب کا بھی رد کرتی ہے۔

کیونکہ گاؤں وغیرہ میں جمعہ سے تو انہوں نے ہی انکار کیا ہے لہٰذا وعید کے بھی یہی مستحق ہے۔

ثالثاً: یہ روایت ضعیف ہے، سیدنا ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ سے روایت کرنے والا راوی موسیٰ بن عطیہ الباہلی ہے اوراس کا کتب رجال سے پتا نہیں چلتا جیسا کہ ہیثمی نے مجمع الزوائد ص ۱۷۰ ج ۲)، میں اور علامہ البانی نے (ارواء الغلیل ص ۵۴ ج ۳)۔ میں صراحت کی ہے گویا موصوف مجہول الحال ہے۔

پھر موسیٰ نے یہ روایت فضیل بن مرزوق سے نقل کی ہے اور فضیل متکلم فیہ ہے۔ شدید قسم کا تشیع تھا امام ابوحاتم فرماتے ہیں کہ صدوق ہے مگر اس سے احتجاج نہ کیا جائے، امام ابن حبان کہتے ہیں کہ عطیہ عوفی سے من گھڑت روایات بیان کرتا ہے۔

(خیر سے یہ روایت بھی عطیہ عوفی سے ہی ہے)۔ (تہذیب التہذیب ص ۲۹۹ ط ۷)۔

فضیل نے یہ روایت عطیہ عوفی سے نقل کی ہے۔ (طبرانی اوسط ص ۱۲۱ ج ۸، رقم الحدیث ۷۲۴۲)۔

آئمہ جرح وتعدیل نے اس پر سنگین قسم کی جرحیں کی ہیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں، صدوق ہے کثرت سے خطائیں کرتا ہے مذہب کے لحاظ سے شیعہ ہے تدلیس کرتا ہے (تقریب ص ۲۴۰) اور سند میں عطیہ نے تحدیث کی صراحت نہیں کی۔

الغرض یہ روایت ضعیف ہے جیسا کہ علامہ البانی نے حکم لگایا ہے۔ (ارواء الغلیل ص ۵۴ ج ۳)۔

(۵) عن القاسم بن الولید قال قال علی لاجمعة یوم الجمعة الامع امام۔

(مصنف ابن ابی شیبه ص١٣٥ ج ٢)۔

حضرت قاسم بن ولید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا جمعہ کے دن جمعہ جائز نہیں مگر امام کے ساتھ۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۷۶۷)

الجواب: اولاً یہ روایت مرسل ہے کیونکہ قاسم بن ولید تابعین سے روایت کرتا ہے مثلاً مجاہد، قتادہ شعبی اور عاصم بن بہدلہ وغیرہ سے۔ (تہذیب ۳۴۰ ج ۸)۔

جو اس کی سند متصل کا دعویٰ کرتا ہے وہ دلیل پیش کرے، الغرض یہ روایت بوجہ ارسال ضعیف ہے۔

ثانیاً: حنفیہ کے نزدیک صحت جمعہ کے لئے اذن امام یا نائب امام بھی کافی ہیں لیکن مذکورہ اثر سے اس موقف کی بھی نفی ہوتی ہے۔ لہٰذا اس اثر کی روشنی میں جمعہ صرف وہاں ہی جائز ہے۔ جہاں سلطان نماز پڑھائے، یا نماز پڑھے، حرف مع معیت کے لئے آتا ہے۔ جیسے ارشاد ربانی ہے، ان اللہ مع الصابرین۔ اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

(٦) عن الحسن قال اربعة الی السلطان الزکاة والصلاة (الجمعة) والحدود والقضاء۔

(مصنف ابن ابی شیبه ٥٠٤ ج ٩)۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ چار چیزیں بادشاہ کے ذمہ ہیں زکوٰۃ (کی

وصولی) نماز (جمعہ) کی اقامت حدود کی اقامت اور قضاء۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۷٦۸)۔

الجواب: اولا تابعی کے قول سے کوئی دینی مسئلہ ثابت نہیں ہوتا۔ انوار صاحب کی دلیل نمبر۲ کے جواب میں خامسا کے تحت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول گزر چکا ہے۔ راجع۔

ثانیا: متن روایت میں جمعہ، کا لفظ قطعا نہیں یہ سب سے پہلے گپ ابن ہمام نے (فتح القدیر ص۲۲ ج۵) میں ماری تھی۔ پھر عینی نے (عمدۃ القاری ص۲٦۹ ج ۳ مطبوعہ قدیم) میں مکھی پر مکھی ماری ہے۔ اور چودھویں صدی کے دیوبندی محقق ظفر احمد تھانوی نے (اعلاء السنن ص۴۹ ج ۸) میں اندھا اعتماد کیا اور انوار صاحب نے کتب حدیث سے ورق گردانی کی مگر کوئی مرفوع حدیث انہیں دستیاب نہ ہوئی، مزید کوشش کی کسی صحابی کا قول بھی نہ ملا حالانکہ ابن ہمام نے اسے سیدنا ابن مسعود سیدنا ابن عباس سیدنا ابن الزبیر رضی اللہ عنہم کی طرف موقوف اور مرفوع منسوب کیا تھا بہرحال انوار صاحب تلاش بسیار کے بعد سیدنا حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ تابعی کا قول تلاش کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ مگر وائے قسمت! اس میں جمعہ کا لفظ نہ تھا۔ اس میں صرف ،الصلاۃ، ہی تھا انوار صاحب نے بریکٹ میں اپنی طرف سے اس کا اضافہ کردیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

محترم اس اثر کا فقط اتنا ہی مقصد ہے کہ بادشاہ وقت زکاۃ نماز حدود اور قضاء کو نافذ کرے جیسا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔

الذین ان مکنھم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ۔ (الایۃ حج ۴۱)۔

یعنی اگر ہم ان کو قدرت دیں زمین میں تو وہ قائم رکھیں نماز اور دیں زکوۃ (۲۲-۴۱)۔

الغرض حسن بصری کے قول کا مقصد یہ ہے کہ خلیفہ وقت ان پر عمل کرائے نہ یہ کہ ان اعمال کی صحت کے لئے امامت شرط ہے۔ محترم غور کریں اس میں حسن بصری نے زکوٰۃ کا بھی ذکر کیا ہے اور آج اگر کوئی ازخود زکوٰۃ دے تو کیا وہ عند اللہ قبول نہ ہو گی؟ اگر ہو گی، یقیناً ہو گی اسی طرح اگر کوئی جمعہ بھی خلیفہ وقت کے بغیر ادا کرے گا تو ہو جائے گا، دلیل وہی آپ والی کہ زکوٰۃ قبول ہے۔

(۷) عن ابن محیریز قال الجمعۃ و الحدود والزکوۃ والفئی الی السلطان۔

(مصنف ابن ابی شیبۃ ص٥٥٤ ج٩)

حضرت ابن محیریز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جمعہ کی اقامت، حدود، زکوٰۃ اور فیئے کی وصولی بادشاہ کے ذمہ ہے۔ (حدیث اور اہل حدیث ۷٦۸)

الجواب: اولاً یہ محیریز، عبد اللہ بن محیریز رحمۃ اللہ علیہ درمیانے درجے کے تابعی ہیں اور تابعین کے اقوال سے کوئی دینی مسئلہ ثابت نہیں ہوتا، اس کے لئے قرآن و سنت درکار ہیں۔ مگر انوار صاحب قرآن و سنت سے دلائل دینے کی بجائے ادھر ادھر سے اقوال نقل کرتے جاتے ہیں، جو ہم پر حجت نہیں، اپنی

بے بسی اور عاجزی کو چھپانے کے لئے موصوف نے یہ طریقہ واردات پوری کتاب میں اپنایا ہے۔

ثانیاً: سند میں حماد بن سلمہ راوی مختلط ہیں۔ (تقریب ص۸۲) اسے دلیل سے ثابت کیا جائے کہ مروی عنہ نے ان سے اختلاط سے قبل سماع کیا ہے۔ ورنہ یہ روایت ضعیف قرار پائے گی۔

ثالثاً: ایسی روایات سے نماز جمعہ کے لئے خلیفہ کا ہونا شرط ثابت نہیں ہوتا جیسا کہ گزشتہ روایت میں تفصیل گزر چکی ہے۔

(۸) عن عطاء الخراسانی قال الی السلطان الزکاۃ والجمعۃ والحدود۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ٥٥٤ ج ٩)۔

حضرت عطاء خراسانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بادشاہ کے ذمہ ہے زکوٰۃ کی وصولی، جمعہ کی اقامت اور حدود کی اقامت۔ (حدیث اور اہل حدیث ص۷۶۸)

الجواب: بلاشبہ جہاں جمعہ قائم نہیں وہاں سلطان اسے جاری کروائے، نہ پڑھنے والوں کو تعزیر دے، یہ اسلامی حکومت کے فرائض میں سے ہے، اللہ کرے وہ دن آئے کہ یہاں آئین اسلام نافذ ہو جہاں جہاں حنفی نماز جمعہ ادا نہیں کرتے وہاں سلطان ان پر جبر کر کے جمعہ قائم کروائے، یاد رہے کہ یہ ہمارے موافق ہے انوار صاحب بلا وجہ ایسے آثار کو درمیان میں لے آئے ہیں۔ نیکی کی نشر و اشاعت کرنا برائی سے روکنا خلیفہ وقت کا فرض ہے اور کون ہے جو اس سے انکار کرے، مگر اس کا یہ مطلب قطعا نہیں کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر وہی ہے۔ جس کو بادشاہ ادا کرے دوسرا کوئی شخص بھی نیکی کا حکم کرے اور برائی سے منع کرے تو اس کا ایسا کرنا ناجائز اور بیکار ہے۔ دیوبندیوں کی تبلیغی جماعت کس خلیفہ اور بادشاہ کے حکم پر بنائی گئی تھی؟

(۹) عن طارق بن شهاب عن النبی ﷺ قال الجمعة حق واجب علی کل مسلم فی جماعة،

(الحدیث ابو داؤد ص١٥٣ ج ١)۔

حضرت طارق بن شہاب رضی اللہ عنہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جمعہ حق ہے۔ واجب ہے۔ ہر مسلمان پر جماعت میں۔ (حدیث اور اہل حدیث ص۷۶۹)

الجواب: اولاً صحت جمعہ کے لئے جماعت کا ہونا، انوار صاحب نے اس حدیث کی بناء پر شرط قرار دیا ہے ہم بھی مانتے ہیں کہ صحت جمعہ کے لئے جماعت کا ہونا شرط ہے محدث عظیم آبادی۔ فرماتے ہیں، **لاتصح الا بجماعته**، یعنی جمعہ بغیر جماعت کے صحیح نہیں۔ (عون المعبود ص۴۱۲ ج۱)۔

اور پوری امت مرحومہ کا اجماع ہے کہ جماعت کے بغیر جمعہ جائز نہیں ہاں جماعت کے عدد میں اختلاف ضرور ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے (فتح الباری ص۴۲۸ ج۲) میں پندرہ مذاہب بیان کئے ہیں

ہمارے نزدیک راجح قول یہ ہے کہ جتنے افراد سے جماعت ہوسکتی ہے اتنے افراد صحت جمعہ کے لئے کافی ہیں۔

ثانیاً: اس حدیث سے ثابت ہوا کہ جمعہ کی نماز ہر مسلمان پر فرض ہے، مگر انوار صاحب صرف شہری پر ہی فرض بناتے ہیں، دیہاتی لوگوں کو مستثنیٰ قرار دیتے ہیں حالانکہ حدیث میں شہری و دیہاتی کی کوئی تقسیم نہیں، آپ احادیث کو صرف رد وہابیت کے لئے نہ پڑھا کریں، اس پر عمل کرنے کی نیت بھی کرلیا کریں۔ اس سے اللہ تعالیٰ آپ پر دنیا و آخرت میں برکات ورحمتیں نازل کرے گا۔ انشاء اللہ، تجربہ کر کے دیکھ لیں اللہ تعالیٰ آپ کو تقلید جیسی موذی اور متعدی مرض سے شفا دے گا۔

(۱۰)عن ام عبد اللہ الدوسیة قالت قا ل رسول اللہ ﷺ الجمعة واجبة علی کل قریة وان لم یکن فیھا الا اربعة یعنی بالقری المدائن۔

(دارقطنی ص۷ ج۲)۔

حضرت ام عبد اللہ دوسیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جمعہ واجب ہے ہر قریہ والوں پر اگر چہ اس میں چار ہی آدمی کیوں نہ ہوں اور قریة سے مراد شہر ہے۔

(حدیث اور اھل حدیث ص۷۶۹)

الجواب: اولا ثابت ہوا کہ جس قریة میں چار فرد بھی ہوں وہاں کے رہنے والوں پر جمعہ فرض ہے، آگے جو قریة کی تفسیر شہر ہے وہ راوی روایت کی تفسیر ہے۔ مرفوع نہیں۔ جو متن روایت کے خلاف ہے۔ کیونکہ شہر ایسے نہیں ہوا کرتے جس میں چار ہی افراد رہائش پذیر ہوں، اگر انوار صاحب یہ کہہ دیں کہ چار افراد سے مراد چار مسلمان ہیں، یعنی باقی شہر تو کافر ہو مگر اس شہر میں صرف چار ہی مسلمان ہوں، تو تب بھی ان پر جمعہ پڑھنا فرض ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ دار الحرب اور دار الکفر میں نماز جمعہ پڑھنا واجب ہے حالانکہ فقہ حنفی کے مطابق دارالحرب اور کافروں کے شہروں میں جمعہ پڑھنا جائز نہیں، مولوی احمد رضا خاں بریلوی لکھتا ہے۔ ہاں اتنا ضرور ہے کہ جمعہ اسلامی حکم ہے اس کے لئے اسلامی شہر ہونا ضرور ہے ولہذا دار الحرب میں اصلاً جمعہ نہیں اگر چہ کتنے ہی بڑے امصار عظام کبار ہوں جس میں دس لاکھ آدمیوں کی آبادی ہو۔

(فتاویٰ رضویہ ص۳۶۸ ج۸)۔

اور شہر کے اسلامی ہونے کے لئے یہ ضرور ہے کہ یا تو فی الحال اس میں سلطنت اسلام ہو خود مختار جیسے بحمد اللہ تعالیٰ سلطنت علیہ عثمانیہ ودولت خداداد، افغانستان حفظہما اللہ تعالیٰ عن شرور الزمان یا کسی سلطنت کفر کی تابع جیسے اب چند روز سے سلطنت بخارا، اور اگر فی الحال نہ ہو تو دو باتیں ضرور ہیں ایک یہ کہ پہلے اس میں سلطنت اسلامی رہی ہو، دوسرے یہ کہ جب سے قبضہ کافر میں آئی شعار اسلام مثلا

جمعہ و جماعت و اذان و اقامت وغیرہا کلا یا بعضا برابر اس میں اب تک جاری رہے ہوں جہاں سلطنت اسلامی کبھی نہ تھی نہ اب ہے۔ وہ اسلامی شہر نہیں ہو سکتے نہ وہاں جمعہ وعیدین جائز ہوں، اگرچہ وہاں کے کافر سلاطین شعائر اسلامیہ کو نہ روکتے ہوں، اگرچہ وہاں مساجد بکثرت ہوں اذان و اقامت جماعت علی الاعلان ہوتی ہوں اگرچہ عوام اپنے جہل کے باعث جمعہ وعیدین بلا مزاحمت ادا کرتے ہوں، جیسے کہ روس، وفرانس، وجرمن، پرتگال وغیرہا اکثر شاید کل سلطنت ہائے یورپ کا یہی حال ہے۔ یونہی اگر پہلے سلطنت اسلامی تھی پھر کافر نے غلبہ کیا اور شعائر کفر جاری کر کے تمام شعائر اسلام یکسر اٹھا دیئے تو اب وہ شہر بھی اسلامی نہ رہے اور جب تک پھر از سر نو ان میں سلطنت اسلامی نہ ہو وہاں جمعہ وعیدین جائز نہیں ہو سکتے اگرچہ کفار غلبہ یافتہ ممانعت کے بعد بطور خود شعائر اسلام کی اجازت دے دیں خواہ ان کافروں سے دوسرے کافر چھین کر اجرائے شعائر اسلام کر دیں۔

(فتاویٰ رضویہ ص۷۱۶ ج۳ طبع قدیم و ص۳۷۹ ج۸ طبع جدید)۔

ان دونوں عبارات کو ملاحظہ کریں جو نتیجہ نکلتا ہے وہ اتنا صاف اور روشن ہے کہ کسی حاشیہ آرائی کی ضرورت نہیں، پورے یورپ اور افغانستان و عراق جیسے دار الحرب میں جمعہ حنفیہ کے نزدیک جائز نہیں۔ شہر کی تعریف میں اس قدر شروط و قیود حنفیہ نے لگائی ہیں کہ مفتی کفایت اللہ صاحب نے صاف لفظوں میں اعتراف کیا ہے کہ۔

یہ صحیح ہے کہ حنفیہ کا مذہب یہی ہے کہ نماز جمعہ کے لئے مصر شرط ہے، گاؤں میں نماز جمعہ نہیں ہوتی، لیکن مصر کی تعریف میں جو تدریجی تنزل فقہاء و مشائخ حنفیہ کرتے رہے ہیں وہ بھی ہمارے سامنے ہے۔ پہلے ظاہر روایت کی بنا پر مصر کی تعریف یہ تھی کہ مصر وہ مقام ہے کہ جہاں امیر اسلام ہو اور حدود شرعیہ کی تنفیذ اور احکام اسلام کا اجراء ہو، ظاہر ہے کہ اگر اس تعریف کا اعتبار کیا جائے تو آج دہلی، لاہور، اور ہندوستان کے کسی بڑے سے بڑے شہر میں بھی جمعہ جائز نہیں کیونکہ اس تعریف کے بموجب کوئی شہر مصر نہیں اس لیے فقہاء کرام نے امام ابو یوسف کی دوسری تعریف، **مالا یسع اکبر مساجدہ اھلہ المکلفین بھا**، کو معتبر اور محمول اور مفتی بہ بنالیا، اور فقہاء کا خود اقرار ہے کہ یہ تعریف بہت سے قریٰ پر صادق آتی ہے۔ **وھذا یصدق علی کثیر من القریٰ** (رد المختار) پس اگر مسؤل عنہ موضع پر یہ تعریف صادق آتی ہو کہ اس میں کم از کم دو مسجدیں ہوں، اور ان میں سے سب سے بڑی مسجد میں موضع کے مکلفین بالجمعۃ نہ سما سکیں تو اس میں مذہب حنفی مفتی بہ کے موافق نماز جمعہ جائز ہے، اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے قول اور ان سے جو تعریف مصر مروی ہے اس کے موافق تو دہلی اور لاہور میں بھی (جمعہ) جائز نہیں (کفایت المفتی ص۲۰۶ ج۳ مطبوعۃ مکتبہ حقانیہ ملتان)

مقلدین کی غیر مقلدی دیکھتے جانا کہ صاف اعتراف کرلیا ہے کہ امام ابوحنیفہ کے مطابق تو لاہور

خطبہ نہ پائے۔ (نہ حقیقتاً نہ حکماً) وہ چار رکعتیں پڑھے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص۷۷۰)

الجواب: اولاً حنفیہ کے لئے صحت جمعہ کے لئے جماعت میں چار آدمی بمع امام ہونے شرط ہیں جب کہ خطبہ میں ان کے نزدیک ایسی کوئی قید نہیں، خطبہ کو یہ واجب تو کہتے ہیں مگر اس میں عدد کے قائل نہیں، اگر مذکورہ روایت درست تسلیم کی جائے تو حنفیہ کے مؤقف کی نفی ہوتی ہے۔ اس سے جان چھڑانے کے لئے انوار صاحب نے یہ مخلص تلاش کیا ہے کہ، نہ حقیقتاً نہ حکماً، لکھ دیا ہے۔ حالانکہ ان کے نزدیک جمع بین الحقیقۃ والمجاز باطل ہے جیسا کہ پہلے بھی عرض کر دیا گیا ہے۔ لہذا اس روایت سے حقیقتاً ہی خطبہ مراد لیا جاسکتا ہے کیونکہ یہ دو رکعت کے قائم مقام ہے۔ اور حکماً مراد لینا غلط ہے اور ایک ہی وقت میں دونوں مراد لینا اغلط ہے، لہٰذا انوار صاحب پہلے اپنی پوزیشن صاف کریں, اور وضاحت کریں کہ اگر امام کے ساتھ خطبہ نہ ملے صرف جماعت میں شامل ہو تو آیا اس کا جمعہ ہو جاتا ہے؟ اگر انوار صاحب یہ کہہ دیں کہ جمعہ ہو گیا (جیسا کہ حنفیہ کا مؤقف ہے) تو یہ مؤقف مذکورہ اثر کے خلاف ہے، کیونکہ صاف وضاحت ہے کہ خطبہ دو رکعت کے قائم مقام ہے۔ جو خطبہ نہ پائے وہ چار رکعت ادا کرے، لہٰذا یہ آپ کے بھی خلاف ہے، فما کان جوابکم فھو جوابنا۔

ثانیاً: یہ روایت منقطع ہے۔ ابن ابی شیبہ کی سند میں، یحییٰ بن ابی کثیر، راوی سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے بیان کر رہا ہے اور یحییٰ نے صرف سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کسی صحابی سے ملاقات اور سماع ثابت نہیں۔ (مراسیل ابن ابی حاتم ص۲۴۴)۔

جب کہ عبد الرزاق کی سند میں، عمرو بن شعیب، راوی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں اور عمرو کی سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے روایت مرسل ہے۔ (ایضا ص۱۴۸)۔

الغرض یہ روایت منقطع ہے جیسا کہ علامہ البانی نے حکم لگایا ہے۔

(ارواء الغلیل ص۷۲ ج۳ رقم الحدیث ۶۰۵)۔

(۱۳) عن ابن شهاب قال بلغني انه لاجمعة الا بخطبة فمن لم يخطب صلى الظهر اربعا۔

(المدونہ الکبریٰ ص۱۵۸ ج۱)۔

حضرت ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ جمعہ خطبہ کے بغیر جائز نہیں ہے۔ لہٰذا جو خطبہ نہ پائے وہ ظہر کی چار رکعت پڑھے۔

(۱۴) عن سعيد بن جبير قال كانت الجمعة اربعا فحطت ركعتان للخطبة۔

(المدونہ الکبریٰ ۱۵۸ ج۱)۔

حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جمعہ کی چار رکعتیں تھیں دو خطبے کی وجہ سے کم ہو گئیں۔

(حدیث اوراھل حدیث ۷۷۰

الجواب: اولاً روایت ابن شہاب مرسل ہے۔ اور ان سے روایت کرنے والا راوی یونس ہے اور اس کی ابن شہاب سے مرویات میں وہم قلیل ہے (تقریب ص۳۹۱) دوسری روایت میں خصیف بن عبدالرحمٰن راوی سیئی الحفظ اور مختلط ہے، (تقریب ص۹۲) مزید یہ کہ سفیان کی تدلیس کا بھی شبہ ہے۔ علاوہ ازیں خود مدونہ کتاب کی سند بھی مخدوش ہے۔

ثانیاً: ان دونوں روایات سے حنفیہ کا مسلک ثابت نہیں ہوتا بلکہ دونوں آثار ان کے خلاف ہیں۔ کیونکہ ان میں خطبہ نہ ملنے پر نماز ظہر ادا کرنے کا کہا گیا ہے، حالانکہ حنفیہ کے نزدیک تشہد میں بھی شامل ہوگیا تو جمعہ ہوگیا۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیو بند ص۴۲ ج۵)۔ اس اعتراض سے جان چھڑاتے ہوئے موصوف فرماتے ہیں، ایک بات کی وضاحت ضروری ہے، وہ یہ کہ ایک تو خطبہ کا نہ پانا حقیقۃً ہے، اس کی صورت یہ ہے کہ کوئی شخص مسجد میں اس وقت آئے جب کہ خطبہ ختم ہو چکا ہے اس صورت میں اس شخص نے حقیقۃ خطبہ نہیں پایا، اور ایک خطبہ کا نہ پانا حکما ہے، اس کی صورت یہ ہے کہ کوئی شخص اس وقت آئے جبکہ نماز جمعہ ہو چکی ہو، اس صورت میں اس شخص نے خطبہ جمعہ نہ حقیقتا پایا نہ حکما کیونکہ جو شخص جماعت میں شریک ہوجاتا ہے۔ وہ اتباع امام کی وجہ سے حکما خطبہ کو پالیتا ہے۔ اور اس کی نماز ہوجاتی ہے، اس لئے ہم نے حضرت عبد اللہ بن مسعود حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما اور حضرت ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ کی احادیث کے ترجمہ میں خطبہ کے حقیقۃ اور حکما دونوں طرح نہ پانے کی قید لگائی ہے۔ کیونکہ ان حضرات کے دیگر فرامین سے معلوم ہوتا ہے کہ جس نے جمعہ کی ایک رکعت پالی وہ دوسری بھی ملالے اور اس کا جمعہ ہوگیا، حالانکہ خطبہ تو اس کا رہ گیا وجہ ظاہر ہے کہ خطبہ رہ گیا لیکن حکما ہوگیا۔ (حدیث اور اہل حدیث ۷۷۶)

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہ تقسیم مذکورہ آثار میں موجود ہے۔ جواب یقیناً نفی میں ملے گا۔ رہا یہ امر کہ ان کے دیگر فرامین کے پیش نظر انوار صاحب نے یہ توجیح کی ہے۔ اس سلسلہ میں پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ فتویٰ صرف عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے مگر یہ حنفیہ کے خلاف ہے کیونکہ آپ فرماتے ہیں۔ جس نے ایک رکعت پالی اس نے جمعہ پالیا اور جس نے ایک رکعت بھی نہ پائی وہ چار رکعت (نماز ظہر) پڑھے۔

(طبرانی کبیر ۳۰۹ ج۹ رقم الحدیث ۹۵۴۶ مصنف عبد الرزاق ص۲۳۵ ج۳ رقم الحدیث ۵۴۷۷، ومصنف ابن ابی شیبہ ص۱۲۸ ج۱)۔

دوسری روایت کے الفاظ ہیں۔

جس کی دوسری رکعت بھی فوت ہوجائے وہ چار رکعت (نماز ظہر) پڑھے۔

(طبرانی کبیر ص۳۰۹ ج۹، رقم الحدیث ۹۵۴۹ و مصنف عبدالرزاق ص۲۳۵ ج۳ رقم الحدیث ۵۴۷۹)۔

دلیل سے صرف خطبہ ہی شرط نہ قرار پائے گا بلکہ کھڑے ہو کر خطبہ دینا، دو خطبے دینے ان دونوں کے درمیان بیٹھنا بھی فرض قرار پائے گا کیونکہ کسی حدیث سے بھی یہ ثابت نہیں کہ نبی علیہ السلام دو خطبوں کے درمیان بیٹھے نہ ہوں، یا صرف ایک ہی خطبہ دیا ہو یا بیٹھ کر خطبہ ارشاد فرمایا ہو، لیکن کتنے ستم کی بات ہے کہ اس دلیل سے خطبہ تو شرط قرار پائے گا مگر، اذان، کھڑے ہو کر خطبہ دینا، دونوں کے درمیان بیٹھنا واجب بھی تسلیم نہ کیا جائے اسے صرف سنت قرار دیا جائے، یہ اعتراض امام ابن حزم نے آج سے ایک ہزار سال پہلے حنفی سپوتوں پر کیا تھا۔ (المحلی ص ۲۶۳ ج ۳)۔

مگر مجال ہے کسی حنفی مائی کے لال کو اسے چھیڑنے کی ہمت ہوئی ہو۔

اس کے باوجود یہ کہتے چلے جاتے ہیں کہ اساطین علم کی محنتوں پر پانی پھیر رہے ہیں، اور یہ کہ حدیث کی مخالفت ہے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۷۸۰)

محترم ہم کسی حدیث کی مخالفت نہیں کرتے، اور نہ ہی اساطین کی محنتوں پر پانی پھیرتے ہیں، ہم کہتے ہیں کہ آپ کی پہلی دونوں شرطیں قرآن و سنت سے ثابت نہیں خطبہ و جماعت کو ہم بھی سنت مؤکدہ تسلیم کرتے ہیں، شاید آپ کے نزدیک سنت تسلیم کرنا حدیث کا انکار کرنا ہے۔ محترم انکار تو تب ہوتا جب ہم ان کی حیثیت کو ہی تسلیم نہ کرتے، لیکن ہم تو اسے سنت تسلیم کرتے ہیں شاید آپ کے نزدیک سنت کی کوئی اہمیت نہیں یہ صرف لفظی اختلاف ہے، معنوی اختلاف نہیں، اگر معنوی اختلاف ہوتا تو ہم نماز جمعہ کو خطبہ اور جماعت کے بغیر بھی ادا کرنے کے قائل ہوتے، مگر ایسا ہرگز نہیں یہ بات ملحوظ رہے کہ ہمارے نزدیک عبادت وہی ہے جو سنت کے مطابق ہے، خلاف سنت عبادت کو ہم عبادت ہی تسلیم نہیں کرتے، اور نہ ہی وہ عند اللہ قبول ہے، ہمارے لیے صرف یہی کافی ہے کہ ہمارے پیارے نبی سیدنا محمد مصطفی ﷺ اسی طرح کرتے تھے۔ اس سے آگے حضور کے فعل کو فقہی اصطلاحات پر تقسیم کرنے کے ہم قائل نہیں کہ عبادت کا یہ حصہ فرض ہے اتنا حصہ واجب اور بقایا سنت ہے بلکہ ہمارے نزدیک پورے طریقے کی اہمیت ایک جیسی ہے، اور ہم، صلوا کما رایتمونی اصلی، پر عمل پیرا ہیں، خطبہ و جماعت کے لئے سنت کا لفظ بھی صرف ہم نے آپ کی تفہیم کے لئے لکھ دیا ہے۔ ورنہ ہمارے نزدیک اذان جمعہ سے لے کر نماز جمعہ کے سلام پھیرنے تک ایک ہی حکم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جمعہ پڑھنے کا حکم دیا اور نبی مکرم ﷺ نے اپنے عمل سے امت کو کر کے دکھا دیا، یہ عملی تفسیر ہم من وعن قبول کرتے ہیں، اس میں کسی حک و اضافہ کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں۔ اسے آپ سفہاء کا مؤقف قرار دیں یا سادگی سے تعبیر کریں ہمیں کسی چیز کی کوئی پرواہ نہیں، ہاں ہم اتنا ضرور عرض کرتے ہیں کہ اگر نماز جمعہ کے لئے مصر جامع اور امیر یا اس کی اجازت اور اذن عام ہونا شرط ہوتا تو اللہ تعالیٰ اسے بیان کرتے یا نبی مکرم ﷺ وضاحت کرتے، ہمارا رب بھول جانے سے پاک ہے اور ہمارے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام احکام شرعیہ کو پہنچانے میں غلطی سے مبرا تھے۔ لہٰذا یہ شروط حنفیہ کی اختراعات ہیں۔

(۶۸) باب نماز جمعہ کا وقت

فصل اول

(۱) عن سهل بن سعد قال ما كنا نقيل ولا نتغدى الا بعد الجمعة۔

سیدنا سہل بن سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم صبح کا ناشتہ اور دوپہر کا آرام نماز جمعہ پڑھ کر کرتے تھے۔

(بخاری کتاب الجمعة باب قول الله تعالىٰ فاذا قضيت...... الحديث ۹۳۹)۔

(۲) عن سهل قال ما كنا نقيل ولا نتغدّى الا بعد الجمعة، زاد ابن حجر، في عهد رسول الله ﷺ۔

سیدنا سہل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی مکرم ﷺ کے زمانہ میں صبح کا کھانا اور دوپہر کا آرام نماز جمعہ پڑھ کر کرتے تھے۔

(مسلم كتاب الجمعة باب صلاة الجمعة حين تزول الشمس الحديث ۱۹۹۱)۔

(۳) عن سهل بن سعد قال ماكنا نتغدى في عهد رسول الله ﷺ ولا نقيل الا بعد الجمعة۔

سیدنا سہل بن سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم (صحابہ کرام) رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں صبح کا کھانا اور دوپہر کا آرام نماز جمعہ پڑھ کر کرتے تھے۔

(ترمذی کتاب الجمعة باب في القائلة يوم الجمعه، الحديث ۵۲۵)۔

نوٹ: غداء عربی زبان میں اس کھانے کو کہتے ہیں جو طلوع آفتاب کے بعد اور زوال سے پہلے پہلے کھایا جائے۔ **هو طعام يوكل اول النهار۔**

(مجمع بحار الانوار ص۱۷ ج ٤) (لسان العرب ص۱۱۸ ج۱۵، تاج العروس ص۲۶۳ ج ۱۰)۔

(۴) حدثنا اياس بن سلمة بن الاكوع قال حدثني ابي قال وكان من اصحاب الشجرة قال، كنا نصلي مع النبي ﷺ الجمعة ثم ننصرف وليس للحيطان ظل نستظل فيه۔

امام ایاس رحمہ اللہ اپنے والد سیدنا سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔

جو بیعت رضوان میں شامل تھے آپ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی ﷺ کے ہمراہ جمعہ کی نماز پڑھتے پھر ہم فارغ ہوکر واپس آتے تو ابھی تک دیواروں کا سایہ نہیں ہوتا تھا۔ جس کی اوٹ میں ہم سایہ پکڑتے (یعنی اس کے سایہ میں چل کر دھوپ سے بچتے)

(بخاری کتاب المغازی باب غزوة الحديبية الحديث ٤١٦٨، مسلم كتاب الجمعة باب صلاة الجمعة حين تزول الشمس الحديث ۱۹۹۳)۔

(۵) عن انس بن مالك رضی اللہ عنہ قال كنا نبكر بالجمعة ونقيل بعد الجمعة۔

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نماز جمعہ سویرے پڑھ لیا کرتے تھے۔ اور جمعہ کے دن نماز کے بعد دوپہر کا آرام کرتے تھے۔

(بخاری کتاب الجمعة باب وقت الجمعة اذا زالت الشمس الحديث ۹۰۵)۔

(۶) عن انس بن مالك قال كنا نصلي مع رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم الجمعة ثم نرجع الى القائلة فنقيل۔

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جمعہ پڑھتے پھر قیلولہ کرنے کی جگہ پر آکر آرام کرتے۔

(مسند احمد ۲۳۷ ج ۳)۔

(۷) عن جعفر عن ابيه انه سال جابر بن عبد الله، متى كان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم يصلى الجمعة؟ قال كان يصلى ثم نذهب الى جمالنا فنريحها، زاد عبد الله فى حديثه حين تزول الشمس۔

امام جعفر اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کی نماز کس وقت پڑھتے تھے، انہوں نے فرمایا جب آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام جمعہ پڑھ لیتے تب ہم جاتے اور اپنے اونٹوں کو آرام دیتے تھے، راوی حدیث عبد اللہ نے اپنی روایت میں یہ الفاظ زیادہ بیان کئے ہیں کہ سورج ڈھلتے ہی اونٹوں کو آرام دیتے۔

(مسلم کتاب الجمعة باب صلاة الجمعة حين تزول الشمس، الحديث ۱۹۹۰)۔

(۸) ثنا جعفر بن محمد عن ابيه قال، سالت جابرا متى كان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم يصلى الجمعة؟ قال كنا نصليها مع رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم ثم نرجع فنريح نواضحنا۔ قال جعفر واراحة النواضح حين تزول الشمس۔

امام جعفر اپنے والد امام محمد سے بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ میں نے سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز جمعہ کب پڑھتے تھے؟ انہوں نے فرمایا ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جمعہ پڑھ کر جب لوٹتے تو اپنے اونٹوں کو آرام دیتے تھے، امام جعفر فرماتے ہیں کہ اونٹوں کو آرام سورج ڈھلنے پر دیتے تھے۔

(مسند احمد ۳۳۱ ج ۳)۔

(۹) عن عبد الله بن سيدان السلمى قال، شهدت يوم الجمعة مع ابى بكر وكانت صلاته وخطبة قبل نصف النهار، ثم شهدتها مع عمر وكانت صلاته وخطبته الى أن أقول انتصف

النهار، ثم شهدت مع عثمان فكانت صلاته وخطبته الى ان اقول زال النهار، فما رايت احد عاب ذلك ولا انكره۔

تابعی کبیر عبد اللہ بن سیدان سلمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں جمعہ کے دن سیدنا ابی بکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ نماز پڑھنے کے لئے حاضر ہوا، آپ رضی اللہ عنہ کا خطبہ اور نماز جمعہ نصف النہار (زوال) سے پہلے تھا، پھر میں سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ساتھ نماز پڑھنے کے لئے حاضر ہوا، تو ان کی نماز اور خطبہ جمعہ اس وقت تھا کہ میں کہتا تھا کہ نصف النہار (زوال) ہو چکا ہے، پھر میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ نماز جمعہ پڑھنے کے لئے حاضر ہوا، تو ان کی نماز اور خطبہ یہاں تک تھا کہ میں کہتا تھا کہ دن ڈھل چکا ہے۔ اور میں نے نہیں دیکھا کسی ایک کو بھی جو اس پر حرف گیری کرتا ہو یا انکار کرتا ہو۔

(سنن دارقطنی ص۱۷ ج۲، مصنف ابن ابی شیبہ ص۱۰۷ ج۲)۔

(۱۰) عن عبد الله بن سلمة قال صلى بنا عبد الله الجمعة ضحى وقال خشيت عليكم الحر۔

امام عبد اللہ بن سلمہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہمیں سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے دوپہر سے پہلے نماز جمعہ پڑھائی اور کہا کہ میں تم پر گرمی کا خوف کھاتا ہوں۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص۱۰۷ ج۲)۔

(۱۱) عن سعيد بن سويد قال صلى بنامعاوية الجمعة ضحى۔

امام سعید بن سوید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہمیں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے نماز جمعہ دوپہر سے پہلے پڑھائی۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص۱۰۷ ج۲)۔

(۱۲) عن مصعب ابن سعد قال كان سعد يقيل بعد الجمعة۔

امام مصعب ابن سعد فرماتے ہیں کہ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نماز جمعہ کے بعد دوپہر کا آرام کرتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ۱۰۶ ج۲)۔

(۱۳) عن سعد الانصارى قال كنا نجمع مع عثمان بن عفان ثم نرجع فنقيل۔

امام سعد الانصاری فرماتے ہیں کہ ہم سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ نماز جمعہ پڑھ کر لوٹتے تو دوپہر کا آرام کرتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص۱۰۶ ج۲)۔

(۱۴) عن ابن عمر كنا نجمع ثم نرجع فنقيل۔

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آپ فرماتے ہیں کہ ہم جمعہ پڑھ کر جب لوٹتے تو تب دوپہر کا آرام کرتے ہیں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۱۰۷ ج ۲)۔

ان احادیث و آثار سے ثابت ہوا کہ نماز جمعہ زوال سے پہلے بھی پڑھی جاسکتی ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بیان کرتے ہیں کہ ہم غداء کا کھانا نماز جمعہ پڑھ کر کھاتے تھے، اور غداء، اس کھانے کو کہتے ہیں جو زوال سے پہلے کھایا جائے۔ اسی حدیث میں بیان ہے کہ ہم دوپہر کا آرام نماز جمعہ کے بعد کرتے تھے۔ حدیث میں اس کے لے، تقیل کا لفظ آیا ہے۔

اور قیلولہ، نصف النہار کے آرام کے بعد کو کہتے ہیں گو اس کے ساتھ نیند آئے یا نہ آئے۔

(دیکھئے لسان العرب ص ۵۷۷ ج ۱۱، تاج العروس ص ۹۲ ج ۸)۔

پھر صحابی کہتا ہے کہ جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز جمعہ پڑھ کر واپس آتے تو دیواروں کا سایہ بھی نہ ہوتا تھا، گو ان احادیث کی توجیہات کرکے زوال کے بعد جمعہ ادا کرنے کی احادیث سے موافقت ثابت کی گئی ہے۔ لیکن بہر حال یہ مسئلہ سلف صالحین میں مختلف فیہ تھا، اور حدیث نمبر ۷ سے ثابت ہو رہا ہے کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے زوال سے پہلے نماز جمعہ پڑھایا اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عین زوال کے وقت پڑھایا۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس روایت پر یہ جرح کی ہے کہ ابن سیدان راوی ضعیف ہے لیکن دیوبند کے شیخ الحدیث مولانا محمد انور شاہ صاحب کاشمیری فرماتے ہیں کہ، حافظ کا یہ اعتراض درست نہیں ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ عبد اللہ بن سیدان کبار تابعین میں سے ہے۔

اور حافظ ابن عبد البر نے ان کو صحابہ میں سے شمار کیا ہے، اور ابن حبان نے ان کو ثقات میں ذکر کیا ہے۔ لہٰذا اس حدیث کو سند کی بنیاد پر رد نہیں کیا جاسکتا۔

(بحوالہ درس ترمذی ۲۷۸ ج ۲)۔

گو آگے انہوں نے اس روایت کی تاویل کی ہے۔ مگر صحت کو تسلیم کر لیا ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں کہ امام مجاہد عید کے وقت میں جمعہ پڑھنے کو جائز کہتے ہیں امام احمد فرماتے ہیں زوال سے پہلے پڑھنا جائز ہے، ابن منذر نے امام عطاء بن ابی رباح اور اسحاق سے بھی یہی نقل کیا ہے۔ اور ماوردی نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے دن کی ساتویں ساعت میں پڑھنا نقل کیا ہے، ابن قدامہ فرماتے ہیں۔ کہ جمعہ کا ابتدائی وقت نماز عید کا وقت ہے امام جرمی فرماتے ہیں کہ سیدنا ابن مسعود سیدنا سعد سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہم زوال سے پہلے جمعہ پڑھنا مروی ہے قاضی اور اس کے ساتھی کہتے ہیں کہ عید کے وقت میں ادا کرنا جائز ہے۔ اور یہی امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے مروی ہے۔

(عمدة القاری ص ۲۹۰ ج ٦ مطبوعة مكتبه رشيديه كوئٹه)۔

انوار صاحب نے نواب صاحب کا قول، الروضۃ الندیۃ، سے نقل کر کے ایک مکمل باب تحریر کیا ہے،

اور علمائے حدیث کو مطعون کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔ حالانکہ ان کا اخلاقی فرض تھا کہ وہ ان دلائل کا بھی ذکر کرتے اور ان کا کوئی معقول جواب دیتے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فتاویٰ وعمل کو بھی زیر بحث لاکر حق محنت ادا کرتے صرف نواب صاحب ہی گردن زدنی کیوں ہیں؟

فصل دوم

(۱) عن انس بن مالك ان رسول الله ﷺ كان يصلي الجمعة حين تميل الشمس۔

(بخاری ص۱۲۳ ج۱)۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جمعہ اس وقت پڑھتے تھے جب سورج ڈھل جاتا تھا (حدیث اور اہل حدیث ۷۸۱)

الجواب: محترم نے وضاحت نہیں کی کہ **یصلی الجمعة**، سے نماز جمعہ مراد ہے یا خطبہ؟ اگر خطبہ مراد لیتے ہیں تو صلی بمعنیٰ خطاب لغت سے ثابت کریں اور اگر صلی سے مراد نماز لیتے ہیں تو یہ ان کے خلاف ہے، کیونکہ آگے، **حین تمیل الشمس**، کے الفاظ ہیں، حاصل مطلب یہ نکلا کہ نماز جمعہ سورج ڈھلتے ہی پڑھا کرتے تھے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اذان و خطبہ کس وقت ہوتا تھا؟ جب علیہ السلام منبر پر تشریف لاتے تب سیدنا بلال رضی اللہ عنہ اذان کہتے۔

(نسائی رقم الحدیث ۱۳۹۵، مسند احمد ص ٤٤١ ج٣)۔

اور آپ علیہ السلام دو خطبے ارشاد فرماتے ان کے درمیان بیٹھتے، لوگوں کو قرآن سناتے نصیحت کرتے تھے۔ (بخاری ص۱۲۵ ج۱ مسلم ۲۸۳ ج۱)۔ دونوں خطبوں کے درمیان بیٹھنے کو احناف آرام پر محمول کرتے ہیں، یہ تب ہی درست ہے جب خطبہ کو لمبا تسلیم کیا جائے۔

ثابت ہوا کہ اذان و خطبہ اور وعظ ونصیحت زوال سے پہلے ہوتے تھے۔ اور سورج ڈھلتے ہی نماز جمعہ ادا کر لی جاتی تھی، حالانکہ حنفی ہمیشہ ایک بجے سے پہلے خطبہ شروع نہیں کرتے اور نماز تو یہ دو اڑھائی بجے کے لگ بھگ ادا کرتے ہیں۔

پچھلے رمضان کی بات ہے کہ خاکسار جمعہ کے روز نماز عصر پڑھ کر نارنگ موڑ گیا تو دیوبندی مکتب فکر کے علامہ طاہر ندیم صاحب نماز جمعہ ادا کرکے سڑک کے کنارے دوستوں کے ساتھ جا رہے تھے۔ ٹائم تقریبا سوا تین بجے کا تھا، ممکن ہے میں جلدی چلا گیا یا وہ نماز پڑھ کر تھوڑی دیر مسجد میں ٹھہر گئے ہوں، بہر حال حنفی جب سردی کے ایام میں بھی نماز جمعہ پڑھ کر فارغ ہوتے ہیں تو وقت اڑھائی کے قریب ہوتا، بریلوی حضرات کی حالت اس سے بھی گئی گزری ہے، تو کیا یہ سب، حین تمیل الشمس کا وقت ہوتا ہے؟ ہمارے خلاف شور مچانے والو! اپنی حالت پر بھی غور کرو۔ ہمیں نصیحت کرنے اور دعوت

فکر دینے سے پہلے اپنی حالت بھی سنواریں۔

(۲) عن ایاس بن سلمة بن الاکوع عن ابیه قال کنا نجمع مع رسول اللهﷺ اذا زالت الشمس ثم نرجع نتتبع الفئی۔

(مسلم ص۲۸۳ ج۱)

حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے ایاس اپنے والد سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جمعہ ادا کرتے جب کہ سورج ڈھل جاتا، پھر ہم سایہ تلاش کرتے ہوئے لوٹتے۔ (حدیث اور اہل حدیث ۷۸۱)

الجواب: گویا سورج ڈھلتے ہی نماز جمعہ پڑھ لیتے تھے، جب واپس جاتے تو دیواروں کا سایہ اتنا نہ ہوتا کہ ہم اس میں چل سکتے، اس لئے **نتتبع الفئی**، سایہ تلاش کرتے جاتے، ایمان سے کہنا جب حنفی نماز جمعہ پڑھ کر گھروں کو جاتے ہیں تو یہی وقت ہوتا ہے؟ نہیں ہرگز نہیں۔ محترم زوال سے قبل نماز جمعہ کو پڑھنا نہ تسلیم کریں، مگر اس سنت پر تو عمل کرلیں، اذان و خطبہ زوال سے پہلے ہی شروع کر دیں اور سورج ڈھلتے ہی نماز جمعہ پڑھ لیا کریں، عوام جب واپس جارہے ہوں تو انہیں دیواروں کے سائے میں چلنے کے لئے سایہ نہ ملے۔

انوار صاحب نے یہاں بھی ڈنڈی ماری ہے، یہ وضاحت نہیں کی کہ اذان و خطبہ کب ہوتا، اگر اس کی وضاحت کرتے تو بات کھل جاتی، واضح رہے کہ **نجمع**، کا معنی ہے **نصلی الجمعة** ہے، (فتح الملہم ص۴۰۲ ج۲) یعنی نماز جمعہ اس وقت پڑھتے، **اذا زالت الشمس**، جب سورج ڈھل جاتا، اس سے ثابت ہوا کہ نماز جمعہ سورج ڈھلنے کے ساتھ ہی ادا فرمایا کرتے تھے۔ اس کی تائید بخاری کی حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ جو ہم فصل اول میں حدیث نمبر ۴ کے تحت درج کر آئے ہیں، علامہ عینی فرماتے ہیں کہ **احتج بهذا الحدیث من جوز صلاة الجمعه قبل الزوال**، یعنی اس حدیث سے دلیل پکڑی ہے اس نے جو زوال سے پہلے جمعہ پڑھنے کو جائز کہتے ہیں۔

(عمدة القاری ص۲۹٦ ج۱۱ کتاب المغازی زیر حدیث نمبر٤١٦٨)۔

الغرض یہ حدیث انوار صاحب کے تقلیدی مذہب کے خلاف ہے، کیونکہ اس میں سورج ڈھلتے ہی نماز جمعہ ادا کرنے کا بیان ہے۔ ظاہر ہے اذان جمعہ اور خطبہ وغیرہ زوال سے قبل شروع کرنا ثابت ہے۔ اور یہ حدیث حنفیہ کے خلاف ہے۔

(۳) عن جابر کان رسول اللهﷺ اذا زالت الشمس صلی الجمعة

(معجم طبرانی اوسط بحوالہ التلخیص الحبیر ص۵۹ ج۲)۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب سورج ڈھل جاتا تھا تو جمعہ پڑھتے تھے۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۷۸۱)

الجواب: حدیث کے اگلے الفاظ ہیں، **فنرجع وما نجد فيئا نستظل به۔**

(المعجم الاوسط للطبرانی ص ۲۲۷ ج ۷ رقم الحدیث ۶۴۳۹)۔

ہم واپس آتے تو ہمیں سایہ نہ ملتا کہ جس میں ہم چلتے۔

(ترجمہ مولوی عبد القیوم دیوبندی مندرجہ توضیح السنن ص ۵۲۸ ج ۲)۔

یہ الفاظ چونکہ انوار صاحب کے مخالف تھے، اس لئے انہوں نے متن روایت کو مکمل نقل نہیں کیا، پھر تحریف کے الزام سے بچنے کے لئے یہ ہوشیاری کی ہے کہ بحوالہ نقل کی ہے تاکہ اگر کوئی تحقیق کرے تو اس پر تحریف واضح نہ ہو، یہ دینی خدمت نہیں بلکہ تدلیس ہے ممکن ہے، کہ انوار صاحب یہ کہہ دیں کہ یہ الزام تو حافظ ابن حجر رحمہ اللہ پر بھی عائد ہوتا ہے ہم کہتے ہیں کہ حافظ کا دامن اس تحریف سے پاک ہے، کیونکہ وہ یہ بحث ہی نہیں کر رہے جو انوار صاحب نے اٹھائی ہے، مزید یہ کہ مجمع الزوائد تو انوار صاحب کے پاس پڑی تھی، کیونکہ بار بار اس سے موصوف روایات نقل کرتے ہیں اس سے نقل کرتے آثار السنن بھی ان کے پیش نظر تھی۔ بلکہ اس کتاب کو انہوں نے بنیاد بنا کر کتاب تحریر کی ہے ان کتب کی بجائے تلخیص کا حوالہ محض بدنیتی سے دیا گیا ہے۔

الغرض انوار صاحب نے متن روایت کو مکمل اس لئے نقل نہیں کیا کہ یہ ان کے خلاف تھا۔ کیونکہ پوری حدیث کو سامنے رکھا جائے تو بات صاف ہوجاتی ہے کہ سورج ڈھلتے ہی نماز جمعہ کو ادا کر لیا جاتا، جب صحابہ گھروں کو واپس جاتے تو سایہ نہ ہوتا تھا۔ یعنی مغرب کی طرف سورج اتنا ڈھلا ہوتا کہ تھوڑا سا سایہ ہوتا، اس کی اوٹ میں چلا نہ جاسکتا تھا۔ ظاہر ہے کہ یہ چیز حنفیہ کے خلاف ہے اور یہ تب ہی ممکن ہے جب اذان اور خطبہ کی ابتداء زوال سے قبل کی جائے۔

(۴) عن مالك بن ابی عامر انه قال كنت اری طنفسة لعقيل بن ابی طالب يوم الجمعة تطرح الی جدار المسجد الغربی فاذا غشی الطنفسة، كلها ظل الجدار خرج عمر بن الخطاب وصلی الجمعة قال ثم نرجع بعد صلاة الجمعة فنقيل قائلة الضحاء۔

(موطا امام مالك ص ۶)۔

حضرت مالک بن ابی عامر فرماتے ہیں کہ میں حضرت عقیل بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی چادر کو دیکھا کرتا تھا، جو مسجد کی مغربی دیوار پر ڈالی جاتی تھی، جب پوری چادر کو دیوار کا سایہ ڈھانپ لیتا تو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ تشریف لاتے اور جمعہ پڑھاتے مالک بن ابی عامر کہتے ہیں کہ پھر ہم جمعہ کے بعد لوٹتے اور دوپہر کا قیلولہ کرتے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۷۸۲)

الجواب: اولاً انوار صاحب کا اس اثر سے استدلال تو جیسا ویسا ہے وہ الگ رہا محترم نے ترجمہ

کرنے میں بھی فاش اغلاط کی ہیں، اری طنفسة لعقیل، کا معنی کیا ہے کہ میں حضرت عقیل کی چادر کو دیکھا کرتا تھا، انوار صاحب اس کا معنی ہے بساط له یعنی میں سیدنا عقیل کے لے بوریا بچھاتا تھا۔ (اوجز المسالک ص١٦ ج١)۔ اور، تطرح الی الجدار المسجد، کا معنی، مسجد کی دیوار پر ڈالی جاتی نہیں بلکہ اس کا معنی ہے، وانما کانت تطرح لیجلس علیها، دیوار کے ساتھ تا کہ عقیل ؓ اس پر بیٹھا کریں۔ (اوجز المسالک ص١٦ ج١) مزید تفصیل کے لیے علامہ ابن عبدالبر کی تالیف (الاستذکار ص٩١ ج١) اور علامہ باجی کی تصنیف (المنتقی ٣٦ ج١) کی مراجعت کریں، لہٰذا مؤلف حدیث اور حدیث کو ہمارا برادرانہ مشورہ ہے آپ کتاب لکھ کر کسی عالم کو دکھا لیا کریں تا کہ ایسی اغلاط رہ نہ جائیں، حرف الی بمعنی علی نہیں آتا، آپ کسی فاضل سے پہلے علوم مروجہ پڑھ لیں بعد میں کتب تصنیف کرنے کا شوق بھی پورا کر لینا، ہم تو فقیرانہ نصیحت ہی کر سکتے ہیں۔

ثانیا: فصل اول میں ہم زوال کے وقت نماز جمعہ پڑھانے کی روایت سیدنا عمر فاروق ؓ سے نقل کر آئے ہیں، اس روایت اور سابقہ روایت میں موافقت کی صورت بھی ممکن ہے کہ کبھی پہلے اور کبھی بعد میں پڑھ لیا کرتے تھے۔

ثالثا: فقط پڑھنے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ یہی وقت ہے۔ علمائے اہل حدیث کا متواتر عمل یہی ہے کہ نماز جمعہ زوال کے بعد ادا کرتے ہیں، تو کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ ہمارے نزدیک اس سے قبل جائز نہیں؟ لہٰذا جتنی دیر تک انوار صاحب کوئی صریح حدیث پیش نہ کریں ان کا مؤقف ثابت نہیں ہوتا۔

(۵) عن ابی القیس عمرو بن مروان عن ابیه قال کنا نجمع مع علی اذا زالت الشمس۔

(مصنف ابن ابی شیبه ١٠٨ ج٢)۔

حضرت ابو قیس عمرو بن مروان اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ ہم حضرت علی ؓ کے ساتھ جمعہ پڑھا کرتے تھے، جب کہ سورج ڈھل جاتا۔

(حدیث اور اهل حدیث ٧٨٢)

الجواب: ابو قیس عمرو بن مروان راوی مجہول الحال ہے کتب رجال کی مراجعت کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ اس نام کا کوئی راوی موجود نہیں اگر یہ ابو العنبس النخعی الکوفی ہے اور یہی معلوم ہوتا ہے، غالباً ابن ابی شیبہ میں کتاب کی غلطی ہے یا تصحیف سے ابو القیس لکھا گیا ہے، اگر یہ بات درست ہو تو تب روایت صحیح ہے، ابو العنبس عمرو بن مروان النخعی الکوفی کو، ذھبی نے (تاریخ الاسلام ص١١٨ ج۴) میں ابو حاتم نے، الجرو التعدیل ص٢٦١ ج٦) میں اور امام بخاری ؒ نے (تاریخ کبیر ص٣٧۵ [illegible]) میں ذکر کیا ہے، اور یہ ثقہ راوی ہے، مگر اس سے انوار صاحب کا دعویٰ ثابت نہیں ہوتا۔

(٦) عن سماك قال كان النعمان بن بشير يصلى الجمعة بعد ماتزول الشمس۔

(مصنف ابن ابی شیبه ۱۰۸ ج ۲)۔

حضرت سماک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سورج ڈھل جانے کے بعد جمعہ پڑھا کرتے تھے۔ (حدیث اور اہلِ حدیث ص ۷۸۳)

الجواب: مولانا ظفر احمد تھانوی صاحب نے صراحت کی ہے کہ سماک بن حرب راوی ہے۔ (اعلاء السنن ص ۶۲ ج ۸)۔ اور اس کا حافظہ آخری عمر میں بگڑ گیا تھا۔ لقمہ کو قبول کرلیتا تھا۔ (تقریب ص ۱۳۷)۔ اور یہ ثابت نہیں ہوسکا کہ مروی عنہ (حسن بن صالح) نے ان سے کب سماع کیا ہے۔ الغرض یہ روایت ضعیف ہے۔

(٧) عن الوليد بن العيزار قا ل ما رأيت اماما كان احسن صلاة الجمعة من عمرو بن حريث كان يصليها اذا زالت الشمس۔

(مصنف ابن ابی شیبه ص۱۰۹ ج ۲)۔

حضرت ولید بن عیزار فرماتے ہیں کہ میں نے جمعہ کی نماز بہترین طریقہ سے پڑھانے والا کوئی امام حضرت عمرو بن حریث رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر نہیں دیکھا، آپ جمعہ اس وقت پڑھتے جب سورج ڈھل جاتا، (حدیث اور اہل حدیث ص ۷۸۳)

الجواب: بلاشبہ یہ اثر سند کے لحاظ سے صحیح ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے (فتح الباری ص ۳۸۸ ج ۲) میں اور علامہ عینی نے، (عمدة القاری ص ۲۸۸ ج ۶) میں صراحت کی ہے۔ لیکن اس سے انوار صاحب کا دعویٰ ثابت نہیں ہوتا, جیسا کہ انوار صاحب کی دلیل نمبر ۴ کے جواب میں ہم نے عرض کردیا ہے۔ لہٰذا کوئی ایسی دلیل عنایت کریں جو زوال سے قبل کی نفی کرتی ہو۔ مگر تاحال انوار صاحب نے ایسی کوئی دلیل درج نہیں کی۔

(٨) عن الحسن قال وقت الجمعة عند زوال الشمس۔

(مصنف ابن ابی شیبه ۱۰۸ ج ۲)۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جمعہ کا وقت سورج ڈھلنے کے وقت ہے۔

(٩) عن ابراهيم قال وقت الجمعة الظهر۔

(مصنف ابن ابی شیبه ص۱۰۹ ج ۲)۔

حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جمعہ کا وقت وہی ہے جو ظہر کا وقت ہے۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۷۸۳)

الجواب: اولاً یہ دونوں تابعین کے اقوال ہیں۔ اور امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ جب کوئی قول

تابعین کا آتا ہے ہم اس سے مزاحمت کرتے ہیں۔ (الجواہر المضیہ ص ۲۵۰، مقدمہ انوار الباری ص ۴۵ ج ۱)۔

الغرض تابعین کے اقوال دین میں حجت نہیں۔

ثانیا: امام عطاء فرماتے ہیں عیدین اور جمعہ کا ایک ہی وقت۔

(مصنف عبد الرزاق ص ١٧٤ ج ٣)۔ فما كان جوابكم فهو جوابنا.

ثالثا: پہلی روایت تو سنداً صحیح ہے دوسری ضعیف ہے۔ ابراہیم نخعی سے روایت کرنے والے راوی ہشیم مدلس ہیں (طبقات المدلسین ۴۷) اور روایت بھی معنعن ہے۔

خلاصہ کلام: انوار صاحب کسی مرفوع حدیث سے یہ ثابت نہیں کر سکے کہ نماز جمعہ کا وقت زوال آفتاب کے بعد ہوتا ہے اور نماز ظہر جتنا رہتا ہے۔ آثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی یہ مسئلہ وہ ثابت نہیں کر سکے، ہاں یہ ثابت کیا کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سورج ڈھلنے پر نماز جمعہ ادا کرتے تھے۔ مگر یہ ان کے مؤقف کی ترجمانی نہیں کرتا۔

ایسے ہی آثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی ان کا استدلال غیر واضح اور ہمارے مخالف نہیں۔ کیونکہ ہم بھی زوال کے بعد ہی ادا کرتے ہیں۔ حدیث مرفوعہ اور آثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے زوال سے قبل ادا کرنے کا جواز ثابت ہوتا ہے۔ اور انوار صاحب ایڑی چوٹی کا زور لگانے کے باوجود اس کا رد نہیں کر سکے، ہاں صرف حسن بصری کا قول ذکر کیا ہے مگر تابعی کے قول سے مرفوع احادیث کا رد نہیں کیا جا سکتا، بالخصوص ان احادیث کے مطابق امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا فتویٰ بھی موجود ہے۔

ہماری تحقیق یہ ہے کہ گو زوال سے پہلے بھی جائز ہے، اور اگر کوئی ادا کرے تو اس پر اعتراض کرنا درست نہیں (جیسا کہ ہم نے فصل اول میں دلیل نمبر ۹ میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا عمل نقل کیا ہے)، لیکن نماز جمعہ چونکہ عبادت کا معاملہ ہے، اس لئے بہتر یہی ہے کہ احتیاطاً اسے زوال کے بعد ہی پڑھا جائے، لیکن اس میں تاخیر نہ کی جائے۔ زوال کے فورا بعد اذان دے کر مختصر خطبہ پڑھ کر نماز جمعہ ادا کر لی جائے۔ سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے ایک روایت اس سلسلہ میں مروی ہے۔ ابی زرین کہتے ہیں کہ ہم سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی اقتدا میں نماز جمعہ پڑھ کر باہر نکلتے تو کبھی سایہ دیکھ لیتے اور کبھی نہ دیکھتے۔ (مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث ۵۲۱۶)۔

سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے نماز جمعہ پڑھائی راوی کہتا ہے کہ میں نہ سمجھ سکا کہ سورج ڈھل چکا ہے یا نہیں (عبد الرزاق ص ۱۷۶ ج ۳)۔

الغرض زوال سے پہلے نہ پڑھا جائے مگر سورج ڈھل جانے پر تاخیر بھی نہ کی جائے یہ مؤقف اتحاد امت کے علاوہ سب کو اپیل بھی کرتا ہے۔ اور مرفوع احادیث کا بھی یہی تقاضا ہے۔

(٦٩) باب جمعہ کی پہلی اذان مسجد میں دینا جائز نہیں

فصل اول

(ا) عن السائب بن يزيد يقول ان الاذان يوم الجمعة كان اوله حين يجلس الامام يوم الجمعة على المنبر فى عهد رسول الله ﷺ و ابى بكر و عمر فلما كان فى خلافة عثمان و كثروا امر عثمان يو م الجمعة بالاذان الثالث فاذن به على الزوراء فثبت الامر على ذلك

(بخاری ص۱۲۵ ج۱، ابو داؤد ص۱۵۵ ج۱، نسائی ص۱۸٦ ج۱)

حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں جمعہ کی اذان اس وقت ہوتی تھی جب امام منبر پر بیٹھ جاتا تھا، پھر جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا دور خلافت آیا اور لوگ زیادہ ہوگئے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے تیسری اذان (جمعہ کی پہلی اذان) کا حکم دیا چنانچہ زوراء پر وہ اذان کہی گئی اور پھر یہ ایک مستقل سنت بن گئی (حدیث اور اہل حدیث ص۷۸٦)

اس حدیث میں وضاحت ہے کہ عہد رسالت میں اور سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں جمعہ کی اذان ایک ہی ہوتی تھی، جو امام کے سامنے دی جاتی تھی، اور وہ اس وقت کہی جاتی تھی جب امام خطبہ کے لیے منبر پر رونق افروز ہوتا تھا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں جب لوگ زیادہ ہو گئے تو آپ کے حکم سے ایک اذان اور دی جانے لگی۔

اذان عثمانی کہاں ہوتی تھی

انوار صاحب نے ترجمہ حدیث میں صرف یہ کہا ہے، زوراء پر وہ اذان کہی گئی، مگر یہ صراحت نہیں کی زوراء، کیا چیز تھی اور کہاں تھی، ہاں آگے چلکر کہا ہے، پہلے یہ اذان زوراء پر دی جاتی تھی بعد میں مسجد میں دی جانے لگی (ص۷۸۷)

زوراء کیا چیز تھی انوار صاحب نے اسے بیان کرنے کی زحمت نہیں کی،، ہاں یہ جھوٹ بول دیا کہ، بعد میں مسجد میں دی جانے لگی، تا کہ عوام یہ سمجھیں کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ ہی نے بعد میں مسجد میں اذان کہلانی شروع کرا دی تھی، اگر موصوف کا یہی باور کرانا تھا تو یہ قطعی طور پر غلط ہے، کیونکہ یہ بات کسی بھی دلیل سے ثابت نہیں، اور نہ ہی انوار صاحب نے کوئی دلیل درج کی ہے، اس کذب کے ساتھ انوار صاحب نے کم از کم یہ تسلیم کرلیا ہے کہ اذان مسجد سے باہر ہوتی تھی۔

مقام زوراء کی تحقیق:

امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **الزوراء موضع بالسوق بالمدینة۔**

یعنی زوراء مدینہ منورہ کے بازار میں ایک مقام کا نام ہے۔ (صحیح بخاری ص۱۲۴ ج۱)۔

سیدنا سائب بن یزید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

فلما کان عثمان وکثر الناس، زاد النداء الثالث علی دار فی السوق یقال لها الزوراء الحدیث۔

یعنی جب سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے اور لوگوں کی کثرت ہوگئی تو تیسری اذان زیادہ کردی گئی جو بازار میں ایک گھر پر ہوتی تھی جسے زوراء کہا جاتا تھا۔

سنن ابن ماجه کتاب اقام الصلوات باب ماجاء فی اذان یوم الجمعة الحدیث ۱۱۳۵۔

روایت کے یہ الفاظ امام طبرانی نے بھی، (المعجم الکبیر ص۱۴۵ ج۷، رقم الحدیث ٦٦٤٢)، میں نقل کیے ہیں، لیکن اس میں۔ زاد النداء الثالث، کی بجائے، فامر النداء الاول، کے الفاظ ہیں۔ مگر اس سے کوئی جوہری فرق نہیں پڑھتا کیونکہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے جو اذان کہلانی شروع کی تھی وہ ترتیب کے لحاظ سے پہلی اور تعدد کے لحاظ سے تیسری تھی، واضح رہے کہ اس حدیث میں تین اذانوں سے مراد ایک اقامت ہے۔ (عمدۃ القاری وفتح الباری)۔

اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ زوراء مسجد نبوی میں داخل کسی جگہ کا نام نہیں تھا بلکہ مدینہ طیبہ کے بازار میں ایک مکان کا نام تھا، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

قوله علی الزوراء بفتح الزای وسکون الواو و بعدها راء ممدودة وقوله قال ابو عبد الله هو المصنف وهذا فی روایة ابی ذرة وحده وما فسر به الزوراء هو المعتمد، وجزم ابن بطال بانه حجر کبیر عند باب المسجد وفیه نظر لمافی روایة ابن اسحاق عن الزهری عند ابن خزیمة وابن ماجة بلفظ زاد النداء الثالث علی دار فی السوق یقال له الزوراء وفی روایة عند الطبرانی فامر بالنداء الاول علی دار یقال لها الزوراء فکان یؤذن له علیها فاذا جلس علی المنبر اذن مؤذنه الاول فاذا نزل أقام الصلاة وفی روایة له من هذا الوجه فاذان بالزوراء قبل خروجه لیعلم الناس الجمعةقد حضرت ونحوه فی مرسل مکحول المتقدم وفی صحیح مسلم من حدیث انس ان نبی الله وأصحابه کانوا بالزورا والزوراء بالمدینة عند السوق، الحدیث۔ (فتح الباری ص۳۱۵ ج۲)۔

اس عبارت کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ زوراء مدینہ طیبہ کے بازار میں تھا، امام بخاری رحمہ اللہ نے جو

کہا ہے وہی درست ہے۔ ابن بطال کا اصرار ہے کہ زوراء ایک پتھر تھا جو مسجد نبوی کے دروازے کے قریب واقع تھا مگر ان کا یہ کہنا درست نہیں جیسا کہ ابن خزیمہ اور ابن ماجہ نے ان الفاظ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ تیسری اذان مدینہ کے بازار میں ایک مکان پر کہی جاتی تھی اسے زوراء کہا جاتا تھا۔ اور سیدنا عثمان کے لئے مؤذن اذان کہتا تھا جب وہ منبر پر بیٹھتے تھے، اور خطبہ کے بعد جب منبر سے اترتے تو اقامت کہتا تھا، اور اسی میں ہے کہ زوراء پر اذان سیدنا عثمان کے (گھر سے) نکلنے سے پہلے ہوتی تھی تاکہ لوگ جان لیں کہ جمعہ کا وقت ہوگیا ہے اور اسی طرح مکحول کی مرسل روایت میں ہے، اور صحیح مسلم میں سیدنا انس ؓ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ بمع اصحاب زوراء پر تھے اور زوراء مدینہ کے بازار کے پاس ہے۔ (فتح الباری باب الاذان یوم الجمعۃ)۔

معروف شیخ محمود محمد سبکی نے بھی ابو داؤد کی شرح میں، (المنہل العزب المورود ص ۲۴۵ ج ۲) میں یہی لکھا ہے، مولانا یوسف بنوری فرماتے ہیں کہ۔

ثم زاد عثمان أذانا خارج المسجد على الزوراء، یعنی پھر سیدنا عثمان ؓ نے ایک اذان زیادہ کی جو مسجد سے باہر مقام زوراء پر ہوتی تھی۔

(معارف السنن ص ۳۹۵ ج ٤)۔

الشیخ عطیہ سالم فرماتے ہیں۔

یہ بات ثابت ہے کہ سیدنا عثمان ؓ نے مسجد نبوی سے دور پڑنے والی آبادی کو جمعہ کے وقت اطلاع کے لئے مقام زوراء پر پہلی اذان کہلوانی شروع کردی تھی، رہی یہ بات کہ مقام زوراء کہاں اور مسجد نبوی سے کتنے فاصلے پر تھا، اس سلسلہ میں تاریخ مدینہ کے علماء کی تحقیق یہ ہے کہ زوراء دراصل ایک بازار کا نام ہے، دوسرا قول یہ بھی ہے کہ یہ مقام مدینہ کے بازار کی ایک اونچی گھاٹی پر احجار زیت کے قریب ہے، اور یہ بھی ہے یہ مقام حضرت مالک بن سنان ؓ کی قبر کے پاس واقع ہے، اور سوق عباء کے نزدیک پڑتا ہے۔ میری رائے میں مقام زوراء وہاں تھا جہاں اب باب المصری کے سامنے بازار میں مسجد فاطمہ واقع ہے بہرحال میرے نزدیک راجح یہی ہے کہ اذان عثمان اسی مقام پر کہی جاتی تھی، اور یہ سوق مدینہ کے وسط میں واقع ہے جو کہ مسجد نبوی سے تقریبا دوصد پچاس میٹر دور ہے۔ (تفسیر اضواء البیان ص ۲۳۲ ج ۸ ملخصا)۔

اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ مقام زوراء مسجد نبوی سے تقریبا اڑھائی صد میٹر دور تھا۔

اذان کیوں جاری ہوئی

حدیث میں وضاحت ہے کہ سیدنا عثمان ؓ کے عہد خلافت میں مدینہ کی آبادی زیادہ ہوگئی،

مذکورۃ الصدر حدیث کے الفاظ، **فلما کان فی خلافۃ عثمان و کثر وا**، اور عبد بن حمید کی روایت کے یہ الفاظ، **فلما تباعدت المنازل و کثر الناس۔** (بحوالہ عمدہ القاری ص۳۰۴ ج۶)۔

اس بات کی دلیل ہیں کہ مدینہ کے محلے دور دور تک پھیل گئے اور خطبہ جمعہ والی اذان ان کو سنائی نہیں دیتی تھی۔ اور لوگوں کے آتے آتے نماز جمعہ ختم ہوجاتی تھی، لوگوں کی اس مجبوری کے پیش نظر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اجتہاد کرکے اس سے پہلے اذان کی طرح ڈالی تھی۔

علامہ الشیخ محمود محمد خطاب فرماتے ہیں۔

فان الغرض الذی زاد عثمان الاذان لاجله وهو انه لما کثر الناس وانتشر المنازل کان من عند الزوراء لا یسمع الاذان الذی عند المسجد زاد، اذانا ثانیا (خارج المسجد) علی الزوراء لاسماعهم فاذا اجتمع الناس فی المسجد وجلس الخطیب علی المنبر اذان المؤذن ثانیا: خارج المسجد علی الباب او علی السطح کما کان فی زمن النبی ﷺ وابی بکر وعمر رضی اللہ عنہما وهذا الغرض الذی احدث الاذان الثانی من اجله فی زمن عثمان رضی اللہ عنہ لیس موجودا فی زماننا فاننا لم نری اذانا یفعل بعیدا عن المسجد،

(المنهل العزب المورود شرح سنن ابی داؤد ص٢٤٦ ج٦)۔

یعنی جس غرض کے لئے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ یہ مروجہ پہلی اذان کہلانی شروع کی تھی۔ وہ یہ تھی کہ ان کے عہد خلافت میں مدینہ کی آبادی میں خاصا اضافہ ہوگیا تھا۔ اور رہائشی مکانات دور دور تک پھیل گئے تھے۔ اور مسجد نبوی سے دور ہونے کی وجہ سے مقام زوراء سے آگے بسنے والوں کو خطبہ والی اذان سنائی نہیں دیتی تھی۔ اس لئے بامر مجبوری ان لوگوں کو جمعہ کے وقت سے آگاہ کرنے کے لئے مقام زوراء پر آپ نے اس اذان کو رواج دیا، چونکہ اب یہ غرض موجود نہیں اس لیے ہم اس کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔

علامہ احمد شاکر مصری فرماتے ہیں۔

لان المدینة لم یکن بها الا المسجد النبوی و کان الناس کلهم یجمعون فیه و کثر وا عن ان یسمعوا الاذان عبد باب المسجد فزاد عثمان الاذان الاول لیعلم من بالسوق ومن حوله حضور الصلاة۔

یعنی اذان عثمانی کا پس منظر یہ ہے کہ مدینہ میں اس دور میں مسجد نبوی کے علاوہ اور کوئی مسجد نہ تھی۔ اور تمام لوگ اسی میں جمعہ پڑھتے تھے۔ اور وہ اتنی زیادہ تعداد میں تھے کہ جمعہ کے خطبہ کے آغاز میں مسجد کے دروازے پر پڑھی جانے والی اذان سن نہ سکتے تھے، لہٰذا امیر المؤمنین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو مروجہ پہلی اذان اس لئے کہلانی پڑی، تاکہ بازار میں اور اس کے گرد ونواح میں رہنے والوں کو جمعہ کے

وقت کا علم ہو سکے۔

(حاشیه ترمذی ص٣٩٣ ج٢ بحواله مرعاة ص٤٩٢ ج٤)۔

اسی رائے کو محدث رحمانی نے بھی، مرعاۃ میں اختیار کیا ہے۔

اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک مقامی ہنگامی ضرورت کے تحت اس اذان کو رواج دیا تھا۔

سیدنا علی مرتضی رضی اللہ عنہ کا عمل

آپ بھی کوفہ میں اپنے دور خلافت میں صرف ایک ہی اذان کہلاتے تھے۔ جیسا کہ امام قرطبی نے صراحت کی ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن ص۸۸ ج۱۸)۔

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ کی رائے

امام نافع بیان کرتے ہیں کہ:

عن ابن عمر قال الاذان الاول یوم الجمعة بدعة،

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے تھے کہ جمعہ کی پہلی اذان بدعت ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ۱۴۰ ج ۲)۔

امام حسن بصری تابعی کی رائے

عن الحسن انه قال النداء الاول یوم الجمعة الذی یکون عند خروج الامام والذی قبل ذلك بدعة محدثة۔

امام حسن بصری فرماتے ہیں کہ اصل میں جمعہ کی پہلی اذان وہ ہے جو خطبہ کے شروع میں اس وقت کہی جاتی جب خطیب خطبہ کے لئے آجاتا ہے۔ اور جو اذان اس خطبہ والی اذان سے پہلے کہی جاتی ہے وہ ایک نئی چیز ہے۔ (مصنف ابن ابی ص شیبہ ۱۴۰ ج ۲)۔

امام زہری تابعی کی رائے

عن الزهری قال کان الاذان عند خروج الامام فاحدث امیر المؤمنین عثمان التاذینة الثالثة علی الزوراء لیجمع الناس۔

امام زہری سے روایت ہے کہ آپ فرماتے ہیں کہ پہلے پہل جمعہ کی اذان خطبہ کے شروع میں کہی جاتی تھی۔ جب خطیب خطبہ پڑھنے کے لئے آجاتا تھا، بعد میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو جمع کرنے

پہلی اذان کا کوئی وجود نہ تھا۔ نیز نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عہد میں بھی مؤذن ایک ہی ہوتا تھا، (الاجوبۃ النافعۃ ص۱۰)۔

اہل مغرب کا عمل: حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

وبلغني ان اهل المغرب الادني الأن لا تاذين عندهم سوى مرة۔

یعنی مجھے یہ خبر ملی ہے کہ اہل مغرب کے ہاں جمعہ کے دن صرف ایک ہی اذان کا دستور رائج ہے۔

(فتح الباری ۳۱۵ ج۲)۔

علامہ احمد شاکر مصری کی رائے

وحرصوا على ابقاء الاذان قبل خروج الامام وقد زالت الحاجة اليه لان المدينة لم يكن بها الا المسجد النبوى...... اما الان قد كثرت المساجد وبنيت فيها المنارات وصار الناس يعرفون وقت الصلاة باذان المؤدن على المنازة فانا نرى ان يكتفى بهذا الاذان وان يكون عند خروج الامام اتباعا للسنة۔

لوگ جمعہ کی مروجہ پہلی اذان کو بحال رکھنے پر حریص واقع ہوئے ہیں جب کہ اس کی ضرورت باقی نہیں رہی، کیونکہ جس دور میں یہ اذان شروع کی گئی تھی اس وقت مدینہ میں مسجد نبوی کے علاوہ کوئی دوسری مسجد (جمعہ) نہ تھی۔ مگر اب مساجد بکثرت موجود ہیں اور ان میں بلند و بالا منارات تعمیر ہو چکے ہیں۔ اور منارہ پر جب مؤذن اذان پڑھتا ہے تو لوگوں کو نماز کے وقت کا بآسانی پتہ چل جاتا ہے، لہذا ہماری رائے میں خالص سنت رسول کی پیروی کرتے ہوئے ایک ہی اذان پر اکتفا کیا جائے اور یہ اذان کہی جائے جب امام خطبہ کے لئے تشریف لے آئے۔

(حاشیہ ترمذی ۳۹۳ ج۲، بحوالہ مرعاۃ ص۴۹۲ ج۴)۔

علامہ محمود محمد خطاب السبکی کی رائے

هذا الغرض الذى احدث الاذان الثانى من اجله في زمن عثمان رضي الله عنه ليس موجودا فى زماننا فاننا لم نرى اذانا يفعل بعيدا عن المسجد فاذا يطلب الاقتصا و على اذان واحد فى الجمعة فى زماننا كما كان فى زمن النبى ﷺ وصاحبيه ابى بكر و عمر لعدم الغرض الذى احدث الاذان الثانى من اجله ومن لم يقتصر على اذان واحد فقد خالف سيدنا عثمان فضلا عن غيره وهذا معلوم لمن اطلع على ما هو مقرر فى كتب السنة۔

جس غرض کے لئے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اس اذان کی داغ بیل ڈالی تھی۔ وہ غرض اب ہمارے

زمانے میں ختم ہو چکی ہے، لہٰذا ہماری رائے میں مسجد سے دور اذان کی ضرورت نہیں، اس لئے اب اسی طرح ایک ہی اذان پر اکتفا کرنا چاہیے جس طرح رسول اللہ ﷺ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے عہد مبارک میں ایک ہی اذان دی جاتی ہے، کیونکہ اب پہلی اذان کی ضرورت نہیں رہی۔ لہٰذا اب جو ایک اذان پر اکتفا نہیں کرتا وہ رسول اللہ ﷺ اور سیدنا ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی بھی مخالفت کر رہا ہے۔ (المنهل العذب المورود ص٢٤٧ ج٦)۔

خلاصہ بحث

اس پوری تفصیل کو سامنے رکھا جائے تو حسب ذیل باتیں ثابت ہوتی ہیں۔

اولاً: نبی مکرم ﷺ کے عہد مبارک سے لے کر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے ابتدائی دور خلافت تک صرف ایک ہی اذان ہوتی تھی۔ اور وہ اس وقت دی جاتی تھی، جب امام خطبہ ارشاد فرمانے کے لئے منبر پر آ کر بیٹھ جاتا تھا۔

ثانیا: سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں مدینہ کی آبادی بکثرت ہونے کی وجہ سے مسجد نبوی کے باہر مقام زوراء پر ایک مزید اذان دی جانے لگی تاکہ زوراء سے پرے بسنے والے لوگ خطبہ جمعہ سے محروم نہ ہوں، بلفظ دیگر ایک مقامی و ہنگامی ضرورت تھی، امام عطاء بن ابی رباح نے کہا ہے کہ اذان سے مراد مشروع اذان نہیں بلکہ اعلان مراد ہے۔

ثالثا: بلاشبہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اذان کا اضافہ اپنے اجتہاد اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں کیا، مگر دور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور عہد تابعین میں اسے قبول عام حاصل نہ ہوا۔ جو کہ متوارث اور مسنون اذان کو حاصل تھا۔ ورنہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیدنا عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اپنے دور خلافت میں اسے نظر انداز نہ کرتے اور سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جیسے متبع سنت صحابی امام زہری اور حسن بصری جیسے جلیل القدر تابعی اس اذان کو بدعت و محدث کہنے کی ضرورت محسوس نہ کرتے۔

رابعاً: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تابعین عظام اور امام شافعی جیسے مجتہد ذیشان کی مذکورہ تنقیدات و تنقیحات سے قطع نظر یہ بات بھی بالکل واضح ہے کہ جس مقصد کے لئے یہ اذان جاری کی گئی تھی وہ اب اس ترقی یافتہ دور میں علت اور سبب متحقق نہیں رہا

علامہ البانی فرماتے ہیں

یہ ثابت ہو چکا ہے کہ امیر المومنین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے جمعہ کی اذان محض اس لئے جاری فرمائی تھی تاکہ لوگوں کو جمعہ کے وقت کا علم ہو جائے، مگر اب ہمارے زمانہ میں لاؤڈ سپیکر وغیرہ ایجاد ہو چکے ہیں لہٰذا جب محمدی اذان اس پر کہی جائے تو اس ایک اذان کے ساتھ وہ مقصد حاصل ہو جائے گا جس

کے حصول کے لئے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اذان کا اجراء فرمایا تھا، میرا گمان ہے اگر ان کے عہد خلافت میں اس آلہ کی ایجاد ہوتی اور وہ اسے جائز سمجھتے تو وہ صرف ایک اذان ہی پر اکتفا فرماتے۔ (مترجما الاجوبۃ النافعۃ ص ۱۲)۔

مولانا عبید اللہ رحمانی فرماتے۔

قلت اذا وقعت الیوم الحاجة الی النداء العثمانی فی بلد کما وقعت بالمدینة فی عهد عثمان رضی اللہ عنہ فلا باس بان یؤذن علی موضع مرتفع کا لمنار اوسطح البیت خارج المسجد قبل خروج الامام کما کان فی زمن عثمان رضی اللہ عنہ واما بغیر الحاجة وعند الضرورة فالاکتفاء بالاذان عند خروج الإمام هو المتعین عندی ، اما کون هذا الاذان امام الخطیب مواجهة قریبا عند المنبر فلیس فی شیی من السنة۔

میں کہتا ہوں کہ اگر آج بھی کسی شہر میں اذان عثمانی کی حاجت ہو جیسا کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں تھی، تو اسے کسی بلند جگہ یا منار یا کسی مکان کی چھت پر مسجد سے باہر دینے میں کوئی قباحت نہیں، امام کے آنے سے پہلے جیسا کہ عہد عثمانی میں ہوتا تھا۔ اور بغیر ضرورت وحاجت کے صرف ایک ہی اذان پر اکتفا کی جائے، اور وہ امام کے آنے پر دی جائے، یہی میرے نزدیک متعین ہے، اور اس اذان کا خطیب کے سامنے منبر کے قریب دینے پر سنت سے کوئی دلیل نہیں۔ (مرعاۃ المفاتیح ص ۴۹۲ ج ۴)۔

فصل دوم

انوار صاحب کا پہلا اعتراض

فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے بھی اس پر اعتراض نہیں کیا، چنانچہ یہ اذان باجماع صحابہ رائج ہوگئی، اور ہر زمانے میں اس پر عمل رہا، کسی امام اور کسی فقیہ و مجتہد نے اس سے اختلاف نہیں کیا، (حدیث اور اہل حدیث ص ۷۸۶)

یہ تمام قصہ محض افسانہ ہے کیا سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیدنا عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابہ کرام یا امام شافعی درجہ اجتہاد نہیں رکھتے تھے۔

دوسرا اعتراض

یہ سنت عثمانی ہے اور وہ بلا اختلاف خلیفہ راشد ہیں، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میری اور میرے خلفاء کی سنت کو لازم پکڑو، مفہوم (حدیث اور اہل حدیث ۷۸۶)

ہم ثابت کر آئے ہیں کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ اذان مسجد نبوی سے باہر مدینہ کے بازار میں مقام زوراء پر دلوائی تھی، اور آپ مسجد کے اندر کہتے ہیں۔ لہٰذا یہ سنت عثمانی نہیں بلکہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے حکم کی مخالفت ہے۔

تیسرا اعتراض

یہ اذان مسجد نبوی کے اندر دی جاتی ہے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۷۸۷)

خیر القرون میں یہ اذان مسجد نبوی کے باہر ہی ہوتی تھی، اور وہی اولیٰ ہے، رہی اس زمانے کی بات تو یہ وہی حرمین ہے جہاں سے محترم کے بزرگوں کے لئے مولوی احمد رضا خاں نے کفر کا فتویٰ حاصل کیا تھا۔ جو حسام الحرمین کے نام سے مارکیٹ سے دستیاب ہے اور اکابر دیوبند نے ان پر کفر وفسق وغیرہ کا فتویٰ صادر کیا تھا۔ تفصیل تحفہ حنفیہ ص ۴۶۴ ج ا میں عرض کردی گئی ہے۔ وہاں سے ایک نظر دیکھ لیں۔

پھر مولانا سرفراز خاں صفدر کا یہ بیان بھی ملاحظہ کریں۔ فرماتے ہیں کہ بے شک حرمین شریفین کی نصوص میں بڑی فضیلت اور رتبہ ثابت ہے۔ لیکن شرعی دلائل صرف چار (قرآن و سنت، اجماع اور قیاس) ہیں۔ اگر حرمین الشریفین میں اچھے کام ہوں تو نور علی نور، ورنہ ہرگز حجت نہیں، چنانچہ حضرت ملا علی القاری تحریر فرماتے ہیں۔

فی الحرمین الشریفین من شیوع الظلم وکثرة الجهل وقلة العلم وظهور المنکرات وفشوع البدع واکل الحرام والشبهات

(مرقات ص ۲۷۱ ج ۳)۔

حرمین شریفین میں ظلم شائع ہے، جہالت کثیر ہے، علم کم ہے، منکرات کا ظہور ہے بدعات رائج ہیں، حرام کھایا جاتا ہے۔ دینی شبہات بھی بکثرت ہیں۔ (راہ سنت ص ۱۶۷)۔

چوتھا اعتراض

جمعہ کی پہلی اذان جو خلیفہ راشد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حکم سے جاری ہوئی، جس پر تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اجماع کیا، جو چودہ صدیوں سے تمام ممالک اسلامیہ میں بلانکیر دی جا رہی ہے۔ جس سے کسی امام اور کسی فقیہ و مجتہد نے اختلاف نہیں کیا آج وہ اذان مسجد میں ہونے کی وجہ سے غیر مقلدین کے دور میں بدعت ہوگئی۔ (حدیث اور اہل حدیث ۷۸۹)۔

اولاً: اجماع صحابہ کرام رضی اللہ عنہم چودہ صدیوں کا تعامل اور کسی امام و فقیہ کا اختلاف نہ کرنا، یہ انوا صاحب کے تمام دعوے جھوٹے اور باطل ہیں، ہم اس کے برعکس اقوال صحابہ اور تعامل صحابہ پیش کر چکے

ہیں، تابعین عظام اور آئمہ کبائر کے فیصلے بھی نقل کئے جا چکے ہیں امام شافعی کا اس سے اختلاف بھی بیان ہو چکا ہے۔

ثانیا: ہم نے گزشتہ فصل میں علمائے اہل حدیث کی تحریرات بھی نقل کردی ہیں کہ اگر آج بھی ضرورت ہو تو اسے مسجد کے باہر کہلایا جاسکتا ہے۔ اختلاف اس میں ہے کہ آج بلاضرورت اور بازار کی بجائے مسجد میں کہنا بھی سنت عثمانی ہے کہ نہیں؟ محترم نے اس پر کوئی دلیل درج نہیں کی۔ ہم نے پوری کوشش کی ہے کہ انوار صاحب نے مکمل بحث کے دوران بین السطور ہی کوئی دلیل درج کی ہو۔ لیکن ہم بری طرح ناکام رہے، اور ہم آج بھی پوری ذمہ داری سے عرض کرتے ہیں کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ تو کجا کسی بھی صحابی کا یہ عمل دکھایا جائے کہ انہوں نے دو اذانیں دلوائی ہوں۔ اور دونوں ہی مسجد کے اندر ہوئی ہوں، مزید رعایت دیتے ہیں۔ کسی تابعی کا فتویٰ وعمل ہی دکھا دیں۔ بلکہ زمانہ خیر القرون سے اس کا وجود دکھا دیں۔ اگر آپ اس کا ثبوت دے دیں تو ہم قبول کرنے کو تیار ہیں۔ محض آپ کے باطل دعاوی سے مسئلہ حل نہیں ہوا کرتا۔ یہاں ثبوت چاہیئے پھر اسے بدعت کہنے والے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہیں۔ اس اذان کی مخالفت کرتے ہیں سیدنا علی رضی اللہ عنہما اور سیدنا عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور جلیل القدر تابعین کرام امام عطاء امام زہری امام حسن بصری اور محدث وفقیہی امام شافعی وغیرہ، وہ اجماع بھی کیسا اجماع ہے جس سے مذکورہ بزرگ ہستیوں کو اختلاف ہے۔ پھر فقہائے احناف نے صراحت کی ہے کہ مسجد میں اذان دینا مکروہ ہے۔

دیکھئے فتاویٰ قاضی خاں ص۳۷ ج۱ مطبوعة نولکشور، فتح القدیر ص۲۱۵ ج۱ وص۲۹ ج۲، مطبوعه مکتبه رشیدیه کوئٹه، بحر الرائق ص۲۵۵ ج۱ مطبوعه ایضاء وحاشیه طحطاوی علی مراقی الفلاح ص۱۰۷ مطبوعه نور محمد۔

پاک وہند کے حنفی فرقوں میں سے بریلوی مکتب فکر کا یہی نظریہ ہے، اور مولوی احمد رضا خاں نے اس پر مستقل رسائل تحریر کئے ہیں۔ (بزل المجہود ص۱۸۰ ج۲)، اور دیوبندی فرقے کے نزدیک بھی مسجد میں اذان دینا مکروہ تنزیہی اور خلاف اولیٰ ہے، جیسا کہ اشرف علی تھانوی اور مفتی رشید احمد نے صراحت کی ہے۔ (احسن الفتاوی ص۲۹۴ ج۲)۔

مزید تفصیل اگلے باب میں آرہی ہے۔

(۷۰) باب تقریر خطبہ جمعہ غیر عربی میں کرنا

فصل اول

(۱) عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یخطب قائما ثم یقعد ثم یقوم کما تفعلون الان۔

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ کھڑے ہو کر ارشاد فرمایا کرتے تھے۔ پھر بیٹھ جاتے پھر کھڑے ہوتے، جیسا کہ تم اب کرتے ہو۔

(بخاری کتاب الجمعة باب الخطبة قائما الحدیث، ۹۲۰، مسلم کتاب الجمعة باب ذکر الخطبتین قبل الصلاة وما فیها الحدیث ۱۹۹۴)۔

(۲) عن جابر بن سمرة قال کانت للنبی صلی اللہ علیہ وسلم خطبتان یجلس بینهمایقرأ القرآن ویذکر الناس۔

سیدنا جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دو خطبے ہوتے تھے۔ ان میں تلاوت قرآن کرتے اور لوگوں کو وعظ و نصیحت کرتے تھے، اور ان دونوں کے درمیان بیٹھتے تھے۔ (مسلم کتاب الجمعة باب سابق الحدیث ۱۹۹۵)۔

(۳) عن جابر بن سمرة السوائی قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لایطیل الموعظة یوم الجمعة انما هن کلمات یسیرات۔

سیدنا جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن وعظ لمبا نہ کرتے تھے صرف مختصر اور آسان کلمات کہتے تھے۔

(ابو داؤد کتاب الجمعة باب اقصار الخطب الحدیث ۱۱۰۷)۔

(۴) عن جابر بن عبد اللہ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا خطب احمرت عیناه وعلا صوته واشتد غضبه حتی کانه منذر جیش یقول صبحکم و مساکم ویقول بعثت انا والساعة کهاتین، ویقرن بین اصبعیه السبابة والوسطی، ویقول، اما بعد! فان خیر الحدیث کتاب اللہ وخیر الهدی هدی محمدوشر الامور محد ثاتها، وکل بدعة ضلالة ثم یقول انا اولی بکل مؤمن نفسه من ترك مالا فلا هله ومن ترك دینا او ضیاعا فالی وعلی۔

سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب خطبہ ارشاد فرماتے تو آپ کی آنکھیں سرخ ہوجاتیں اور آواز بلند ہوجاتی اور غصہ زیادہ ہوجاتا۔ گویا آپ ایک ایسے لشکر سے ڈرا رہے

ہیں جو صبح و شام میں حملہ آور ہونے والا ہے۔ اور فرماتے تھے کہ میں اور قیامت اسی طرح مبعوث کئے گئے ہیں اور اپنی شہادت کی انگلی اور درمیانی انگلی ملا کر بتاتے اور فرماتے ہیں کہ بہترین کلام اللہ کی کتاب ہے، اور بہترین سیرت محمد ﷺ کی ہے اور بدترین کام بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے، پھر فرماتے میں ہر مؤمن کو اس کی جان سے زیادہ محبوب ہوں پھر جو مؤمن مال چھوڑ جائے وہ اس کے گھر والوں کے لئے ہے اور جو قرض یا بچے چھوڑے ان کی پرورش میری طرف ہے اور ان کا خرچہ مجھ پر ہے۔

(صحیح مسلم کتاب الجمعة باب تخفیف الصلاة والخطبة، الحدیث ۲۰۰۵)۔

(۵) عن عدی بن ثابت قال کان النبی ﷺ قام علی المنبر استقبله اصحابه بو جوههم۔

سیدنا عدی بن ثابت اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی مکرم ﷺ جب خطبہ کے لیے منبر پر کھڑے ہوتے تو آپ صحابہ کرام کی طرف منہ کرتے تھے۔

(ابن ماجه کتاب اقامة الصلوات باب ما جاء فی استقبال الامام وهو یخطب، الحدیث ۱۱۳۶)۔

(۶) عن شعیب بن رزیق الطائفی قال جلست الی رجل له صحبة من رسول الله ﷺ یقال له الحکم بن حزن الکلفی فانشاء یحدثنا قال، وفدت الی رسول الله ﷺ سابع سبعة او تاسع تسعة، فدخلنا علیه، فقلنا یا رسول الله ﷺ زرناك فادع الله لنا بخیر فامربنا، او امرلنا، بشیء من التمر والشان اذ ذاك دون، فاقمنا، بها ایاما شهد نافیها الجمعة مع رسول الله ﷺ فقام متوکئا علی عصا، اوقوس، فحمد الله واثنی علیه کلمات خفیفات طیبات مبارکات ثم قال، ایها الناس انکم لن تطیقوا، اولن تفعلوا، کل امرتم به ولکن سددوا وأبشروا۔

امام شعیب بن زریق بیان کرتے ہیں کہ میں نے صحابی رسول سیدنا حکم بن حزن رضی اللہ عنہ کی مجلس کی تو انہوں نے حدیث بیان کی کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور ہم کل سات یا نو آدمی تھے، اور آپ سے کہا کہ ہم نے آپ کی زیارت کی ہماری بہتری کی دعاء کیجئے، آپ نے ہمیں کچھ کھجوریں دیں اور اس وقت مسلمانوں کی حالت تکلیف دہ تھی۔ پھر ہم چند ایام مدینے میں رہے اور جمعہ نبی مکرم ﷺ کے ساتھ پڑھا، آپ خطبہ میں عصا یا کمان پر ٹیک لگا کر کھڑے ہوئے اور اللہ جل جلالہ کی تعریف وثنا بیان کی چند کلمات سے جو نہایت ہلکے اور پاکیزہ اور مبارک تھے، پھر فرمایا کہ لوگو تم کو ہرگز طاقت نہیں میرے ہر حکم کو بجالانے کی، لیکن مضبوط رہو اور خوش خبری سناؤ۔

(ابو داؤد کتاب الصلوٰة باب الرجل یخطب علی قدس، الحدیث ۱۰۹۶)۔

قارئین کرام اس طرح کی متعدد احادیث مزید بھی پیش کی جاسکتی ہیں، ان احادیث پر غور کریں تو

ثابت ہوگا کہ امام منبر پر کھڑے ہوکر ہاتھ میں عصا لے کر عوام الناس کی طرف منہ کر کے خطاب کرے، جس میں لوگوں کو نصیحت کی جائے۔ خطاب مختصر اور جامع ہو، خطاب کی ابتداء اللہ کی حمد و ثناء سے کی جائے، دوران خطاب آواز کو بلند کیا جائے، اس قدر کہ آواز میں غصہ کے آثار ہوں چہرہ سرخ ہوجائے، اب یہ خطاب پنجابی، سندھی، اور پشتو بولنے والے ناخواندہ حضرات کو ایہا الناس، ایہا الناس، کہہ کر کیا جائے تو خطاب کا مقصد ہی فوت ہوجاتا ہے کیونکہ اس کا مقصد تو لوگوں کو نصیحت کرنا ہے۔ اب نصیحت تو اسی زبان میں ہوگئی جس کو سامعین جانتے ہیں۔

لہٰذا ثابت ہوا کہ سامعین جس زبان کو جانتے ہوں اس میں تقریر خطبہ کرنا عین شریعت کو مطلوب ہے، انوار صاحب نے جو اس پر تواتر کا دعویٰ کیا ہے وہ قطعی طور پر مردود ہے، انہوں نے خود فتاویٰ شامی ص ۱۴۷ ج ۲ سے امام ابوحنیفہ کا قول نقل کیا ہے کہ عربی زبان میں خطبہ دینا شرط نہیں۔

(حدیث اور اہل حدیث ۸۰۳)

انوار صاحب کا دعویٰ ہے کہ ابوحنیفہ تابعی ہے، جب تابعی کا فتویٰ موجود ہے تو تواتر کا دعویٰ فضول ہے، ظاہر ہے کہ فتویٰ ضرورت کے تحت دیا جاتا ہے۔

فصل دوم

(۱) عن السائب بن یزید کان بلال یؤذن اذا جلس رسول اللہ ﷺ علی المنبر یوم الجمعة فاذا نزل اقام ثم کان کذلك فی زمن ابی بکر و عمر رضی اللہ عنہما۔

(بخاری ص۱۵۷ ج۱ مسند احمد ص۴۴۱ ج۳)۔

حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جمعہ کے دن رسول اللہ ﷺ منبر پر تشریف فرماتے تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ اذان دیتے پھر حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے دور خلافت میں بھی اسی طرح ہوتا تھا۔

(۲) عن ابن عمر قال کان النبی ﷺ یخطب خطبتین کان یجلس اذا صعد المنبر حتی یفرغ اراہ المؤذن ثم یقوم فیخطب ثم یجلس فلا یتکلم ثم یقوم فیخطب۔

(ابو داؤد ص۱۵۶ ج۱)۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام دو خطبے دیتے تھے۔ جب آپ منبر پر چڑھتے تو بیٹھ جاتے، یہاں تک کہ مؤذن اذان سے فارغ ہوتا، پھر آپ کھڑے ہوتے اور (پہلا) خطبہ ارشاد فرماتے، پھر بیٹھ جاتے اور کوئی کلام نہ کرتے، پھر کھڑے ہوکر (دوسرا) خطبہ ارشاد فرماتے۔

(۳) عن ابن عمر قال کان النبی ﷺ یخطب قائما ثم یقعد ثم یقوم کما تفعلون الأن۔

(بخاری ص ۱۲۵ ج ۱، مسلم ص ۲۸۳ ج ۱)۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کھڑے ہوکر خطبہ ارشاد فرماتے، پھر بیٹھ جاتے پھر کھڑے ہوتے جیسا تم اب کرتے ہو۔

(۴) عن عبد اللہ قال کان النبی ﷺ یخطب خطبتین یقعد بینھما۔ (بخاری ص ۱۲۷ ج ۱)۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ دو خطبے دیتے تھے، اور دونوں کے درمیان بیٹھتے تھے۔

(۵) عن جابر بن سمرۃ قال کانت للنبی ﷺ خطبتان یجلس بینھما یقرأ القرآن ویذکر الناس۔

(مسلم ص ۲۸۳ ج ۱)۔

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دو خطبے ہوتے تھے۔ دونوں کے درمیان بیٹھتے تھے ان میں قرآن مجید پڑھتے اور لوگوں کو نصیحت فرماتے۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۷۹۰، ۷۹۱)

انوار صاحب فرماتے ہیں مذکورہ احادیث و آثار سے درج ذیل امور ثابت ہوئے۔

(۱) جب امام خطبہ جمعہ کے لئے آئے تو آکر پہلے منبر پر بیٹھے کیونکہ آنحضرت ﷺ جب خطبہ جمعہ کے لئے مسجد میں تشریف لاتے تو پہلے آپ منبر پر بیٹھتے تھے۔ جیسا کہ حدیث نمبر ۱، ۲ اور ۶ سے واضح ہے۔

(۲) جب امام منبر پر بیٹھ جائے تو مؤذن منبر کے پاس امام کے سامنے اذان دے کیونکہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ ایسے ہی کیا کرتے تھے۔ جیسا کہ حدیث نمبر ۱ سے ظاہر ہے اسی پر اجماع ہے۔ (۳) امام کو چاہئے کہ وہ منبر پر کھڑے ہوکر دو خطبے دے، (حدیث اور اہل حدیث ص ۷۹۴)

الجواب: اولاً دو خطبے کھڑے ہوکر دینے اور ان کے درمیان بیٹھنا اور آتے وقت بھی بیٹھنا ان احادیث سے ثابت شدہ مسائل ہیں۔ اور ہم بفضلہ تعالیٰ ان پر عمل کرتے ہیں۔ مگر آپ اس کے عملی طور پر منکر ہیں، کیونکہ حنفی آتے ہی وعظ شروع کر دیتے ہیں جو تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ جاری رہتا ہے۔ پھر مؤذن اذان کہتا ہے خطیب صاحب دادا جان کا خریدا ہوا خطبہ نکال لیتے ہیں، اس سے دیکھ کر عربی زبان میں خطبہ ہوتا ہے، حالانکہ مذکورہ احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ نبی مکرم ﷺ جب مسجد میں تشریف لاتے تو سیدھا منبر پر بیٹھ جاتے اور سیدنا بلال رضی اللہ عنہ اذان شروع کر دیتے گویا نبی مکرم ﷺ کے بیٹھنے اور اذان

بلال رضی اللہ عنہ کے درمیان وقفہ نہ ہوتا، انوار صاحب اپنی نقل کردہ احادیث میں سے پہلی کے الفاظ پر غور کریں، **کان بلال یؤذن اذا جلس**، یعنی بلال رضی اللہ عنہ اذان کہا کرتے تھے جب آپ منبر پر بیٹھ جاتے، اور بخاری ص ۱۲۵ ج ۱ کی روایت کے الفاظ ہیں، **حین جلس**، یعنی بیٹھتے ہی اذان ہوتی، اس معنی کے صحیح ہونے پر آپ کی نقل کردہ دوسری حدیث سے بھی تائید ہوتی ہے۔

کان یجلس اذا صعد المنبر حتی یفرغ اراہ المؤذن، جب آپ منبر پر چڑھتے تو بیٹھ جاتے حتی کہ مؤذن اذان سے فارغ ہوتا۔ حدیث اوراہل حدیث ص۷۹۱۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آتے ہی جو منبر پر بیٹھتے تھے اس کی مقدار اس قدر ہوتی کہ مؤذن اذان سے فارغ ہوجاتا، ملا علی القاری طیبی سے نقل کرتے ہیں۔

والمعنی کان رسول اللہ ﷺ یجلس علی المنبر مقدار ما یفرغ المؤذن من اذانہ۔

(مرقاۃ ۲۷۰ ج ۳)۔

ان احادیث سے ثابت ہوا کہ حنفی علماء کا عمل خلاف سنت ہے، کیونکہ یہ آتے ہی وعظ ونصیحت شروع کردیتے ہیں، جو سامعین کو تھکا دینے والی ہوتی ہے، جس میں اردو کے اشعار کے علاوہ دوسرے فرقے کو برا بھلا کہنے کے علاوہ حکومت وقت پر تنقید کے ساتھ ساتھ تھوڑے بہت دینی مسائل بھی بیان کیے جاتے ہیں۔ پھر مؤذن اذان کہتا ہے، حالانکہ آپ کی نقل کردہ حدیث نمبر ۵ سے ثابت ہو رہا ہے کہ وعظ ونصیحت حضور علیہ السلام خطبہ میں کرتے لیکن آپ خطبہ سے قبل کی جانے والی تقریر میں کرتے ہیں۔

ثانیاً: آپ نے جو ان احادیث سے نتیجہ نکالا ہے کہ اذان منبر کے پاس امام کے سامنے دی جائے،، شرم وحیا کو بالائے طاق رکھ کر یہ بھی کہہ دیا ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ ایسے ہی کرتے تھے۔

(حدیث اوراہل حدیث ص۷۹۴۔)

یہ سب آپ کا جھوٹ اور متن احادیث میں تحریف معنوی ہے۔ ہم قارئین کرام کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ انوار صاحب کی نقل کردہ احادیث کو بمع ان کے تراجم کے مکرر پڑھ لیں, کسی حدیث کا بھی یہ معنی ومفہوم نہیں کہ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ اذان منبر کے پاس کہتے تھے۔ بلکہ سیدنا سائب بن یزید رضی اللہ عنہ کی حدیث کے طرق کو اگر سامنے رکھا جائے تو ثابت ہوتا ہے کہ اذان مسجد کے دروازے پر ہوتی ہے۔ حدیث کے الفاظ ہیں۔

کان یؤذن بین یدی رسول اللہ ﷺ اذا جلس علی المنبر یوم الجمعۃ علی باب المسجد۔

یعنی اذان اس وقت کہی جاتی جب رسول اللہ ﷺ منبر پر بیٹھ جاتے اور اذان آپ کے سامنے مسجد

کے دروازے پر کہی جاتی (ابو داؤد ص ۱۵۵ ج ۱)۔

اذان کی تعریف ہی یہ ہے کہ نماز پڑھنے والے کو نماز کے وقت کا علم ہو جائے، ابو داؤد مع عون ص ۲۰۴ ج ۱ میں حدیث ہے کہ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ صبح کی اذان بنی نجار کی ایک عورت کے مکان کی چھت پر کہتے تھے۔ اس کی سند میں ابن اسحاق راوی مدلس ہے اور سماع کی صراحت نہیں جب کہ (سیرۃ ابن ہشام ص ۱۵۶ ج ۲) میں تحدیث کی صراحت ہے، یہی وجہ ہے کہ امام ابن دقیق العید نے اس روایت کو حسن قرار دیا ہے۔ (نصب الرایہ ص ۲۸۷ ج ۱)۔ اور ابن سعد نے (طبقات ص ۳۰۷ ج ۸) میں روایت کی ہے کہ ام زید بن ثابت رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میرا مکان مسجد نبوی کے آس پاس مکانات سے بلند تھا اس لئے سیدنا بلال رضی اللہ عنہ صبح کی اذان میرے مکان کی چھت پر کہتے تھے۔ پھر جب مسجد نبوی تعمیر ہوگئی تو اس کی چھت پر کوئی بلند چیز رکھ کر اذان کہنے لگے، (مگر اس کی سند میں واقدی کذاب ہے) ابو شیخ نے روایت کیا ہے کہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ سیدنا ام مکتوم رضی اللہ عنہ اذان چھت پر کہتے تھے۔ (بحوالہ نصب الرایہ ص ۲۹۳ ج ۱)۔ سند ضعیف ہے۔

اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ اذان کسی بلند جگہ پر کہی جائے، تاکہ لوگوں کو زیادہ سے زیادہ سنائی دے سکے، اب چونکہ آلہ لاؤڈ سپیکر ایجاد ہوگیا ہے اس لئے مسجد کے اندر بھی دینے سے گزارہ ہو جاتا ہے۔ لیکن یہ کہنا کہ سنت ہی یہ ہے کہ خطیب کے بالکل قریب منبر کے پاس اذان کہی جائے۔ بدترین جہالت ہے۔ خیر القرون میں اس کا قطعی طور پر وجود ثابت نہیں، الشیخ محمود محمد السبکی فرماتے ہیں۔

واما يفعل الان من وقوع الاذانين في مكان واحد او احدهما فوق المسجد والاخر داخل المسجد فليس موافقا لما كان عليه سيدنا عثمان ولا ما كان عليه النبي ﷺ وابو بكر و عمر رضي الله عنهما۔

یعنی اب جو دونوں اذانیں ایک ہی جگہ (مسجد کے اندر منبر کے نزدیک) دی جاتی ہیں یا ایک مسجد کی چھت پر اور دوسری چھت کے نیچے تو یہ نہ تو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے طرز عمل کے موافق ہے اور نہ ہی نبی اکرم ﷺ کی سنت اور سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ کے طرز عمل کے مطابق،

(المنهل العزب المورود ص ٢٤٦ ج ٦).

انوار صاحب اس پر اجماع امت کا دعویٰ کرتے ہیں اور نسل در نسل تعامل بھی کہتے ہیں پھر اس کا ثبوت دیتے ہوئے، (الاوسط للابن منذر ص ۵۹ ج ۴) سے عبارت بھی نقل کرتے ہیں، حالانکہ امام ابن منذر نے یہ بات قطعاً نہیں کہی جو انوار صاحب ان کی طرف منسوب کرتے ہیں، ہم اپنے قارئین کرام کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ حدیث اور اہل حدیث ص ۷۹۴ سے امام ابو بکر بن المنذر کی عبارت کو پڑھ لیں، اس میں صرف یہ ہے کہ امام جب منبر پر بیٹھے تو مؤذن اذان کہے، لیکن انوار صاحب اس کا یہ

مفہوم بیان کرتے ہیں کہ امام کے سامنے منبر کے پاس اذان دے، لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم، محترم آپ حنفیت کی وکالت ضرور کریں مگر جھوٹ بولنا چھوڑ دیں اس پر اجماع کا دعویٰ قطعی طور پر کذب ہے۔

امام ابن عبد البر نے امام مالک بن انس رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے امام کے پاس اذان دینا ایک نیا رواج ہے، امام ابن الحاج مالکی فرماتے ہیں بدعت ہے۔ (بحوالہ عون المعبود ص ۴۲۴ ج ۱)۔ رہا آپ کا علامہ شرنبلالی سے نقل کرنا اذان امام کے سامنے ہو۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۷۹۵)

تو یہ آپ کے لئے مفید نہیں، بین یدیہ، امام کے سامنے، سے منبر کے قریب ہونا لازم نہیں آتا، یہ آپ کی زیادتی ہے مزید برآں شرنبلالی حنفی ہیں ان کا قول ہم پر حجت نہیں، کسی مسلمہ امام کا قول پیش کیجئے۔

(۶) عن ابی وائل خطبنا عمار فاوجز وابلغ فلما نزل قلنا یا ابا الیقظان لقد ابلغت و اوجزت فلو کنت تنفست فقال انی سمعت رسول اللہ ﷺ یقول ان طول صلاة الرجل وقصر خطبته مئنة من فقهة فاطیلوا الصلاة واقصروا الخطبة وان من البیان سحرا۔

(مسلم ص ٢٨٦ ج ١)۔

حضرت ابو وائل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے ہمیں خطبہ دیا تو بہت مختصر اور انتہائی بلیغ خطبہ دیا، جب وہ منبر سے اترے تو ہم نے کہا اے ابو الیقظان آپ نے نہایت بلیغ اور مختصر خطبہ دیا ہے اگر آپ اسے ذرا طویل کرتے تو بہت اچھا ہوتا، حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ آدمی کا نماز کو لمبا کرنا اور خطبہ کو مختصر کرنا اس کے سمجھ دار ہونے کی نشانی ہے۔ سو تم نماز کو لمبا کیا کرو اور خطبہ کو مختصر اور بعض بیان جادو ہوتے ہیں۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۷۹۲)

الجواب: اولاً بلاشبہ نبی مکرم ﷺ خطبہ جمعہ مختصر دیتے تھے۔ مگر اس کا یہ معنی نہیں کہ نماز کی نسبت خطبہ جمعہ مختصر ہو بلکہ عام وعظوں کی نسبت مختصر ہو اور مذکورہ حدیث میں خطبہ جمعہ کی قید قطعاً نہیں۔ صرف، خطبنا، کے الفاظ ہیں جو بمعنی خطاب آتے ہیں اور اس میں جمعہ کا لفظ شامل کرنا انوار صاحب کی زیادتی ہے۔

ثانیاً: رہا انوار صاحب کا یہ دعویٰ کہ آنحضرت ﷺ نے حکم دیا ہے کہ خطبہ مختصر کرو اور نماز کو دراز کرو، اس لحاظ سے اگر تقریر کو خطبہ قرار دیا جائے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کھلی مخالفت لازم آئے گی۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۸۰۰)

غلط ہے کیونکہ حدیث میں نماز جمعہ سے خطبہ مختصر کرنے کا حکم نہیں، اگر ہے تو انوار صاحب اس لفظ

پر انگلی رکھیں، بلکہ حدیث میں عموم ہے، جو ہر خطاب کو شامل ہے، حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ وعظ و نصیحت کا خطاب مختصر کرنا اور نماز طویل ادا کرنا خطیب کے فقیہ ہونے کی دلیل ہے۔ اگر اس کا یہ مفہوم لیا جائے جو انوار صاحب بیان کرتے ہیں، تو یہ سب کے خلاف ہے۔ کیونکہ نماز جمعہ دو رکعت ہے جو عموماً پانچ منٹ دس منٹ میں ختم ہو جاتی ہے۔ جب کہ حنفی عربی میں جو خطبہ پڑھتے ہیں۔ وہ تقریباً پندرہ بیس منٹ بنتے ہیں، اس قدر وقت تو وضو کرتے کرتے گزر جاتا ہے، پھر حدیث میں آتا ہے کہ آنے والا خطبہ کے دوران ہی ہلکی سی دو رکعت نماز پڑھے، (جیسا کہ آگے آتا ہے)۔ تو اس حکم کی تعمیل بھی مشکل ہے، پھر انوار صاحب نے خود احادیث نقل کی ہیں کہ خطبہ کے درمیان بیٹھنا نبی مکرم ﷺ سے ثابت ہے۔ اگر خطبہ مختصر پانچ دس منٹ کا مراد لیا جائے تو آرام کے لئے بیٹھنے کی کوئی وجہ نہیں، حالانکہ احادیث میں بیٹھنے کی وجہ راحت بیان ہوئی ہے۔

سیدنا بریدہ بن حصیب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی مکرم ﷺ جب خطبہ پڑھتے تو دیر تک کھڑے رہتے اور اس سے مشقت پاتے، الحدیث (السنن دارمی ص۲۹ ج ۱ رقم الحدیث ۳۲)۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی مکرم ﷺ کھجور کے تنے کے ساتھ ٹیک لگا کر خطبہ ارشاد فرماتے تھے۔ فرمایا مجھ پر کھڑا ہونا (دیر تک) مشکل ہو گیا ہے

الحدیث (طبقات ابن سعد بحوالہ فتح الباری ص ۳۱۸ ج ۲)۔

اگر خطبہ جمعہ دو رکعت نماز سے بھی مختصر ہونا۔ مطلوب شرعی ہے تو مشقت کے چہ معنی؟ کیا نبی مکرم ﷺ اتنی دیر کھڑے ہونے سے بھی مشقت پاتے تھے۔

حالانکہ آپ علیہ الصلوۃ والسلام کی صحت نہایت اچھی تھی، بڑھاپے کے آثار بھی صحیح طرح سے نمودار نہیں ہوئے تھے۔ وفات کے وقت داڑھی اقدس اور سر مبارک میں بیس بال بھی سفید نہ تھے۔ (بخاری رقم الحدیث ۳۵۴۷، ۳۵۴۸)۔

سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ۔

كان رسول الله ﷺ اذا خطب (اى خطبة الجمعة كما فى رواية الاخرىٰ فى صحيح مسلم ۲۸۵ ج۱)۔ احمرت عيناه وعلا صوته، واشتد غضبه۔

رسول اللہ ﷺ جب خطبہ جمعہ ارشاد فرماتے تو آپ علیہ السلام کی آنکھیں سرخ ہو جاتیں اور آواز بلند ہو جاتی اور غصہ زیادہ ہو جاتا۔ الحدیث (مسلم ص ۲۸۴ ج ۱)۔

ظاہر ہے کہ ایسا جوش آٹھ دس منٹ میں پیدا ہونا ممکن نہیں۔ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جسے مسجد میں جمعہ کے دن نیند آئے وہ اپنی جگہ بدل لے۔

(ترمذی رقم الحدیث ۵۲۶، ابو داؤد رقم الحدیث ۱۱۱۹)۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جسے خطبہ جمعہ میں نیند آئے وہ اپنی جگہ بدل لے۔ (کتاب الام ص۳۴۰ ج۱، بیہقی ص۲۳۷ ج۳)۔ سند صحیح ہے۔

سیدنا سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کسی کو جمعہ میں نیند آئے تو وہ اپنی جگہ بدل لے۔ (طبرانی کبیر رقم الحدیث ۶۹۵۶، ۷۰۰۳، ۷۰۰۴ ج۷)۔

ظاہر ہے کہ اگر خطبہ ہی اتنی مقدار میں ہو جو دو رکعت نماز سے بھی مختصر ہو تو نیند آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ بلکہ ثابت ہوا کہ خطبہ جمعہ کو کچھ طول دیا جائے۔

الغرض خطبہ کے مختصر ہونے کا یہ معنی لینا کہ خطبہ نماز جمعہ سے چھوٹا ہو، کسی صورت صحیح نہیں ہے۔

سیدنا جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا میں نمازیں پڑھی ہیں آپ کی نماز اور خطبہ (جمعہ) درمیانے درجے کا ہوتا تھا۔

(صحیح مسلم کتاب الجمعة باب تخفیف الصلاة والخطبة، الحدیث ۲۰۰۳، ۲۰۰٤)۔

(۷)عن ابن شهاب قال بلغنا ان رسول الله صلی الله علیه وسلم كان يبداء فيجلس على المنبر فاذا سكت المؤذن قام فخطب الاولى ثم جلس شيئا يسيرا ثم قام فخطب الخطبة الثانية حتى اذا قضاها استغفر الله ثم نزل فصلى قال ابن شهاب وكان اذا قام اخذ عصا فتوكا عليها وهو قائم على المنبر ثم كان ابو بكر الصديق وعمر وعثمان يفعلون ذالك۔

(مراسیل ابی داؤد مع سنن ابی داؤد ص۷)۔

حضرت ابن شہاب زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابتداً منبر پر تشریف فرماتے، پھر جب مؤذن اذان دے کر خاموش ہو جاتا تو کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرماتے یہاں تک کہ جب خطبہ پورا فرما لیتے تو استغفر اللہ کہتے پہلا خطبہ ارشاد فرماتے پھر تھوڑی دیر کے لیے بیٹھ جاتے پھر کھڑے ہو کر دوسرا خطبہ ارشاد فرماتے یہاں تک کہ جب خطبہ پور فرما لیتے تو استغفر اللہ کہتے، نیچے تشریف لا کر نماز پڑھاتے، حضرت ابن شہاب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب آپ کھڑے ہوتے تو لاٹھی پکڑ کر اس پر ٹیک لگاتے، اس حال میں کہ آپ منبر پر کھڑے ہوتے، پھر حضرت ابو بکر حضرت عمر حضرت عثمان رضی اللہ عنہم بھی اسی طرح کرتے تھے۔ (حدیث اور اہل حدیث ۷۹۳)

الجواب: اولا انوار صاحب نے اس باب میں دو مسئلے ثابت کرنے کی سرخی قائم کی ہے، الف، اذان منبر کے پاس ہو، ب خطبہ عربی زبان میں ہو، مگر پورے باب میں صراحت نہیں کہ اس روایت سے یہ مسائل کسی طرح ثابت ہوتے ہیں۔

فقاہت کا راگ الاپنے والوں کے شیر بہادر نے صرف اتنا ہی اشارہ کیا ہے کہ اس روایت سے دو خطبوں کے درمیان تھوڑی دیر بیٹھا جائے۔ ۷۹۵)۔

لیکن یہ ہمارے خلاف نہیں ہم بھی بفضلہ تعالیٰ بیٹھتے ہیں، اور اسے مسنون جانتے ہیں۔ اور خود انوار صاحب نے بھی اس پر سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ اور سیدنا جابر بن سمرۃ رضی اللہ عنہ سے مرفوع احادیث نقل کی ہیں جیسا کہ نمبر ۲، ۳، ۴، ۵، میں تفصیل گزر چکی ہے۔ اور سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے (ابن ابی شیبہ طبرانی کبیرو الاوسط کذافی) مجمع الزوائد ص١٨٧ ج٢، اور مسند احمد ص٢٥٦ ج١) میں مروی ہے، اور سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے، (بیہقی ص١٩٨ ج٣) میں صحیح اسناد سے مروی ہے۔ (راجع ارواء الغلیل ص٧١ ج٣)۔

اگر انوار صاحب کو اس مسئلہ پر زیادہ دلائل جمع کرنے کا شوق تھا تو مذکورہ روایات کو بھی نقل کردیتے ابن شہاب کی مرسل (ضعیف) کی ضرورت ہی کیا تھی۔

ثانیاً: اس حدیث سے ثابت ہوا کہ نبی مکرم ﷺ خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے عصاء پر ٹیک لگایا کرتے تھے۔

اس مرسل روایت کے علاوہ یہ چیز سیدنا حکم بن حزن رضی اللہ عنہ بھی بیان کرتے ہیں جیسا کہ ابو داؤد (۱۰۹۶)۔ میں حسن سند سے مروی ہے، اور ان کے طریق سے امام بیہقی نے، (السنن الکبریٰ ص۲۰۶ ج۳) میں اور امام احمد نے، (مسند ص۲۱۶ ج۴) میں روایت کیا ہے۔ بلکہ امام احمد نے صحیح سند کے ساتھ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے بھی مرفوعاً نقل کیا ہے (مسند احمد ص۳۱۴ ج۳)۔

لیکن کتنے ستم کی بات ہے، کہ دوران خطبہ عصاء پر ٹیک لگانے کو حنفی مکروہ کہتے ہیں۔

(خلاصہ بحوالہ درمختار مع شامی ص۱۶۳ ج۳)۔

مفتی رشید احمد دیوبندی فرماتے ہیں، مکروہ و بدعت ہے۔ (احسن الفتاویٰ ص۱۵۲ ج۴)۔

مولانا تھانوی کی ایک عبارت سے معناً اس کا مکروہ ہونا ثابت ہے۔ (بہشتی زیور ص۸۳۸ مطبوعہ مکتبۃ العلم لاہور۔

مولوی احمد رضا لکھتا ہے اس کا ترک بہتر ہے (فتاویٰ رضویہ ص۳۰۳ ج۸ جدید ص۶۸۴ ج۳ قدیم)۔

ثالثاً: بوجہ مرسل یہ روایت ضعیف ہے۔ (مقدمہ کتاب کی مراجعت کریں)۔

(۸) عن عمر بن الخطاب انه قال انما جعلت الخطبة مكان الركعتين ، الحديث۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص١٢٨ ج٢، مصنف عبد الرزاق ص٢٣٧ ج٣)۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ (جمعہ کا) خطبہ دو رکعتوں کی جگہ رکھا گیا ہے۔

(۹) عن سعيد بن جبير قال كانت الجمعة اربعا فحطت للخطبة۔

(المدونة الكبرىٰ ص١٥٧ ج١)۔

حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جمعہ کی چار رکعتیں تھیں، دو خطبہ کی وجہ سے کم ہوگئی۔

(حدیث اور اہل حدیث ص۷۹۳)

الجواب: اولاً شرائط جمعہ کی بحث میں ہم وضاحت کر آئے ہیں کہ یہ دونوں روایات سنداً ضعیف و منقطع ہیں۔ راجع۔

ثانیاً: کسی چیز کا دوسری چیز کے قائم مقام ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ ہر طرح اس کے حکم میں ہے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔

نماز دو دو رکعت فرض ہوئی تھی، سوائے مغرب کے، وہ تین رکعت فرض ہوئی تھی، اور نبی مکرم ﷺ جب سفر کرتے تو اول فرض کی گئی نماز دو دو رکعت ہی ادا کرتے سوائے مغرب کی نماز کے، اور جب حالت قیام میں ہوتے تو مغرب کی تین رکعت ادا کرتے کیونکہ یہ وتر ہے اور بقایا کے ساتھ دو دو رکعت ملاتے (یعنی چار رکعت پڑھتے) لیکن صبح کی نماز دو رکعت ہی ادا فرماتے، لانه يطول فيها القرأة، کیونکہ اس میں قرأت طویل ہوتی ہے۔ (مسند احمد ص۲۶۵ ج۶)۔

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ: سفر و حضر کی نماز دو رکعت فرض کی گئی تھی۔ جب رسول اللہ ﷺ نے مدینہ میں ہجرت کی تو حضر میں دو رکعت کا اضافہ کر دیا گیا اور فجر کو دو رکعت ہی رہنے دیا گیا، کیونکہ اس میں قرأت طویل ہوتی ہے، اور مغرب دن کے وتر ہیں (اس لئے تین رکعت ہی رہیں)۔ (ابن خزیمہ رقم الحدیث ۹۴۴ وابن حبان رقم الحدیث ۲۷۷۷)۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے، (فتح الباری ص۳۶۹ ج۱) میں اس روایت پر سکوت کیا ہے۔ اور جس روایت پر حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح میں سکوت کریں وہ روایت اکابر دیو بند کے نزدیک کم از کم حسن ہوتی ہے

(درس ترمذی ص٧٤ ج١ وقداعد فی علوم الحدیث ص٨٩ ومعارف السنن ص١٦٧، ٣٨٥، ٤٨٢ ج١)۔

اس حدیث پر غور کریں، اس میں لمبی قرأت کو دو رکعت کے قائم مقام قرار دیا ہے، حالانکہ فجر میں لمبی قرأت کسی کے نزدیک بھی فرض نہیں، خود نبی مکرم ﷺ سے صبح کی نماز میں آخری دو سورتوں کی قرأت ثابت ہے۔

ٹھیک اس طرح خطبہ کو سمجھ لیں کہ ہر حکم میں نماز کے قائم مقام نہیں۔ مثلاً انوار صاحب نے خود لکھا ہے کہ طہارت، خطبہ میں سنت ہے، ص۷۹۷) حالانکہ نماز میں طہارت شرط ہے اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی، جب کہ خطبہ میں شرط نہیں بلکہ احناف کے نزدیک حالت جنابت میں بھی خطبہ پڑھا تو خطبہ بہر حال ہوجائے گا۔ (حلبی کبیر ص۵۵۶ وفتاویٰ شامی ص۱۵۰ ج۲)۔

اسی طرح نماز میں قبلہ رخ منہ کرنا شرط ہے مگر خطبہ میں سامعین کی طرف منہ کرنا یعنی قبلہ کی طرف پشت کرنے کو خود انوار صاحب نے آداب خطبہ اور سنن خطبہ سے قرار دیا ہے۔ اسی طرح نماز میں اصل

اخفی ہے جب کہ خطبہ میں جہر انوار صاحب نے بھی سنت کہا ہے۔ ص۷۹۔

خطبہ کی ابتداء حمد باری تعالیٰ سے ہوتی ہے۔ جب کہ نماز کی تکبیر سے، خطبہ پورے کا پورا کھڑے ہو کر دینا انوار صاحب نے بھی سنت قرار دیا ہے۔ جب کہ نماز اس کے برعکس ہے۔ اس میں جھکنا اور سجدہ کرنا فرض ہے، نماز میں قرأت بالاتفاق فرض ہے جب کہ خطبہ میں نہیں۔ آخری تشہد تو احناف کے نزدیک بھی فرض ہے، مگر خطبہ میں تشہد پڑھنا فرض تو کجا سنت بھی نہیں، نماز میں ہاتھ باندھنا احناف کے نزدیک سنت ہے جب کہ خطبہ میں ہاتھوں کا باندھنا بقول مفتی رشید احمد صاحب بدعت ہے۔ (احسن الفتاویٰ ص۱۳۳ ج۴)۔

الغرض خطبہ تمام صورتوں میں دو رکعت کے قائم مقام نہیں، زیادہ سے زیادہ اس کا مطلب یہ ہے کہ خطبہ ثواب کے لحاظ سے دو رکعت نماز کے قائم مقام ہے، اگر ہر لحاظ سے خطبہ کو دو رکعت کے قائم مقام قرار دیا جائے تو لازم آئے گا کہ جس کا خطبہ رہ جائے اس کا جمعہ نہیں ہوا۔ حالانکہ دیوبندیوں کے نزدیک تشہد میں بھی نمازی ملے تو ظہر کی بجائے جمعہ ہی ادا کرے۔

(مراقی الفلاح ص۲۸۱ وخیر الفتاویٰ ص۷٦ ج۳)۔

صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ نماز تسبیح وتکبیر اور قرأت قرآن ہے۔ (ص۲۰۳ ج۱)۔

جب کہ خطبہ یہ ہے کہ:

- یقرأ القرآن ویذکر الناس، یعنی قرآن پڑھتے اور لوگوں کو نصیحت کرتے۔ (مسلم ۲۸۳ ج۱)۔ گویا خطبہ یہ ہے کہ قرآن پڑھ کر لوگوں کو نصیحت کی جائے، حالانکہ نماز میں بالاتفاق لوگوں کو نصیحت کرنا جائز نہیں، اور قرأت قرآن بھی بہ نیت وعظ نہیں ہوتی، اور نیت سے حکم شرعی کا بدل جانا احناف کو مسلم ہے۔ یہ حالت جنابت میں قرأت قرآن کے قائل نہیں۔ جب کہ دعا کی نیت سے جواز کے قائل ہیں۔

الغرض انوار صاحب کا ان آثار سے جہاں استدلال باطل ہے وہاں ہی ان کے مخالف بھی ہے اور سند کے لحاظ سے یہ روایات ضعیف بھی ہیں۔

پہلی وجہ: انوار صاحب فرماتے ہیں۔

جمعہ کے دونوں خطبے عربی زبان میں ہونے چاہئیں، عربی کے علاوہ کسی زبان میں خطبہ پڑھنا مکروہ تحریمی ہے اس کی بہت سی وجوہات ہیں، پہلی وجہ یہ ہے کہ خطبہ کی اصلی حقیقت ذکر اللہ، ہے قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے خطبہ کو ذکر اللہ ہی سے تعبیر فرمایا ہے۔ ارشاد ہے،

اذا نودی للصلوٰۃ من یوم الجمعۃ فاسعوا الی ذکر اللہ۔

جب اذان ہو نماز کی جمعہ کے دن تو دوڑو اللہ کی یاد کو۔

عام مفسرین کا کہنا ہے کہ اس آیت مبارکہ میں ذکر اللہ سے مراد خطبہ جمعہ ہے، ایسے ہی آنحضرت ﷺ نے بھی خطبہ جمعہ کو ذکر اللہ سے تعبیر فرماتے ہیں۔

اذا کان یو م الجمعة وقفت الملائکة علی باب المسجد یکتبون الاول فالاول ومثل المهجر کمثل الذی یهدی بدنة ثم کالذی یهدی بقرة ثم کبشا ثم دجاجة، ثم بیضة فاذا خرج الامام طو اوصحفهم ویستمعون الذکر۔ (بخاری ص۱۲۷ ج۱ مسلم ص۲۸۲ ج۱)۔

جب جمعہ کا دن ہوتا ہے تو فرشتے مسجد کے دروازے پر کھڑے ہوجاتے ہیں اور شروع میں آنے والے کی مثال اس شخص کی سی ہے جو اللہ کے حضور میں اونٹ کی قربانی پیش کرتا ہے پھر اس کے بعد دو نمبر پر آنے والے کی مثال اس شخص کی سی ہے جو گائے پیش کرنے والے کی، پھر اس کے بعد انڈا پیش کرنے والے کی، پھر جب امام خطبہ کے لئے منبر کی طرف آتا ہے تو فرشتے اپنے لکھنے والے دفتر لپیٹ لیتے ہیں، اور ذکر سننے میں شریک ہوجاتے ہیں۔

(حدیث اوراہل حدیث ص۷۹۶،۷۹۷)

الجواب: اولا قرآن مجید میں اللہ کا کلام، اذا نودی للخطبة (یعنی جب خطبہ کے لئے اذان دی جائے)۔ نہیں بلکہ اذا نودی للصلاۃ (یعنی جب نماز کے لئے اذان دی جائے) تو صلاۃ بمعنی خطبہ نہیں بلکہ نماز آتا ہے، لہٰذا اس آیت میں نماز ہی مراد ہے، خطبہ قطعاً نہیں۔

ثانیا: حدیث کے الفاظ یہدی، کا معنی قربانی نہیں بلکہ صدقہ ہے (فتح الباری ص۲۹۳ ج۲ وعمدۃ القاری ص۲۴۸ ج۶)۔

اگر اس کا معنی قربانی کیا جائے جیسا کہ انوار صاحب نے کیا ہے تو لازم آئے گا کہ مرغی اور انڈے کی قربانی بھی جائز ہے۔

ثالثاً: انوار صاحب نے ،المہجر، کا معنی اول وقت دوپہر میں آنے والے ،کیا ہے، اگر ان کا یہ مقصود ہے کہ جمعہ کے اول وقت پر آنے والے کے لئے یہ اجر وثواب ہے، تو قطعی طور پر یہ مفہوم باطل ہے۔ علامہ عینی فرماتے ہیں، **لاشئی من الفضیلة لمن جاء بعد بعد الزوال**، اسے کوئی فضیلت حاصل نہ ہوگی، جو زوال آفتاب کے بعد آیا ہے (عمدہ القاری ص۲۴۷ ج۶)۔

رابعاً: انوار صاحب نے، **یستمعون الذکر**، کا معنی کیا ہے ذکر سننے میں شریک ہو جاتے ہیں، پھر ذکر سے مراد خطبہ لیا ہے, حالانکہ حدیث کا معنی ہے کہ **مافی الخطبة من المواعظ ونحوها**، یعنی خطبہ میں جو وعظ ونصیحت کی باتیں ہیں وہ سننے لگ جاتے ہیں۔

(عمدۃ القاری ص۲۵۰ ج۶ وفتح الباری ص۲۹۳ ج۲)۔

انوار صاحب نے یہاں چند غلط بیانیاں کی ہیں،، الف،، ذکر کا معنی ترک کردیا ہے، حالانکہ ذکر

بمعنی نصیحت قرآن میں آتا ہے، **فذکر انما انت مذکر،** (سورۃ الغاشیہ آیت ۲۱)۔ ب، پھر ذکر بمعنی خطبہ عربی لیا ہے اور وعظ ونصیحت کو اس سے خارج کیا ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ انوار صاحب نے پہلی وجہ میں قرآن و حدیث سے جو استدلال کیا ہے، قرآن کی جس آیت سے انہوں نے خطبہ کو ذکر قرار دینے کی کوشش کی ہے، اسی آیت میں ذکر کو نماز قرار دیا گیا ہے۔ اور جس حدیث سے استدلال کیا ہے۔ اس میں ذکر سے مراد وعظ ونصیحت ہے، اور وعظ ونصیحت کو انوار صاحب خطبہ تسلیم نہیں کرتے، انوار صاحب کے لیے یہ حدیث تب مفید ہے جب یہ کسی دلیل سے ثابت کریں کہ وعظ ونصیحت صرف عربی میں ہی کی جاسکتی ہے۔ غیر عربی میں وعظ نصحیت جائز نہیں۔

دوسری وجہ: خطبہ جمعہ نماز جمعہ کی دو رکعتوں کے قائم مقام ہے، جس کی ایک دلیل تو وہ آثار ہیں دوسری دلیل یہ ہے کہ جو افعال وحرکات بحالت نماز ممنوع ہیں خطبہ میں بھی حرام ہیں۔

(حدیث اوراھل حدیث ص۷۹۹)

الجواب: اولاً قائم مقام کا جواب تو گزر چکا ہے وہاں سے ایک نظر دیکھ لیا جائے دھرانے کی ضرورت نہیں۔

ثانیا: نماز میں قبلہ کی جانب منہ کرنا شرط ہے، اگر جان بوجھ کر نماز میں منہ غیر قبلہ کی طرف کیا تو نماز ادا نہ ہوگی جب کہ خطبہ جمعہ میں قبلہ کی جانب پشت اور منہ سامعین کی طرف کرنا سنت ہے۔ پھر خطبہ جمعہ میں وعظ ونصیحت کرنا آپ بھی سنت تسلیم کرتے ہیں، جب کہ حالت نماز میں وعظ ونصیحت کرنا نماز کو باطل کردیتا ہے۔ خواہ عربی زبان میں ہی کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ کی حدود کو قائم کیا جائے۔ حرام چیزوں سے اجتناب کیا جائے، اللہ ورسول کی اطاعت کی جائے، نماز کو پابندی سے ادا کیا جائے، بڑوں کا ادب اور چھوٹوں پر شفقت کی جائے، وغیرہ یہ سب چیزیں وعظ ونصیحت ہیں اور خطبہ میں حنفیہ کے نزدیک مسنون ہیں لیکن نماز میں کرنے سے نماز باطل ہوجاتی ہے، کیوں؟ وجہ فرق صاف ہے کہ خطبہ اور نماز ایک چیز نہیں۔

ثالثا: رہا انوار صاحب کا اسے ذکر قرار دے کر اپنا الو سیدھا کرنا، تو اس کے متعلق ہم عرض کرآئے ہیں کہ جس معنی میں انوار صاحب خطبہ کو ذکر قرار دیتے ہیں، اس پر کوئی دلیل شرعی ثابت نہیں۔ اور مطلق خطبہ کے ذکر ہونے سے اس کا نماز ہونا ثابت نہیں ہوتا۔

حدیث میں سب سے افضل ذکر **لا الہ الا اللہ،** کو کہا گیا ہے۔

(ترمذی رقم الحدیث ۳۳۸۳، ابن ماجہ رقم الحدیث ۳۸۰۰، مستدرک حاکم ص۴۹۸ ج۱، ابن حبان (موارد) رقم الحدیث ۲۳۲۶، الترغیب والترھیب ص۴۱۵ ج۲)۔

انوار صاحب وضاحت کریں کہ کیا لا الہ اللہ کہنا نماز ہے؟ اگر نہیں یقیناً نہیں، تو ثابت ہوا کہ خطبہ بھی بوجہ ذکر ہونے کے نماز نہیں۔

رابعا انوار صاحب نے خطبہ کو ذکر قرار دے کر کہا ہے کہ ذکر نماز ہے آخر اپنے راگ کی تان اس پر توڑتے ہیں کہ جب خطبہ نماز کے قائم مقام ہے تو ضروری ہے کہ خطبہ جمعہ عربی زبان میں ہو، کیونکہ نماز کی زبان عربی ہے، نماز کسی اورزبان میں نہیں ہوتی (ص۷۹۹)۔

یہ پوری بنیاد قیاس فاسد پر مبنی ہے۔ ہم عرض کر آئے ہیں کہ نماز میں وعظ ونصیحت جائز نہیں، اور قبلہ سے انحراف بھی جائز نہیں، جب کہ خطبہ میں وعظ ونصیحت اور قبلہ سے منہ کا انحراف سنت ہے، فما کان جوابکم فھو جوابنا۔

ثم اقول، کس منہ سے کہتے ہو کہ نماز دوسری زبان میں نہیں ہوتی آپ کے امام ابوحنیفہ کا تو یہ فتویٰ ہے کہ نماز کسی دوسری زبان میں پڑھی گئی خواہ عربی جانتا بھی ہو تب بھی نماز ہوجائے گی، (ہدایہ مع فتح القدیر ص۲۴۷ ج۱)۔

انوار صاحب نے خود صفحہ ۸۰۳ پر فتاویٰ شامی ص۱۴۷ ج۲ سے نقل کیا ہے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک خطبہ کا عربی میں ہونا شرط نہیں۔ خواہ عربی پر قادر بھی ہو، پھر (عمدۃ الرعایۃ ص۳۰۰ ج۱ سے نقل کیا ہے کہ خطبہ کا عربی میں ہونا شرط نہیں ہے۔ لہٰذا اگر فارسی یا کسی اورزبان میں بھی خطبہ دے دیا جائے تو جائز ہوگا۔ یعنی نماز جمعہ ادا ہوجائے گی۔ (حدیث اور اہل حدیث ص۴۰۳)

تیسری وجہ: خطبہ جمعہ بالاجماع شرط صلاۃ ہے اس لئے جو زبان صلاۃ کی ہے وہی زبان شرط ہے یعنی خطبہ کی ہونی چاہیے یہ نہیں ہوسکتا کہ شرط صلاۃ کسی محدث طریقے یعنی غیر عربی سے ادا کی جائے۔ ص۸۰۰۔

الجواب: اولاً ثابت ہوا کہ نماز شروع کرتے وقت حنفی زبان سے جو رٹے رٹائے الفاظ سے نیت کرتے ہیں وہ غلط ہے۔ ورنہ یہ عربی زبان میں ہوتی۔

ثانیا: گزشتہ جواب میں ہم وضاحت کر آئے ہیں کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک غیر عربی میں بھی نماز ہوجاتی ہے، لہٰذا انوار صاحب کا یہ استدلال ان کے تقلیدی مذہب کے خلاف ہے۔

ثالثا: انوار صاحب نے خود صفحہ ۵۳۵ پر صحیح مسلم ص۲۰۳ ج۱ سے حدیث نقل کی ہے کہ انما ھو التسبیح و التکبیر وقرأۃ القرآن، الحدیث، یعنی نماز تو تسبیح، تکبیر اور قرأت ہے بلفظ دیگر نماز کا اصل مقصود یہ ہے جب کہ خطبہ کا اصل مقصود لوگوں کو خطاب کرنا ہے۔ جیسا کہ ہم اس پر حدیث نقل کر آئے ہیں۔ لہٰذا اس کا نماز پر قیاس کرنا درست نہیں۔

رابعا: ہم بھی بفضلہٖ تعالیٰ وعظ ونصیحت سے پہلے خطبہ مسنونہ کو عربی زبان میں ہی پڑھتے ہیں، تعوذ

وتسمیہ کے بعد قرأت قرآن کے بعد ترجمہ کیا جاتا ہے۔

اور لوگوں کو قرآن وسنت سمجھایا جاتا ہے۔ گویا جو کلمات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وعظ ونصیحت سے پہلے پڑھا کرتے تھے اسے ہم بھی عربی میں ہی پڑھتے ہیں صرف لوگوں کے متعلقہ حصے کو سامعین کی زبان میں ادا کرتے ہیں۔ عربی حصے میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام اور تلاوت قرآن کے ساتھ اللہ کے وحدہ لاشریک ہونے کی گواہی ہوتی ہے۔ اور اس قدر عربی زبان میں ہونے سے خطبہ ادا ہو جانا حنفیہ کو مسلم ہے، آگے وعظ ونصیحت کو عوامی زبان میں کرنے پر انہیں اعتراض کرنا درست نہیں کیونکہ جتنی چیز لازم تھی وہ بہر حال عربی زبان میں ہی ادا ہوئی، مولوی ارشاد حسین رامپوری فرماتے ہیں کہ اشعار فارسی وغیرہ خطبہ میں پڑھنا جائز ہیں اس واسطے کہ جب خطبہ بقدر تشہد مسنون کے زبان عربی میں پڑھا اور کچھ فارسی یا اردو وغیرہ میں تو خطبہ بقدر مسنون زبان عربی میں ادا ہو گیا اور اشعار فارسی وغیرہ واسطے تفہیم عوام کے اور پند ونصیحت کے کچھ منافی خطبہ کے نہیں، پس جواز اشعار فارسی وغیرہ میں کچھ تامل نہیں اور اگر بالفرض خطبہ بالکل کسی زبان میں سوائے عربی کے پڑھا جب بھی، عند الامام ابی حنیفہ جائز ہوا اور اسی پر فتویٰ ہے۔

(بحوالہ امداد الفتاویٰ ص ۴۳۶ ج ۱)۔

مولانا اشرف علی تھانوی سے سوال کیا گیا کہ جمعہ کے خطبوں کے درمیان میں یا آخر بطور وعظ خطبہ کا ترجمہ کر دینا جائز ہے یا نہیں؟ الجواب جائز ہے (امداد الفتاویٰ ص ۴۳۵ ج ۱)۔

چوتھی وجہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ خطبہ مختصر کرو اور نماز کو دراز کرو اس لحاظ سے اگر گھنٹے آدھ گھنٹے کی اردو تقریر کو خطبہ قرار دیا جائے تو حضور علیہ السلام کے حکم کی کھلی مخالفت لازم آئے گی، (حدیث اور اہل حدیث ص ۸۰۰)

__الجواب:__ اولا تقریر کو عربی میں خطبہ کہا جاتا ہے۔ لہٰذا اسے خطبہ تسلیم نہ کرنا آپ کا حقیقت سے انکار ہے۔ جس کے لئے بہانے ہزار ہیں۔

__ثانیاً:__ اس کی وضاحت ہم انوار صاحب کی چھٹی دلیل کے جواب میں کر آئے ہیں۔ کہ مختصر کا کیا مفہوم ہے۔

__ثالثاً:__ اگر آپ کی بات کو تسلیم کر لیا جائے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر خطبہ مسنونہ کے بعد صرف دو منٹ کا اردو میں خطاب کیا جائے تو کیا یہ آپ کے نزدیک جائز ہے؟ اگر نہیں یقیناً نہیں تو پھر ایسی دلیل درج کریں جو آپ کے مسلک کی ترجمانی کرے۔

__پانچویں وجہ:__ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ عربی زبان میں خطبہ دیا، ایسا ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی ہمیشہ عربی میں خطبہ ارشاد فرمایا، (حدیث اور اہل حدیث ۸۰۰)

الجواب: اولا آنحضرت ﷺ عربی کے علاوہ کوئی زبان نہیں جانتے تھے اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام خطبہ بھی عربی لوگوں کو دیا کرتے تھے۔ خطبہ جمعہ تو کجا آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے غیر عربی میں تقریر ثابت نہیں، مولانا عبدالحی لکھنوی فرماتے ہیں۔

لان النبی ﷺ واصحابه قد خطبوا دائما بالعربية، ولم ينقل عن احد منهم انهم خطبوا خطبة ولو خطبة غير الجمعة بغير العربية۔

اس لئے کہ نبی مکرم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہمیشہ عربی میں خطبہ ارشاد فرماتے تھے، اور کسی ایک سے بھی منقول نہیں کہ انہوں نے عربی زبان کے علاوہ خطبہ ارشاد فرمایا ہو۔ خواہ جمعہ کے علاوہ بھی خطاب کیا ہو۔ (آکام النفائس ص ۴۴ مندرجہ مجموعہ رسائل الکھنوی ص ۳۷۶ ج ۴)۔

چلو چھٹی ہوئی، خطبہ جمعہ سے قبل اردو تقریر بھی ناجائز ثابت ہوگئی، تبلیغی جلسے اور کانفرنسوں سے بھی چھٹکارا ہوا، رائے ونڈ کا تبلیغی اجتماع بھی مکروہ ہوگیا۔ الغرض غیر عربی میں ہر خطاب کی حرمت ثابت ہوگئی، کیوں؟ اس لئے کہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے غیر عربی میں خطاب نہیں کیا، ہم آپ کی فقاہت کے قائل ہوگئے واقعی آپ کے پاس مغز ہے اور محدثین پنساری ہیں۔ مگر آپ ہماری مشکل حل کردیں یورپ کے چند افراد آتے ہیں، وہ ذاتی تحقیق کی وجہ سے اسلام کے قریب آچکے ہیں لیکن وہ چند اشکال رفع کرانا چاہتے ہیں، ان کی مادری زبان انگریزی ہے، عربی وہ جانتے نہیں، وہ اشکال پیش کرتے ہیں، آپ بایں وجہ کہ نبی مکرم ﷺ نے کبھی غیر عربی میں کلام وخطبہ ارشاد نہیں فرمایا، انہیں عربی میں تقریر جھاڑ دیتے ہیں۔ ان کے پلے کچھ نہیں پڑتا، پاس ایک پنساری انگریزی میں ان سے کلام کرتا ہے ان کے شبہات دور کرتا ہے وہ اسلام قبول کرلیتے ہیں۔ آپ کے مطابق پنساری نے مکروہ کام کیا ہے، انا للہ وانا الیہ راجعون، انوار صاحب اسے مکروہ کہنے والا پرلے درجے کا جاہل اور روح شریعت سے ناواقف ہے۔ محترم ناراض نہ ہونا آپ کے فقہی مسائل کی حقیقت اس لطیفہ سے کم نہیں، ایک کوچوان مولانا صاحب کے پاس گیا ان سے پوچھا کہ حضرت روزے کی حالت میں احتلام ہونے سے روزہ فاسد ہوتا ہے کہ نہیں؟ مولانا فرمانے لگے، لا، کوچوان تانگہ لے آیا اور مفتی صاحب سے کہنے لگا آیئے تشریف لایئے! مولانا فرماتے ہیں کہ میں نے کب تانگہ لانے کو کہا تھا کوچوان کہنے لگا کہ مولوی ہوتے ہی بے زبانے ہیں، اس نے ابھی کہا تھا، لا۔

(۷۱) باب دوران خطبہ تحیۃ المسجد ادا کرنا

فصل اول

(۱) عن جابر بن عبد الله رضی اللہ عنہما قال قال رسول الله ﷺ وهو يخطب اذا جاء احدكم والامام يخطب او قد خرج فليصل ركعتين۔

سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے خطبہ جمعہ ارشاد فرماتے ہوئے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی ایک (مسجد میں) آئے اور امام خطبہ دے رہا ہو یا خطبہ کے لئے نکلا ہو تو آنے والا دو رکعت نماز پڑھے۔

(بخاری کتاب التهجد باب ماجاء فی التطوع مثنیٰ مثنیٰ، الحدیث ۱۱۶۶)۔

(۲) عن جابر بن عبد الله ان النبی ﷺ خطب فقال اذا جاء احدكم يوم الجمعة وقد خرج الامام فليصل ركعتين۔

سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے خطبہ ارشاد فرمایا اور کہا کہ جب تم میں سے کوئی ایک جمعہ کے دن مسجد میں آئے اور امام خطبہ کے لئے آ گیا ہو تو وہ دو رکعت نماز پڑھے۔

(مسلم کتاب الجمعة باب التحية والامام يخطب، الحديث ۲۰۲۲)۔

(۳) عن جابر بن عبد الله قال جاء رجل والنبی ﷺ يخطب يوم الجمعة فقال أصليت يا فلان؟ فقال، لا، قال قم فاركع۔

سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص آیا اور نبی مکرم ﷺ جمعہ کے دن خطبہ جمعہ ارشاد فرما رہے تھے، تو آپ نے اسے کہا کیا آپ نے نماز پڑھی ہے؟ اس نے عرض کیا نہیں، تو آپ نے فرمایا کھڑا ہو جا اور نماز (دو رکعت) پڑھ۔

(بخاری کتاب الجمعة باب اذا رأى الامام رجلا جاء وهو يخطب امره ان يصلی ركعتين الحديث ۹۳۰، و مسلم کتاب الجمعة باب التحية والامام يخطب، الحديث ۲۰۱۸)۔

(۴) عن عمرو سمع جابرا قال دخل رجل يوم الجمعة والنبی ﷺ يخطب فقال أصليت، قال لا، قال فصل ركعتين۔

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص جمعہ کے دن مسجد نبوی میں داخل ہوا اور نبی مکرم ﷺ خطبہ ارشاد فرما رہے تھے، آپ نے اسے کہا کیا تو نے نماز پڑھی ہے؟ اس نے کہا نہیں، آپ نے فرمایا کہ دو رکعت نماز پڑھ۔

(بخاری کتاب الجمعة باب من جاء والامام يخطب صلى ركعتين خفيفتين، الحديث ۹۳۱)۔

(۵) عن جابر بن عبد الله قال جاء سليك الغطفانی يوم الجمعة و رسول الله ﷺ يخطب ، فجلس فقال له، يا سليك، قم فاركع ركعتين وتجوز فيهما ثم قال اذا جاء احدكم يوم الجمعة والامام يخطب ، فليركع ركعتين وليتجوز فيهما۔

سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جمعہ کے دن رسول اللہ ﷺ خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔ سیدنا سلیک غطفانی رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور بیٹھ گئے، آپ ﷺ نے فرمایا اے سلیک! کھڑا ہو اور دو رکعت نماز ہلکی اور مختصر پڑھ، پھر فرمایا کہ تم میں سے جب کوئی مسجد میں آئے اور امام خطبہ دے رہا ہو تو وہ ہلکی ومختصر دو رکعت نماز پڑھے۔

(صحيح مسلم كتاب الجمعة باب التحية والامام يخطب الحديث ٢٠٢٤)۔

(٦) عن عياض بن عبد الله بن ابی سرح ان ابا سعيد الخدری دخل يوم الجمعة ومروان يخطب فقام يصلی، فجاء الحرس ليجلسوه فابى حتى صلى فلما انصرف أتيناه فقلنا رحمك الله ان كا دوا ليقعوابك فقال، ماكنت لأتركهما بعد شئی رايته من رسول الله ﷺ ثم ذكران رجلا جاء يوم الجمعة فی هيئة بذة والنبی صلی ﷺ يخطب يوم الجمعة فامره فصلی ركعتين والنبی ﷺ يخطب۔

امام عیاض بن عبد اللہ بن ابی سرح رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ مروان بن حکم خطبہ دے رہا تھا کہ سیدنا ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور کھڑے ہو کر نماز شروع کر دی، پہرے دار انہیں بٹھانے کے لئے آیا تو سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے نماز پوری مکمل کئے بغیر بیٹھنے سے انکار کر دیا، جب انہوں نے سلام پھیرا تو ہم ان کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور کہا اللہ تعالیٰ آپ پر رحم کرے قریب تھا کہ پہرے دار آپ پر حملہ کر دیتا سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ میں نے نماز کو قطعاً نہیں چھوڑنا تھا، اس چیز کے بعد کہ جو میں نے رسول اللہ ﷺ سے دیکھی تھی، پھر انہوں نے اس شخص کا ذکر کیا جو اپنی پھٹی پرانی حالت کے ساتھ مسجد میں آیا اور رسول اللہ ﷺ جمعہ کے دن خطبہ جمعہ ارشاد فرما رہے تھے۔ تو آپ علیہ السلام نے اسے نماز پڑھنے کا حکم دیا، تو اس نے (خطبہ کے دوران ہی) دو رکعت نماز پڑھی اور نبی مکرم ﷺ نے خطبہ جاری رکھا۔

(سنن ترمذی کتاب الجمعة باب ما جاء فی الركعتين اذا جاء الرجل والامام يخطب، الحديث ٥١١)۔

(٧) عن ابی سعيد قال جاء رجل والنبی ﷺ يخطب فقال أصليت؟ قال لا، قال فصل ركعتين

سیدنا ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ خطبہ پڑھ رہے تھے کہ ایک آدمی آیا، آپ نے فرمایا تو نے نماز پڑھی ہے؟ اس نے کہا نہیں، تو آپ نے فرمایا کہ دو رکعتیں نماز پڑھ لے۔

(ابن ماجه كتاب اقامة الصلات باب ماجاء فيمن دخل المسجد والامام يخطب الحديث ١١١٣)

(۸) عن ابی سعید ان رجلا دخل المسجد یوم الجمعة ورسول اللهﷺ یخطب، فقال صل رکعتین، ثم جاء الجمعة الثانیة، والنبیﷺ یخطب فقال صل رکعتین، ثم جاء الجمعة الثالثة فقال صل رکعتین الحدیث۔

سیدنا ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ ایک شخص مسجد میں جمعہ کے دن آیا اور رسول اللہ ﷺ خطبہ جمعہ پڑھ رہے تھے، آپ نے فرمایا نماز پڑھ، پھر وہ دوسرے جمعے میں آیا اور آپ نے فرمایا نماز پڑھ، پھر تیسرے جمعے آیا تو آپ نے فرمایا کہ دو رکعتیں نماز پڑھ الحدیث۔

(نسائی کتاب الزکاة باب اذا تصدق وھو محتاج الیه ھل یرد علیه الحدیث ۲۵۳۷)۔

(۹) عن ابی هریرة قال جاء سلیك الغطفانی ورسول اللهﷺ یخطب فقال له أصلیت شئیا؟ قال، لا، قال صل رکعتین تجوز فیهما۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سیدنا سلیک غطفانی رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور نبی مکرم ﷺ خطبہ جمعہ ارشاد فرما رہے تھے، آپ نے فرمایا نماز پڑھی ہے؟ انہوں نے کہا نہیں، تو آپ نے فرمایا ہلکی ومختصر دو رکعت نماز پڑھ۔

(سنن ابو داؤد کتاب الصلاۃ باب اذا دخل الرجل والامام یخطب، الحدیث ۱۱۱۶)۔

(۱۰) عن سلیك قال قال رسول اللهﷺ اذا جاء احدکم والامام یخطب فلیصل رکعتین خفیفتین۔

سیدنا سلیک رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی ایک جب مسجد میں آئے اور امام خطبہ جمعہ دے رہا ہو تو وہ ہلکی سی دو رکعت نماز پڑھ لے۔

(رواہ احمد و الطبرانی فی الکبیر ورجاله رجال الصحیح مجمع الزوائد ص۱۸۷ ج ۲)۔

(۱۱) عن من سمع النبیﷺ یقول لرجل دخل المسجد یوم الجمعة ورسول اللهﷺ یخطب، قال، قم فصل رکعتین۔

(صحابی رسول ﷺ سے روایت ہے جنہوں نے) نبی مکرم ﷺ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ایک شخص کو کہہ رہے تھے، جب وہ مسجد میں داخل ہوا اور آپ خطبہ جمعہ ارشاد فرما رہے تھے کہ کھڑا ہو کر دو رکعت نماز پڑھ لے۔

(علل الحدیث ص ۲۱۲ ج ۱ رقم الحدیث ۶۱۵)۔

(۱۲) عن جابر بن عبد الله قال قال رسول اللهﷺ اذا جاء احدکم والامام یخطب فلیصل رکعتین قبل ان یجلس۔

سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص اس

حالت میں (مسجد) آئے کہ امام خطبہ جمعہ دے رہا ہو تو وہ بیٹھنے سے پہلے دو رکعت نماز پڑھ لے۔

(حلیۃ الاولیاء ص۱۸۲ ج۷ رقم الحدیث ۱۰۱۳۱)۔

(۱۳) عن الربیع بن صبیح البصری قال رایت الحسن یصلی رکعتین والامام یخطب وقال الحسن قال رسول اللہ ﷺ اذا جاء احد کم والامام یخطب فلیصل رکعتین خفیفتین یتجوز فیھا۔

امام ربیع بن صبیح بصری فرماتے ہیں کہ امام حسن بصری کو میں نے دیکھا کہ وہ جب امام خطبہ جمعہ دے رہا ہوتا تو دو رکعت نماز پڑھ لیتے۔ اور امام حسن بصری نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی ایک مسجد میں آئے اور امام خطبہ دے رہا ہو تو وہ ہلکی سی دو رکعت نماز پڑھ لے اور ان میں قرأت طویل نہ کرے۔

(سنن دارمی ص۴۳۸ ج۱ کتاب الجمعۃ باب فیمن دخل المسجد یوم الجمعۃ ...... الحدیث ۱۵۵۳)۔

(۱۴) عن ابی قتادۃ السلمی ان رسول اللہ ﷺ قال اذا دخل احد کم المسجد فلیرکع رکعتین قبل ان یجلس۔

سیدنا ابوقتادہ سلمی رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی ایک مسجد میں آئے تو وہ بیٹھنے سے پہلے دو رکعت نماز پڑھے۔

(بخاری کتاب الصلاۃ باب اذا دخل المسجد فلیرکع رکعتین، الحدیث ۴۴۴، مسلم کتاب صلاۃ المسافرین باب استحباب تحیۃ المسجد...... الحدیث ۱۶۶۴)۔

(۱۵) عن ابی ہریرۃ ان رسول اللہ ﷺ قال اذا دخل احد کم المسجد فلا یجلس حتی یرکع رکعتین۔

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے کوئی ایک جب مسجد میں داخل ہو تو دو رکعت نماز پڑھے بغیر نہ بیٹھے۔

(ابن ماجہ کتاب اقامۃ الصلوات باب من دخل المسجد فلا یجلس حتی یرکع، الحدیث ۱۰۱۲)۔

مذکورہ احادیث و آثار سے ثابت ہوا کہ انسان جب بھی مسجد میں آئے وہ دو رکعت نماز تحیۃ المسجد ادا کر کے بیٹھے، اس کے لئے کوئی وقت کی تخصیص وقید نہیں، اور نبی مکرم ﷺ نے حالت خطبہ میں صحابی کو پڑھنے کے لئے حکم دیا ہے، اور سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کا عمل بھی یہی تھا، اور سیدنا ابوسعید رضی اللہ عنہ کی کسی صحابی نے مخالفت نہیں کی کہ حالت خطبہ میں دو رکعت تحیۃ المسجد ادا نہیں کرنی چاہئے، جیسا کہ امام ابن حزم نے لکھا ہے (المحلی بالاثار ص۲۷۷ ج۳)۔

اور جلیل القدر تابعی امام حسن بصری کا بھی یہی عمل تھا۔ یہی مؤقف و مذہب امام ابن عیینہ، امام

کاروبار میں مصروف رہتے ہیں کہ ابھی مولوی صاحب نے گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ دماغ چاٹنا ہے، مزید برآں یہ کہ نماز جمعہ سے قبل حلقہ بنا کر بیٹھنے سے رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے۔ (ابن ماجہ رقم الحدیث ۱۱۳۳)۔

گو اس حدیث میں نماز کا ذکر ہے مگر انوار صاحب کے نزدیک خطبہ جمعہ اور نماز کا ایک ہی حکم ہے جیسا کہ سابقہ باب میں تفصیل گزر چکی ہے، انوار صاحب کے اس اقبالی بیان سے یہ بات ثابت ہوئی کہ خطبہ و نماز سے قبل حلقہ بنا کر مسجد میں بیٹھنا جائز نہیں، مگر تمام حنفی اس حدیث کے منکر اور فرمان نبوی علیہ التحیۃ والسلام کی مخالفت کرتے ہیں۔ الغرض ان کی یہ بدعت ایسی ہے جو صریحا حضور علیہ السلام کے ارشاد کے خلاف ہے۔

(۳) عن عطاء الخرسانی قال کان نبیشة الهذلی یحدث عن رسول الله ﷺ ان المسلم اذا اغتسل یوم الجمعة ثم اقبل الی المسجد لا یوذی احدا فان لم یجد الامام خرج صلی ما بداله وان وجد الامام قد خرج فاستمع وانصت حتی یقضی الامام جمعته وکلامه ان لم یغفرله فی جمعته تلك ذنوبه کلها ان تکون کفارة للجمعة التی قبلها۔

(مسند احمد ص ۷۵ ج ۵)

حضرت عطاء خراسانی ؒ فرماتے ہیں کہ حضرت نبیشہ ہذلی ؓ رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد نقل فرماتے تھے کہ جب مسلمان جمعہ کے دن غسل کر کے مسجد آئے اس طرح سے کہ کسی کو ایذا نہ دے، پھر اگر دیکھے کہ امام ابھی (خطبہ کے لے) نہیں نکلا تو جتنی چاہے نماز پڑھتا رہے اور اگر دیکھے کہ امام نکل آیا ہے تو بیٹھ جائے اور خاموشی سے خطبہ سننے لگے، یہاں تک کہ امام خطبہ و نماز سے فارغ ہوجائے تو اگر جمعہ کے اس کے سارے گناہ معاف نہ ہوئے تو دوسرے جمعہ کے لے یہ کفارہ ہوجائے گا۔

(حدیث اور اهل حدیث ۸۰۸)

الجواب: یہ روایت منقطع ہے۔ کیونکہ امام عطاء خراسانی کو سیدنا نبیشہ ہذلی ؓ سے ملاقات وسماع ثابت نہیں جیسا کہ منذری نے صراحت کی ہے۔ (الترغیب والترہیب ص ۴۸۷ ج ۱)، الغرض یہ روایت بوجہ انقطاع ضعیف ہے۔

(۴) عن ابی هریرة ؓ قال قال النبی ﷺ اذا کان یوم الجمعة وقفت الملائکة علی باب المسجد یکتبون الاول فالاول ومثل المهجر کمثل الذی یهدی بدنة ثم کالذی یهدی بقرة ثم کبشا ثم دجاجة ثم بیضة فاذا خرج الامام طووا صحفهم ویستمعون الذکر۔

(بخاری ص ۱۲۷ ج ۱ مسلم ص ۲۸۰ ج ۱)۔

حضرت ابو ہریرہ ؓ فرماتے ہیں کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا جب جمعہ کا دن ہوتا ہے تو

فرشتے مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اور شروع میں آنے والوں کے نام یکے بعد دیگرے لکھتے اور اول وقت دو پہر میں آنے والے کی مثال اس شخص کی سی ہے جو اللہ کے حضور میں اونٹ کی قربانی پیش کرتا ہے پھر اس کے بعد دوم نمبر پر آنے والے کی مثال اس شخص کی سی ہے جو گائے پیش کرتا ہے۔ پھر اس کے بعد آنے والے کی مثال مینڈھا پیش کرنے والے کی، اس کے بعد مرغی پیش کرنے والے کی، اس کے بعد انڈا پیش کرنے والے کی، پھر جب امام خطبہ کے لیے منبر کی طرف جاتا ہے تو یہ فرشتے اپنے لکھنے کے دفتر لپیٹ لیتے ہیں اور ذکر سننے میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ (حدیث اور اہل حدیث ۸۰۹)

الجواب: اولاً یھدی بدنة کے معنیٰ کے بارے سابقہ باب میں، پہلی وجہ کے زیر عنوان تفصیل گزر چکی ہے، وہاں ہی ہم نے وضاحت کر دی ہے کہ ذکر سے مراد وعظ و نصیحت ہے۔

ثانیا: اس کا تعلق آنے والے شخص کو نماز دو رکعت نہ پڑھنے سے قطعی طور پر نہیں، رہا انوار صاحب کا یہ کہنا فرشتوں کا نامہ اعمال لپیٹ کر ذکر سننے میں مشغول ہو جانا اس امر کی دلیل ہے کہ خطبہ کی حالت ذکر سننے کے سوا تمام اعمال کی بندش کا وقت ہے (حدیث اور اہل حدیث ۸۲۰)

یہ بات تو ٹھیک ہے مگر علی الاطلاق نہیں، کیونکہ فرشتے خطبہ شروع ہونے کے بعد نہیں آتے بلکہ وہ پہلے سے ہی مسجد میں ہوتے ہیں حتی کہ پہلے آنے والے آدمی کو وہ درج کرتے ہیں، جو اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ مسجد میں سب سے پہلے آتے ہیں، اور پہلے آنے والے کے متعلق اختلاف نہیں، کیونکہ وہ تو ہمارے نزدیک بھی امام کے آنے سے پہلے پہلے نوافل جس قدر پڑھنا چاہیئے پڑھ لے، اور بعد میں خاموش بیٹھ کر خطبہ سنے، محترم اختلاف اس میں ہے کہ آنے والا اس وقت آتا ہے جب خطبہ شروع ہو چکا ہے وہ بیٹھ جائے یا دو رکعت نماز ادا کرے، حدیث ابو ہریرہ اس سے ساکت ہے جب کہ دوسری احادیث جو فصل اول میں بیان کر دی گئی ہیں۔ خطبہ میں آنے والے کو دو رکعت ادا کرنے کا حکم نبوی ہے ظاہر ہے کہ ان دونوں میں کوئی اختلاف نہیں اس لئے کہ ناطق اور ساکت میں فرق ہے۔

(۵) عن ابی هريرة ان رسول الله ﷺ قال اذا قلت لصاحبك يوم الجمعة انصت والامام يخطب فقد لغوت۔ (بخاری ص ۱۲۷ ج ۱)۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم نے جمعہ کے دن اپنے ساتھی سے کہا کہ خاموش رہ اس حال میں کہ امام خطبہ دے رہا تھا تو تم نے لغو و بیکار کام کیا۔

(حدیث اور اھل حدیث ۸۰۹)

الجواب: محترم اس حدیث میں کلام کو لغو کہا گیا ہے بلاشبہ دوران خطبہ کلام کرنے کی اجازت نہیں، اس میں کوئی اختلاف نہیں، بلکہ نو وارد کی نماز دو رکعت ادا کرنے میں ہے۔ لہٰذا کوئی ایسی حدیث بیان کریں جس میں حالت خطبہ میں نماز ادا کرنے کو بیکار کہا گیا ہو۔ نماز اور گفتگو میں فرق ہے نماز

اور مؤذن اذان کہتے تو (ثعلبہ ؓ کہتے ہیں) کہ ہم بیٹھے بیٹھے بات کر لیا کرتے تھے، پھر جب مؤذن خاموش ہو جاتے اور حضرت عمر ؓ خطبہ کے لیے کھڑے ہو جاتے تو ہم خاموش ہو جاتے اور ہم میں سے کوئی شخص کلام نہ کرتا، حضرت ابن شہاب زہری ؒ فرماتے ہیں کہ امام کا نکلنا نماز کو اور اس کا کلام کرنا گفتگو کو ختم کر دیتا ہے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۸۱۱)

الجواب: اولاً یہ روایت نو وارد کے حق میں قطعی طور پر نہیں بلکہ خطیب کے آنے سے پہلے مسجد میں پہنچ جانے والوں کے متعلق ہے انوار صاحب اپنے ترجمہ پر ہی غور کرتے تو بات حل ہو جاتی، روایت کے دو حصے ہیں۔ الف، سیدنا عمر ؓ کے آنے سے پہلے پڑھا کرتے تھے، ب، آنے پر نہ پڑھتے، اس میں اختلاف نہیں اختلافی مسئلہ یہ ہے کہ امام خطبہ شروع کر دے اور بعد میں آنے والا، بیٹھ جائے، یا دو رکعت نماز ادا کرے، اس سے اثر ساکت ہے۔

ثانیاً: امام زہری نے خطبہ کو کلام قرار دیا ہے۔ لیکن انوار صاحب خطبہ نماز کے حکم میں قرار دیتے ہیں۔

ثالثاً: اذان کے دوران خطیب کے آنے پر کلام کرنے کا ذکر بھی روایت میں ہے حالانکہ انوار صاحب کے تقلیدی مذہب میں خطیب کے آتے ہی کلام حرام ہو جاتا ہے۔ حتیٰ کہ اذان کا جواب دینا بھی مکروہ ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم دیو بند ص ۲۰۷ ج ۵)۔

علامہ عینی فرماتے ہیں۔ امام ابو حنیفہ کا کہنا ہے کہ پیش امام کے نکلنے کے ساتھ ہی سکوت واجب ہے

قال ابو حنيفة يجب الانصات بخروج الامام۔

(عمدة القاری ص۳٤۷ ج٦)۔

مولانا زکریا دیو بندی نے علامہ عینی کا یہ کلام نقل کر کے اس پر سکوت کیا ہے۔

(اوجز المسالك ص۳۳٦ ج۱)۔

اس قول سے ثابت ہوا کہ امام کے آتے ہی خاموش ہو جانا حنفیہ کے نزدیک واجب ہے جب کہ مذکورہ اثر میں محض امام کے آنے پر تو کجا اذان کے دوران بھی کلام کرنا ثابت ہوا۔ الغرض یہ اثر حنفیہ کے خلاف ہے، فما كان جوابكم فهو جوابنا۔

(۹) عن ابن شهاب قال حدثني ثعلبة بن ابی مالك ان قعود الامام يقطع السبحة وان كلامه يقطع الكلام، الحديث۔ (مسند الامام الشافعی ص۱۳۹ ج۱)۔

حضرت ابن شہاب زہری ؒ فرماتے ہیں کہ مجھے حضرت ثعلبہ بن ابی مالک ؓ نے حدیث بیان کی کہ امام کا منبر پر بیٹھ جانا نماز کو ختم کر دیتا ہے اور اس کا کلام گفتگو کو ختم کر دیتا ہے۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۸۱۲)

الجواب: اولاً گزشتہ حدیث میں گزر چکا ہے کہ امام کا آنا نماز کو اور امام کا کلام (خطبہ) گفتگو کو

ختم کر دیتا ہے۔ یہ روایت امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ نے ابن شہاب زہری کا قول نقل کیا ہے، جب کہ زیر بحث روایت میں ابن شہاب سے نقل کرنے والے، ابن ابی ذئب راوی ہے اور انہوں نے یہ قول سیدنا ثعلبہ رضی اللہ عنہ کا نقل کیا ہے۔ جب کہ امام مالک اسے امام زہری کا قول نقل کرتے ہیں اور یہی راجح ہے کیونکہ امام مالک اوثق ہیں امام احمد فرماتے ہیں کہ زہری کے شاگردوں میں سب سے ثقہ امام مالک ہیں یہی ابن معین اور امام عمرو بن علی فرماتے ہیں۔

(تہذیب ص۸ ج ۱۱)

ثقہ جب اوثق کی مخالفت کرے تو اس کی روایت شاذ ہوتی ہے۔ جو ضعیف کی ایک قسم ہے۔

ثانیا: ابن ابی ذئب کا ابن شہاب زہری سے سماع نہیں جیسا کہ امام ابن معین نے صراحت کی ہے۔ (تہذیب ص۳۰۶ ج۹) الغرض یہاں انقطاع کا شبہ ہے جب کہ امام مالک کی روایت متصل ہے۔ لہٰذا متصل کے بالمقابل منقطع حجت نہیں۔

ثالثا: رہا امام زہری کا قول تو وہ خود حنفیہ کے خلاف ہے۔ **فما کان جوابکم فھو جوابنا۔**

رابعا: انوار صاحب نے متن روایت کو نقل کرنے میں بھی تقلیدی ہاتھ کی صفائی دکھائی ہے۔ مطلب برآری کے لئے روایت کے ابتدائی الفاظ تو نقل کر دیئے ہیں لیکن اگلے الفاظ جو تقلیدی مذہب کے خلاف تھے انہیں بے ڈکار ہضم کر گئے۔ اگلے الفاظ یہ ہیں۔

وانهم كانوا يتحدثون يوم الجمعة وعمر جالس على المنبر فاذاسكت المؤذن قام عمر فلم يتكلم احد حتى يقضي الخطبتين كلتيهما فاذ اقامت الصلاة ونزل عمر تكلموا۔

(انہوں نے کہا) جب سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ منبر پر بیٹھتے تو لوگ باتیں کرتے رہتے تھے، یہاں تک کہ مؤذن اذان کہہ کر فارغ ہو جاتا تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوتے، اور کوئی بھی گفتگو نہ کرتا، یہاں تک کہ وہ دونوں خطبے ختم کر لیتے، پھر جب آپ منبر سے اترتے تو لوگ باتیں کرتے۔

(مسند شافعی ۳۷۹ ملحقه کتاب الام طبع دار الکتب العلمیه بیروت ۲۰۰۲ھ).

اثر کے یہ الفاظ چونکہ انوار صاحب کے تقلیدی مذہب کے خلاف تھے۔ اس لئے انہوں نے نقل نہیں کئے، پھر اپنی بددیانتی چھپانے کے لئے یہ تدبیر کی کہ ایک ایسی کتاب کا حوالہ دے دیا جو صرف خاص خاص افراد کے پاس ہوتی ہے۔ حالانکہ یہی اثر طحاوی نے بھی (شرح معانی الآثار ص۲۵۴ ج۱، میں نقل کیا تھا اور اس کا یہ مفہوم تسلیم کیا تھا کہ یہ ان حضرات کے لئے ہے جو امام کے آنے سے پہلے مسجد میں موجود ہوں۔ ظاہر ہے کہ اگر طحاوی کا حوالہ دیتے تو یہ کتاب عام دستیاب تھی، قاری اس کی مراجعت کر لیتا، تو اس پر حقیقت کھل جاتی کہ انوار صاحب کا اس سے استدلال باطل ہونے کے علاوہ ان کے تقلیدی مذہب کے بھی خلاف ہے۔ انوار صاحب نے اس حقیقت کو چھپانے کے لئے مسند شافعی کا

فرماتے ہیں مردود ہے۔ امام ابن حبان فرماتے ہیں، تشیع میں غالی تھا۔ ابوحاتم فرماتے ہیں کہ اس کی مرویات سے احتجاج نہ کیا جائے، یہی ابوزرعہ کہتے ہیں امام نسائی فرماتے ہیں قوی نہیں۔ (تہذیب ص۱۲۶ ج۲) دارقطنی فرماتے ہیں ضعیف ہے۔ ابن عدی کہتے ہیں کہ اس کی عام مرویات غیر محفوظ ہیں، ابن سیرین کہتے ہیں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے اس کی روایات باطل ہیں۔

(میزان ص۴۳٦ ج۱)۔

الغرض یہ روایت بوجہ حارث الاعور سخت ضعیف ہے۔

(۱۴) عن عطاء عن ابن عباس و ابن عمر انهما كانا يكرهان الصلاة والكلام بعد خروج الامام۔

(مصنف ابن ابی شیبه ص ۱۱۱ ج ۲)۔

حضرت عطاء بن ابی رباح رحمۃ اللہ علیہ حضرت عبد اللہ بن عباس اور حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں کہ یہ دونوں بزرگ امام کے خطبہ کے لئے نکل آنے کے بعد نماز پڑھنے اور کلام کرنے کو مکروہ جانتے تھے۔ (حدیث اور اہل حدیث ۸۱۴)

الجواب: سند میں حجاج بن ارطاۃ راوی مدلس ہے اس کی تدلیس کی صراحت امام نسائی، ابن مبارک، یحییٰ بن قطان، یحییٰ بن معین اور امام احمد نے کی ہے۔ (طبقات المدلسین ص۴۹)۔

زیر بحث روایت میں سماع کی صراحت نہیں لہٰذا ضعیف ہے۔

(۱۵) عن ابن عباس قا ل سالوه عن الرجل يصلي والامام يخطب ؟ قال أرايت لو فعل ذلك كلهم كان حسنا۔

(مصنف عبد الرزاق ص۲٤٥ ج۳)۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے لوگوں نے سوال کیا کہ خطبہ کے دوران آدمی نماز پڑھ سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا سب ہی پڑھنے لگیں تو کیا یہ ٹھیک ہوگا؟ (حدیث اور اہل حدیث ۸۱۴)

الجواب: اولاً آپ نے متن روایت میں معنوی تحریف کی ہے، اس کا صحیح و درست معنی یہ ہے کہ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے لوگوں نے ایسے شخص کے متعلق سوال کیا جو دوران خطبہ نماز پڑھتا ہے (تو آپ نے جواب دیا کہ) اگر آپ سب لوگوں کو یہ کرتا دیکھیں تو کتنا اچھا ہے۔ اس درست معنی سے ثابت ہوا کہ یہ ہماری دلیل ہے مگر کتنے ستم کی بات ہے کہ انوار صاحب نے معنوی تحریف کر کے اپنا الو سیدھا کیا ہے۔

ثانیا: سند میں سفیان ثوری مدلس ہیں۔ تفصیل مسئلہ رفع الیدین میں گزر چکی ہے۔

مزید برآں یہ کہ اس میں، ابی نہیک راوی ہے جو سفیان ثوری کا استاد اور سماک الحنفی کا شاگرد ہے۔ اور یہ مجہول ہے جو اس کی صحت کا مدعی ہے وہ بحوالہ اس کی ثقات ثابت کرے۔

(۱۶) عن نافع قال کان ابن عمر یصلی یوم الجمعة فاذا تحین خروج الامام قعد قبل خروجه۔

(مصنف عبد الرزاق ۲۱۰ ج ۲)۔

حضرت نافع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جمعہ کے دن نماز پڑھتے رہتے اور جب امام کے آنے کا وقت ہو جاتا تو اس کے آنے سے پہلے ہی نماز بس کر کے بیٹھ جاتے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۸۱۴)

الجواب: اولا ہم متعدد بار وضاحت کر چکے ہیں کہ نمازی اگر خطبہ شروع ہونے سے قبل مسجد میں آجائے تو اسے مقدور بھر نوافل وغیرہ خطبہ شروع ہونے سے قبل ہی ادا کر لینا چاہئے، اور خطبہ کو ہمہ تن گوش ہو کر سننا چاہیے اس میں قطعاً کوئی اختلاف نہیں۔ اختلاف اس میں ہے کہ اگر کوئی شخص بوجہ لیٹ آئے اور خطبہ شروع ہو چکا ہو تو وہ کیا کرے۔ مگر آپ اختلافی مسئلہ پر دلائل درج کرنے کی بجائے اتفاقی مسئلہ کو بھی درمیان میں گھسیٹ لائے ہیں، جو خلط مبحث کے علاوہ آپ کے مؤقف کے کمزور ہونے کی دلیل ہے۔

ثانیا: امام نافع سے روایت کرنے والے راوی، ابو امیہ الثقفی ہیں اسے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے تاریخ کبیر باب الکنی ص ۳ میں درج تو کیا ہے مگر کوئی جرح یا تعدیل بیان نہیں کی، اور دیگر کتب رجال اس کے ترجمہ سے خالی ہیں، لہٰذا اس کی بحوالہ توثیق بیان کی جائے۔

(۱۷) عن عقبة بن عامر قال الصلاة والامام علی المنبر معصية۔

(طحاوی ۲۵۴ ج ۱)۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ امام کے (خطبہ کے وقت) منبر پر ہونے کی حالت میں نماز پڑھنا گناہ ہے۔ (حدیث اور اہل حدیث ۸۱۵)

الجواب: اس کی سند میں عبد اللہ بن لہیعہ راوی ہے جو گو صدوق ہیں مگر ان کی کتب جل گئی تھیں وہ اختلاط کا شکار ہو گئے تھے۔ (تقریب ص ۱۸۶)۔

آئمہ جرح و تعدیل نے صراحت کی ہے۔ اختلاط سے پہلے صرف عبادلہ کی روایات ہیں۔

(المجروحین ص ۱۱ ج ۲ میزان ص ۴۸۲ ج ۲ تهذیب ص ۳۷۹ ج ۵)۔

جب کہ زیر بحث روایت عبادلہ سے نہیں بلکہ الفہمی سے ہے۔ مزید برآں کہ ابن لہیعہ معروف مدلس ہے۔ امام ابن حبان فرماتے ہیں کہ **کان یدلس عن الضعفاء** یعنی ضعیف راویوں سے تدلیس کرتے ہیں۔ (طبقات المدلسین ص ۵۴)۔

زیر بحث روایت میں انہوں نے تحدیث کی صراحت نہیں کی، الغرض یہ روایت ضعیف ہے اور کوئی

فقہ کے دیوبندی خراد پر تو قطعی طور پر ضعیف ہے کیونکہ ابن لہیعہ ان کے نزدیک ضعیف ترین راوی ہے، ملاحظہ ہو (احسن الکلام ص ۶۳ ج ۲)۔

(۱۸) عن هشام بن عروة قال رأيت عبد الله بن صفوان دخل المسجد يوم الجمعة وعبد الله بن الزبير يخطب على المنبر وعليه ازار ورداء ونعلان وهو متعمم بعمامة فاستلم الركن ثم قال السلام عليك يا امير المؤمنين ورحمة الله وبركاته ثم جلس ولم يركع۔

(طحاوی ص ۲۵٤ ج ۱)۔

حضرت ہشام بن عروہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبد اللہ بن صفوان رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا کہ وہ جمعہ کے دن مسجد حرام میں اس وقت تشریف لائے جب کہ حضرت عبد اللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما منبر پر خطبہ دے رہے تھے...... اور ان کے جسم پر اس وقت تہبند تھا اور چادر اور نعلین پہنے ہوئے تھے اور عمامہ باندھے ہوئے تھے، انہوں نے آ کر حجر اسود کو بوسہ دیا پھر کہا السلام علیک یا امیر المؤمنین ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، پھر بیٹھ گئے اور سنتیں نہیں پڑھیں (حدیث اور اہل حدیث ص ۸۱۵)

الجواب: اولا انوار صاحب کا استدلال یہ ہے کہ سیدنا عبد اللہ بن صفوان رضی اللہ عنہ نے چونکہ حالت خطبہ میں دو رکعت ادا نہیں کیں، اور کسی صحابی نے بھی یہ نہیں کہا کہ تم نے تحیۃ المسجد کیوں نہیں پڑھی، لہٰذا پڑھنا خلاف سنت اور مکروہ ہے (حدیث اور اہل حدیث ص ۸۲۱)

محترم عبد اللہ بن صفوان تابعی نے صرف نماز ہی ترک نہیں کی بلکہ بلند آواز سے السلام علیک یا امیر المؤمنین ورحمۃ اللہ وبرکاتہ بھی کہا ہے لیکن کسی صحابی نے اس پر انکار نہیں کیا ثابت ہوا کہ آنے والا بلند آواز سے خطیب کو اسی طرح السلام علیک یا فلان ورحمۃ اللہ وبرکاتہ بھی کہے اور یہ عین سنت ہے کیونکہ کسی صحابی نے انکار نہیں کیا۔ مگر افسوس کہ آپ کے ہاں سلام کہنا بھی مکروہ ہے ابن نجیم فرماتے ہیں۔

ما يحرم في الصلاة يحرم في الخطبة، یعنی جو چیز نماز میں مکروہ ہے وہ خطبہ میں بھی مکروہ ہے۔ (البحر الرائق ص ۱۵۵ ج ۲)۔

فتاوی شامی ص ۱۵۹ ج ۲ میں لکھا ہے کہ سلام کہنا گناہ ہے۔ مولانا تھانوی فرماتے ہیں کہ کوئی ایسا فعل کرنا جو سننے میں مخل ہو مکروہ تحریمی ہے اور کھانا پینا، بات چیت، چلنا پھرنا، سلام یا سلام کا جواب دینا، یا تسبیح پڑھنا، یا کسی کو شرعی مسئلہ بتانا جیسا کہ حالت نماز میں ممنوع ہے، ویسا ہی اس وقت بھی ممنوع ہے۔ (بہشتی زیور ۸۳۸)۔

لہٰذا انوار صاحب جو سلام کہنے کا جواب دیں گے وہی ہماری طرف سے نماز نہ پڑھنے کا سمجھ لینا۔

ثانیا: اس روایت سے زیادہ سے زیادہ یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ سیدنا عبد اللہ بن صفوان کے نزدیک تحیۃ المسجد ضروری نہ تھے۔ رہا صحابہ کا حکم نہ دینا یا اعتراض نہ کرنا تو اس کا جواب اوپر گزر چکا ہے۔

ثالثا: ہم نے دوران خطبہ آنے والے کو دو رکعت نماز ادا کرنے پر احادیث نبوی پیش کر دی ہیں، اور مرفوع حدیث کے بالمقابل اقوال تابعین حجت نہیں ہوتے۔

(۱۹) عن توبة العنبری قا ل قا ل الشعبی ارأیت الحسن حین یجئی وقد خرج الامام فیصلی عمن اخذا هذا؟ لقد رأیت شریحا اذا جاء وقد خرج الامام لم یصل۔

(طحاوی ص٢٥٤ ج١)۔

حضرت توبہ عنبری فرماتے ہیں کہ حضرت امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تم نے حسن بصری کو دیکھا ہے کہ جب جمعہ کے لئے آتے ہیں تو باوجود یہ کہ امام خطبہ کے لئے نکل کر آچکا ہوتا ہے۔ پھر بھی وہ نماز پڑھتے ہیں۔ یہ طریقہ انہوں نے کس سے لیا ہے؟ میں نے تو قاضی شریح کو دیکھا ہے کہ جب وہ جمعہ کے لئے تشریف لاتے اور امام خطبہ کے لئے نکل کر آچکا ہوتا تو پھر وہ نماز نہیں پڑھتے تھے۔ (حدیث اور اہل حدیث ۸۱۶)

الجواب: اولاً قاضی شریح نماز نہیں پڑھتے تھے۔ جب کہ حسن بصری پڑھ لیتے تھے، دونوں ہی تابعی ہیں۔ انوار صاحب ایک کا قول قبول کرتے ہیں دوسرے کا رد کرتے ہیں۔ حالانکہ حسن بصری کے قول کو رد کرنے کا ان کے پاس کوئی اخلاقی جواز نہیں۔

ثانیا: مرفوع حدیث کے بالمقابل آثار تابعین حجت نہیں، بلکہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک تو تابعی کا قول سرے سے حجت ہی نہیں، اور اصول فقہ حنفی میں بھی ادلہ چار ہیں، قرآن و سنت، اجماع، اور قیاس، جب کہ قاضی شریح کا قول ان میں سے کسی ایک میں بھی شمار نہیں ہوتا۔

ثالثا: سند میں ابراہیم بن مرزوق بصری راوی ہیں جو عمر کے آخری حصہ میں اندھے ہو گئے تھے، جس کی وجہ سے خطائیں کرتے تھے، اور پھر تسلیم نہ کرتے تھے، (تقریب ۲۳)۔ ایسے راویوں کی روایات بدوں متابعت قابل قبول نہیں ہوا کرتیں۔

(۲۰) عن الشعبیٰ قال کان شریح اذا اتی الجمعة فان لم یکن خرج الامام صلی رکعتین وان کان خرج جلس واحتبیٰ واستقبل الامام فلم یلتفت یمینا ولاشمالا۔

(مصنف ابن ابی شیبه ص١١٢ ج٢، مصنف عبد الرزاق ص٢٤٥ ج٣)۔

حضرت امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت قاضی شریح رحمۃ اللہ علیہ جب جمعہ کے لئے تشریف لاتے اور امام ابھی خطبہ کے لئے نہ نکلا ہوتا تو آپ دو رکعتیں (تحیۃ المسجد) پڑھ لیتے تھے۔ اور اگر امام خطبہ کے لئے آچکا ہوتا تو گوٹھ مار کر بیٹھ جاتے اور امام کی طرف توجہ فرماتے دائیں بائیں التفات نہ فرماتے۔

(حدیث اور اہل حدیث ص۸۱۶)

الجواب: اولا سند میں سفیان ثوری مدلس ہیں (تفصیل رفع الیدین میں گزر چکی ہے۔ وہاں سے

سے فارغ ہونے تک کوئی نماز نہ پڑھے۔ (حدیث اوراہل حدیث ص ۸۱۸)

الجواب: اولا نوے فیصد حنفی اس وقت ہی سنتیں ادا کرتے ہیں جب خطیب مسجد میں ہوتا ہے وعظ کے بعد اوراذان ثانی سے پہلے وقفہ دے کر سنتوں کو پڑھایا جاتا ہے، حالانکہ مذکورہ اثر سے اس کی نفی ہوتی ہے۔ **فما کان جوابکم فھو جوابنا۔**

ثانیا: کون سی نماز نہ پڑھے، انوار صاحب بضد ہیں کہ تحیۃ المسجد نہ پڑھے، ہم کہتے ہیں کہ قضاء نماز نہ پڑھے۔

ثالثا: مرفوع احادیث کے بالمقابل اقوال تابعین حجت نہیں۔

رابعا: اگر اس روایت کوتحیۃ المسجد پر ہی محمول کیا جائے تب بھی انوار صاحب کا مسلک کراہت ثابت نہیں ہوتا۔

(۲۵) عن ھشام بن عروۃ عن ابیه قال اذا قعد الامام علی المنبر فلا صلاۃ۔

(مصنف ابن ابی شیبه ص ۱۱۱ ج ۲)۔

ہشام بن عروہ رحمہا اللہ اپنے والد حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا جب امام خطبہ کے لئے منبر پر بیٹھ جائے تو پھر کوئی نماز جائز نہیں۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۸۱۸)

الجواب: اولاً: کوئی نماز'' میں حنفیہ کی قضاء نماز بھی شامل ہے۔

فما کان جوابکم فھو جوابنا۔

ثانیا: اگر اسے تحیۃ المسجد پر ہی محمول کر لیں تب بھی حنفیہ کا مسلک کراہت ثابت نہیں ہوتا۔

ثالثا: مرفوع کے بالمقابل موقوفات صحابہ حجت نہیں۔

(۲۶) عن معمر عن الزھری فی الرجل یجئی یوم الجمعۃ والامام یخطب یجلس ولا یصل۔

(مصنف ابن ابی شیبه ص ۱۱۱ ج ۲ ، طحاوی ص ۲۵۴ ج ۱)۔

حضرت معمر حضرت ابن شہاب زہری رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا جو شخص جمعہ کے دن اس وقت آئے جب کہ امام خطبہ دے رہا ہو تو وہ بیٹھ جائے نماز نہ پڑھے۔ (حدیث اوراہل حدیث ۸۱۸)

الجواب: اولاً حنفی جو صورت قضاء نماز کے متعلق اختیار کریں گے وہی جواب ہماری طرف سے تحیۃ المسجد کا سمجھ لینا۔

ثانیا: امام زہری اتباع تابعین سے ہیں، اور اتباع تابعین کے اقوال بالاتفاق دین میں حجت نہیں بالخصوص جب وہ مرفوع احادیث کے معارض ہوں۔

(۲۷) عن الزهری عن ابن المسیب قال خروج الامام یقطع الصلاة کلامه یقطع الکلام۔

(مصنف ابن ابی شیبه ص ۱۱۱ ج ۲ و مصنف عبد الرزاق ص ۲۰۸ ج ۳)۔

حضرت ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ حضرت سعید بن میبّب رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا امام کا خطبہ کے لئے نکلنا نماز کو اور اس کا کلام کرنا گفتگو کو بند کر دیتا ہے۔

(حدیث اور اہل حدیث ۸۱۹)

الجواب: اولاً امام سعید بن میبّب کے اس اثر میں خطبہ کو کلام قرار دیا گیا ہے مگر آپ اسے خطیب کا کلام تسلیم نہیں کرتے بلکہ شدت کے ساتھ اس کی نفی کرتے ہوئے ذکر قرار دیتے ہیں۔

ثانیا: آپ کے نزدیک امام کے آنے پر نماز بند نہیں ہوتی بلکہ منبر پر خطبہ کے لئے بیٹھنے پر ختم ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ حنفی اذان ثانی سے قبل اور وعظ کے بعد باضابطہ وقفہ دے کر امام کی موجودگی میں سنن وغیرہ ادا کرتے ہیں، **فما کان جوابکم فهو جوابنا۔**

ثالثا: مرفوع احادیث کے بالمقابل تابعین کے اقوال حجت نہیں۔

رابعا: آپ نے جو بھی اقوال گزشتہ صفحات میں درج کئے ہیں ان میں سے کسی سے بھی کراہت ثابت نہیں ہوتی۔ جو آپ کا مسلک ومذہب اور مؤقف ہے۔

(۲۸) عن لیث عن مجاهد انه کره ان یصلی و الامام یخطب۔

(طحاوی ص ۲۵۵ ج ۱)۔

حضرت لیث رحمۃ اللہ علیہ حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ خطبہ کے وقت نماز پڑھنے کو مکروہ سمجھتے تھے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۸۱۹)

الجواب: اولا: محترم اگر کراہت سے مراد آپ کی تحیۃ المسجد ہے تو قضاء کو بھی یہ کراہت شامل ہے۔

ثانیا: اس کی سند میں لیث بن ابی سلیم راوی ہے جو مختلط ہے اور اس کی روایات میں تمیز نہیں ہو سکی جس کی وجہ سے اسے ترک کر دیا گیا تھا۔ (تہذیب ص ۲۸۷)۔

خلاصہ کلام: انوار صاحب نے کل دلائل ۲۸ درج کئے ہیں ان میں سے صرف سات روایات (۱، ۲، ۳، ۴، ۵، ۶، ۷) مرفوع ہیں اور دو (۳، ۷) روایات ضعیف ہیں بقایا پانچ احادیث میں سے کسی کا یہ مضمون نہیں کہ خطبہ جمعہ کے دوران دو رکعت تحیۃ المسجد ادا نہ کی جائیں، صرف ہمہ تن گوش ہو کر خطبہ سننے کی تلقین ہے۔ اگر ان روایات سے نماز کی نفی ہوتی ہے تو ان سے حنفیہ کے مسلک پر بھی چوٹ آتی ہے۔ کیونکہ ان کے نزدیک حالت خطبہ میں قضاء نماز پڑھی جا سکتی ہے۔ رہے آثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تو ان کی کل تعداد بارہ ہیں (۸، ۹، ۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۳، ۱۴، ۱۵، ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۲۵) ان میں سے پانچ (۹، ۱۴، ۱۵،

السبعی ہیں اور یہ مختلط ہیں یعنی زندگی کے آخری حصے میں یادداشت نہ رہی تھی۔

(تقریب ص۲۶۱) اور یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ مروی عنہ نے ان سے کب سماع کیا تھا۔ ابو اسحاق سے روایت کرنے والا راوی حصین بن عبد الرحمٰن السلمی ہے۔ اور یہ بھی مختلط ہے (تقریب ص۷۶) اور معلوم نہیں ہوسکا کہ مروی عنہ نے ان سے یہ روایت کب سنی ہے۔

اور سلمی سے روایت کرنے والا، محمد بن عبد الرحمٰن السلمی الباہلی راوی ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کی روایات کا کوئی متابع نہیں۔ امام یحییٰ بن معین فرماتے ہیں ضعیف ہے۔ (لسان المیزان ص۲۴۵ ج۵)۔ جس روایت کی سند میں دو راوی مختلط ہوں تیسرا سیئی الحفظ ہو اور چوتھا ضعیف ہو اس روایت کے منکر و باطل ہونے میں کیا کلام ہوسکتا ہے، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔ (فتح الباری ص۴۱۴ ج۲)۔

(۲) عن ابن عباس قال کان رسول الله يركع قبل الجمعة اربعا وبعدها اربعا لايفصل بينهن۔ (مجمع الزوائد ص١٩٥ ج٢)۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چار رکعات جمعہ سے پہلے پڑھتے تھے اور چار رکعات جمعہ کے بعد اور ان رکعتوں میں (درمیان میں دو رکعتوں پر سلام پھیر کر) فصل نہیں کرتے تھے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص۸۲۲)

الجواب: اس کی سند میں بقیہ بن ولید راوی ہے۔

(ابن ماجہ رقم الحدیث ۱۱۲۹) طبرانی کبیر ص ۱۰۰ ج۱۲ رقم الحدیث ۱۲۶۷۴) جو کثرت کے ساتھ ضعیف و مجہول راویوں سے تدلیس کرتا ہے۔ (تقریب ص٤٦ وطبقات المدلسين ص٤٩)۔

زیر بحث روایت میں سماع کی صراحت نہیں۔ بقیہ کا استاد، مبشر بن عبید قرشی ہے۔ اور یہ کذاب ہے۔ امام احمد فرماتے ہیں کہ بقیہ اس سے موضوع و من گھڑت روایات نقل کرتا ہے اور دوسری بار فرمایا ہیچ محض اور احادیث وضع کرتا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں منکر الحدیث ہے۔ ابن حبان فرماتے ہیں ثقات سے موضوع روایات بیان کرتا ہے اس کا تذکرہ کرنا جائز نہیں مگر تعجب کی نظر سے، امام دارقطنی فرماتے ہیں متروک ہے۔ احادیث وضع کرتا اور جھوٹ بولتا تھا۔

(تهذيب الكمال ص٣٠ ج٧، وتهذيب التهذيب ص٣٢ ج١٠)۔

مبشر کا استاد حجاج بن ارطاۃ ہے اور یہ مدلس ہے جیسا کہ امام یحییٰ بن سعید امام ابو زرعہ، امام ابو حاتم، امام عبد اللہ بن مبارک، امام ابن خراش، امام ابن عدی، حافظ ابن حجر اور علامہ ذہبی نے صراحت کی ہے۔ (تهذيب الكمال ص٥٨ ج٢، وميزان ص٤٦٠ ج١ وتقريب ٦٤)۔

حجاج نے یہاں سماعت کی صراحت نہیں کی بلکہ عن کر کے روایت کی ہے اور حجاج کا استاد عطیہ

العوفی ہے اور یہ کثرت سے خطائیں اور تدلیس کرتا ہے۔ (تقریب ص ٢٤٠)۔

الغرض سند میں تین جگہ تدلیس ہے چوتھی جگہ پر راوی کذاب ہے اور جب سند میں اس قدر عیب ہوں اس کے باطل ہونے میں کیا کلام ہوسکتا ہے۔ (ھیثمی نے مجمع الزوائد ص١٩٥ ج٢) میں زیلعی نے، (نصب الرایہ ص٢٠٦ ج١) میں نووی نے، (مجموع ص١٠ ج٤) میں ابن قیم نے (زاد المعاد ص١٤٩ ج١) میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے (فتح الباری ص٣٤١ ج٢) میں اور البانی نے (ضعیف ابن ماجہ ص٨٣) میں اس روایت کو سخت ضعیف قرار دیا ہے۔

(٣) عن ابی هريرة (مرفوعا) من كان مصليا (يوم الجمعة) فليصل قبلها اربعا و بعده اربعا۔

(رواه النجار بحواله كنز العمال ص٧٤٩ ج٧)۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضور علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ جمعہ کے دن جو نماز پڑھے وہ چار رکعات جمعہ سے پہلے پڑھے اور چار رکعات جمعہ کے بعد۔

(حديث اوراهل حديث ٨٢٤)

الجواب: اولاً یہ النجار نہیں بلکہ ابن النجار ہے۔ پورا نام ابو عبد اللہ محمد بن محمود ابن الحسن بن ہبۃ اللہ بن محاسن المعروف بابن النجار۔ (البغدادی المتوفی ٦٤٣ھ ہے۔

ثانیا: صاحب کنز نے وضاحت نہیں کی کہ ابن نجار کی کون سی کتاب میں یہ روایت ہے، ہاں البتہ مقدمہ ص٢٤ میں صراحت ہے کہ ابن نجار کی تاریخ بغداد سے روایات کو لیا ہے۔

ابن نجار کی، ذیل تاریخ بغداد،، ہمارے پیش نظر ہے اس میں متن روایت یہ ہے کہ

عن ابی هريره عن النبی ﷺ قال من كان منكم مصليا بعد الجمعة فليصلی بعده اربعا۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی جب جمعہ کے بعد نماز پڑھے تو وہ چار رکعات پڑھے۔

(ذيل تاريخ بغداد ص١٧٧ ج١ زير رقم الترجمه ١٧٤، عبد الواحد بن محمد بن عبدالواحد بن الداريج، ابو السعود بن ابی طاهر المعروف بابن الطراح، مطبوع دار الكتب العلميه بيروت ١٩٩٧ھ)

اس سے ثابت ہوا کہ قبلها اربعا۔ کے الفاظ، ابن النجار، کی طرف منسوب کرنے میں صاحب کنز العمال اور سیوطی کو وہم ہوا ہے۔

ثانیا: ہاں خطیب نے، تاریخ بغداد ص٣٦٥ ج٩ وفی نسخۃ الاخری ص٣٦٢ ج٩) میں اسے روایت کیا ہے جس کے الفاظ ہیں نبی مکرم ﷺ جمعہ سے قبل اور بعد دو دو رکعت پڑھتے تھے۔ لیکن اس کی سند میں حسن بن قتیبہ الخزاعی راوی ہے۔

علامہ ذہبی فرماتے ہیں، ہالک ہے۔ امام دارقطنی متروک اور ابو حاتم ضعیف کہتے ہیں اور عقیلی

فرماتے ہیں کثیر الوہم ہے۔ (لسان ص۲٤٦ ج۲، میزان ٥١٩ ج۱ و تاریخ بغداد ص٤١٧ ج۷)۔

مزید برآں یہ کہ حسن نے یہاں امام سفیان بن عیینہ کے حفاظ شاگردوں کی مخالفت کی ہے۔ تفصیل کے لئے (القول المقبول ۶۲۹) کی مراجعت کریں۔

الغرض یہ روایت من گھڑت اور باطل ہے۔

(۴) عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ اذا صلی احدکم الجمعة فلیصل بعده اربعا۔ (مسلم ص۲۸۸ ج۱)۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب کوئی شخص تم میں سے جمعہ پڑھے تو اسے چاہئے کہ جمعہ کے بعد چار رکعتیں پڑھے۔

(۵) عن سالم عن ابیه ان النبی ﷺ کان یصلی بعد الجمعة رکعتین۔ (بخاری ص۱۲۸، مسلم ۲۸۸ ج۱ واللفظ لمسلم)

حضرت سالم اپنے والد سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام جمعہ کے بعد دو رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔

(۶) عن ابن عمر قال کان رسول اللہ ﷺ یصلی بعد الجمعة رکعتین فی بیته۔ (ابو داؤد ص۱۶۱ ج۱)۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جمعہ کے بعد دو رکعتیں پڑھتے تھے اپنے گھر میں۔ (حدیث اور اہل حدیث ص۸۲۴، ۸۲۵)

الجواب: اولاً اختلاف صرف نماز جمعہ کی پہلی سنتوں میں ہے، بعد والی سنتوں میں قطعا اختلاف نہیں، اور مذکورہ احادیث میں بعد کی سنتوں کا بیان ہے۔ لہذا اس سے انوار صاحب کا مسلک ثابت نہیں ہوتا۔

ثانیا: قولی حدیث میں چار اور فعلی میں دو کا ذکر ہے اس لئے قولی حدیث کو مقدم رکھا جائے گا اور جمعہ کے بعد چار سنتیں پڑھنا ہمارا مسلک و مذہب اور مؤقف ہے۔ بہتر یہ ہے کہ انہیں گھر میں ادا کیا جائے جیسا کہ ابو داؤد کی مذکورہ حدیث میں ذکر ہے۔ کہ رسول اللہ ﷺ گھر میں پڑھتے تھے۔ اور حدیث میں بھی آیا ہے فرض نماز کے علاوہ باقی نمازیں گھر میں افضل ہیں۔

(۷) عن قتادۃ ان ابن مسعود کان یصلی قبل الجمعة اربع رکعات وبعدها اربع رکعات۔ (مصنف عبد الرزاق ص۲٤٧ ج۳)۔

حضرت قتادہ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جمعہ سے پہلے بھی چار رکعتین پڑھتے تھے اور جمعہ کے بعد بھی چار رکعتیں پڑھتے تھے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص۸۲۵)

الجواب: یہ روایت بوجہ مرسل ضعیف ہے۔ سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ۳۲ھ میں فوت ہوئے۔ (تقریب ۱۸۹) جب کہ قتادہ کی پیدائش ۶۱ھ میں ہوئی تھی۔ (تہذیب الکمال ص۱۰۳ ج٦)۔ قتادہ چوتھے طبقہ کے راوی ہیں جن کی کبائر تابعین سے روایت ہوا کرتی ہے۔

(۸) عن ابی عبد الرحمن السلمی قال کان عبد اللہ یامرنا ان نصلی قبل الجمعۃ اربعا و بعدھا اربعا حتی جاء نا علی فامرنا ان نصلی بعدھا رکعتین ثم اربعا۔

(مصنف عبد الرزاق ص٢٤٧ ج٣)۔

حضرت ابوعبد الرحمٰن سلمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہمیں حکم دیتے تھے کہ ہم جمعہ سے پہلے بھی چار رکعتیں پڑہیں اور جمعہ کے بعد بھی چار رکعتیں پڑھیں حتی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو انہوں نے ہمیں حکم دیا کہ ہم جمعہ کے بعد پہلے دو رکعتیں پڑھیں پھر چار رکعتیں پڑھیں۔

(۹) عن ابی عبد الرحمن قال کان عبد اللہ بن مسعود یعلمنا ان نصلیٰ اربع رکعات بعد الجمعۃ حتی سمعنا قول علی صلوا ستا قال ابو عبد الرحمن فنحن نصلی ستا قال عطاء ابو عبد الرحمن یصلی رکعتین ثم اربعا۔ (معجم طبرانی کبیر ص ٣١٠ ج٩، مصنف ابن ابی شیبہ ص١٣٢ ج٢)۔

حضرت ابوعبد الرحمٰن سلمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہمیں تعلیم دیتے تھے کہ ہم جمعہ کے بعد چار رکعتیں پڑھا کریں حتی کہ ہم نے حضرت علی کا قول سنا کہ جمعہ کے بعد چھ رکعتیں پڑھو۔ حضرت ابوعبد الرحمٰن کہتے ہیں کہ پھر ہم چھ رکعتیں پڑھنے لگے، حضرت عطاء کہتے ہیں کہ حضرت ابوعبد الرحمٰن سلمی جمعہ کے بعد پہلے دو رکعتیں پڑھتے تھے۔ پھر چار رکعتیں۔

(حدیث اور اہل حدیث ۸۲٦)

الجواب: اولا سند میں عطاء بن سائب راوی ہے جو مختلط ہیں یعنی ان کا حافظہ آخر میں خراب ہوگیا تھا، امام یحیٰی بن سعید، امام احمد بن حنبل، امام ابن معین، امام عجلی امام ابو حاتم وغیرہ فرماتے ہیں شعبہ اور ثوری کی روایات قدیم ہیں۔ امام نسائی، امام یحیٰی قطان، حماد کی روایات کو بھی قدیم قرار دیتے ہیں امام حمیدی فرماتے ہیں، ابن عیینہ نے بھی تغیر سے پہلے سماع کیا ہے۔

(تہذیب التہذیب ص٢٠٦ ج٧ وتہذیب الکمال ص١٧٢ ج٥)۔

اور ان کے علاوہ راویوں کی روایات اختلاط کے بعد کی ہیں، اور زیر بحث روایت کو عطاء سے روایت کرنے والے، زائدۃ بن قدامہ اور ہشیم بن بشیر ہیں۔

لہذا یہ روایت ضعیف ہے۔ مزید برآں یہ کہ سلمی کا سیدنا ابن مسعود سے سماع نہیں جیسا کہ امام شعبی نے کہا ہے۔ (تہذیب الکمال ص۱۱۱ ج۴)۔

ثانیا: اگر کہا جائے کہ عبد الرزاق کی روایت میں سفیان ثوری ہیں۔ جو قدیم السماع ہیں تو جواب اس کا یہ ہے کہ سفیان ثوری مدلس ہیں۔ (مسئلہ رفع الیدین میں تفصیل گزر چکی ہے) اور یہاں انہوں نے سماع کی صراحت نہیں کی۔ الغرض یہ روایت ضعیف ہے۔

ثالثا: انوار صاحب نے جو متن ابن ابی شیبہ کی طرف منسوب کیا ہے وہ طبرانی کا ہے مصنف کا متن اس طرح ہے۔

عن ابی عبد الرحمن قال قدم علینا ابن مسعود فکان یامرنا ان نصلی بعد الجمعة اربعا فلما قدم علینا علی امرنا ان نصلی ستا فاخذنا بقول علی وترکنا قول عبد الله، قال کنا نصلی رکعتین ثم اربعا۔

ابو عبد الرحمٰن سلمی کہتے ہیں کہ ہمارے پاس سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور وہ نماز جمعہ کے بعد چار رکعات پڑھنے کا حکم دیا کرتے تھے۔ پھر سیدنا علی رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو انہوں نے چھ رکعات پڑھنے کا حکم دیا ہم نے علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا قول پکڑ لیا اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے قول کو ترک کر دیا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص۱۳۲ ج۲)۔

غور کریں اس میں پہلی سنتوں کا تذکرہ تک نہیں صرف بعد والی سنتوں کی تعداد اور قول علی رضی اللہ عنہ کو اپنانے اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے قول کو ترک کرنے کا ذکر ہے۔ لیکن انوار صاحب اس سے پہلی سنتوں پر دلیل قائم کر رہے ہیں انا اللہ وانا الیہ راجعون۔

رابعا: انوار صاحب اثر میں مروی ابو عبد الرحمٰن سلمی کے قول کا جو جواب عنایت کریں گے وہی جواب ہماری طرف سے قول علی کا سمجھ لینا۔

(۱۰) عن ابی عبد الرحمن عن علی انه قال من کان مصلیا بعد الجمعة فلیصل ستا۔

(طحاوی ص۲۳۳)۔

حضرت ابو عبد الرحمٰن سلمی رحمہ اللہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جو شخص جمعہ کے بعد نماز پڑھے اسے چاہئے کہ وہ چھ رکعات پڑھے۔ (حدیث اور اہل حدیث ۸۲۶ ج۱)۔

الجواب: اولاً انوار صاحب نے خود نمبر ۴ میں حدیث نقل کی ہے کہ حضور علیہ السلام چار رکعات جمعہ کے بعد پڑھنے کا کہتے تھے اور خود دو رکعات پڑھتے تھے نمبر ۵ ص۸۲۵) اور قول علی میں چھ پڑھنے کا بیان ہے، اور یہ مسلمہ اصول ہے کہ جب مؤقوف و مرفوع میں اختلاف ہو تو تب موقوف روایات قابل قبول نہیں ہوا کرتیں۔

ثانیا: صرف بعد کے پڑھنے سے ثابت ہوا کہ نماز جمعہ سے پہلے سنتیں نہیں ہیں۔

ثالثا: سند میں سفیان ثوری ہیں جو ثقہ وثبت اور حجت ہیں مگر مدلس ہیں علامہ ذہبی فرماتے ہیں۔

کان یدلس عن الضعفاء، یعنی ضعیف راویوں سے تدلیس کرتے ہیں، (میزان ص ۱۶۹ ج ۲)، اور زیر بحث روایت میں تحدیث کی صراحت نہیں بلکہ معنعن مروی ہے لہٰذا ضعیف ہے۔

رابعا: رہا انوار صاحب کا امام ترمذی کا قول نقل کرنا صفحہ ۸۲۷) تو انہوں نے یہ قول تعلیقا (بلاسند) درج کیا ہے۔ بلاسند بات حجت نہیں ہوا کرتی۔

(۱۱) عن جبلة بن سحیم عن عبد الله بن عمر انه کان یصلی قبل الجمعة اربعا لایفصل بینهن بسلام ثم بعد الجمعة رکعتین ثم اربعا۔ (طحاوی ص ۲۳۱ ج ۱)۔

حضرت جبلہ بن سحیم رحمۃ اللہ علیہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ آپ جمعہ سے پہلے چار رکعت پڑھتے تھے اور ان کے درمیان (دو رکعت پر) سلام پھیر کر فصل نہیں کرتے تھے۔ پھر جمعہ کے بعد پہلے دو رکعتیں پڑھتے تھے پھر چار رکعتیں۔ (حدیث اوراہل حدیث ص ۸۲۷)

الجواب: اولا یہ اثر آپ کے لئے تب مفید ہے جب آپ کسی خارجی دلیل سے ثابت کردیں کہ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ دس رکعات سنت سمجھ کر ادا کرتے تھے۔ مگر افسوس کہ آپ صرف عدد دیکھ کر پھولے نہیں سماتے اور جھٹ یہ فتویٰ صادر کردیا ہے کہ یہ سنت ہیں، سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جمعہ کے روز علی الصبح ہی مسجد میں تشریف لے آتے اور لمبی چوڑی نماز پڑھتے تھے۔ امام نافع بیان کرتے ہیں کہ،

کان ابن عمر یهجر یوم الجمعة فیطیل الصلوٰة قبل ان یخرج الامام۔

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جمعہ کے دن دوپہر کے وقت ہی مسجد میں تشریف لے آتے اور پیش امام کے آنے تک نماز طویل پڑھتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۱۳۱ ج ۲)۔

اس روایت کی سند سورج کی طرح چمکتی ہوئی صحیح ہے۔

اس روایت سے ثابت ہوا کہ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ امام کے آنے تک جس قدر نوافل پڑھے جاسکتے تھے پڑھا کرتے تھے، اور احادیث صحیحہ کا مفاد بھی یہی ہے، خود انوار صاحب نے ص ۸۰۶، ص ۸۰۷، پر سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث بخاری ص ۱۲۴ ج ۱ سے اور سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مسلم ص ۲۸۳ ج ۱ سے نقل کی ہے کہ **فصلی ماقدر له**، پھر جتنی نماز اس کے مقدر میں تھی۔ پڑھی، الحدیث، ان احادیث سے بھی ثابت ہوا کہ نماز جمعہ کے لئے جلدی جلدی جانا چاہئے اور خطیب کے آنے تک مقدور بھر نوافل ادا کرنے چاہئے اس سے ہمیں قطعا انکار نہیں، انکار اس سے ہے کہ یہ نوافل ہی ہیں۔ سنت مؤکدہ قطعا نہیں، اورنماز جمعہ سے قبل چار رکعات سنت اس اثر سے ثابت کرنا آپ کا تحکم ہے۔

(۱۲) عن عطاء قال کان ابن عمر اذا صلی الجمعة صلی بعدها ست رکعات رکعتین ثم اربعا۔

(مصنف ابن ابی شیبة ص ۱۳۲ ج ۲ ترمذی ص ۱۱۷)۔

حضرت عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جب جمعہ پڑھتے تو جمعہ کے بعد چھ رکعتیں پڑھتے تھے۔ پہلے دو رکعتیں پھر چار رکعتیں۔ (حدیث اور اہل حدیث ۸۲۸)

الجواب: **اولاً** امام ابوحنیفہ کے نزدیک جمعہ کے بعد چار رکعت سنتیں ہیں جب کہ صاحبین کے نزدیک چھ رکعات ہیں۔ (معارف السنن ص۴۱۱ ج۴) علامہ حلبی نے صاحبین کے قول پر فتویٰ دیا ہے (کبیری ص۳۸۹)۔ اور عام حنفی حضرات کا بھی یہی مؤقف ہے حالانکہ فقہ و فتاویٰ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ فتویٰ مطلق قول امام پر ہوتا ہے۔ مگر یہاں مقلدوں نے غیر مقلدی کرتے ہوئے، امام ابوحنیفہ کے فتویٰ کو ترک کر دیا ہے۔ خیر انہوں نے تقلید ابوحنیفہ کو ترک کر کے قاضی ابو یوسف کا دامن پکڑا تھا۔ پھر تھوڑی دور آگے چل کر اسے بھی چھوڑ دیا، اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ قاضی ابو یوسف کہتے ہیں کہ پہلے چار رکعات اور پھر دو رکعات پڑھی جائیں۔

(شرح معانی الاثار للطحاوی ص۲۳۳ ج۱)۔

ابن نجیم حنفی ذخیرہ تجنیس، سے نقل کرتے ہیں کہ مشائخ کی اکثریت قاضی ابو یوسف کے قول پر ہے۔ (البحر الرائق ص۴۹ ج۲)۔ علامہ حلبی فرماتے ہیں کہ افضل یہی ہے کہ پہلے چار پھر دو رکعت ادا کی جائیں (حلبی کبیر ص۳۸۹) مگر دیوبندی کہتے ہیں کہ چار کی بجائے پہلے دو رکعات ادا کرنا راجح ہیں (فیض الباری ص۳۴۸ ج۲)۔

دیکھتے جانا حنفیہ نے پہلے امام ابوحنیفہ کی تقلید کو ترک کیا اور قاضی ابو یوسف کا دامن پکڑا پھر ان سے بھی ہاتھ کر گئے، یہ ابھی تک مقلد ہی ہیں۔

ثانیاً: اس روایت سے جمعہ کی پہلی سنتیں ثابت نہیں ہوتیں،

ثالثاً: یہ بھی تا حال محتاج دلیل ہی ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ چھ رکعات سنت سمجھ کر ادا کرتے تھے۔

رابعاً: ترمذی کی سند میں، ابن جریج کی تدلیس ہے اور ابن ابی شیبہ میں ابو اسحاق راوی مختلط ہے۔ اس کے برعکس امام سالم فرماتے ہیں کہ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جمعہ کے بعد دو رکعات پڑھا کرتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۱۳۲ ج۲)۔ سند صحیح ہے۔

(۱۳) عن ابی بکر بن ابی موسیٰ عن ابیه انه کان یصلی بعد الجمعة ست رکعات۔

(مصنف ابن ابی شیبه ص۱۳۲ ج۲)۔

حضرت ابو بکر بن ابو موسیٰ اپنے والد حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ جمعہ کے بعد چھ رکعتیں پڑھتے تھے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص۸۲۸)

الجواب: بلاشبہ یہ اثر سند کے لحاظ سے صحیح ہے لیکن انوار صاحب کا مسلک اس سے ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ اختلاف صرف جمعہ سے پہلے سنتیں پڑھنے پر ہے، نوافل سے ہم قطعاً اختلاف نہیں رکھتے

ہیں۔ یہ جس قدر چاہے انسان پڑھ سکتا ہے۔ پہلے بھی اور بعد میں بھی، انوار صاحب نے ابھی تک کوئی دلیل نقل نہیں کی جس کا یہ معنی ہو کہ جمعہ کی دس رکعات سنت ہیں۔ جن میں سے چار پہلے اور چھ بعد میں ہیں۔ اور زیر بحث روایت میں چار سنتیں ہیں اور دو رکعات نوافل پر محمول ہیں تاکہ موقوف ومرفوع میں اختلاف نہ رہے۔ اگر چھ کو ہی سنتیں قرار دیا جائے تو فرمان نبوی کی مخالفت لازم آئے گی، کیونکہ نبی مکرم ﷺ نے جمعہ کے بعد چار رکعت ادا کرنے کا کہا ہے۔ اوراز خود نبی علیہ السلام دو رکعات پڑھا کرتے تھے۔ جیسا کہ انوار صاحب نے نمبر ۴، ۵ میں احادیث نقل کی ہے۔

(۱۴) عن محمد بن المنتشر عن مسروق قال کان یصلی بعد الجمعة ستا رکعتین واربعا۔

(مصنف ابن ابی شیبه ص۱۳۲ ج۲)۔

حضرت محمد بن منتشر حضرت مسروق رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حضرت مسروق رحمۃ اللہ علیہ جمعہ کے بعد چھ رکعتیں پڑھا کرتے تھے، پہلے دو رکعتیں پھر چار۔

(حدیث اور اہل حدیث ۷۲۸)

الجواب: سلسلہ سند یہ ہے کہ **حدثنا وکیع عن زکریا عن محمد بن المنتشر**، سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ زکریا کون ہے۔ امام وکیع کے تین استاد زکریا نام کے ہیں۔ (ابن اسحاق مکی، ابن ابی زائدۃ، اور ابن سلیم) تہذیب الکمال ص۴۶۱ ج۷)، سوال یہ ہے کہ ان میں سے کون مراد ہے۔ جو بھی صورت اختیار کی جائے پھر اس زکریا کی محمد بن منتشر سے روایت کرنی ثابت کی جائے ہمارے خیال میں یہ زکریا بن ابی زائدۃ ہیں جو مدلس ہیں، اور انہوں نے تدلیس کی ہے لہذا یہ روایت ضعیف ہے مزید برآں یہ کہ چھ رکعات پڑھنے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ان کے نزدیک چھ رکعات مسنون ہیں۔ نوافل کیوں نہیں ہوسکتے وضاحت کی جائے۔

خلاصہ کلام: انوار صاحب نے کل ۱۴ روایات نقل کی ہیں۔ ان میں سے پہلی چھ روایات مرفوع ہیں سات مؤقوف اور ایک قول تابعی ہے۔ مرفوع روایات میں سے پہلی دو روایات ضعیف ہیں تیسری روایت کے الفاظ ثابت نہیں بلکہ صاحب کنز العمال کا وہم ہے پھر ان سے دس عدد سنتیں بھی ثابت نہیں صرف آٹھ رکعت کا بیان ہے۔

بقایا تین میں سے نمبر ۴ میں صرف جمعہ کے بعد چار رکعات پڑھنے کا حکم نبوی ہے، نمبر ۵ میں نبی علیہ السلام کا دو رکعت ادا کرنے کا بیان ہے۔ اور نمبر ۶ میں ان دو رکعتوں کو گھر میں پڑھنے کا ذکر ہے الغرض انوار صاحب نبی مکرم ﷺ سے قولا وفعلا کوئی ایسی روایت پیش نہیں کر سکے جس کا یہ معنی ومفہوم ہو کہ جمعہ کی دس رکعات سنتیں ہیں، چار پہلے اور چھ بعد میں، رہی موقوف روایات تو ان میں سے کوئی روایت بھی صحیح نہیں اس کے باوجود انوار صاحب فرماتے ہیں۔

مذکورہ احادیث و آثار سے ثابت ہو رہا ہے کہ جمعہ کی دس سنتیں ہیں، چار رکعات سنت مؤکدہ نماز جمعہ سے پہلے اور چھ رکعات سنت مؤکدہ نماز جمعہ کے بعد۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۸۲۸)

حالانکہ کسی حدیث و اثر کا یہ معنیٰ و مفہوم نہیں جو انوار صاحب بیان کر رہے ہیں یہ ان کا محض تحکم ہے مزید ارشاد فرماتے ہیں کہ۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا جمعہ کے بعد چھ رکعات پڑھنے کا حکم دینے سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ ضرور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قول و فعل ہی سے اخذ کر کے یہ حکم دیا کرتے تھے۔ کیونکہ یہ تو ناممکن ہے کہ آپ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قول و فعل کے خلاف اپنی رائے و قیاس سے کوئی حکم دیں، (حدیث اور اہل حدیث ص ۸۲۹)

ہم ثابت کر آئے ہیں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے مروی یہ اثر ضعیف ہے بلفظ دیگر آپ کا یہ حکم دینا ثابت نہیں۔ مزید برآں ہم یہ ثابت کر آئے ہیں کہ سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ چار رکعات پڑھنے کا حکم دیا کرتے تھے۔ او راس پر وہی تقریر ہے جو آپ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے اثر پر بیان کی ہے، لہٰذا جو صورت آپ سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے قول کی اختیار کریں گے وہی جواب ہماری طرف سے قول علی رضی اللہ عنہ کا سمجھ لینا،

حیرانگی کی بات ہے کہ حکم علی اور ابن مسعود ایک ہی روایت میں مروی ہے مگر انوار صاحب ایک کو قبول کرتے ہیں اور دوسرے کا رد کرتے ہیں۔ اور وجہ ترجیح بھی بیان کرنے کی زحمت نہیں کرتے۔

رہا سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا اثر تو اس کا ضعف بھی ہم بیان کر آئے ہیں اور ان کا عمل جمعہ کے بعد دو رکعت پڑھنا بسند صحیح بھی ہم نے نقل کر دیا۔ سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے اثر میں جہالت ہے، آخری قول امام مسروق تابعی کا ہے۔ جو ضعیف ہونے کے علاوہ شرعی طور پر حجت بھی نہیں کیونکہ دین میں اقوال تابعین کی حیثیت محض ایک امتی کے قول کی ہے جس کا ادلہ اربعہ میں شمار نہیں ہوتا۔

الغرض انوار صاحب کسی بھی مرفوع و موقوف حدیث سے جمعہ کی مطلوبہ سنتوں کی تعداد ثابت نہیں کر سکے، بالخصوص نماز جمعہ سے پہلے کی چار رکعات پر کوئی دلیل صحیح درج نہیں کی، جو بھی زیب رقم فرمایا ہے وہ غیر متعلقہ اور ضعیف روایات ہیں پھر ان میں اپنی رائے و قیاس سے ان سے سنتیں ثابت کی ہیں۔ متن روایات میں کوئی ایسا قرینہ نہیں جو ان کے مدعا کو ثابت کرتا ہو۔ آخر میں متعدد بار یہ غلط بیانی کی ہے کہ اہل حدیث جمعہ کے بعد دو رکعات ہی پڑھتے ہیں چار نہیں ص ۸۳۰، ۸۳۱۔

اس کے جواب میں صرف یہی کافی ہے، باندھی ہے تو نے زیر فلک جھوٹ پر کمر!

(۴۷) باب جمعہ وعید ایک دن اکٹھے ہوجائیں تو جمعہ کی رخصت ثابت ہے

فصل اول

(۱) عن ایاس بن ابی رملة الشامی قال، شهدت معاویة بن ابی سفیان وهو یسال زید بن ارقم قال، أشهدت مع رسول اللهﷺ عیدین اجتمعا فی یوم؟ قال، نعم قال، فکیف صنع، قال، صلی العید ثم رخص فی الجمعة فقال، من شاء ان یصلی فلیصل۔

امام ایاس بن رملہ شامی کہتے ہیں کہ سیدنا معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما میری موجودگی میں سیدنا زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوکر سوال کیا کہ آیا آپ نے کبھی جمعہ اور عید ایک دن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پایا ہے؟ انہوں نے کہا ہاں پایا ہے، تب سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کس طرح کیا؟ سیدنا زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عید کی نماز پڑھائی پھر جمعہ میں رخصت دی اور فرمایا کہ جس کا جی چاہے جمعہ پڑھ لے۔

(ابو داؤد کتاب الصلاة باب اذا وافق یوم الجمعة یوم عید، الحدیث ۱۰۷۰، واللفظ له، نسائی کتاب صلاة العیدین باب الرخصة فی التخلف الجمعة لمن شهد العید، الحدیث ۱۵۹۲، ابن ماجه کتاب اقام الصلوات باب ماجاء فیما اذا جتمع العیدین فی یوم، الحدیث ۱۳۱۰، ابن خزیمه ص۳۵۹ ج۲، مستدرک حاکم ص۲۸۸ ج۱)۔

(۲) عن ابی هریرة عن رسول اللهﷺ انه قال قد اجتمع فی یومکم هذا عیدان فمن شاء اجزا من الجمعة وانا مجمعون۔

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آج کے دن دو عیدیں جمع ہوگئی ہیں، جوشخص چاہے جمعہ نہ پڑھے ہم تو پڑھیں گے۔

(ابو داؤد باب سابق الحدیث ۱۰۷۳، ابن ماجه باب سابق الحدیث ۱۳۱۱، ومستدرك حاکم ص۲۸۸ج۱)۔

(۳) عن عطاء بن ابی رباح قال صلی بنا ابن الزبیر فی یوم عید فی یوم الجمعة اول النهار ثم رحنا الی جمعة فلم یخرج الینا فصلینا وحدانا، وکان ابن عباس بالطائف فلما قدم ذکرنا ذلك له، فقال اصاب السنة۔

امام عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سیدنا عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے دور خلافت میں جمعہ کے روز نماز عید صبح پڑھائی، پھر جب ہم نماز جمعہ کے لئے آئے تو وہ خطبہ جمعہ کے لئے تشریف نہ لائے، بالآخر ہم نے اکیلے ہی نماز پڑھی، اس وقت سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ طائف میں تشریف فرما

تھے، جب وہ تشریف لائے تو ہم نے ان سے بیان کیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے سنت کے موافق کیا ہے۔

(ابو داؤد باب سابق الحدیث ۱۰۷۱،)

(۴) عن ابن عمر قال اجتمع عيدان على عهد رسول الله ﷺ يوم فطر وجمعة، فصلى بهم رسول الله ﷺ صلاة العيد، ثم اقبل بوجهه فقال، يا ايهاالناس انكم قد اصبتم خيرا و اجرا و انا مجمعون فمن اراد ان يجمع معنا فليجمع، ومن اراد ان يرجع الى اهله فليرجع۔

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد سعادت میں عید فطر اور جمعہ اکھٹے آ گئے، آپ علیہ السلام نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ نماز عید پڑھی پھر ان کی طرف متوجہ ہو کر (خطبہ ارشاد فرمایا اور) کہا کہ آپ نے بھلائی اور اجر پایا، ہم تو جمعہ بھی پڑھیں گے لہٰذا جو شخص ہمارے ساتھ جمعہ پڑھنا چاہے پڑھ لے۔ اور جو گھر جانا چاہتا ہے چلا جائے۔

(طبرانی کبیر ص۳۳۳ ج۱۲ رقم الحدیث ۱۳۵۹۱)۔

مذکورہ حدیث و آثار سے ثابت ہوا کہ اگر جمعہ و عید اکھٹے ہو جائیں تو جمعہ ترک کرنے کی رخصت ہے، گو اتباع نبوی میں جمعہ پڑھنا افضل اور بہتر ہے۔ یہی مذہب جلیل القدر صحابی سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا ہے اور اس پر ہی سیدنا عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے عمل کیا ہے۔ اور یہی موقف و مذہب امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ مگر حنفی ان احادیث و آثار کے برعکس رخصت کے قائل نہیں، پھر اس پر ان کے پاس کوئی دلیل قرآن و سنت سے موجود نہیں، آیئے آپ بھی ملاحظہ کریں۔

فصل دوم

یا ایھاالذین امنوا اذا نودی للصلوٰۃ من یوم الجمعۃ فاسعوا الی ذکر اللہ وذرا البیع ذلکم خیر لکم ان کنتم تعلمون۔

اے ایمان والو! جب اذان ہو نماز کی جمعہ کے دن تو دوڑو اللہ کی یاد کو اور چھوڑ دو خرید و فروخت یہ بہتر ہے تمہارے حق میں اگر تم کو سمجھ ہے۔ (حدیث اور اہل حدیث)

انوار صاحب ص۸۳۸ پر وجہ استدلال میں فرماتے ہیں کہ جمعہ کی نماز فرض ہے جس کی فرضیت آیت سے ثابت ہے جو تمام جمعوں کو شامل ہے، اس میں تخصیص نہیں ہے۔

الجواب: اولا نبی مکرم ﷺ نے اپنے عمل سے جو تفسیر بیان کی ہے وہ مقدم ہے کیونکہ قرآن فہمی کا اللہ تعالیٰ نے آپ سے وعدہ فرمایا تھا جیسا کہ سورہ قیامہ میں ہے۔ لہٰذا آپ ﷺ نے جو عملی تفسیر پیش کی ہے اسے آپ کی تفسیر بالرائے رد نہیں کرسکتی۔

ثانیا: قرآن میں جس طرح یہ آیت وارد ہوئی ہے اس کے مطابق جمعہ ہر مسلمان کلمہ گو پر فرض ہے، لیکن گاؤں کے رہنے والے حضرات پر عید کے دن آپ بھی رخصت کے قائل ہیں اس لئے تو آپ نے آگے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا اثر پیش کیا ہے۔ تفصیل آگے آ رہی ہے۔

ثالثا: پھر حنفیہ کے نزدیک بوجہ بارش جمعہ ترک کرنے کی رخصت ہے۔ (اعلاء السنن ص٢٠٤ ج ٤ وفیض الباری ص١٠٦ ج٢) حالانکہ جس طرح قرآن میں عید کا ذکر نہیں اسی طرح بارش کا بھی نہیں

فما کان جوابکم فھو جوابنا۔

(ا) عن الزهری قال حدثنی ابو عبید مولی ابن ازهر انه شهد العید یوم الاضحیٰ مع عمر بن الخطاب فصلی قبل الخطبة ثم خطب الناس فقال یا ایها الناس ان رسول اللهﷺ قد نها کم عن صیام هذین العیدین اما احدهما فیوم فطرکم من صیامکم واما الاخر فیوم تاکلون من نسککم فقال ابوعبید ثم شهدت مع عثمان بن عفان وکان ذالك یوم الجمعة فصلی قبل الخطبة ثم خطب فقال یا ایهاالناس ان هذا یوم قد اجتمع لکم فیه عیدان فمن احب ان یرجع فقد اذنت له الحدیث۔ (بخاری ص٨٣٥ ج٢، موطا امام مالك ص١٦٥)۔

امام زہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے حدیث بیان کی ابوعبید نے کہ وہ عید الاضحیٰ کے موقعہ پر نماز کے لئے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ساتھ حاضر ہوئے آپ نے خطبہ سے پہلے نماز پڑھائی، پھر لوگوں کو خطبہ دیا، فرمایا اے لوگو! رسول اللہ ﷺ نے تم کو ان دونوں عیدوں کے روزے رکھنے سے منع کیا ہے ان دونوں میں سے ایک تو عید الفطر ہے دوسری وہ ہے جس میں تم اپنی قربانیوں کے گوشت کھاتے ہو، ابوعبید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ پھر میں عید کی نماز کے لئے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے ساتھ حاضر ہوا یہ اتفاق سے جمعہ کا دن تھا آپ نے بھی خطبہ سے پہلے نماز پڑھائی پھر خطبہ دیا فرمایا لوگو یہ ایسا دن ہے، جس میں تمہارے لئے دو عیدیں اکٹھی ہوگئی ہیں، اہل عوالی میں سے جو جمعہ کا انتظار کرنا چاہے وہ انتظار کرے اور جو واپس جانا چاہے میری طرف سے اسے اجازت ہے (حدیث اور اهل حدیث ص۔٨٣٣)

الجواب اولاً: عوالی اس جگہ کو کہتے ہیں جو شہر کے قرب و جوار میں بستیاں واقعہ ہوں، اور ان پر جمعہ بالاتفاق فرض ہے۔ تفصیل گاؤں میں نماز جمعہ کی بحث میں گزر چکی ہے، اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے بوجہ عید انہیں جمعہ نہ پڑھنے کی رخصت دی ہے ثابت ہوا کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے نزدیک بوجہ عید گاؤں والوں پر جمعہ کی فرضیت ساقط ہوجاتی ہے۔ اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ یہ ہماری دلیل ہے مگر انوار صاحب کی چالاکی کہیے یا سادگی سے تعبیر کریں فرماتے ہیں۔

اہل عوالی جن پر جمعہ فرض ہی نہیں تھا انہیں آپ اجازت دے دیتے تھے۔ ص٨٣٩۔

حالانکہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ قطعا نہیں کہا کہ اہل عوالی پر جمعہ فرض نہیں لہٰذا انہیں رخصت ہے۔ یہ

انوار صاحب کی زیادتی ہے۔

ثانیا: رہا آپ کا یہ فرمانا، **انا مجمعون**، یعنی ہم جمعہ ادا کریں گے تو اس سے انوار صاحب کا مؤقف ثابت نہیں ہوتا کیونکہ عید کے روز جمعہ ہم بھی پڑھتے ہیں صرف رخصت کے قائل ہیں میری زندگی میں متعدد بار عید اور جمعہ ایک دن آئے ہیں مگر آج تک جمعہ کو ترک نہیں کیا، وجہ؟ اس لئے کہ ترک کرنے کی صرف رخصت ہے پڑھنے کی ممانعت نہیں۔ اور جمعہ کی فضیلت کے پیش نظر جماعت اہل حدیث جمعہ ہی ادا کرتی ہے، ہم صرف رخصت کے قائل ہیں جیسے سفر کی حالت میں روزے کی رخصت کو تسلیم کرتے ہیں لیکن روزہ ضرور رکھتے ہیں۔

(۲) عن عمر بن عبد العزیز قال اجتمع عیدان علی عهد رسول اللهﷺ فقال من احب ان یجلس اهل العالیة فلیجلس فی غیره حرج۔

(کتاب الام ص۲۳۹ ج۱)۔

حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں دو عیدیں اکٹھی ہوگئیں تو آپ نے فرمایا اہل عوالی میں سے جو (نماز جمعہ کے لئے) بیٹھنا چاہے وہ بیٹھ جائے بغیر کسی تنگی کے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص۸۳۳)

الجواب: اولا اس کی سند میں امام شافعی رحمہ اللہ کے استاد ابراہیم بن محمد ابی یحیٰی راوی کذاب ہیں امام مالک سے اس کے متعلق سوال ہوا تو انہوں نے کہا دین و روایت دونوں میں غیر ثقہ ہے۔، امام احمد فرماتے ہیں کہ اس میں ہر آفت ہے، منکر روایات بیان کرتا ہے جس کی کوئی اصل نہیں، مدینہ منورہ کے تمام فقہاء اسے کذاب کہتے ہیں۔ امام یحیٰی بن سعید، امام ابن ابی مریم، امام علی بن مدینی، امام ابن حبان نے کذاب قرار دیا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ابن مبارک نے اس (سے روایت کرنا) ترک کر دیا تھا۔ امام یحیٰی فرماتے ہیں اس کی تین صفات ہیں کذاب، وقدری اور رافضی ہے۔ امام نسائی کہتے ہیں متروک الحدیث غیر ثقہ ہے اس کی روایات لکھی نہ جائیں۔ امام دارقطنی اور یعقوب نے متروک الحدیث کہا ہے۔ امام حاکم نے، ذاہب الحدیث اور ابوزرعہ نے ہیچ محض قرار دیا ہے۔ امام بزار کہتے ہیں احادیث وضع کرتا تھا۔

تهذیب التهذیب ص۱۳۸ ج۱ وتهذیب الکمال ص۱۳۳ ج۱)۔

ثانیا: ابراہیم بن محمد بن ابی یحیٰی نے یہ روایت ابراہیم بن عقبہ سے روایت کی ہے۔ بحوالہ صراحت کی جائے ابراہیم بن عقبہ سے ابراہیم بن محمد کی ملاقات و سماع ہے۔ غالبا امام بیہقی نے اس طرف ہی اشارہ کیا ہے کہ یہ روایت منقطع ہے (السنن الکبریٰ ۳۱۸ ج۳)۔

ثالثا: یہ روایت مرسل ہے کیونکہ سیدنا عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ تابعین سے ہیں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ

نے، تقریب، میں انہیں طبقہ چہارم کا قرار دیا ہے اور مقدمہ تقریب میں انہوں نے صراحت کی ہے یہ وہ طبقہ ہے جو کبائر تابعین سے روایت کرتا ہے

امام مزی فرماتے ہیں کہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے ان کی اقتداء میں نماز پڑھی ہے اور ابن سعد نے تیسرے طبقہ میں شمار کیا ہے (تہذیب الکمال ص۳۷۱ ج۵)۔

اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ بحیثیت رویت تابعی ہیں اور روایت کے لحاظ سے اتباع تابعین میں سے ہیں۔ الغرض یہ روایت سخت ضعیف ہے، اور اس میں کیا شک ہے کہ جس روایت میں ایک راوی کذاب ہو پھر انقطاع کے ساتھ ساتھ اس کا طریق بھی مرسل ہو اس کے باطل ہونے میں کیا کلام ہوسکتا ہے۔

(۳) عن النعمان بن بشیر قال کان النبی ﷺ یقرأ فی العیدین وفی الجمعة بسبح اسم ربك الاعلی، وهل اتك حدیث الغاشیة و ربما اجتمعافی یوم واحد فیقرأ بهما۔

(ترمذی ص١١٩ ج١ ونسائی ص١٧٨ ج١)۔

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام عیدین اور جمعہ کی نماز میں **سبح اسم ربك الاعلی**، اور **هل اتك حدیث الغاشیه**، پڑھتے تھے۔ بسا اوقات عید اور جمعہ ایک ہی دن اکٹھے ہوجاتے تو بھی آپ دونوں نمازوں میں یہی سورتیں پڑھتے تھے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص۸۳۴)

الجواب: اولا اس حدیث سے ثابت ہوا کہ ان سورتوں کو نماز عید اور نماز جمعہ کی قرأت میں تلاوت کرنا مسنون ہے، اور ہم بفضلہ تعالیٰ اسے قبول کرتے اور اس پر عمل کرتے ہیں۔ لیکن حنفی اسے مکروہ جانتے ہیں تفصیل تحفہ حنفیہ ص۹۸۰ میں عرض کردی گئی ہے۔

ثانیا: یہ حدیث ہمارے مخالف قطعا نہیں ہے کیونکہ ہم صرف رخصت کے قائل ہیں (جمعہ پڑھنے سے منع نہیں کرتے) جیسے نبی مکرم ﷺ نے رخصت دی ہے۔

ثالثا: یہ حدیث تو صحیح مسلم (رقم الحدیث ۲۰۲۸) میں بھی تھی معلوم نہیں کہ انوار صاحب نے مسلم کی بجائے ترمذی وغیرہ پر اکتفاء کیوں کیا ہے؟ اگر یہ ناراض نہ ہوں تو ہم بتا دیتے ہیں کہ علم حدیث میں ان کی معلومات نہایت سطحی اور علل الحدیث سے کم آگاہی کا نتیجہ ہے۔

اختلاف امت: ان دلائل کو نقل کرنے کے بعد انوار صاحب نے، الجامع الصغیر ص۱۱۳ سے امام ابوحنیفہ کا اور، کتاب الام ص۲۳۹ ج۱ سے امام شافعی کا، شرح الزرقانی علی موطا الامام مالک ص۳۶۴ ج۱ سے امام مالک کا اور آخر میں امام ابن حزم کا قول محلی ص۹۳ ج۳ سے نقل کیا ہے کہ ایک دن میں اگر عید اور جمعہ اکٹھے ہوجائیں تو دونوں کو پڑھا جائے۔ (حدیث اوراهل حدیث ص٨٣٤،٨٣٨)

تبصرہ: غور کریں اسے دلائل شرعیہ کی کون سی قسم میں رکھا جائے، ہم تو غور کر کر کے تھک گئے ہیں مگر کسی صورت میں بھی اس کا شمار ادلہ اربعہ میں نہیں ہوتا، ہاں اتنا ضرور ہے کہ کتاب کے تین چار

صفحات بڑھ گئے ہیں بس! اگر انوار صاحب کا یہ مقصد ہے کہ مذکورہ آئمہ اتنی بزرگ ہستیاں تھیں، آخر ان کے اقوال کو رد کس طرح کیا جائے تو جواباً عرض ہے کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا یہی مؤقف و مذہب تھا کہ اگر ایک دن میں جمعہ وعید اکھٹی ہوجائیں تو جمعہ نہ پڑھنے کی رخصت ہے جس کا اعتراف آپ کے معتمد خاص جناب مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی نے، اعلاء السنن ص۹۳ ج۸ میں کیا ہے، لہٰذا مؤلف حدیث اور اہل حدیث جو جواب امام احمد کے قول کا دے گا وہی ہماری طرف سے آئمہ ثلاثہ کے اقوال کا سمجھ لینا پھر یہ بھی ملحوظ رہے کہ امام شافعی دیہاتی اور اہل عوالی سے جمعہ کے ساکت ہونے کے قائل ہیں۔ آپ نے جو کتاب الام سے عبارت نقل کی ہے اس میں صاف صراحت ہے، حالانکہ عوالی کے رہنے والوں اور دیہاتی لوگوں پر امام شافعی جمعہ فرض کہتے ہیں، **کتاب الام ص۳۲۸ ج۱ باب العدد الذین اذاکانوا فی قریة وجبت علیھم الجمعة**، میں انہوں نے صراحت کی ہے لیکن انوار صاحب علی الاطلاق انہیں اپنا حمایتی قرار دیتے ہیں جو درست نہیں۔

الزامات خورشید

فرماتے ہیں کہ غیر مقلدین کو تکثیر صلاۃ سے چڑ ہے ایسے محسوس ہوتا ہے جیسے غیر مقلدین کو کثرت صلاۃ سے کچھ چڑ سی ہے کیونکہ۔

(۱) فرض نمازوں کے بعد نوافل یہ نہیں پڑھتے، الا ماشا اللہ۔

(۲) شب برات میں نوافل پڑھنے کو یہ بدعت کہتے ہیں۔ (فتاویٰ ستاریہ ص۵۹ ج۱)۔

(۳) وتر تین کی بجائے ایک رکعت پڑھنے پر اکتفا کرتے ہیں۔

(۴) تراویح بیس رکعات کی بجائے آٹھ رکعات پر یہ زور دیتے ہیں۔

(۵) تراویح کے بعد تہجد پڑھنے کو یہ اچھا نہیں سمجھتے۔

(۶) مسافر کے لئے حالت فرصت و اطمینان میں بھی سنتیں پڑھنے کے قائل نہیں ہیں۔

(۷) اگر کسی منافی صلاۃ عمل کرنے سے نماز فاسد بھی ہوجائے تاہم صرف سجدہ سہو پر اکتفا کر لینے کو یہ کافی سمجھتے ہیں اسے لوٹانے کی ضرورت بھی محسوس نہیں کرتے۔

(۸) اگر بے وضو یا جنبی امام نماز پڑھادے تو ان کے یہاں مقتدیوں کو نماز لوٹانے کی ضرورت نہیں۔

(۹) کسی نے جان بوجھ کر نمازیں نہ پڑہیں ہوں تو ان نمازوں کی ان کے ہاں قضاء نہیں ہے صرف توبہ کافی ہے۔

(۱۰) جمعہ کے دن جمعہ کے بعد صرف ۲ رکعات پڑھ کر یہ راہ فرار اختیار کرتے ہیں

(۱۱) جمعہ وعید دونوں ایک دن اکھٹے ہوجائیں تو جمعہ کی نماز میں ان کے یہاں رخصت ہے مرضی

ہے پڑھو یا نہ پڑھو فالی اللہ المشتکی۔ (حدیث اور اہل حدیث ص۸۴۳)

الجواب: اولاً پہلے نمبر پر جو آپ نے افتراء کیا ہے اس کا جواب ہم صرف لعنت اللہ علی الکاذبین ہی کافی سمجھتے ہیں، دوسرے نمبر پر آپ نے جو لکھا ہے اس میں جناب نے بددیانتی کی ہے فتاویٰ ستاریہ ص۶۷ ج۱ میں صرف پوری رات نوافل ادا کرنے کو بدعت کہا گیا ہے لیکن محترم نے بلا قید بدعت نقل کیا ہے۔ پھر اس غلط بیانی پر پردہ ڈالنے کے لے صفحہ کا حوالہ غلط دیا ہے، بقایا تمام باتوں کا جواب اور ثبوت ہم قرآن و سنت آثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اقوال تابعین و آئمہ کرام سے دے چکے ہیں۔

ثانیاً: اب ہم چند مقامات کی نشان دہی کرتے ہیں جہاں احناف کو نوافل سے چڑ ہے۔

(۱) نماز مغرب سے پہلے دو رکعت نماز نفل کو مکروہ کہتے ہیں۔

(۲) حالت خطبہ میں دو رکعت نماز تحیۃ المسجد کو مکروہ کہتے ہیں۔

(۳) پانچ سات اور نو رکعات وتر کے منکر ہیں۔

(۴) نماز عصر کے بعد دو رکعات نفل کے منکر ہیں اور مکروہ کہتے ہیں۔

(۵) نمازی اگر گھر میں صبح کی نماز پڑھ کر مسجد میں آیا ہو تو اسے جماعت میں شامل ہو کر نوافل پڑھنے کو مکروہ کہتے ہیں۔

(۶) فجر اور عصر کے بعد طواف کرنے پر دو رکعات نفل پڑھنے کو مکروہ کہتے ہیں۔

(اعلاء السنن ص٦٥ ج٢)۔

(۷) استسقاء میں نماز کی بجائے صرف دعا پر اکتفا کرنے کو جائز کہتے ہیں۔

(کبیری ص٤٢٧)

(۸) اگر امام بوجہ نماز فرض پڑھ چکا ہو بعد میں نمازی آجائیں خواہ ان میں سے کوئی امامت کا اہل بھی نہ ہو تب بھی امام کو بنیت نفل جماعت کرانے سے منع کرتے ہیں۔

(۹) گاؤں میں نماز جمعہ وعیدین کے منکر ہیں۔

(۱۰) دو رکعات نماز تحیۃ المسجد کو ادا کرنے کی بجائے صرف تین بار سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ اللہ اکبر کہنے کو جائز کہتے ہیں۔ درمختار بحوالہ معارف السنن ص۲۹۶ ج۱)۔

(۱۱) اگر نمازی مقدار تشہد بیٹھ کر جان بوجھ کر وضو توڑ دے تو اسے نماز لوٹانے کے قائل نہیں

(۱۲) اگر کوئی شخص اذان فجر کے بعد مسجد میں آیا ہے تو اسے دو رکعات تحیۃ المسجد ادا کرنے سے منع کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ ہم بیسیوں مثالیں دے سکتے ہیں لیکن صرف ۱۲ پر ہی اکتفاء کرتے ہیں اور انوار صاحب کے گیارہ نمبروں کا جواب بارہ نمبروں میں اس لئے دیا ہے تاکہ دیوبندیوں کے بریلوی بھائی گیارہویں کی دلیل نہ بنا لیں۔

(٧٤) باب نماز عیدین میں تکبیرات زوائد کی تعداد

فصل اول

(١) عن عائشة ان رسول اللہ ﷺ کان یکبر فی الفطر والاضحی فی الاولی سبع تکبیرات وفی الثانیة خمسا۔

سیدہ ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا راویہ ہیں کہ رسول اللہ ﷺ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی نماز میں پہلی رکعت میں سات تکبیریں اور دوسری رکعت میں پانچ تکبیریں کہتے تھے۔

(ابو داؤد کتاب الصلاة باب التکبیر فی العیدین الحدیث ١١٤٩، مستدرک حاکم ص٢٩٨ ج١، والسنن الکبریٰ للبیهقی ص٢٨٦ ج٣)۔

(٢) عن عائشة ان رسول اللہ ﷺ کبر فی الفطر والاضحی سبعا وخمسا سوی تکبیرتی الرکوع۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا راویہ ہیں کہ رسول اللہ ﷺ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی پہلی رکعت میں سات اور دوسری میں پانچ تکبیریں کہتے تھے رکوع کی تکبیر کے علاوہ۔

(ابن ماجه کتاب اقامة الصلاة باب ماجاء فی کم یکبر الامام فی صلاة العید ین، الحدیث ١٢٨٠، ابو داؤد باب سابق الحدیث ١١٥٠، طحاوی ص٤٣٨ ج٢، بیهقی ص٢٨٧ ج٣ ومسند احمد ص٧٠ ج٦، دار قطنی ص٤٧ ج٢)۔

(٣) عن عبد اللہ بن عمرو بن العاص قال، قال نبی اللہ ﷺ التکبیر فی الفطر سبع فی الاولی وخمس فی الاخرة والقراة بعدهما کلتیهما۔

سیدنا عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی مکرم ﷺ نے فرمایا نماز عید الفطر کی پہلی رکعت میں سات تکبیریں اور دوسری رکعت میں پانچ تکبیریں ہیں اور دونوں رکعتوں میں قرأت تکبیروں کے بعد کی جائے۔

(ابو داؤد کتاب الصلاة باب التکبیر فی العیدین الحدیث ١١٥١)۔

(٤) عن عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده ان النبی ﷺ کبر فی عید ثنتی عشرة تکبیرة سبعا فی الاولی وخمسا فی الاخرة ولم یصل قبلها ولا بعدها۔

سیدنا عبد اللہ بن عمر و العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی مکرم ﷺ نے نماز عید میں بارہ تکبیریں کہیں سات پہلی رکعت میں اور پانچ دوسری رکعت میں اور نماز عید سے پہلے اور بعد میں کوئی نماز نہ

پڑھی۔

(مسند احمد ص١٨٠ ج٢ واللفظ له، وابن ماجه باب سابق الحديث ١٢٧٨ وطحاوى ص٤٣٧ ج١، دارقطنى ص٤٨ ج٢، بيهقى ص٢٨٥ ج٣)۔

(٥) عن عمرو بن عوف ان النبی ﷺ كبر فى العيدين فى الاولىٰ سبعا قبل القرأة وفى الاخرة خمسا قبل القرأة۔

سیدنا عمرو بن عوف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی مکرم ﷺ نے نماز عیدین میں پہلی رکعت میں سات اور دوسری رکعت میں پانچ تکبیریں قرأت سے پہلے کہیں۔

(سنن ترمذى كتاب الجمعة باب فى التكبير فى العيدين، الحديث ٥٣٦، ابن ماجه باب سابق الحديث ١٢٧٩، وطحاوى ص٤٣٧ ج٢، دارقطنى ص٤٨ ج٣، بيهقى ص٢٨٦ ج٣)۔

(٦) عن عمار بن سعد مؤذن رسول الله ﷺ ان رسول الله ﷺ كان يكبر فى العيدين فى الاولىٰ سبعا قبل القرأة وفى الاخرة خمسا قبل القرأة۔

رسول اللہ ﷺ کے مؤذن سیدنا عمار بن سعد رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی مکرم ﷺ عیدین کی نماز میں پہلی رکعت میں سات اور دوسری رکعت میں پانچ تکبیریں قرأت سے پہلے کہتے تھے۔

(ابن ماجه باب سابق الحديث ١٢٧٧ ومستدرك حاكم ص٦٠٧ ج٣، وبيهقى ص٢٨٨ ج٣، وسنن دارمى ص٤٥٧ ج١)۔

(٧) عن ابن عمر عن النبی ﷺ انه قال فى تكبيرات العيدين فى الركعة الاولىٰ سبعا وفى الثانية خمس تكبيرات۔

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ نبی مکرم ﷺ نے فرمایا کہ عیدین کی نماز میں پہلی رکعت میں سات اور دوسری رکعت یں پانچ تکبیرات ہیں۔

(طحاوى ص٤٣٨ ج٢ و سنن دارقطنى ص٤٨ ج و كشف الاستارص٣١٤ ج١)۔

(٨) عن ابن عمران رسول الله ﷺ كان يكبر فى العيدين سبعا فى الاولىٰ وخمسا فى الاخرة سوى تكبيرة الافتتاح۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ نبی مکرم ﷺ عیدین کی نماز میں پہلی رکعت میں سات اور دوسری میں پانچ تکبیریں کہتے تھے۔ تکبیر تحریمہ کے علاوہ۔

(تاريخ بغداد ص٣٦٣ ج١ وابن عساكر ص١٨٤ ج٣٣، و ارواء الغليل ص١١٠ ج٣)۔

(٩) عن سعد قرظ ان السنة فى صلاة الاضحى والفطر ان يكبر الامام فى الركعة الاولىٰ سبع تكبيرات قبل القرأة ويكبر فى الركعة الثانية خمس تكبيرات قبل القرأة۔

سیدنا سعد قرظ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سنت یہ ہے کہ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی نماز میں امام پہلی رکعت میں سات اور دوسری رکعت میں پانچ تکبیریں قرأت سے پہلے کہے۔

(السنن الکبریٰ للبیہقی ۲۸۷ ج ۳)۔

واضح رہے کہ بیہقی میں سعد بن قرظ ہے جب کہ درست سعد قرظ ہے جیسا کہ امام بیہقی کی کتاب معرفۃ السنن والاثار ص ۳۹ ج ۳) میں ہے غالباً سنن میں تصحیف ہے۔

(۱۰) عن عبد الرحمن بن عوف قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تخرج لہ العنزۃ فی العیدین حتی یصلی الیہا و کان یکبر ثلاث عشرۃ تکبیرۃ و کان ابو بکر و عمر یفعلان ذلک۔

سیدنا عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے عیدین میں نیزہ نکالا جاتا تھا حتی کہ آپ اس کی طرف (سترہ بنا کر) نماز پڑھیں، پس آپ تیرہ تکبیریں (بمع تحریمہ) کہتے تھے اور سیدنا ابو بکر سیدنا عمر رضی اللہ عنہما بھی اسی طرح کرتے تھے۔

(رواہ البزار بحوالہ مجمع الزوائد ص۲۰۷ ج ۲)۔

(۱۱) عن جعفر بن محمد عن ابیہ قال علی یکبر فی الاضحی والفطرو الاستسقاء سبعا فی الاولی و خمسا فی الاخری ویصلی قبل الخطبۃ و یجہر بالقرأۃ قال، وکان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وابو بکر وعمر و عثمان یفعلون ذلک۔

امام محمد باقر رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں کہ سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نماز عید الاضحیٰ اور عید الفطر اور استسقاء میں پہلی رکعت میں سات اور دوسری رکعت میں پانچ تکبیریں کہتے تھے۔ اور نماز خطبہ سے پہلے پڑھتے تھے۔ اور قرأت جہر سے کرتے تھے۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ بھی اسی طرح کرتے تھے۔

(مصنف عبد الرزاق ص۲۹۲ ج۳ رقم الحدیث ۵۶۷۸)۔

(۱۲) عن عبد اللہ بن محمد بن عمار عن ابیہ عن جدہ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یکبر فی العیدین فی الاولی سبعا وفی الاخرۃ خمسا وکان یبداء بالصلاۃ قبل الخطبۃ۔

سیدنا عمار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز عیدین میں پہلی رکعت میں سات تکبیریں اور دوسری رکعت میں پانچ تکبیریں کہتے تھے اور نماز خطبہ سے پہلے پڑھا کرتے تھے۔

(سنن دارقطنی ص۴۷ ج ۲)۔

(۱۳) عن ابن عباس ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یکبر فی العیدین ثنتی عشرۃ فی الاولیٰ سبعا وفی الثانیۃ خمسا وکان یذہب فی طریق ویرجع من اخری۔

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عیدین کی نماز میں بارہ تکبیریں کہتے تھے

سات پہلی رکعت میں اور پانچ دوسری رکعت میں، اور جس راستہ سے تشریف لے جاتے تھے۔ (عیدگاہ میں) واپسی پر دوسرے راستہ سے آتے۔

(طبرانی کبیر ص ۲۹٤ ج ۱۰ رقم الحدیث ۱۰۷۰۸)۔

(۱۴) عن نافع مولیٰ عبد الله بن عمر انه قال شهدت الاضحى والفطر مع ابى هريرة فكبر فى الركعة الاولى سبع تكبيرات وفى الاخرة خمس تكبيرات قبل القرأة۔

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے مولیٰ امام نافع بیان کرتے ہیں کہ میں نماز عید الاضحیٰ اور عید الفطر پڑھنے کے لئے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوا، آپ نے پہلی رکعت میں قرأت سے پہلے سات تکبیریں اور دوسری رکعت میں قرأت سے پہلے پانچ تکبیریں کہیں۔

(موطا امام مالك ١٦٦)۔

(۱۵) عن نافع مولیٰ ابن عمر قال شهدت الاضحى والفطر مع ابى هريرة فكبر فى الركعة الاولىٰ سبع تكبيرات قبل القرأة وفى الأخرة خمس تكبيرات قبل القرأة لفظ حديث مالك و حديث شعيب بمعناه وزاد فى روايةوهى السنة وزاد فى اوله استخلف مروان اياه على المدينة۔

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے مولیٰ امام نافع بیان کرتے ہیں عید الاضحیٰ اور عید الفطر کی نماز میں نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ پڑھی تو آپ نے پہلی رکعت میں قرأت سے پہلے سات تکبیریں اور دوسری رکعت میں قرات سے پہلے پانچ تکبیریں کہیں۔ (امام بیہقی کہتے ہیں) حدیث کے یہ الفاظ امام مالک کے ہیں اور شعیب کی روایت اس کے ہم معنی ہے اور اس میں یہ کلمہ زیادہ ہے کہ (سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا) یہ سنت ہے اور حدیث کی ابتداء اس سے ہے کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو مروان نے اپنے دور خلافت میں مدینہ کا والی (گورنر) مقرر کیا تھا۔

(السنن الكبرىٰ للبيهقى ص ۲۸۸ ج ۳)۔

(۱۶) عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ عنہما مثله۔

امام نافع فرماتے ہیں کہ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما عیدین کی نماز میں پہلی رکعت میں سات اور دوسری میں پانچ تکبیریں کہتے تھے۔ (طحاوی ص ٤٣٨ ج ۲)۔

(۱۷) عن نافع قال قال عبد الله بن عمر التكبير فى العيدين سبع وخمس۔

امام نافع بیان کرتے ہیں کہ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ عیدین (کی نماز) میں تکبیریں (پہلی رکعت میں) سات اور (دوسری میں) پانچ ہیں۔

(مصنف ابن ابی شیبه ص ۱۷۵ ج ۲)۔

(۱۸) عن ابن عباس انه كان يكبر ثلاث عشرة تكبيرة۔

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما (بمع رکوع کی تکبیر کے) تیرہ تکبیریں کہتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص۱۷۳ ج۲)۔

(۱۹) عن ابن عباس كبر في عيد ثلاث عشرة سبعا في الاولىٰ وستا في الاخرة۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے نماز عید میں تیرہ تکبیریں کہیں پہلی رکعت میں سات اور دوسری رکعت میں (بمع رکوع کی تکبیر کے) چھ۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ص۱۷۳ ج۲)۔

(۲۰) عن ابن عباس انه كان يكبر في العيد في الاولىٰ سبع تكبيرات بتكبيرة الافتتاح وفي الاخرة ستا بتكبيرة الركعة كلهن قبل القرأة۔

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نماز عید کی پہلی رکعت میں سات تکبیریں بمع تکبیر تحریمہ اور دوسری میں چھ بمع تکبیر رکوع کے کہا کرتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شيبه ص۱۷۳ ج۲ والفريابي ص۱۳٦ ج۱ بحواله ارواء الغليل ص۱۱۱ ج۳)۔

(۲۱) عن عمار بن ابی عمار ان ابن عباس كبر في ثنتي عشرة تكبيرة سبعا في الاولى وخمس في الاخرة۔

امام عمار بن ابی عمار فرماتے ہیں کہ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بارہ تکبیریں کہتے تھے پہلی رکعت میں سات اور دوسری رکعت میں پانچ۔

(مصنف ابن ابی شيبه ص۱۷٦ ج۲)۔

(۲۲) عن عطاء قال كان ابن عباس يكبر في العيدين ثنتي عشرة تكبيرة سبع في الاولىٰ و خمسا في الاخرة هذا اسناد صحيح ۔

امام عطاء بن ابی رباح فرماتے ہیں کہ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما عیدین کی نماز میں بارہ تکبیریں کہتے تھے، سات پہلی رکعت میں اور پانچ دوسری رکعت میں، امام بیہقی کہتے ہیں اس کی سند صحیح ہے۔

(السنن الكبرىٰ للبيهقي ص۲۸۹ ج۳)۔

(۲۳) عن ابن عباس انه كبر في العيد في الركعة الاولىٰ سبعا ثم قرأو كبر في الثانية خمسا۔

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے عید کی نماز میں پہلی رکعت میں سات تکبیریں کہیں اور پھر قرأۃ کی اور دوسری رکعت میں پانچ تکبیریں کہیں۔

(السنن الكبرىٰ للبيهقي ص۲۸۹ ج۳)۔

(۲۴) عن عبد الرحمن بن رافع ان عمر بن الخطاب كان يكبر في العيدين ثنتاعشرة

سبعا فی الاولیٰ وخمسا فی الاخرة۔

امام عبد الرحمٰن بن رافع بیان کرتے ہیں کہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ عیدین کی نماز میں بارہ تکبیریں کہتے تھے پہلی رکعت میں سات اور دوسری رکعت میں پانچ۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص ۱۷۵ ج ۲)۔

(۲۵) عن ابی سعید الخدری قال التکبیر فی العیدین سبع وخمس سبع فی الاولیٰ قبل القرأة وخمس فی الاخرة قبل القرأة۔

سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عیدین کی نماز میں تکبیریں سات اور پانچ ہیں۔ سات پہلی رکعت میں قرأت سے پہلے اور دوسری رکعت میں پانچ قرأت سے پہلے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص ۱۷۵ ج ۲)۔

قارئین کرام مذکورہ احادیث و آثار سے ثابت ہوا کہ عیدین کی نماز میں بارہ تکبیریں ہیں پہلی رکعت میں سات قرات سے پہلے اوردوسری رکعت میں بھی قرات سے پہلے پانچ تکبیریں ہیں۔ اسی پر خلفاء الراشدین کا عمل تھا۔ عام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہی دستور تھا، اگر اس پر ہم تابعین عظام کے اقوال نقل کرتے تو بات لمبی ہوجاتی، مختصر عرض ہے کہ امام شافعی فرماتے ہیں کہ اگر بارہ تکبیریں خلاف سنت ہوتیں تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مہاجرین و انصار اولاد صحابہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ پر اعتراض کرتے (التمہید ص ۳۹ ج ۱۶) راقم عرض کرتا ہے کہ اگر بارہ تکبیریں افضل نہ ہوتیں تو یہ بزرگ ہستیاں ضرور معترض ہوتیں۔ کیونکہ اسلاف نیکی پر بہت زیادہ حریص تھے۔ ان لوگوں کا اعتراض نہ کرنا متواتر نسل در نسل مدینہ طیبہ میں بارہ پر عمل ہونا اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ سنت بارہ تکبیریں کہنا ہی ہے، امام مالک نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا عمل نقل کر کے کہا ہے کہ ہمارے ہاں یہی متداول ہے، بلکہ حرمین شریفین میں بارہ تکبیریں ہی کہی جاتی تھیں۔ مدینہ طیبہ کے فقہاء سبعہ کا یہی مؤقف و مذہب تھا۔ خلفاء بنو امیہ اور خلفاء بنو عباس بارہ تکبیریں کہتے تھے۔ امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بھی یہی نظریہ رکھتے ہیں، قاضی ابو یوسف امام محمد بعض مشائخ حنفیہ بھی بارہ تکبیروں کے قائل ہیں۔ تفصیل کے لئے محدث مبارکپوری کی تالیف، القول السدید کا مطالعہ کریں۔

بلکہ علماء دیو بند تو صراحت کرتے ہیں کہ چھ اور بارہ تکبیروں کا اختلاف ہی سرے سے نہیں دونوں طریقے احادیث سے ثابت ہیں۔ جس پر بھی عمل کیا جائے جائز و درست ہے، اختلاف صرف افضلیت میں ہے کہ ان دونوں طریقوں میں سے کون سا طریقہ افضل ہے۔ تفصیل کے لئے مولانا عبدالحی لکھنوی کی کتاب (عمدۃ الرعایۃ ص ۲۴۷ ج ۱) مولانا ظفر احمد تھانوی کی (اعلاء السنن ص ۱۳۶ ج ۸) مولانا تقی عثمانی کی (درس ترمذی ص ۳۱۸ ج ۲) کی مراجعت کریں۔

لیکن حیرت ہے کہ انوار صاحب نے اس کے باوجود یہ باب تحریر کر دیا ہے۔

اور آخر میں فرماتے ہیں کہ۔

غیر مقلدین جو عیدین کی نماز میں چھ تکبیرات کے برعکس زائد تکبیریں بارہ کہتے ہیں اس کے ثبوت میں ان کے پاس ایک بھی صحیح وصریح مرفوع حدیث نہیں (حدیث اور اہل حدیث ۸۵۶)

صریح حدیث ہی نہیں! ہم نے احادیث پیش کر دیں ہیں رہا صحیح کا مطالبہ تو اس مطالبہ میں آپ نے یہ تسلیم کر لیا ہے کہ حسن درجہ کی احادیث موجود ہیں، عمرو بن عوف کی حدیث کو امام ترمذی نے حسن کہا ہے اور سیدنا عبد اللہ بن عمرو العاص رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث کو امام احمد، امام علی بن مدینی، امام بخاری رحمہ اللہ نے صحیح قرار دیا ہے۔ (التلخیص الحبیر ص۸۴ ج۲)۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کو علامہ البانی نے صحیح قرار دیا ہے۔ (ارواء الغلیل ص۱۰۷ ج۳)۔ ان کے علاوہ تمام مرفوع احادیث ہم نے متابعت و شواہد میں پیش کیں ہیں آثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تمام کے تمام صحیح وحسن درجہ کے ہیں۔

فصل دوم

(ا) عن القاسم ابی عبد الرحمن انه قال حدثنی بعض اصحاب رسول اللهﷺ قال صلی بنا النبیﷺ یوم عید فکبر اربعا واربعا ثم اقبل علینا بوجهه حین انصرف فقال لاتنسوا کتکبیر الجنائز واشار باصابعه وقبض ابهامه۔

(طحاوی ص٤٣٨ ج٢)۔

ابو عبد الرحمٰن القاسم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ ﷺ کے کسی صحابی نے بتلایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں عید کی نماز پڑھائی (بشمول تکبیر رکوع) چار چار تکبیریں کہیں جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو ہماری طرف متوجہ ہو کر فرمایا بھول نہ جانا عید کی تکبیریں جنازہ کی طرح چار ہیں، آپ نے انگلیوں سے اشارہ فرمایا اور انگوٹھا بند کر لیا۔ (حدیث اور اہل حدیث ص۸۴۳)

الجواب: اولا اس کی سند میں وضین بن عطاء راوی سیئی الحفظ ہے، جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے (تقریب ص۳۶۹) میں صراحت کی ہے، امام جوزجانی کہتے ہیں کہ واہی الحدیث ہے، ابن سعد نے ضعیف اور ابو حاتم کہتے ہیں کہ یعرف وینکر، امام ابن قانع نے ضعیف قرار دیا ہے محدث ساجی کہتے ہیں کہ اس کے پاس صرف ایک ہی روایت ہے اور وہ بھی منکر و غیر محفوظ ہے۔ عقیدۃً قدری تھا۔

(میزان ص۳۳۴ ج۴، وتہذیب التہذیب ص۱۲۰ ج۱۱، تہذیب الکمال ص۴۵۸ ج۷، ابن ترکمانی حنفی نے، الجوہر النقی ص۱۱۸ ج۱، ص۸۷ ج۳) میں وضین کو واہ (ضعیف) قرار دیا ہے۔ وضین کا استاد، ابو عبد الرحمٰن قاسم بن عبد الرحمٰن شامی ہے ابن ترکمانی حنفی فرماتے ہیں۔

اما القاسم فقد قال ابن حنبل یروی عنه علی بن زید اعاجیب وما اراها الامن قبل القاسم وقال ابن حبان یروی عن اصحاب رسول اللهﷺ المعضلات ویاتی عن الثقات المقلوبات حتی یسبق الی القلب انه کان المعتمد لها۔

یعنی قاسم کے متعلق امام احمد فرماتے ہیں کہ ان سے علی بن زید عجیب وغریب روایات روایت کرتا ہے، اور میرا گمان یہی ہے کہ یہ حدیثیں قاسم کی جانب سے ہیں اور ابن حبان نے کہا ہے کہ قاسم اصحاب رسول ﷺ سے معضل حدیثیں روایت کرتے ہیں اور ثقہ راویوں سے مقلوب روایات نقل کرتے ہیں یہاں تک کہ دل میں یہ بات آتی ہے کہ انہوں نے قصدا ایسا کیا ہے۔ (الجوهر النقی ص۱۴ ج۶)

اس جرح کو حافظ مزی نے، تہذیب الکمال ص ۳۷ ج۶، میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے تہذیب التہذیب ص۳۲۴ ج۸ میں اور علامہ ذہبی نے میزان ص۳۷۳ ج۳ میں نقل کیا ہے۔ الغرض یہ روایت ضعیف ہے۔

ثانیا: اس روایت میں ہر رکعت میں چار چار تکبیریں کہنے کا ذکر ہے جب کہ حنفیہ کے نزدیک تین تین تکبیریں ہیں۔ انوار صاحب فرماتے ہیں۔ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی نمازوں میں چھ زائد تکبیریں واجب ہیں۔ (حدیث اور اہل حدیث ۸۵۳۔)

جب کہ مذکورہ روایت میں چار چار تکبیروں کا ذکر ہے۔ اس حقیقت سے جان چھڑانے کے لئے محترم نے بریکٹ میں لکھا ہے کہ، بشمول تکبیر رکوع کے، حالانکہ یہاں تکبیرات انتقال کا سرے سے ذکر ہی نہیں بلکہ عیدین کی نماز میں زائد تکبیروں کا بیان ہے لیکن محترم اپنی طرف سے رکوع کی تکبیر کا اضافہ کر رہے ہیں۔ جس کا متن روایت میں کوئی ذکر نہیں، مزید برآں حنفی دوسری رکعت کے متعلق تو یہ عذر پیش کر سکتے ہیں کہ وہاں زوائد تکبیریں قرات کے بعد کہتے ہیں۔ پھر رکوع کی تکبیر کہہ کر رکوع میں چلے جاتے ہیں، مگر پہلی رکعت کی تکبیرات کے متعلق یہ بھی نہیں کہہ سکتے کیونکہ ان کے نزدیک پہلی رکعت میں تکبیریں زوائد قرأت سے پہلے ہیں۔

ثالثا: انوار صاحب کے نزدیک پہلی رکعت میں ثناء کے بعد اور دوسری میں رکوع سے پہلے زوائد تکبیریں ہیں ص۸۵۳، جب کہ متن روایت میں اس کی صراحت نہیں، الغرض یہ روایت جہاں ضعیف ہے وہاں ان کے دعویٰ پر تقریب تام نہیں۔

رابعا: اگر کہا جائے کہ طحاوی نے اس روایت کو حسن قرار دیا ہے جوابا عرض ہے کہ امام طحاوی گو بہت بڑے فقیہ و عالم تھے مگر فن حدیث میں وہ محدثین کے پایہ کے نہ تھے، امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں

لیست عادته نقد الحدیث کنقد اهل العلم ولهذا روی فی شرح معانی الآثار الاحادیث المختلفة وانما یرجح مایرجحه منها فی الغالب من جهة القیاس الذی راه حجة

ویکون اکثرہ مجروحامن جهة الاسناد ولایثبت فانه لم یکن له معرفة بالاسناد کمعرفة اهل العلم به وان کان کثیر الحدیث فقیها عالما۔

یعنی جیسے علماء حدیث احادیث کی تنقید کرتے ہیں امام طحاوی کی ویسی تنقید کرنے کی عادت نہیں ہے اس لئے وہ شرح معانی الآثار، میں مختلف حدیثوں کو روایت کرکے جو بعض حدیثوں کو بعض پر ترجیح دیتے ہیں تو اکثر قیاس سے ترجیح دیتے ہیں, اور اس کو حجت سمجھتے ہیں حالانکہ اکثر ان میں سند کے لحاظ سے ضعیف ہوتی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ طحاوی اگرچہ کثیر الحدیث فقیہ اور عالم ہیں لیکن اور علماء حدیث کی طرح ان کو فن اسناد کا علم نہیں تھا۔

(منهاج السنةالنبوية فی نقض کلام الشیعة والقدرية ص ١٩٤ ج٤ مطبوعه مكتبة سلفية)۔

(۲) عن مکحول قال اخبرنی ابوعائشة جلیس لابی هریرة ان سعید بن العاص سأل ابا موسیٰ الاشعری وحذیفة بن الیمان کیف کان رسول اللهﷺ یکبر فی الاضحی والفطر فقال ابو موسیٰ کان یکبر اربعاکتکبیرة علی الجنائز فقال حذیفة صدق فقال ابو موسیٰ کذلك کنت اکبرفی البصرة حیث کنت علیهم قال ابو عائشة وانا حاضر سعید بن العاص۔

(ابو داؤد ص١٦٣ ج١، وطحاوي ص٤٣٩ ج٢، مسند احمد ص٤١٦ ج٤)۔

حضرت مکحول رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے ہم نشین ابو عائشہ نے بتلایا کہ حضرت سعید بن العاص رضی اللہ عنہ نے حضرت موسیٰ الاشعری اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہما سے سوال کیا کہ رسول اللہ ﷺ عید الاضحیٰ اور عید الفطر کی نماز میں کتنی تکبیریں کہا کرتے تھے؟ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے فرمایا (بشمول تکبیر رکوع کے) چار چار تکبیریں کہا کرتے تھے۔ جیسا کہ آپ جنازہ میں کہتے تھے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ٹھیک کہتے ہیں حضرت ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ نے فرمایا جب میں بصرہ کا حاکم تھا تو اسی طرح تکبیریں کہا کرتا تھا۔ حضرت ابو عائشہ کہتے ہیں کہ میں حضرت سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کے سوال کے وقت خود حاضر تھا۔ (حدیث اور اہل حدیث ۸۴۴۔)

الجواب: اولاً آپ کا مسلک چھ تکبیریں کہنے کا ہے جب کہ اس میں آٹھ تکبیروں کا بیان ہے یہی وجہ ہے کہ آپ نے اس اعتراض سے جان چھڑانے کے لئے یہ کہہ دیا ہے کہ، بشمول تکبیر رکوع کے، حالانکہ متن روایت سے اس کی تردید ہوتی ہے۔

کیونکہ ابو داؤد اور مسند کے الفاظ، **تکبیرة علی الجنائز** کے ہیں، اور طحاوی کے الفاظ، **کتکبیرة علی الجنائز**، یعنی جنازہ کی طرح چار تکبیریں ہوتیں تھیں، اور کون نہیں جانتا کہ جنازہ میں رکوع نہیں ہوتا، یہی وجہ ہے کہ مولانا عثمانی فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں چار تکبیروں کا ذکر ہے، ان میں سے ایک تکبیر تحریمہ ہے اور تین زائد ہیں۔ (درس ترمذی ص۳۱۴ ج۲)۔

مولانا سرفراز خاں فرماتے ہیں کہ۔

یعنی ایک تکبیر تحریمہ اور تین زائد کا (خزائن السنن ص۱۷۹ ج۲)۔

یہاں پر ایک معقول سوال جنم لیتا ہے کہ پہلی رکعت میں تو تکبیر تحریمہ کو شامل کر کے چار ہوگئیں دوسری میں تو تکبیر تحریمہ ہوتی ہی نہیں، وہاں کون سی مراد ہے۔

الغرض احناف کا اس سے استدلال باطل ہے یہ آٹھ تکبیروں کی دلیل تو ہوسکتی ہے۔ لیکن چھ کی قطعا نہیں۔

ثانیا: اس میں صراحت نہیں کہ پہلی میں قرات سے قبل اور دوسری رکعت میں قرات کے بعد زائد تکبیریں کہا کرتے تھے، مزید برآں یہ کہ اس میں سرے سے یہ بیان ہی نہیں کہ ہر رکعت میں چار چار تکبیریں کہتے تھے صرف اتنا ہے کہ جنازہ کی طرح چار تکبیریں کہتے تھے۔ اب ظاہر ہے کہ جنازہ میں رکعات کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، اگر جنازہ کی طرح چار تکبیریں کہیں جائیں تو پوری نماز عید میں چار تکبیریں بنتی ہیں ان میں سے بھی پہلی رکعت میں تکبیر تحریمہ خارج کرلیں جیسا کہ مولانا عثمانی اور صفدر صاحبان کہتے ہیں اور دوسری میں بقول انوار صاحب رکوع کی تکبیر بھی خارج کردیں تو بقایا صرف دو تکبیریں رہتی ہیں، گویا زائد تکبیرات صرف دو بچتی ہیں گویا ہر رکعت میں ایک تکبیر زائد بنتی ہے لیکن افسوس کہ انوار صاحب اس روایت سے چھ تکبیرات کہنے کا استدلال کرتے ہیں، جو متن روایت میں تحریف لفظی ومعنوی ہے۔

ثالثا: سند میں ابو عائشہ راوی مجہول ہے جیسا کہ امام ابن حزم اور علامہ ذہبی نے صراحت کی ہے۔

(میزان ص٥٤٣ ج٤، المحلی ٢٩٧ ج٣)۔

اس سے نیچے کا راوی، عبد الرحمٰن بن ثابت بن ثوبان العنسی ہے اسے امام یحییٰ بن معین نے ضعیف اور ہیچ محض کہا ہے۔ نسائی ضعیف وغیر ثقہ کہتے ہیں صالح بغدادی فرماتے ہیں صدوق ہے مذہبا قدری ہے اس کی والد کے واسطہ سے مکحول کی روایات سے انکار کیا گیا ہے۔ (یہ روایت بھی عن ابیہ عن مکحول سے ہی ہے)۔ ابن خراش نے لین اور امام احمد نے اس کی مرویات کو مناکیر قرار دیا ہے۔ (تہذیب الکمال ص۳۸۱ ج۴ وتہذیب التہذیب ص۱۳۷ ج۶)۔

رابعا: عبد الرحمٰن کی آخری عمر میں عقل میں فتور آگیا تھا۔ جیسا کہ حافظ ابن حجر اور امام ابوحاتم نے صراحت کی ہے۔ (تقریب ص۱۹۹، تہذیب ص۱۳۷ ج۶ وتہذیب الکمال ص۳۸۱ ج۴)۔

گویا موصوف مختلط ہیں۔ الغرض یہ روایت بوجہ جہالت راوی اور اختلاط عبد الرحمٰن کی وجہ سے ضعیف ہے اور انوار صاحب کا مسلک چھ تکبیرات کا بھی اس سے ثابت نہیں ہوتا۔

(۳) عن مکحول قال حدثنی رسول حذیفة وابی موسیٰ رضی اللہ عنہما ان رسو ل اللهﷺ کان

يكبر فى العيدين اربعا سوى تكبيرة الافتتاح۔

(طحاوی ص٤٣٩)۔

حضرت مکحول ؒ فرماتے ہیں کہ حضرت حذیفہ اور حضرت ابو موسیٰ اشعری ؓ کے قاصد نے مجھے بتلایا کہ رسول اللہ ﷺ دونوں عیدوں میں (بشمول رکوع کے) چار چار تکبیریں کہتے تھے سوائے تکبیر تحریمہ کے۔ (حدیث اور اہل حدیث ۸۴۵۔)

الجواب: اولا بشمول تکبیر رکوع کے، کا جواب پہلے گزر چکا ہے۔

ثانیا: اس میں قاصد حذیفہ ؓ راوی مبہم ہے، اور پہلی روایت کی سند میں اس کی وضاحت آگئی ہے کہ یہ ابو عائشہ ہے اور یہ مجہول ہے، جیسا کہ ہم بحوالہ صراحت کر آئے ہیں۔

ثالثا: پھر اس کی سند میں محمد بن زید الواسطی راوی ہے اس کی بحوالہ عدالت وثقات ثابت کی جائے اور اس کا شاگرد نعیم بن حماد ہے۔ یہ حنفیہ کے شدید مخالف تھے۔ امام ابو حنیفہ ؒ کے رد میں مروی اقوال محدثین کے مرکزی راوی ہیں جب امام ابو حنیفہ ؒ کے مناقب و مثالب کی باری آتی ہے تب نعیم میں دنیا بھر کے عیب بتائے جاتے ہیں، انہیں جعلی احادیث گھڑنے والا بتایا جاتا ہے۔ دیکھئے (مقام ابوحنیفہ ص۱۴۷، ہدایہ علما کی عدالت میں ۱۰۵)۔

اس جرح کے جواب کا تو یہ موقع نہیں اہل علم تہذیب کی مراجعت کرلیں ان پر حقیقت کھل جائے گی، اردو دان حضرات استاذ الاستاذہ الشیخ ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ کے رسالہ (امام بخاری ؒ پر بعض اعتراضات کا جائزہ ص۵۳) کا مطالعہ کریں۔

گزارشات کا مقصد یہ ہے کہ جس راوی کو دیوبندی کذاب تسلیم کرتے ہیں پھر اس کی مرویات سے استدلال کرتے ہوئے۔ انہیں شرم اور حیاً کرنا چاہئے تھا۔ لیکن دیانت داری دیوبندی گروپ میں قطعی طور پر مفقود ہے بالخصوص اہل حدیث کا رد کرنے والے حضرات متروک وکذاب اور غیر ثقہ ہیں۔ یہ حنفیت کی وکالت میں احادیث نبوی میں لفظی و معنوی تحریفات کرنے کے علاوہ احادیث گھڑنے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتے۔ جن حضرات نے خاکسار کی کتب کا مطالعہ کیا ہے وہ اس بات کی تائید کریں گے۔

الغرض یہ روایت بوجہ جہالت راوی ضعیف ہے اور احناف کے مسلک پر تقریب تام بھی نہیں۔

(۴) عن علقمة والاسود بن يزيد قال كان ابن مسعود جالسا وعنده حذيفة و ابو موسىٰ الاشعرى فسالها سعيد بن العاص عن التكبير فى الصلاة يوم الفطر والاضحى فجعل هذا يقول سل هذا وهذا يقول سل هذا فقال له، حذيفة سل هذا لعبدالله بن مسعود فساله فقال ابن مسعود يكبر اربعا ثم يقرأ ثم يكبر فيركع ثم يقوم فى الثانى فيقرا ثم يكبر اربعا بعد

القرأة۔

(مصنف عبد الرزاق ص٣٩٣)۔

حضرت علقمہ اور حضرت اسود بن یزید رحمہا اللہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیٹھے ہوئے تھے۔ اور آپ کے پاس حضرت حذیفہ اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما بھی تھے۔ حضرت سعید بن عاص رضی اللہ عنہ نے ان دونوں بزرگوں سے عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی نماز میں تکبیر کے متعلق سوال کیا، یہ کہنے لگے کہ ان سے پوچھو اور وہ کہنے لگے کہ ان سے پوچھو، حضرت حذیفہ نے ان سے کہا کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے پوچھو چنانچہ انہوں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے پوچھا تو آپ نے فرمایا چار تکبیریں کہے۔ (بشمول تکبیر تحریمہ کے) پھر قرأت کرے پھر رکوع کرے پھر دوسری رکعت کے لئے کھڑا ہو اور قرأت کرے پھر چار تکبیریں (بشمول تکبیر رکوع کے) کہے قرات کے بعد۔ (حدیث اور اہل حدیث ٨٤٦۔)

الجواب: اولا اس روایت میں آٹھ تکبیر یں کہنے کا ذکر ہے، جب کہ انوار صاحب کے تقلیدی مذہب میں چھ تکبیریں کہنے کا حکم ہے، محترم نے اس اعتراض سے جان چھڑانے کے لئے پہلی رکعت میں تکبیر تحریمہ کو اور دوسری میں رکوع کی تکبیر کو شامل کیا ہے۔ حالانکہ روایت میں اس تقسیم کا سرے سے ذکر نہیں۔

ثانیا: سند میں ابو اسحاق راوی مدلس ہے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ۔

مشہور بالتدلیس وھو تابعی ثقة وصفه النسائی، وغیرہ ذلک، یعنی تدلیس کرنے میں مشہور ہیں ثقہ تابعی ہیں ان کے مدلس ہونے کی امام نسائی وغیرہ نے صراحت کی ہے۔

(طبقات المدلسین ص٤٢)۔

اور زیر بحث روایت میں تحدیث کی صراحت نہیں، جس کی وجہ سے یہ روایت ضعیف ہے۔

(٥) عن کردوس قال ارسل الولید الی عبد الله بن مسعود و حذیفة وابی موسیٰ الاشعری بعد العتمة فقال ان هذا عید المسلمین فکیف الصلاة؟ فقالوا سل ابا عبد الرحمنفساله فقال یقوم فیکبر اربعا ثم یقرأ بفاتحة الکتاب وسورة من المفصل ثم یکبر ویرکع فتلك خمس ثم یقوم فیقرأ بفاتحه الکتاب وسورة من المفصل ثم یکبر اربعا یرکع فی آخر هن فتلك تسع فی العید فما انکره واحد منهم۔

(معجم طبرانی کبیر ٣٠٢ ج٩، مصنف ابن ابی شیبه ١٧٤ ج٢)۔

حضرت کردوس رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عبد اللہ بن مسعود حضرت حذیفہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہم کے پاس ایک تہائی رات کے بعد پیغام بھیجا کہ (جس میں

انہوں نے کہا کہ) یہ مسلمانوں کی عید کا دن ہے اس میں نماز کا کیا طریقہ ہے؟ ان سب بزرگوں نے کہا کہ ابوعبد الرحمٰن (عبد اللہ بن مسعود) سے پوچھو! چنانچہ قاصد نے ان سے دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کھڑے ہو کر چار تکبیریں (بشمول تکبیر تحریمہ کے) کہے پھر سورہ فاتحہ اور مفصل سورتوں میں سے کوئی سورت پڑھے، پھر تکبیر کہہ کر رکوع میں چلا جائے، پس یہ پانچ تکبیریں ہوئیں، پھر کھڑے ہو کر سورہ فاتحہ اور مفصل سورتوں میں سے کوئی سورت پڑھے، پھر چار تکبیریں کہے جن میں سے آخری تکبیر کہہ کر رکوع میں چلا جائے پس یہ نو تکبیریں ہوئیں دونوں عیدوں میں، ان بزرگوں میں سے کسی نے بھی انکار نہیں کیا۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۸۴۷۔)

الجواب: اولا سند میں اشعث بن سوار راوی ضعیف ہے جیسا کہ امام یحیٰی، امام احمد، امام نسائی اوردارقطنی نے صراحت کی ہے۔ (تہذیب الکمال ۱۷۰ ج ۱)۔ اس کے استاد کردوس کے متعلق روایت نمبر ۸ میں تفصیل آرہی ہے، الغرض یہ روایت ضعیف ہے۔

(۶) عن ابن مسعود فی الاولیٰ خمس تکبیرات بتکبیرة الرکعة وبتکبیرة الاستفتاح وفی الرکعة (الاخری) اربعة بتکبیرة الرکعة۔

(مصنف عبد الرزاق ص ۲۹۳ ج ۳)۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ عید کی نماز میں پہلی رکعت میں پانچ تکبیریں ہیں رکوع کی تکبیر اور تکبیر تحریمہ کو ملا کر، اور دوسری رکعت میں چار تکبیریں ہیں رکوع والی تکبیر ملا کر۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۸۴۷۔)

الجواب: اس کی سند میں، ابن جریج راوی مدلس ہیں امام دارقطنی فرماتے ہیں بدترین تدلیس ابن جریج کی ہے وہ قبیح التدلیس ہیں۔ (طبقات المدلسین ص ۴۱)۔

سند میں تحدیث نہیں بلکہ معنعن ہے، ابن جریج نے یہ روایت عبد الکریم بن المخارق، سے نقل کی ہے اور عبد الکریم متروک ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے (لسان المیزان ص ۱۷۳ ج ۲) میں حبیب بن مخنف کے ترجمہ میں لکھا ہے عبد الکریم نے یہ روایت ابراھیم نخعی سے روایت کی ہے اور ابراھیم نے علقمہ سے نقل کی ہے اور محدث عبد الرحمٰن بن مہدی کہتے ہیں کہ ہمارے اصحاب (یعنی محدثین) نے ابراھیم نخعی کے سماع علقمہ سے انکار کیا ہے۔

(مراسیل ابن ابی حاتم ص ۹)۔

جس روایت میں انقطاع کے علاوہ تدلیس ہو پھر اس کی سند میں ایک راوی متروک ہو اُس کے سخت ضعیف ہونے میں کیا کلام ہوسکتا ہے۔

(۷) عن علقمة والاسود بن یزید ان ابن مسعود کان یکبر فی العیدین تسعا تسعا اربعا

قبل القرأة ثم كبر فركع وفى الثانية يقرأ فاذا فرغ كبر اربعا ثم ركع۔

(مصنف عبد الرزاق ص۲۹۳ ج۳ طبرانی کبیر ص۳۰٤ ج۹)۔

حضرت علقمہ اور حضرت اسود بن یزید سے روایت ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ عیدین میں نو نو تکبیریں کہتے تھے۔ چار تکبیریں (بشمول تکبیر تحریمہ کے) قرأت سے پہلے پھر تکبیر کہہ کر رکوع کرتے اور دوسری رکعت میں پہلے قرأت کرتے پھر قرأت سے فارغ ہوکر چار تکبیریں (بشمول تکبیر رکوع کے) کہتے اور رکوع کرتے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص۸۴۸۔)

الجواب: اولاً بشمول بشمول کا جواب ہم متعدد بار تحریر کر چکے ہیں، اعادہ کی ضرورت نہیں۔

ثانیا: سند میں امام سفیان ثوری مدلس ہیں اور روایت بھی معنعن ہے، لہٰذا ضعیف ہے۔ امام سفیان ثوری کی تدلیس کی صراحت بحوالہ مسئلہ رفع الیدین میں گزر چکی ہے۔

(۸) عن كردوس قال كان عبد الله بن مسعود يكبر فى الاضحى والفطر تسعا تسعا يبدء فيكبر اربعا ثم يقرأ ثم يكبر واحدة فيركع بها ثم يقوم فى الركعة الاخرة فيبدء فيقرأ ثم يكبر اربعا يركع باحداهن۔

(معجم طبرانی کبیر ص۳۰٤ ج۹)۔

حضرت کردوس فرماتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ عید الاضحیٰ اور عید الفطر میں نو نو تکبیریں کہتے تھے، آپ نماز شروع فرماتے تو (بشمول تکبیر تحریمہ کے) چار تکبیریں کہتے پھر قرأت کرتے پھر ایک تکبیر کہہ کر رکوع کرتے، پھر دوسری رکعت کے لیے کھڑے ہوتے تو قرأت سے ابتداء کرتے پھر چار تکبیریں کہتے اور ان چار میں سے ایک کے ساتھ رکوع کرتے۔

(حدیث اور اهل حدیث ۷٤۸)۔

الجواب: اولاً سند میں عبد الملک بن عمیر راوی مدلس ہے، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تدلیس کرنے میں مشہور ہیں۔ جیسا کہ امام دارقطنی اور ابن حبان نے صراحت کی ہے۔

(طبقات المدلسين ص٤١)۔

ثانیا: عبد الملک کا استاد کردوس بن العباس الثعلبی ہے، امام ابو حاتم فرماتے ہیں کہ اس میں کلام ہے۔ (الجرح والتعدیل ص۱۷۵ ج۷)۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے، تقریب ص ۲۸۵ میں انہیں مقبول کہا ہے یعنی متابعت کی صورت میں ورنہ لین الحدیث ہیں

(کمافی المقدمہ تقریب)۔

اور کردوس جس تفصیل سے متن نقل کررہے ہیں اس میں ان کا کوئی متابع موجود نہیں۔ الغرض یہ روایت عبد الملک کی تدلیس اور کردوس کے متکلم فیہ ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔

(۹) عن عبداللہ قال التکبیر فی العید اربعا کا لصلاۃ علی المیت۔

(طبرانی کبیر ص ۳۰۵ ج ۹)۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عید میں چار تکبیریں ہوتی ہیں جیسا کہ نماز جنازہ میں۔ (حدیث اور اہل حدیث ۸۴۸۔)

الجواب: اولاً نماز جنازہ میں چار تکبیرات سے زائد بھی سنت سے ثابت ہیں۔ علاوہ ازیں اگر چار بھی کہیں جائیں تو تب بھی پوری نماز میں ہوتی ہیں، جب کہ نماز عید میں چار نہیں بلکہ عند الحنیفہ بھی چھ تکبیرات زائد ہیں۔ لہٰذا یہ روایت آپ کے دعویٰ پر تقریب تام نہیں۔

ثانیا: سند میں سفیان ثوری راوی مدلس ہے اور روایت معنعن ہے لہٰذا ضعیف ہے۔

(۱۰) عن عامر ان عمر و عبد اللہ رضی اللہ عنہما اجتمع رایھما فی تکبیر العیدین علی تسع تکبیرات خمس فی الاولیٰ واربع فی الآخرۃ ویوالی بین القراتین۔

(طحاوی ص ۴۳۹ ج ۲)۔

حضرت عامر شعبی رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کا اس پر اتفاق رائے ہوا کہ عیدین کی تکبیریں نو ہیں پانچ. پہلی رکعت میں بشمول تکبیر رکوع کے) اور دونوں رکعتوں میں قرأت پے در پے کرے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۸۴۹۔)

الجواب: اس کی سند میں، عباس بن طالب بصری راوی متروک ہے۔ تفصیل کے لئے۔ لسان المیزان ص ۲۴۰ ج ۳ کی مراجعت کریں۔ یہ محدثین کے نام پر مستقل روایات سرقہ کرتا تھا۔

(۱۱) عن حماد عن ابراھیم فی حدیث طویل فاجمعوا امرھم علی ان یجعلوا التکبیر علی الجنائز مثل التکبیر فی الاضحی والفطر اربع تکبیرات فاجمع امرھم علی ذلک۔

(طحاوی ص ۳۳۳ ج ۱)۔

حضرت حماد رحمہ اللہ حضرت ابراہیم نخعی سے روایت کرتے ہیں کہ ایک طویل حدیث کے ذیل میں کہ پس ان سب کا اس پر اتفاق ہوا کہ جنازہ کی تکبیریں اتنی ہوں جتنی عیدین کی نماز میں ہیں یعنی چار تکبیریں۔

(حدیث اور اہل حدیث ۸۴۹۔)

الجواب: امام علی بن مدینی فرماتے ہیں کہ ابراہیم کی کسی صحابی سے ملاقات ثابت نہیں (مراسیل ابن ابی حاتم ص ۹) اور حماد بن ابی سلیمان راوی متکلم فیہ ہے۔ تفصیل کے لئے، دین الحق ص ۳۹۵، ۳۹۶ ج ۱ کی مراجعت کریں، الغرض یہ روایت مرسل ہونے کے ساتھ ساتھ ضعیف بھی ہے۔

(۱۲) عن عبد اللہ بن حارث قال شھدت ابن عباس کبر فی صلاۃ العید بالبصرۃ تسع

تکبیرات والی بین القرأتین، قال وشهدت المغیرة بن شعبة فعل ذلك ایضا الحدیث۔

(مصنف عبد الرزاق ص ٢٩٤ ج ٣ مصنف ابن ابی شیبه ص ١٧٤ ج ٢)۔

حضرت عبد اللہ بن حارث رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس حاضر ہوا، انہوں نے بصرہ میں عید کی نماز میں نو تکبیریں کہیں، اور دونوں (رکعتوں میں) قرأتیں پے در پے کہیں۔ حضرت عبد اللہ بن حارث رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوا تو انہوں نے بھی ایسا ہی کیا۔

(۱۳) عن عبد اللہ بن الحارث انه صلی خلف ابن عباس رضی اللہ عنہما فی العید فکبر اربعا ثم قرأ ثم کبر فرفع ثم قام فی الثانیة فقرأ ثم کبر ثلثا ثم کبر فرفع۔

(طحاوی ص ٤٣٩ ج ٢)۔

حضرت عبد اللہ بن حارث رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے پیچھے عید کی نماز پڑھی تو انہوں نے پہلے چار تکبیریں کہیں پھر قرأت کی پھر تکبیریں کہہ کر رکوع کیا پھر آپ دوسری رکعت کے لئے کھڑے ہوئے تو پہلے قرأت کی پھر تین تکبیریں کہیں پھر تکبیر کہہ کر رکوع کیا۔ (حدیث اور اہل حدیث ۸۵۰۔)

الجواب: اولا بلاشبہ مذکورہ اثر ابن عباس رضی اللہ عنہ کی سند صحیح ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے، درایہ میں صراحت کی ہے، لیکن آپ سے بارہ تکبیریں کہنا بھی صحیح اسناد سے ثابت ہیں۔ جیسا کہ فصل اول میں تفصیل گزر چکی ہے۔ لہٰذا انوار صاحب جو ان کا جواب دیں گے وہی ہماری طرف سے مذکورہ آثار کا سمجھ لینا۔

ثانیا: مرفوع کے بالمقابل موقوف حجت نہیں ہوا کرتی۔ اور ہم نے ۱۲ تکبیرات پر مرفوع احادیث پیش کر دی ہیں

(۱۴) عن ابن جریج قال ثنا یوسف بن ماهك اخبرنی ا ن ابن الزبیر لم یکن یکبر الا اربعا سوی تکبیرتین للرکعتین۔

(طحاوی ٤٤٠ ج ٢)۔

حضرت ابن جریج فرماتے ہیں کہ ہمیں حدیث بیان کی یوسف بن ماہک نے کہ حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما چار تکبیریں کہتے تھے، دونوں رکوعوں کی تکبیروں کے علاوہ۔

(حدیث اوراهل حدیث ٨٥٠۔)

الجواب: اگر دونوں رکعتوں میں چار کہتے تو ہر رکعت میں دو زائد تکبیرات ہوئیں اور اگر ہر رکعت میں چار تکبیریں زائد کہتے تو آٹھ تکبیریں ہوئیں، دونوں صورتوں میں یہ روایت حنفیہ کے مسلک کی

ترجمانی نہیں کرتی لیکن انوار صاحب کہتے ہیں کہ پہلی رکعت میں پانچ بشمول تکبیر تحریمہ رکوع کے اور دوسری رکعت میں چار بشمول تکبیر رکوع کے، (حدیث اور اہل حدیث ص۸۵۴۔)

حالانکہ روایت میں اس تقسیم کا سرے سے ذکر ہی نہیں بلکہ آخر میں وضاحت ہے کہ یہ تکبیریں رکوع کی تکبیر کے علاوہ تھیں۔

(۱۵) عن قتادة عن جابر بن عبد الله و سعيد بن المسيب قالا تسع تكبيرات ويوالى بين القرأتين۔

(مصنف ابن ابی شيبه ص١٧٤ ج٢).

حضرت قتادہ ؒ حضرت جابر بن عبد اللہ اور حضرت سعید بن المسیب ؓ سے روایت کرتے ہیں کہ ان دونوں بزرگوں نے فرمایا عیدوں میں نو تکبیریں ہیں اور دونوں قرأتیں پے در پے ہوں۔ (حدیث اور اہل حدیث ص۸۵۱۔)

الجواب: اولاً روایت میں نو تکبیرات کا ذکر ہے لیکن انوار صاحب اس سے چھ تکبیرات ثابت کرتے ہیں، تاویل یہ بیان کرتے ہیں کہ پہلی رکعت تکبیر تحریمہ اور رکوع کی تکبیر اور دوسری رکعت میں رکوع کی تکبیر شامل کر کے نو تکبیریں بنتی ہیں، حالانکہ متن روایت میں اس کا قطعا ذکر نہیں، بلکہ نو تکبیریں زائد کا بیان ہے۔

ثانیا: مسئلہ فاتحہ میں تفصیل گزر چکی ہے کہ قتادہ مدلس ہے۔ اور زیر بحث روایت میں تحدیث کی صراحت نہیں لہذا ضعیف ہے۔

(۱۶) عن محمد عن انس بن مالك ؓ انه قال تسع تكبيرات خمس فى الاولىٰ واربع فى الآخرة مع تكبيرة الصلاة۔ (طحاوی ٤٤٠ ج٢).

(۱۷) عن محمد بن سيرين عن انس انه كان يكبر فى العيد تسعا فذكر مثل الحديث عبد الله۔

(مصنف ابن ابی شيبه ١٧٤).

حضرت محمد بن سیرین ؒ حضرت انس بن مالک ؓ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ عید کی نماز میں نو تکبیریں کہتے تھے۔ (حدیث اور اہل حدیث ۸۵۱)

الجواب: آپ نے یہ مسئلہ اٹھایا ہے چھ تکبیریں ثابت کرنے کے لئے لیکن دلیل چھ کی بجائے نو کی عنایت کرتے ہیں مزید ستم یہ ڈھاتے ہیں کہ نو سے چھ کو ثابت کرتے ہیں جو کہ آپ کے حساب دان ہونے کی دلیل ہے، قرآن و سنت سے جو آپ کو علم تھا وہ اظہر من الشمس تھا ہی مگر آپ اچھے خاصے ریاضی دان بھی معلوم ہوتے ہیں کسی بچے سے نو اور چھ کا فرق پوچھ لینا، ہم تو آپ کے حق میں دعائے

خیر ہی کر سکتے ہیں۔

(۱۸) عن ابراھیم ان اصحاب عبد اللہ کانوا یکبرون فی العید تسع تکبیرات۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ١٧٤ ج٢)۔

حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے اصحاب عید کی نماز میں نو تکبیریں کہتے تھے۔ (پانچ پہلی رکعت میں اور چار دوسری رکعت میں)۔

(حدیث اور اہل حدیث ۸۵۲۔)

الجواب: اولاً ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے اصحاب تو تابعی تھے۔ اور تابعین کے اقوال امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک حجت نہیں راجع مقدمہ۔

ثانیا: سند میں، الاعمش راوی مدلس ہے (تقریب ص۱۳۶) اور تحدیث کی صراحت نہیں بلکہ معنعن ہے لہذا یہ روایت ضعیف ہے۔

پھر یہ روایت چھ تکبیرات زوائد کی دلیل بھی ہے یا نہیں، اس کے متعلق ہم کچھ نہیں کہنا چاہتے، ہاں ہمیں یہاں ایک لطیفہ یاد آ گیا ہے کہ کسی صاحب نے دعویٰ کیا کہ زمین گول ہے، جب دلیل طلب کی گئی تو فرمایا کہ چاول سفید ہیں یہ زمین کے گول ہونے کی دلیل ہیں، اللہ اکبر۔

(۱۹) عن الشعبی قال ارسل زیاد الیٰ مسروق انا یشغلنا اشغال فکیف التکبیر فی العید قال تسع تکبیرات قال خمسا فی الاولیٰ واربعا فی الأخرة والیٰ بین القرأتین۔

(مصنف عبد الرزاق ص٢٩٤ ج٣، مصنف ابن ابی شیبہ ص١٧٤ ج٢)۔

حضرت امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ زیاد نے حضرت مسروق رحمۃ اللہ علیہ کی طرف پیغام بھیجا کہ ہمیں تو کاموں میں ہی مصروفیت رہتی ہے۔ آپ یہ بتلائیے کہ عیدین کی نماز میں تکبیریں کس طرح کہی جاتی ہیں۔ آپ نے فرمایا نو تکبیریں ہیں پانچ پہلی رکعت میں (بشمول تکبیر تحریمہ و تکبیر رکوع کے) اور چار دوسری رکعت میں (بشمول تکبیر رکوع کے) اور دونوں قرأتیں پے در پے کرے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص۸۵۲۔)

الجواب: اولاً امام شعبیؒ کے طریق سے یہ روایت عبد الرزاق میں قطعاً نہیں۔ یہ محترم کا وہم ہے عبد الرزاق میں امام قتادہ سے یہ روایت مروی ہے جس کے الفاظ حسب ذیل ہیں۔

ان زیادا سال مسروقا عن تکبیر الامام قال یکبر الامام واحدة ثم یکبر اربعا ثم یقرا ثم یکبر ثم یسجد ثم یقوم فی الاخرة فیقرا ثم یکبر ثلاثا ثم یکبر واحدة یرکع بھا۔

(مصنف عبد الرزاق ص ٢٩٤ ج٣ رقم الحدیث الحدیث ٥٦٨٨۔

یعنی زیاد نے امام مسروق سے امام کی تکبیرات کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے کہا کہ امام ایک

تکبیر کہے پھر چار تکبیریں کہے پھر قرات کرے پھر تکبیر کہہ کر سجدہ کرے پھر کھڑا ہو جائے آخری رکعت میں قرأت کے بعد تین تکبیریں کہے پھر ایک تکبیر کہہ کر رکوع کرے۔

اس روایت کے متن پر غور کریں۔ جو ابن ابی شیبہ کے متن سے مختلف ہے، گویا عبد الرزاق کی روایت سند اور متن کے لحاظ سے ابن ابی شیبہ کی روایت سے الگ تھلگ ہے اور زوائد تکبیریں سات بنتی ہیں، جو انوار صاحب کے مذہب چھ کی نفی کو مستلزم ہے۔

ثانیا: یہ تابعی کا قول ہے جو دین میں حجت نہیں بالخصوص جب مرفوع حدیث کے مخالف ہو۔

(٢٠) عن ابراهيم عن الاسود و مسروق انهما كانا يكبران فى العيد تسع تكبيرات۔ (مصنف ابن ابی شیبه ص١٧٢ ج٢)۔

حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ حضرت اسود اور حضرت مسروق رحمہما اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ یہ دونوں بزرگ عید کی نماز میں نو تکبیریں کہتے تھے۔

الجواب: اولا انوار صاحب نے یہاں بھی بشمول کی تاویل کی ہے۔ مگر اس پر کوئی دلیل درج نہیں کی۔

ثانیا: ابراہیم نخعی مدلس ہے (طبقات المدلسین ص٢٨)۔ اور زیر بحث روایت میں تحدیث کی صراحت نہیں لہٰذا ضعیف ہے۔ پھر نو سے چھ ثابت کرنا انوار صاحب کا خبط ہے

(٢١) عن هشام عن الحسن ومحمد انهما كان يكبران تسع تكبيرات ۔(مصنف ابن ابی شیبه ص١٧٥ ج٢)۔

حضرت ہشام رحمۃ اللہ علیہ حسن بصری اور حضرت محمد بن سیرین رحمہما اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ یہ دونوں بزرگ عید کی نماز میں نو تکبیریں کہتے تھے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص٨٥٣۔)

الجواب: اولا تکبیرات زائد تو نو کہتے تھے۔ چھ کا عدد بھی غالبا نو میں آتا ہے۔ اس وجہ سے انوار صاحب کا اس سے مسلک ثابت ہے، اللہ اکبر، شاید کسی حساب دان سے پوچھ لیں تو انہیں علم ہو جائے کہ چھ کا عدد ١٢ میں بھی آتا ہے، لہٰذا فصل اول کی روایات بھی حنفیہ کے دلائل ہیں مرزا قادیانی کہا کرتا تھا کہ مجھے درخت کے پتوں میں بھی مسیح کی وفات نظر آتی ہے (ملفوظات مرزا) ایسے ہی انوار صاحب کو نو کے عدد میں بھی چھ کا عدد نظر آتا ہے، اس فلسفہ کی روشنی میں انوار صاحب اگر کسی سے چھ ہزار ادھار لیں اور واپسی کے وقت وہ ٩ ہزار طلب کرے تو دیوبندی مذہب میں سود تو کجا عین حق ہے۔ لا حول ولا قوة الا بالله العلی العظیم۔

ثانیا: تابعین کے اقوال دین میں حجت نہیں، راجع مقدمہ، بالخصوص جب وہ مرفوع احادیث کے مخالف ہوں۔

خلاصہ کلام: انوار صاحب نے کل اکیس دلائل ذکر کیے ہیں تین مرفوع احادیث ہیں اور تینوں ہی

ضعیف ہیں، اور تیسری روایت میں چھ تکبیروں کی بجائے آٹھ تکبیرات کا بیان ہے، پانچ آثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں جو انوار صاحب نے مکرزات کے ساتھ ۱۴ درج کئے ہیں۔ اور ان میں سے نو آثار نمبر ۴، ۵، ۶، ۷، ۸، ۹، ۱۰، ۱۱، ۱۵ ضعیف ہیں اور نمبر ۱۶، ۱۷، سنداً صحیح ہیں لیکن چھ کی بجائے نو زائد تکبیروں کا بیان ہے۔ اور ۱۲، ۱۳ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کا اثر ہے اور ان سے ۱۲ تکبیریں کہنا بھی ثابت ہے۔ الغرض انوار صاحب اپنے مؤقف پر کوئی واضح دلیل بیان نہیں کر سکے۔

کیا چھ تکبیریں بدعت ہیں

محترم نے فتاویٰ ستاریہ، سے نقل کیا ہے کہ عیدین میں چھ زائد تکبیریں کہنا بدعت ہے ص ۸۵۵، بعدہ انہوں نے پوری جماعت اہل حدیث کو مطعون کرنا شروع کر دیا ہے جو کہ ان کی زیادتی ہے، حقیقت یہ ہے کہ بعض صحابہ کرام سے چھ تکبیریں کہنی بلاشبہ ثابت ہیں۔ انہیں بدعت قرار دینا بڑی جرأت ہے ہم اس سے اپنی برأت کا اظہار کرتے ہیں۔ اور یہ جماعت غربا کے مفتی کی بھول ہے اللہ انہیں معاف فرمائے، واضح رہے آئمہ و محدثین کا اختلاف سنت و بدعت کا اختلاف نہیں بلکہ راجح و مرجوع اور افضلیت و غیر فضلیت کا ہے۔

(٧٥) باب تکبیرات جنازہ میں رفع یدین کرنا

فصل اول

(۱) عن عبدا لله بن عمر قال کان رسول الله ﷺ اذا قام الی صلاۃ رفع یدیه حتی تکونا حذو منکبیه ثم کبروهما کذلك فیرکع ثم اذا اراد ان یرفع صلبه رفعهماحتی تکونا حذو منکبیه ثم قال سمع الله لمن حمده ولایرفع یدیه فی السجود ویرفعهما فی کل تکبیرۃ یکبرها قبل الرکوع حتی تنقض صلاته۔

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو دونوں ہاتھوں کو کندھوں کے برابر تک اٹھاتے تھے، پھر تکبیر کہتے اور اسی طرح ہاتھ اٹھا کر رکوع کرتے، پھر جب رکوع سے اپنی کمر سیدھی کرنے کا ارادہ فرماتے تو بھی رفع یدین کرتے پھر، سمع اللہ لمن حمدہ، کہتے اور سجدوں میں رفع الیدین نہ کرتے تھے۔ اور رکوع سے پہلے ہر تکبیر کے ساتھ رفع الیدین کرتے تھے۔ یہاں تک کہ نماز پوری فرما لیتے۔

(ابوداؤد کتاب الصلاۃ باب رفع الیدین فی الصلاۃ ،الحدیث ٧٢٢)۔

(۲) ان عبد الله قال کان رسول الله ﷺ لا یرفع فی السجود ویرفعهما فی کل رکعة وتکبیرۃ کبرها قبل الرکوع حتی تقضی صلاته، الحدیث۔

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سجدوں میں رفع الیدین نہ کرتے تھے، اور ہر رکعت میں رفع الیدین کرتے، اور رکوع سے پہلے تمام تکبیروں میں رفع الیدین کرتے تھے حتی کہ نماز پوری کر لیتے۔

(مسند احمد ص١٣٤ ج٢)۔

(۳) عن ابن عمران النبی ﷺ کان اذا صلی علی الجنازۃ رفع یدیه فی کل تکبیرۃ واذا انصرف سلم۔

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ نبی مکرم ﷺ جب جنازہ کی نماز پڑھتے تو ہر تکبیر کے ساتھ رفع یدین کرتے تھے، اور نماز کو سلام پھیر کر ختم کرتے تھے۔

(علل دار قطنی بحوالہ نصب الرایہ ص٢٨٥ ج٢)۔

(۴) عن ابن عمر رضی اللہ عنہما انه قال یرفع یدیه فی کل تکبیرۃ علی الجنازۃ واذا قام من رکعتین۔

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جنازہ کی ہر تکبیر اور دو رکعت سے تیسری رکعت کے لئے کھڑے ہو کر رفع الیدین کی جائے۔

(جز رفع الیدین ص٦٩).

(۵) عن ابن عمر انه كان يرفع يديه مع كل تكبيرة على الجنازة۔

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نماز جنازہ کی تمام تکبیروں کے ساتھ رفع الیدین کرتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبه ص٢٩٧ ج٣).

(٦) عن ابن عمر قال كان يرفع يديه فى كل تكبيرة على الجنازة

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نماز جنازہ کی ہر تکبیر کے ساتھ رفع الیدین کرتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبه ص٢٩٦ ج٣، بيهقى ص٤٤ ج٤).

(۷) عن ابن عباس انه كان يرفع يديه فى تكبيرات الجنازة۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نماز جنازہ کی تکبیروں میں رفع الیدین کرتے تھے۔

(رواه سعيد بن منصور بحواله التلخيص الحبير ص١٤٧ ج٢).

(٨) عن انس انه كان يرفع كلما كبر على الجنازة۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ نماز جنازہ کی ہر تکبیر کے ساتھ رفع الیدین کرتے تھے۔

(رواه الشافعى بحواله التلخيص الحبير ص١٤٦ ج٢).

(٩) عن بكر بن سوادة ان عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ كان يرفع يديه مع كل تكبيرة فى الجنازة والعيدين۔

امام بکر بن سوادۃ فرماتے ہیں کہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نماز جنازہ اور عیدین کی ہر تکبیر کے ساتھ رفع الیدین کرتے تھے۔

(السنن الكبرىٰ للبيهقى ص٢٩٣ ج٣).

(۱۰) عن عمران بن ابى زائدة قال صليت خلف قيس بن ابى حازم على جنازة فكبر اربعا يرفع يديه فى كل تكبيرة۔

امام عمران بن ابی زائدۃ رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے قیس بن ابی حازم رحمۃ اللہ علیہ کی اقتداء میں نماز جنازہ پڑھی آپ نے چار تکبیریں کہیں اور ہر تکبیر کے ساتھ رفع الیدین کیا۔

(مصنف ابن ابی شیبه ص٢٩٦ ج٣).

(۱۱) عن رفاعة ابن مسلم قال كان سويد يكبر على جنائز نا فكان يرفع يديه فى اول كل تكبيرة۔

امام رفاعۃ بن مسلم کہتے ہیں کہ حضرت سوید بن غفلہ رحمۃ اللہ علیہ ہمارے جنازے پڑھایا کرتے ان پر تکبیریں کہتے اور ہر تکبیر کے ابتداء میں رفع یدین کرتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبه ص۲۹۷ ج۳)۔

(۱۲) عن ابن جریج عن عطاء قال یرفع یدیه فی کل تکبیرة ومن خلفهم یرفعون ایدیهم۔

امام ابن جریج راوی ہیں کہ امام عطاء بن ابی رباح کہتے ہیں کہ جنازہ کی ہر تکبیر کے ساتھ رفع الیدین کیا جائے اور مقتدی بھی رفع الیدین کریں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ص۲۹۶ ج۳)۔

(۱۳) عن عطاء قال یرفع الامام یدیه کلما کبر علی الجنائز والناس خلفه۔

امام عطاء بن ابی رباح رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جنازوں کی نمازوں میں امام جب بھی تکبیر کہے تو رفع یدین کرے اور مقتدی بھی۔ (مصنف عبد الرزاق ص۴۶۹ ج۳)۔

(۱۴) عن اسماعیل بن ابی خالد عن قیس بن ابی حازم انه کان یرفع یدیه فی التکبیرات کلهن۔

امام اسماعیل بن ابی خالد روایت کرتے ہیں کہ امام قیس بن ابی حازم نماز جنازہ کی ہر تکبیر کے ساتھ رفع الیدین کرتے تھے۔ (مصنف عبد الرزاق ص۴۷۰ ج۳)۔

(۱۵) عن داؤد بن قیس عن موسیٰ بن نعیم مولی زید بن ثابت قال من السنة ان ترفع یدیك فی کل تکبیرة من الجنازة۔

امام داؤد بن قیس رحمۃ اللہ علیہ سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے مولیٰ زید بن نعیم سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ نماز جنازہ کی ہر تکبیر کے ساتھ رفع الیدین کرنا سنت ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبه ص۲۹۶ ج۳)۔

(۱۶) عن غیلان بن انس ان عمر بن عبد العزیز کان یرفع یدیه فی کل تکبیرة علی الجنازة۔

امام غیلان بن انس رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سیدنا عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نماز جنازہ کی ہر تکبیر کے ساتھ رفع الیدین کرتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ص۲۹۶ ج۳)۔

قارئین کرام مذکورہ احادیث و آثار سے نماز جنازہ کی ہر تکبیر کے ساتھ رفع الیدین کرنا سنت ثابت ہوا، پہلی اور دوسری حدیث بلاشبہ صحیح ہے، اور اس کے آخری جملہ رکوع سے پہلے ہر تکبیر کے ساتھ رفع الیدین کرنے، کا امام بیہقی نے (السنن الکبریٰ ص۲۹۲ ج۳) میں یہی مفہوم بیان کیا ہے کہ تمام تکبیرات نماز عیدین و جنازہ میں رفع الیدین کیا جائے تیسری حدیث جو بحوالہ نصب الرایہ درج کی گئی ہے، یہ علل دارقطنی کے مطبوعہ حصہ (گیارہ جلدیں) میں نہیں ہے اس لئے اس کی صحت کے متعلق کچھ نہیں کہا

جاسکتا۔ امام دارقطنی کی علل اگر باقی ماندہ بھی چھپ جائے تو اس سے اس کی اگر صحیح سند ہو تو یہ حجت قطعی ہے۔ کیونکہ یہ اپنے معنی ومفہوم میں بالکل واضح ہے۔ ملحوظ رہے کہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کے آثار سند کے لحاظ سے صحیح ہیں۔ بقایا کی اسناد میں گو کلام ہے مگر ہم نے تائیداً نقل کئے ہیں تابعین کرام میں جلیل قدر تابعی امام سوید بن غفلہ رحمۃ اللہ علیہ بھی رفع الیدین کرتے تھے۔ یہ وہ بزرگ ہیں جنہوں نے اسلام تو نبی مکرم ﷺ کی زندگی میں قبول کیا مگر مدینہ اس دن تشریف لائے جس دن آپ کو دفن کیا گیا تھا۔ (تقریب ص۱۴۱) قیس بن ابی حازم بھی مخضرم ہیں امام عطاء بن ابی رباح اور محمد بن سیرین بھی کبائر تابعین سے ہیں، امام زہری جلیل القدر امام اور اتباع تابعین سے ہیں۔ اور سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کسی تعارف کے محتاج نہیں، آئمہ اربعہ میں سے امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہما بھی جنازہ کی تکبیرات میں رفع الیدین کرنے کے قائل و فاعل ہیں۔ صرف یہ اہل حدیث کا ہی موقف نہیں بلکہ حدیث و آثار سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔ خیر القرون میں اس پر تعامل تھا۔

فصل دوم

(۱) عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ ﷺ کبر علی الجنازۃ فرفع یدیہ فی اول تکبیرۃ ووضع الیمنی علی الیسری۔

(ترمذی ص۲۰۶ ج۱، دارقطنی ص۷۵ ج۲ بیہقی ص۳۸ ج۴)۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز جنازہ پڑھتے تھے تو پہلی تکبیر میں رفع الیدین کرتے تھے اور دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھ لیتے تھے۔

(حدیث اوراہل حدیث ۸۵۷۔)

الجواب: اس کی سند میں دو راوی ضعیف ہیں، پہلا راوی یحییٰ بن یعلی الاسلمی ہے امام یحییٰ بن معین فرماتے ہیں کہ ہیچ محض ہے امام بخاری رحمہ اللہ کہتے ہیں مضطرب الحدیث ہے، امام ابو حاتم نے ضعیف قرار دیا ہے۔ (تہذیب الکمال ص۱۰۷ ج۸)۔

امام ابن حبان کہتے ہیں کہ ہر حال میں اس سے احتجاج نہ کیا جائے، ثقات سے مقلوبات روایت کرتا ہے۔ (المجروحین ۱۲۱ ج۳، تہذیب ص۳۰۴ ج۱۱)۔

دوسرا راوی یحییٰ کا استاد یزید بن سنان ہے۔ امام احمد بن حنبل امام علی بن مدینی امام دارقطنی نے ضعیف قرار دیا ہے۔ ابو حاتم کہتے ہیں محلہ صدق لیکن اس پر غفلت غالب تھی اس لئے اس کی روایت لکھی تو جائے مگر احتجاج نہ کیا جائے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے مقارب الحدیث کہا ہے۔ امام ابو داؤد نے ہیچ محض اور نسائی نے ضعیف ومتروک الحدیث قرار دیا ہے ابن عدی کہتے ہیں کہ اس کی عام مرویات غیر

محفوظ ہیں۔ امام جوزجانی کہتے ہیں اس میں لین اور ضعف ہے، امام ابو حاتم کہتے ہیں قوی نہیں ازدی نے منکر الحدیث قرار دیا ہے۔ امام حاکم کہتے ہیں زہری وغیرہ سے مناکیر روایت کرتا ہے۔ (تہذیب ص۳۳۶ ج ۱۱، تہذیب الکمال ۱۳۱ ج۸)۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے، (التلخیص الحبیر ص۱۴۷ ج۲) میں اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔ علامہ زیلعی حنفی نے (نصب الرایۃ ص۲۸۵ ج۲) میں اور مولانا عثمانی نے (درس ترمذی ص۴۴۱ ج۳) میں اس روایت پر جرح کی ہے۔

(۲) عن ابن عباس ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یرفع یدیه علی الجنازة فی اول تکبیرة ثم لایعود۔

(دارقطنی ص۷۵ ج۲)۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز جنازہ میں صرف پہلی تکبیر میں رفع یدین کرتے پھر دوبارہ نہیں کرتے تھے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص۸۵۷)

الجواب: اس کی سند میں فضل بن سکن، راوی مجہول ہے، جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے (لسان المیزان ص۴۴۱ ج۴) میں علامہ ذہبی نے (میزان الاعتدال ص۳۵۲ ج۳) میں امام عقیلی نے (الضعفاء الکبیر ص۴۴۹ ج۳) میں صراحت کی ہے، الغرض یہ روایت ضعیف ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس پر حکم لگایا ہے۔ (التلخیص الحبیر ص۱۴۷ ج۲)۔ اور علامہ زیلعی نے (نصب الرایۃ ص۲۸۵ ج۲) میں عثمانی صاحب نے (درس ترمذی ص۴۴۲ ج۳) میں اس کا اعتراف کیا ہے۔

(۳) عن الولید بن عبد اللہ بن جمیع الزهری قال رأیت ابراهیم اذا صلی جنازة رفع یدیه فکبر ثم لا یرفع یدیه فیما بقی و کان یکبر اربعا۔

(مصنف ابن ابی شیبه ۲۹۶ ج۳)۔

حضرت ولید بن عبد اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابراہیم نخعی کو دیکھا ہے وہ جب نماز جنازہ پڑھتے تھے تو دونوں ہاتھ اٹھا کر (پہلی) تکبیر کہتے تھے پھر باقی تکبیروں میں رفع یدین نہیں کرتے تھے اور آپ چار تکبیریں کہتے تھے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص۸۵۸۔)

الجواب: یہ تابعی کا قول ہے اور اقوال تابعین دین میں حجت نہیں، مقدمہ میں تفصیل عرض کر دی گئی ہے بلاشبہ امام ابراہیم نخعی جلیل القدر امام ہیں۔ رویت کے لحاظ سے تابعی ہیں مگر ان کا یہ قول احادیث مرفوعہ اور اقوال صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے خلاف ہے۔

(۴) عن الحسن بن عبید اللہ انه کان یرفع یدیه فی اول تکبیرة علی الجنازة۔

(مصنف ابن ابی شیبه ۲۹۶ ج۳)۔

حضرت حسن بن عبید اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ وہ نماز جنازہ میں پہلی تکبیر ہی پر رفع یدین

کرتے تھے۔ (حدیث اور اہل حدیث ۸۵۸۔)

الجواب: حسن بن عبید اللہ اتباع تابعین سے ہیں کوفہ کے رہنے والے ہیں، جلیل القدر محدث و فقہی ہیں مگر دین ان بزرگوں کے اقوال کا نام نہیں بلکہ قرآن وسنت کا نام ہے۔ مزید برآں یہ کہ سند میں سفیان ثوری ہیں جو مدلس ہیں اور سماع کی صراحت نہیں بلکہ معنعن روایت ہے لہذا ضعیف ہے۔

بزرگان دین

بلاشبہ یہ حضرات ہمارے اسلاف تھے۔ مگر ان کا قول وعمل دین میں حجت نہیں اوران کے اقوال کا نام دین نہیں، مزید برآں کہ ہم نے بھی اتباع تابعین کے اقوال پیش کردیئے ہیں۔

سیدنا عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ علم وفضل سے کسی طرح بھی حسن بن عبید اللہ سے کم نہ تھے۔ علاوہ ازیں ہم نے آثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی نقل کردیئے ہیں جو سنداً صحیح ہیں

امام شافعی نے کتاب الام ص۳۹۲ ج۱ میں صراحت کی ہے کہ **وكذلك يرفع يديه اذا كبر على الجنازة عند كل تكبيرة،** یعنی عیدین کی نماز کی طرح جنازہ کی ہر تکبیر کے ساتھ رفع الیدین کیا جائے۔

امام احمد بن حنبل امام اسحاق بن راھویہ اور امام اوزاعی کا بھی یہی مسلک ہے۔ تفصیل کے لیے (المغنی ص۴۹۰ ج۲، المجموع ص۲۳۲ ج۵) وغیرہ کی مراجعت کریں، امام ترمذی فرماتے ہیں کہ۔ **واختلف اهل العلم فى هذا فرأى اكثر اهل العلم من اصحاب النبى ﷺ وغيرهم ان يرفع الرجل يديه فى كل تكبيرة على الجنازة هو قول ابن المبارك والشافعى و احمد واسحاق۔** یعنی اس مسئلہ میں اہل علم کے درمیان اختلاف ہے۔ اکثر اہل علم کا خیال ہے کہ نماز جنازہ کی ہر تکبیر کے ساتھ رفع الیدین کیا جائے یہ مروی ہے نبی مکرم ﷺ کے صحابہ کرام سے اور یہی قول امام عبد اللہ بن مبارک، امام شافعی، امام احمد، امام اسحاق وغیرہ کا ہے۔ (ترمذی مع تحفہ ص۱۶۵ ج۲)۔

محترم نے امام مالک کا مسلک بھی بیان کیا ہے۔ جواباً عرض ہے کہ ہم نے امام مالک کے استاد امام زہری کا قول نقل کردیا ہے موصوف جو جواب اس کا دیں گے وہی جواب ہماری طرف سے امام مالک کا سمجھ لینا۔

آخر میں مولانا عبید اللہ رحمانی سے نقل کرتے ہیں کہ جنازہ میں رفع الیدین جائز ہے۔ بدعت و ممنوع نہیں (فتاویٰ ثنائیہ ص۵۰ ج۲) اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ فیصلہ فرمائیں کہ یہ حدیث کی موافقت ہے یا مخالفت ص۸۶۱۔

اس نالائق کو آج تک یہ خبر نہیں کہ اس کو ناجائز کہنا اکابر دیوبند کا مسلک نہیں صرف افضلیت میں

اختلاف ہے، یعنی نماز جنازہ کی تکبیرات میں رفع الیدین کرنا افضل ہے کہ نہیں، اگر اعتبار نہ ہو تو العرف الشذی ص ۳۱۵ مطبوعہ فاروقی کتب خانہ اور (درس ترمذی ص ۳۴۲ ج ۳)، کا مطالعہ کر لینا۔

آئمہ حنفیوں میں سے آئمہ بلخ کا اور ایک روایت میں خود امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا بھی یہی مسلک ہے کہ نماز جنازہ کی تمام تکبیروں میں رفع الیدین کیا جائے۔ (فتاویٰ شامی ص ۲۱۲ ج ۲)۔ لہٰذا بہتر تھا کہ انوار صاحب محدث رحمانی کی بجائے اکابر علمأ دیوبند آئمہ بلخ اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے قول کا ذکر کرتے ہوئے ان کا بھی رد کرتے، تا کہ حق تحقیق ادا ہو جاتا مگر مقلد اور تحقیق یہ دونوں ہی ضدیں ہیں۔ آگے چل کر انوار صاحب امام ابن حزم سے نقل کرتے ہیں کہ۔

ولا ترفع اليدان فی الصلاة علی الجنازة الافی اول تكبيرة فقط لانه لم يأت يرفع الا يدی فيما عدا ذلك نص وروی مثل قولنا هذا عن ابن مسعود و ابن عباس وهو قول ابی حنيفة و سفيان۔ (المحلی ص ۱۸۱ ج ۳)۔

علامہ ابن حزم تحریر فرماتے ہیں کہ رفع یدین نہ کیا جائے نماز جنازہ میں سوائے پہلی تکبیر کے کیونکہ پہلی تکبیر کے علاوہ باقی تکبیروں میں رفع یدین کے لئے نص نہیں آئی اور اسی طرح حضرت عبد اللہ بن مسعود او رحضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے روایت کیا گیا ہے حضرت امام ابوحنیفہ اور حضرت سفیان ثوری کا بھی یہی قول ہے۔ (حدیث اور اہل حدیث ۸۵۹۔)

معلوم نہیں انوار صاحب نے یہ عبارت کہاں سے نقل کی ہے۔ اس میں متعدد فاش اغلاط ہیں۔ عبارت مذکورہ قطعاً محلیٰ کی نہیں۔ امام ابن حزم مسئلۃ نمبر ۵۷۳، کے ابتداء میں فرماتے ہیں کہ۔

ولا ترفع الا يدی الا فی اول تكبيرة فقط، یعنی نماز جنازہ میں رفع یدین فقط پہلی تکبیر پر ہی کیا جائے۔ صفحہ ۳۴۷ جلد ۳۔

پھر تکبیروں کی تعداد پر بحث کرتے ہوئے پانچ صفحات آگے چل کر فرماتے ہیں کہ

واما رفع الايدی فانه لم يات عن النبی ﷺ انه رفع فی شئی من تكبير الجنازة الا فی اول تكبيرة فقط ، فلا يجوز فعل ذلك لانه عمل فی الصلاة لم يات به نص، وانما جاء عنه عليه السلام انه كبر ورفع يديه فی كل خفض ورفع ، وليس فيها رفع ولا خفض، والعجب من قول ابی حنيفة رفع الايدی فی كل تكبيرة فی صلاة الجنازة! ولم يات قط عن النبی ﷺ، ومنعه من رفع الايدی فی كل خفض ورفع فی سائر الصلوات وقد صح عن النبی ﷺ۔

(المحلی لابن حزم ص ۳۵۱ ج ۳)۔

محترم کی عبارت اور اس عبارت کا تقابل کریں،، اس میں زمین و آسمان کا فرق ہے انوار صاحب ان کی طرف یہ منسوب کرتے ہیں کہ سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ

اور امام سفیان ثوریؒ جنازہ میں رفع الیدین نہیں کرتے تھے۔ حالانکہ امام ابن حزم نے سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کا سرے سے تذکرہ ہی نہیں کیا اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا کیا ہے تو یہ کہا کہ وہ جنازہ کی تکبیروں میں رفع الیدین کے قائل تھے۔ پھر اس پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حیرت ہے کہ جہاں نماز میں رفع یدین کرنا ثابت ہے وہاں انکار کرتے ہیں اور جہاں ثابت نہیں وہاں کرتے ہیں، مگر انوار صاحب اس کے برعکس نقل کرتے ہیں، پھر اس کوڑ پر یہ کھاج کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول بھی محلی کی طرف منسوب کرتے ہیں گویا امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے قول کو نقل کرنے میں تحریف کی اور صحابہ کے آثار کی نسبت کرنے میں افتراء کیا، یہ دین کی خدمت نہیں شیطان کی پیروی ہے ایسے لوگ آئمہ جرح و تعدیل کے ہاں متروک و کذاب قرار پاتے ہیں خاکسار نے انوار صاحب کی بد دیانتی پکڑنے کے لئے، اعلاء السنن کی مراجعت کی تو اس میں اس سے بھی بڑھ کر گل کھلائے تھے تتمہ کا عنوان باندھ کر سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث نصب الرایہ سے نقل کرتے ہیں۔ بعدہ اس کے راویوں کی توثیق بیان کرتے ہوئے اسے مرفوع تسلیم کرتے ہیں پھر سیدنا ابن عمر اور سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کے آثار نقل کر کے ان کی اسناد کو صحیح قرار دیتے ہیں، پھر ان کے معارض سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کی مرفوع احادیث کو لا کر انہیں حسن قرار دیتے ہیں۔ پھر وجہ ترجیح میں فرماتے ہیں۔

عمدۃ القاری ص ۱۴۷ ج ۴ میں مبسوط سے نقل کیا ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما اور علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور ابن حزم نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور ابن عمر رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ وہ جنازہ کی تکبیرات میں رفع الیدین نہیں کرتے تھے۔ آگے فرماتے ہیں کہ ابن حزم جیسے محدث جلیل نے ان احادیث سے استدلال کیا ہے۔ لہٰذا ان کے صحیح ہونے کی دلیل ہے چونکہ ابن عمر رضی اللہ عنہما اور ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اپنی روایت کردہ مرفوع احادیث کی مخالفت کی ہے اور ہمارے نزدیک راوی کا روایت پر عمل نہ کرنا جرح ہے۔

لہٰذا ابن عمر کی مرفوع حدیث ساقط قرار پائی اور ظاہر الروایت میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا بھی یہی قول ہے۔ (اعلاء السنن ص ۲۶۵ تا ۲۶۷ ج ۸)۔

یہ تمام قصہ من گھڑت اور باطل ہے، مبسوط فقہ حنفی کی کتاب ہے اس کی نقل پر اعتبار نہیں اور ابن حزم نے ابن عمر ابن عباس اور ابن مسعود رضی اللہ عنہم کے اقوال نقل ہی نہیں کیے اور ہم پوری ذمہ داری سے عرض کرتے ہیں کہ سیدنا عبد اللہ بن عمر اور سیدنا عبد اللہ بن عباس اور سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہم سے نماز جنازہ میں ترک رفع الیدین ثابت نہیں، جو اس بات کا مدعی ہے وہ صحیح یا حسن درجہ کی روایت سے ثابت کرے، اور آخر میں ہم انوار خورشید کو نصیحت کرتے ہیں کہ تصنیف و تالیف میں کذب و افتراء اور جھوٹ بولنے سے پرہیز کرے، دیو بندیو! اگر اللہ کا ڈر نہیں تو بدنامی کا ہی خوف کرو۔

(٩) عن اسماء بنت یزید قالت قال رسول الله ﷺ اذا صلیتم علی الجنازة فاقروا بفاتحة الکتاب۔

سیدہ اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا راویہ ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب میت پر نماز جنازہ پڑھو تو سورۃ فاتحہ کی قرات کیا کرو۔

(المعجم الکبیر للطبرانی ص١٦٢ ج٢٤ رقم الحدیث ٤١٣۔

(١٠) عن ابن عباس ان النبی ﷺ قرأ علی الجنازة بفاتحة الکتاب۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے جنازہ کی نماز میں سورۃ فاتحہ (بعد تکبیر اولیٰ کے) پڑھی۔

(ابن ماجه کتاب الجنائز باب ماجاء فی القرأة علی الجنازة، الحدیث ١٤٩٥)۔

(١١) عن امرأة منهم یقال لها ام عفیف قالت بایعنا رسول الله ﷺ حین بایع النساء فاخذ علیهن ان لا نحدثن الرجل الا محرما وامرنا ان نقرأ علی میتنا بفاتحة الکتاب۔

سیدہ ام عفیف رضی اللہ عنہا راویہ ہیں کہ میں نے اس وقت رسول اللہ ﷺ سے بیعت کی جب دیگر عورتوں نے بھی بیعت کی تھی۔ آپ علیہ السلام نے ہم سے عہد لیا تھا کہ ہم (عورتیں) غیر محرم سے کلام نہیں کریں گی۔ اورہمیں نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ کی قرأت کا حکم دیا تھا۔

(المعجم الکبیر للطبرانی ص١٦٨ ج٢٥، رقم الحدیث ٤١٠، ابونعیم بحواله عمدة القاری ٢٠٣ ج٨)۔

(١٢) عن جابر قال کان رسول الله ﷺ یکبر علی جنائزنا اربعا ویقرأ بفاتحة الکتاب فی التکبیر الاولیٰ۔

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہمارے جنازوں پر رسول اللہ ﷺ چار تکبیریں کہتے تھے، اور سورۃ فاتحہ کی قرأت پہلی تکبیر میں کرتے تھے۔

(مستدرک للحاکم ص٣٥٨ ج١ وللفظ له والام للشافعی ص٤٥٣ ج١)۔

(١٣) عن عبید الله بن عبدالله بن عتبة بن مسعود قال کان عبد الله بن عباس اذا صلی علی الجنائز وهو امام کبر ثم یقرأ بام القرآن ثم یصلی علی النبی ﷺ ثم یکبر ینصرف۔

امام عبید اللہ بن عبد اللہ فرماتے ہیں کہ جب سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نماز جنازہ کی امامت کرتے تو تکبیر تحریمہ کہہ کر سورۃ فاتحہ کی قرأت کرتے پھر تکبیر کہہ کر نبی علیہ السلام پر درود بھیجتے پھر تکبیر کہتے۔ (پھر میت کے لئے دعا کرتے اور تکبیر کہہ کر) سلام پھیرتے۔

(المعجم الاوسط للطبرانی ٥٥٩ ج٢ رقم الحدیث ١٩٥٩)۔

(١٤) عن محمد بن عمرو بن عطاء ان المسور بن مخرمة صلی علی الجنازة فقرأ فی

التکبیرۃ الاولیٰ فاتحۃ الکتاب وسورۃ قصیرۃ رفع بھما صونۃ فلما فرغ قال، لا اجھل ان تکون ھذہ الصلاۃ عجماء، ولکنی اردت أن اعلمکم ان فیھا قرأۃ۔

امام محمد بن عمرو بن عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سیدنا مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ نے ایک میت پر نماز جنازہ پڑھائی، پہلی تکبیر میں سورۃ فاتحہ اور ایک مزید چھوٹی سی سورت کی قرأت کی، اور ان دونوں کے ساتھ آواز کو بلند کیا جب نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا کہ میں اس بات سے ناواقف نہیں ہوں کہ یہ نماز (جنازہ) سرا پڑھی جاتی ہے لیکن میرا ارادہ آپ کو تعلیم دینا تھا۔ کہ اس (نماز جنازہ) میں قرأت ہے۔

(المحلی با لآثار ص۳۵۲ ج۳)۔

(۱۵) عن ابن شھاب عن ابی امامۃ بن سھل بن حنیف و محمد ابن سوید الدمشقی عن الضحاک بن قیس، قال الضحاک وابو امامۃ, السنۃ فی الصلاۃ علی الجنازۃ ان یقرأ فی التکبیر مخافتۃ، ثم یکبر، والتسلیم عند الآخرۃ۔

امام ابن شہاب زہری رحمہ اللہ ابو امامہ اور محمد بن سوید دمشقی سے روایت کرتے ہیں کہ سیدنا ضحاک بن قیس رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابو امامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نماز جنازہ میں سنت یہ ہے کہ تکبیر کے بعد آہستہ آواز سے قرأت کی جائے۔ پھر تکبیر کہی جائے اور آخر میں سلام پھیرا جائے۔

(المحلی بالآثار ص۳۵۲ ج۳)۔

(۱۶) عن سلمۃ بن نبیط عن الضحاک بن قیس قال یقرأ ما بین التکبیرتین الاولین فاتحۃ الکتاب۔

امام سلمہ بن نبیط روایت کرتے ہیں کہ سیدنا ضحاک بن قیس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ پہلی دو تکبیروں کے درمیان سورۃ فاتحہ کی قراۃ کی جائے۔

(المحلی بالآثار ص۳۵۲ ج۳)۔

(۱۷) عن محمد الفھری عن الضحاک بن قیس انہ قال مثل قول ابی امامۃ۔

امام محمد فہری سیدنا ضحاک بن قیس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے سیدنا ابو امامہ رضی اللہ عنہ کے مثل کہا۔

(الام للشافعی ص۴۵۳ ج۱ باب الصلاۃ علی الجنازۃ والتکبیر فیھا......)

(۱۸) عن سلمۃ عن الضحاک قال اقرء فی کل التکبیرتین الاولیین فی الصلاۃ علی المیت بفاتحۃ الکتاب۔

امام سلمہ سیدنا ضحاک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ میت پر نماز جنازہ کی پہلی دو تکبیروں (کے درمیان) سورۃ فاتحہ کی قرأت کرو۔ (مصنف ابن ابی شیبہ۲۹۸ ج۳)۔

(۲۹) عن مجاهد فی الصلاة علی الجنازة، یکبر ثم یقرأ بام القرآن یصلی علی النبی ﷺ ثم ذکر دعاء۔

امام مجاہد فرماتے ہیں کہ نماز جنازہ میں تکبیر کہی جائے پھر سورۃ فاتحہ کی قرأت کی جائے، نبی ﷺ پر درود پھر دعا۔

(المحلی ابن حزم ص۳۵۳ ج۳)۔

مذکورہ احادیث و آثار سے نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ کی قرأت ثابت ہوئی۔ گو ان میں سے مرفوع احادیث صرف پہلی سات ہی سنداً صحیح ہیں بقایا مرفوع احادیث پر جرح ہے، مگر ہم نے متابعت و شواہد میں پیش کیا ہے۔ آثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تقریباً تمام کے تمام حسن درجہ سے کم نہیں۔ اقوال تابعین بھی صحت کے لحاظ سے ثابت شدہ ہیں، محترم نے نام بنام شہروں کے نام لکھ کر کہا ہے کہ ان امور سے روز روشن کی طرح واضح ہو رہا ہے کہ خیر القرون کے دور میں نماز جنازہ میں قرأت کا بالکل رواج نہیں تھا۔

(حدیث اور اہل حدیث ص۸۷۳۔)

حالانکہ مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ بصرہ کوفہ میں قرأت کا رواج تھا۔ اس سے انکار محض ضد ہے، حدیث و آثار کے علاوہ مکہ میں امام مجاہد مدینہ میں ابن شہاب، شام میں مکحول، بصرہ میں حسن وغیرہ کا نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ کی قرأت انوار صاحب کے کاذب ہونے کی دلیل ہے، علاوہ ازیں کسی چیز کا رواج نہ ہونے سے اس چیز کے مسنون ہونے کی نفی نہیں ہوتی، مدینہ میں ارسال پر عمل تھا، خیر القرون کے دور صحابہ میں ہی تکبیرات انتقال کو بلند آواز سے کہنا کمیاب ہو گیا تھا۔ جس کی ضروری تفصیل پہلے عرض کر دی گئی ہے۔ تو کیا اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ نماز میں ہاتھ باندھنا اور تکبیر کو بلند کہنا غیر مسنون طریقہ ہے، پھر انوار صاحب کے لئے عرض ہے کہ احادیث صحیحہ کے بالمقابل رواج کی کوئی اہمیت نہیں، غور کریں امام ابوحنیفہ نے قبروں کو پختہ بنانے سے منع کیا ہے جب کہ احناف کی بریلوی پارٹی میں مزارات بنانے کا رواج ہے، تو کیا اس رواج سے امام ابوحنیفہ کے قول کی نفی ہو جائے، کچھ تو اللہ کا خوف کرو۔

فصل دوم

(۱) عن ابی هریرة قال سمعت رسول اللہ ﷺ یقول اذا صلیتم علی المیت فاخلصوا له الدعاء۔(ابو داؤد ص۱۰۰ ج۲ ابن ماجه ص۱۰۹)۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جب تم کسی میت کی نماز جنازہ پڑھو تو اس کے لئے اخلاص کے ساتھ دعا کرو۔

(حدیث اور اهل حدیث ص۸٦۲۔)

الجواب: اولاً اس حدیث میں یہ نہیں کہا گیا کہ نماز جنازہ صرف دعا ہے بلکہ فرمایا کہ میت کے حق میں اخلاص سے دعا کرو، ان دونوں میں فرق ہے، مولانا عثمانی فرماتے ہیں کہ اس سے استدلال درست نہیں کیونکہ اس کا مطلب ہے اخلاص کے ساتھ دعا کرنا نہ یہ کہ فاتحہ نہ پڑھی جائے ۔

(درس ترمذی ص۳۰۴ ج۳)۔

ثانیاً: نبی مکرم ﷺ نے اس حدیث میں جنازہ کو نماز کہا ہے، اذا صلیتم جس کا معنی انوار صاحب نے، جب نماز جنازہ پڑھو، کیا ہے۔ اور محترم نے صفحہ ۵۳۵ پر صحیح مسلم ص۲۰۳ ج۱۔ سے سیدنا معاویہ بن حکم سلمی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ نبی مکرم ﷺ نے فرمایا۔

(ان هذه الصلاة لايصلح فيهاشئى من كلام الناس انما هو التسبيح والتكبير وقرأة القرآن)۔

نمازایسی ہے جس میں لوگوں کی بات چیت کی بالکل گنجائش نہیں ہے۔ اس میں تو تسبیح تکبیر اور قرأت ہوتی ہے۔ (حدیث اوراہل حدیث ص ۵۳۶۔)

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث سے معلوم ہوا کہ جنازہ نماز ہے،اور سیدنا معاویہؓ کی روایت سے ثابت ہوا کہ اس میں قرأت بھی ہے۔

ثالثاً: انوار صاحب کا یہ کہنا کہ نماز جنازہ میت کے حق میں درحقیقت دعا و استغفار ہے اس لئے اس میں اللہ کی حمد و ثناء نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود پھر میت کے لئے دعا ہونی چاہئے جیسا کہ دعا کا طریقہ ہے۔ (حدیث اوراہل حدیث ث۸۷۰۔)

انوار صاحب کو آج تک یہ بھی خبر نہیں کہ سورۃ فاتحہ میں بھی اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء موجود ہے اللہ اکبر۔ خیر آگے چلئے محترم نماز جنازہ میں چار تکبیریں اور قیام آپ کے نزدیک بھی رکن ہیں۔

(درمختار مع شامی ص۲۰۹ ج ۲)۔

جب کہ دعا میں تکبیر و قیام رکن نہیں۔ فما کان جوابکم فھو جوابنا۔

رابعاً: حدیث میں وضاحت ہے کہ تکبیر تحریمہ کہہ کر سورۃ فاتحہ پڑھو، پھر نبی مکرم ﷺ پر درود بھیجو، اس کے بعد میت کے لئے اخلاص سے دعا کرو۔ تفصیل دین الحق ص۶۸۵ سے دیکھ لی جائے۔

(۲) مالك عن سعيد بن ابى سعيد المقبرى عن ابيه انه سال اباهريرة كيف تصلى على الجنازة فقال ابو هريرة انالعمر الله اخبرك اتبعها من اهلها فاذا وضعت كبرت وحمدت الله وصليت على نبيه ثم اقول اللهم انه عبدك وابن عبدك وابن امتك كان يشهد ان لا اله الا انت وان محمدا عبدك ورسولك وانت اعلم به اللهم ان كان محسنا فزد فى احسانه وان كان مسيئا فتجاوز عنه سياته اللهم لاتحرمنا اجره ولاتفتنا بعده۔ (موطا امام مالک ص۲۰۹ ج۱)۔

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ حضرت سعید مقبری سے اور وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آپ نماز جنازہ کیسے پڑھتے ہیں؟ آپ نے فرمایا بخدا میں تمہیں ضرور بتلاؤں گا میں جنازہ والے گھر سے ہی جنازہ کے ساتھ ہولیتا ہوں جب جنازہ (نماز کے لئے) رکھا جاتا ہے تو میں تکبیر کہہ کر اللہ کی حمد و ثناء کرتا ہوں آنحضرت ﷺ پر درود شریف پڑھتا ہوں پھر یہ دعا پڑھتا ہوں اللھم عبدک الخ...... (حدیث اور اہل حدیث ٨٦٢۔)

الجواب: موصوف نے اس سے یہ استدلال کیا ہے کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے سورۃ فاتحہ پڑھنے کا ذکر نہیں کیا لہٰذ وہ سورۃ فاتحہ ہی نہ پڑھا کرتے تھے۔ اسے کہتے ہے،، دوضرب دو،، چار روٹیاں، محترم عدم ذکر عدم شئی کو مستلزم نہیں ہوا کرتا، اس حدیث میں تو سیدنا ابوھریرہ رضی اللہ عنہ نے طہارت، قیام، تکبیرات، سلام وغیرہ کا بھی ذکر نہیں کیا تو کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ یہ تمام چیزیں بھی نماز جنازہ میں جائز نہیں۔

(٣) عن نافع ان عبد الله بن عمر كان لا يقرأ فی الصلاة علی الجنازة۔

(موطا امام مالك ٢١٠)۔

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ حضرت نافع سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نماز جنازہ میں قرأت نہیں کرتے تھے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص٨٦٣۔)

الجواب: اولا محترم نے ، لایقرأ کا معنی کیا ہے قرأت نہیں کرتے تھے، اس سے مقصود یہ ہے کہ سورۃ فاتحہ کی تلاوت نہیں کرتے تھے۔ حالانکہ قرأ کا معنی مطلق تلاوت قرآن نہیں ہوتا۔ اس کا معنی ہے، نہیں پڑھتے تھے، کیا نہیں پڑھتے تھے، روایت میں اس کا ذکر نہیں، جس طرح انوار صاحب یہ دعوٰی کرتے ہیں کہ قرأت نہیں کرتے تھے، ہم کہتے ہیں کہ ثناء نہیں پڑھتے تھے۔

فما كان جوابكم فهو جوابنا۔

ثانیا: اگر اس کا یہ ہی معنی لیا جائے کہ سورۃ فاتحہ نہ پڑھتے تو تب بھی احناف کو مفید نہیں، کیونکہ سورۃ فاتحہ کو بطور دعا پڑھنا یہ بھی جائز کہتے ہیں۔ جو کہ ان کی تمام متداول کتب فقہ میں موجود ہے۔ دیکھئے (فتاویٰ عالم گیری ص١٦٤ ج١ قاضی خاں ص٩٣ ج١، درمختار ص١٢٢ ج١)۔

اور یہ فتوی دیوبند و بریلوی اکابر کا بھی ہے کہ جنازہ میں فاتحہ کو حمد وثنا اور دعا کی نیت سے پڑھ لیا جائے۔

(احسن الفتاوی ص٢٤٥ ج٤ و خير الفتاوی ص١٩٨ ج٣، و كفايت المفتی ص٧٥ ج٤ و فتاوی دارالعلوم دیو بند ص٣٠٠ ج٥ و فتاوی حقانية ص٤٤٣ ج٣ و آپ کے مساعمل اور ان کا حل ص١٦٤ ج٣ و عطائے حبيب ص١٣٥ ج٢)

اگر انوار صاحب اس پر ہی بضد ہوں کہ بطور قرأت فاتحہ نہیں پڑھتے تو ہم کہتے کہ بطور قرأت اور

بطور دعا کی تقسیم شرعی طور پر ثابت نہیں یہ آپ کی ذاتی اختراع ہے جس کا ثبوت چاہئے محض آپ کے دعویٰ سے بات نہیں بنے گی۔

(۴) روی عن ابن مسعود انه سئل عن صلاة الجنازة هل یقرأ فیها فقال لم یوقت لنا رسول اللہ ﷺ قولا ولا قرأة وفی روایة دعاء ولا قرأة کبر ماکبر الامام واختر من اطیب الکلام ما شئت وفی روایة واختر من الدعاء اطیبه۔

(بدائع الصنائع ص۳۱۳ مغنی ابن قدامه ص۴۸۵ ج۲)۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ان سے نماز جنازہ میں قرأت کے متعلق سوال ہوا تو آپ نے فرمایا رسول اللہ ﷺ نے ہمارے لئے کوئی خاص کلام اور قرأت مقرر نہیں فرمائی ایک روایت میں ہے کہ کوئی خاص دعاء اور قرأت مقرر نہیں فرمائی، جب امام تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو، اور جو اچھے سے اچھا کلام (ثناء و دعاء وغیرہ) چاہو اختیار کرو اور ایک روایت میں ہے کہ جو بہتر سے بہتر دعا ہو وہ اختیار کرو۔

(۵) روی عن عبدالرحمن بن عوف وابن عمر انهما قالا لیس فیها قرأة شیئ من القرآن۔

(بدائع والصنائع ص۳۱۳ ج۲)۔

حضرت عبد الرحمٰن بن عوف اور حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ ان دونوں بزرگوں نے فرمایا نماز جنازہ میں قرآن کے کسی حصہ کی بھی قرأت نہیں ہے۔

(حدیث اور اہل حدیث ۹۶۳۔)

الجواب: بدائع الصنائع اور مغنی لابن قدامہ دونوں فقہ کی کتابیں ہیں حدیث کی نہیں، اور کتب فقہ پر نقل روایات میں اعتماد نہیں کیا جاسکتا تفصیل کے لئے دین الحق ص۶۵۳ ج۱ تحفہ حنفیہ حصہ اول کی مراجعت کریں، جو ان کی صحت کا مدعی ہے وہ کتب حدیث سے ان کا وجود ثابت کرے، ہم پوری ذمہ داری سے یہ بات عرض کرتے ہیں کہ یہ کذب وافتراء ہے۔

(۶) عن علیؓ انه کان اذا صلی علی میت یبدأ بحمد اللہ ویصلی علی النبی ﷺ ثم یقول اللهم اغفر لاحیائنا وامواتنا والف بین قلوبنا واصلح ذات بیننا واجعل قلوبنا علی قلوب خیارنا۔

(مصنف ابن ابی شیبه ص۲۹۵ ج۳)۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ جب کسی میت کی نماز جنازہ پڑھا کرتے تو اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء سے ابتداء کرتے پھر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود پڑھتے پھر یہ دعا مانگتے، اللهم اغفر لا

حیائنا الخ۔ (حدیث اوراہل حدیث ص۸۶۴۔)

الجواب: اولاً محترم کا غالباً یہ استدلال ہے کہ اس میں قرأت کا ذکر نہیں حالانکہ عدم ذکر عدم شئی کو مستلزم نہیں غور کیجئے اس میں، تکبیرات، قیام، اور سلام پھیرنے کا بھی بیان نہیں۔ **فمان کان جوابکم فھو جوابنا۔**

ثانیا: سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرنے والا راوی مسیّب بن رافع ہے اور مسیّب کی سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہی ثابت نہیں ، امام ابن معین فرماتے ہیں کہ مسیّب کی صرف براء بن عازب اور ابی ایاس سے ملاقات ہے، امام ابو حاتم فرماتے ہیں کہ اس کی ابن مسعود سے روایت مرسل ہے اور علی مرتضیٰ سے ملاقات نہیں ہوئی۔ (تهذيب التهذيب ص۱۵۳ ج۱۰، تهذيب الكمال ص۱۱۵ ج۷)۔

الغرض یہ روایت بوجہ مرسل ہونے کے ضعیف ہے۔

(۷) عن الشعبی قال فی التكبيرة الاولیٰ يبداء بحمده الله و الثناء عليه و الثانية صلاة على النبی ﷺ و الثالثة دعاء للميت و الرابعة للتسليم۔

(مصنف ابن ابی شيبه ص۲۹۵ ج۳، مصنف عبد الرزاق ص۴۹۱ ج۳)۔

حضرت امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نماز جنازہ میں پہلی تکبیر میں اللہ کی حمد و ثناء سے ابتداء کرے دوسری تکبیر کے بعد نبی علیہ الصلاۃ والسلام پر درود پڑھے۔ تیسری تکبیر کے بعد میت کے لئے دعا کرے اور چوتھی تکبیر کے بعد سلام پھیرے۔ (حدیث اوراہل حدیث ص۸۶۵۔)

الجواب: امام شعبی تابعی ہیں اور تابعین کے اقوال حجت نہیں ہوا کرتے بالخصوص جب احادیث رسول اللہ ﷺ اور آثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ان کی نفی ہوتی ہو، جنازہ میں سورۃ فاتحہ کا پڑھنا ہم احادیث و آثار سے ثابت کر آئے ہیں، لہٰذا یہ حجت نہیں یہ ہم نے علی وجہ التسلیم بات کہہ دی ہے ورنہ اس روایت میں بھی عدم ذکر ہے اور عدم ذکر عدم شئی کو مستلزم نہیں ہوا کرتی۔

(۸) عن عبد الله بن اياس عن ابراهيم و عن ابی الحصين عن الشعبیٰ قالا ليس فی الجنازة قرأت۔

(مصنف ابن ابی شيبه ص۲۹۹ ج۳)۔

حضرت ابراہیم نخعی اور امام شعبی رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ نماز جنازہ میں قرأت نہیں ہے۔

(حدیث اوراہل حدیث ص۸۶۵۔)

الجواب: سند میں عبد اللہ بن ایاس راوی مجہول ہے امام ابوحاتم نے، (الجرح والتعدیل ص۸ ج۵) میں اسے ذکر کیا ہے مگر کوئی جرح یا تعدیل بیان نہیں کی، الغرض یہ روایت ضعیف ہے کیونکہ اس کا راوی مجہول ہے۔

(٩) عن ایوب عن محمد انه کان لا یقرأ علی المیت۔

(مصنف ابن ابی شیبه ص٢٩٨ ج٣، مصنف عبد الرزاق ص٤٩١ ج٣)۔

حضرت ایوب حضرت محمد بن سیرین سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نماز جنازہ میں قرأت نہیں کرتے تھے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص٨٦٥۔)

الجواب: انوار صاحب کا دعویٰ ہے کہ، لایقرأ، کا معنی قرآن کی قرأت جنازہ میں نہیں کرتے تھے حالانکہ قرأ کا لفظ اس بات کا متحمل نہیں ہے، پھر جناب نے متن تو مصنف ابن ابی شیبہ کا درج کیا ہے لیکن حوالہ عبد الرزاق کا بھی دے دیا ہے، عبد الرزاق کی روایت سے وضاحت ہوجاتی ہے کہ ابن سیرین کیا نہیں پڑھتے تھے۔ ملاحظہ کیجئے۔

عن ایوب عن ابن سیرین کان لا یقرأ فی شیء من التکبیرات وکان یقول اللهم اغفر للمؤمنین والمؤمنات والمسلمین والمسلمات والف بین قلوبهم واجعل قلوبهم علی قلوب اخیار هم اللهم ارفع درجته فی المهتدین واخلفه فی ترکته فی الغابرین اللهم لا تحرمنا اجره ولا تضلنا بعده۔

امام ایوب کہتے ہیں کہ امام ابن سیرین نماز جنازہ کی تکبیرات میں کوئی چیز بھی نہ پڑھا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے۔ **اللهم اغفر للمؤمنین**،، الخ......

(مصنف عبد الرزاق ص٤٩١ ج٣ رقم الحدیث ٦٤٣٢)۔

اس روایت نے وضاحت کردی ہے کہ وہ صرف قرأت سورۃ فاتحہ ہی نہ کرتے تھے بلکہ ثناء و درود بھی نہ پڑھا کرتے تھے انورا صاحب جو صورت درود وغیرہ کے متعلق اختیار کریں گے وہی ہماری طرف سے سورہ فاتحہ کی سمجھ لیں۔

(١٠) عن حجاج قال سالت عطاء عن القرأة علی الجنازة فقال ما سمعنا بهذا۔

(مصنف ابن ابی شیبه ص٢٩٩ ج٣)۔

حضرت حجاج فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ سے نماز جنازہ میں قرأت کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا ہم نے یہ نہیں سنا،

(حدیث اور اہل حدیث ٨٦٥۔)

الجواب: (١) اثر کے الفاظ، **عن القرأة علی الجنازه (میت پر قرأة)** کے ہیں **عن القرأة فی الصلاة الجنازة**، کے نہیں اگر یہ ہوتے تو انوار صاحب کے لئے دلیل تھے۔ دراصل سوال نماز میں قرأت کے متعلق نہیں ہوا بلکہ میت پر قرآن خوانی کے متعلق کیا گیا ہے جیسے آج بھی لوگ قریب المرگ کے پاس سورۃ یٰس پڑھتے ہیں اور عطاء بن ابی رباح نے ماسمعنا کہہ کر اس روایت کے ضعف کی طرف

اشارہ کیا ہے۔

(۲) حجاج بن ارطاۃ متکلم فی راوی ہیں تقریب میں ہے صدوق کثیر الخطاء ایسے راوی متابعت کے بغیر حجت نہیں ہوتے، اور حجاج سے حفص بن غیاث روایت کر رہا ہے اور یہ مدلس ہے اور عن سے روایت کر رہا ہے۔

(۳) اگر تسلیم بھی کر لیا جائے کہ نماز جنازہ کے اندر قرأت کا سوال ہوا تھا تو تب بھی ظاہر ہے کہ یہ تابعی کا قول ہے جو احادیث مرفوعہ اور آثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بالمقابل حجت نہیں۔

(۱۱) عن ابی طاؤس عن ابیه و عطاء انهما کانا ینکران القرأة علی الجنازة۔

(مصنف ابن ابی شیبه ص۲۹۹ ج۳)۔

حضرت ابو طاؤس اپنے والد طاؤس سے اور حضرت عطا بن ابی رباح رحمہم اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ یہ دونوں بزرگ نماز جنازہ میں قرأت کا انکار کرتے تھے۔

(حدیث اور اہل حدیث ص۸۶۶۔)

الجواب: سند میں زمعہ بن صالح راوی ہے اسے امام احمد، امام ابن معین، امام ابو داؤد، امام عمرو بن علی، امام ابو حاتم، امام نسائی نے ضعیف کہا ہے، ابوزرعہ کہتے ہیں کہ لین اور واہی الحدیث ہے، ساجی کہتے ہیں احکام میں حجت نہیں، امام ابن حبان کہتے ہیں کہ نیک آدمی تھا مگر وہم کرتا اور جانتا نہ تھا خطا کرتا اور اسے سمجھتا نہ تھا۔ حتیٰ کہ اس کی مرویات میں مناکیر غالب ہیں۔

(تهذیب التهذیب ص۳۳۹ ج۳، تهذیب الکمال ص۳۱ ج۳)۔

الغرض یہ روایت ضعیف ہے مزید برآں یہ تابعی کا قول ہے جو مرفوع احادیث اور آثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مخالف ہونے کی وجہ سے قابل ذکر ہی نہیں۔

(۱۲) عن بکر بن عبد الله قال لا اعلم فیها قرأة۔

(مصنف ابن ابی شیبه ص۲۹۹ ج۳)۔

حضرت بکر بن عبد اللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نماز جنازہ میں قرأت کو نہیں جانتا۔

(حدیث اور اہل حدیث ص۸۶۶۔)

الجواب اولاً: اگر بکر بن عبد اللہ نہیں جانتے تھے، تو جاننے والے موجود تھے۔ ہم نے آثار صحابہ و تابعین نقل کر دیئے ہیں یہ مسلمہ اصول ہے کہ جاننے والا نہ جاننے والے پر حجت ہے۔

ثانیا: سند میں، سلیمان راوی ہے اس کی بحوالہ صراحت کی جائے۔ یہ کون بزرگ ہیں۔

(۱۳) عن مفضل قال سالت میمونا علی الجنازة قرأة او صلوٰة علی النبی ﷺ قال ما علمت۔

(مصنف ابن ابی شیبه ص۲۹۹ ج۳)۔

حضرت مفضل کہتے ہیں کہ میں نے حضرت میمون رحمۃ اللہ علیہ سے نماز جنازہ میں قرأت یا درود سے متعلق دریافت کیا تو آپ نے فرمایا مجھے معلوم نہیں۔ حدیث اور اہل حدیث ۸۶۶۔

الجواب: اولا یہاں نماز جنازہ کے اندر قرأت و درود کا مسئلہ نہیں پوچھا گیا، بلکہ میت پر قرأت و درود کے متعلق سوال ہے جو ہمارے موضوع سے خارج ہے۔

ثانیا: اگر انوار صاحب نماز کے اندر پر ہی بضد ہوں (گو یہ غلط ہے کیونکہ روایت کا متن، فی الصلاۃ الجنازۃ ، نہیں بلکہ علی الجنازۃ ہے) تو علی وجہ التسلیم عرض ہے کہ راوی کو تو شک ہے کہ درود کے متعلق سوال کیا یا قرأت کے متعلق ، لیکن انوار صاحب نے درود کی بجائے قرأت کو ترجیح دینے میں کوئی وجہ بیان نہیں کی۔

ثالثا: اگر یہ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ سوال قرأت کے متعلق ہی تھا انہوں نے کہا کہ مجھے معلوم نہیں یہ عدم علم ہے جو دلیل شرعی نہیں۔ نہ جاننے والے پر جاننے والے کا کلام حجت ہوا کرتا ہے، ہمارے علاقہ میں قادیانیت اچھی خاصی مؤثر ہے ضرورت کے وقت تمام فرقوں کے بڑے بڑے علامہ خاکسار کی طرف رجوع کرتے ہیں ، جب انہیں مسئلہ کی نوعیت سمجھائی جاتی ہے تو وہ حیران رہ جاتے ہیں۔ تو کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ مرزائیت کوئی مسئلہ نہیں ختم نبوت حیات مسیح کے مسائل بے کار ہیں کچھ تو اللہ کا خوف کرو، اللہ کا ڈر نہیں تو بدنامی سے ہی ڈر جایئے۔

(۱۴) عن محمد بن عبد الله بن ابى سارة قال سالت سالما فقلت القرأة على الجنازة فقال لا قرأة على الجنازة۔

(مصنف ابن ابى شيبه ص۲۹۹ ج۳)۔

حضرت محمد بن عبد اللہ بن ابی سارہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت سالم رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا کہ میں نماز جنازہ میں قرأت کروں؟ تو آپ نے فرمایا نماز جنازہ میں قرأت نہیں ہے۔(حدیث اور اہل حدیث ص۸۶۶۔)

الجواب اولاً: فی الصلاۃ الجنازۃ، اور علی الجنازۃ، کے فرق کی وضاحت گزر چکی ہے ، اعادہ کی ضرورت نہیں۔

ثانیا: اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ علی الجنازۃ کا معنی فی الصلاۃ الجنازہ ، ہے تو تب بھی یہ قابل حجت نہیں کیونکہ بالاتفاق قول تابعی مرفوع احادیث کا معارض نہیں ہوسکتا۔

(۱۵) عن ابى المنهال قال سالت ابا العالية عن القرأة فى الصلاة على الجنازة بفاتحة الكتاب فقال ما كنت احسب ان فاتحة الكتاب تقرؤ الا فى صلاة فيها ركوع و سجود۔

(مصنف ابن ابى شيبه ص۲۹۹ ج۳)۔

حضرت ابو منہال فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو العالیہ الریاحی رحمۃ اللہ علیہ سے نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ پڑھنے کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے فرمایا میرا تو خیال ہے کہ سورۃ فاتحہ صرف رکوع وسجود والی نماز ہی میں پڑھی جاتی ہے۔ (حدیث اور اہل حدیث ۸۶۷۔)

الجواب: بلاشبہ یہ اثر انوار صاحب کے موافق ہے۔ مگر ابو العالیہ تابعی ہیں۔ تابعین کے اقوال دین میں حجت نہیں بالخصوص جب وہ مرفوع احادیث کے معارض ہوں، مزید برآں یہ کہ انہوں نے اپنا خیال ظاہر کیا ہے جو دوسرں پر حجت نہیں اگر انہیں احادیث مل جاتیں تو وہ ضرور اس قول سے رجوع کر لیتے، پھر اس کی سند میں، عون، راوی ہے جو ابو المنہال (عبد الرحمٰن بن مطعم) کا شاگرد اور عبد الاعلی وغندر کا استاد ہے اس کی بحوالہ صراحت کی جائے کہ یہ بزرگ کون ہیں۔ ہم نے جہاں تک کتب رجال کی مراجعت کی ہے ہمیں تو مجہول ہی معلوم ہوا ہے واللہ اعلم بالصواب، جو اس کی صحت کا مدعی ہے وہ عون کی بحوالہ عدالت ثقات ثابت کرے۔

(۱۶) عن موسیٰ بن علی عن ابیه قال قلت لفضالة بن عبیدة هل یقراؤ علی المیت شئی قال لا۔

(مصنف ابن ابی شیبه ص۲۹۹ ج۳)۔

حضرت موسیٰ بن علی اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت فضالہ بن عبیدہ رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ کیا میت پر (نماز جنازہ میں) قرأت کی جاتی ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں۔ (حدیث اور اہل حدیث ص۸۶۷۔)

الجواب: اولاً شکر ہے انوار صاحب نے “نماز جنازہ میں” کو بریکٹ میں لکھ کر ہمارے مؤقف کو درست تسلیم کر لیا ہے۔ علی االمیت یا علی الجنازۃ ، کے الفاظ سے نماز جنازہ نہیں، لیکن اس اعتراف حقیقت کے ساتھ یہاں ایک مزید بددیانتی کی ہے وہ یہ کہ لفظ شئی کا معنی ترک کر دیا ہے۔ دراصل یہاں سوال یہ کیا گیا ہے کہ میت پر کچھ پڑھا جائے۔ انہوں نے جواب دیا نہیں، اب اگر اسے نماز جنازہ کے متعلق تسلیم کیا جائے تو درود و دعا سے بھی چھٹی ہوئی، محترم یہاں میت پر قرآن خوانی کا سوال ہے جسے سیدنا فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ نے، لا، کہہ کر نفی کر دی ہے، نماز جنازہ کے اندر قرأت قرآن کا سوال ہی نہیں ہے۔

ثانیا: اگر انوار صاحب کے دعویٰ کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو تب بھی یہ قابل حجت نہیں کیونکہ یہ مسئلہ صحابہ میں مختلف فیہ ہے اور جس مسئلہ میں صحابہ کا اختلاف ہو وہاں ان کے اقوال حجت نہیں ہوا کرتے، راجع مقدمہ۔

(۱۷) عن سعید بن ابی بردة عن ابیه قال قال له رجل اقرأ علی الجنازة بفاتحة الکتاب

قال لا۔

(مصنف ابن ابی شیبه ص۲۹۹ ج۳)۔

حضرت سعید بن ابی بردہ اپنے والد ابو بردہ سے روایت کرتے ہیں کہ ان سے کسی نے پوچھا کہ کیا میں نماز جنازہ میں قرأت کر لیا کروں؟ تو آپ نے فرمایا نہیں۔

(حدیث اور اہل حدیث ص۸۶۷۔)

الجواب: اولاً یہ روایت انوار صاحب کے مذہب کی دلیل نہیں، علی الجنازۃ کی ہم وضاحت کر آئے ہیں۔

ثانیا: بصورت تسلیم بھی یہ نا قابل حجت ہے۔ ابو بردہ تابعی ہیں ظاہر ہے کہ حدیث مرفوعہ اور اقوال صحابہ کے بالمقابل یہ نا قابل حجت ہے۔

(۱۸) عن حماد عن ابراهيم قال سالته ايقرأ على الميت اذا صلى عليه؟ قال لا

(مصنف عبد الرزاق ص۴۹۱ ج۳)۔

حضرت حماد کہتے ہیں کہ انہوں نے حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا کہ کیا نماز جنازہ میں قرأت کی جاسکتی ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں۔ (حدیث اور اہل حدیث ص۸۶۸۔)

الجواب: اولا ابراہیم نخعی صغیر تابعی ہیں احادیث مرفوعہ اور آثار صحابہ کے بالمقابل بھلا ان کے قول کی کیا اہمیت ہے۔

ثانیا: سند میں سفیان ثوری مدلس ہیں، اور روایت عن سے ہے۔ پھر حماد پر جرح بھی موجود ہے الغرض یہ روایت ضعیف ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا کسی چیز کو سنت کہنے کا مطلب

انوار صاحب نے، سنن نسائی ۲۱۸ ج ا سے سیدنا عبد اللہ بن عباس کی حدیث درج کی ہے کہ نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ سنت اور حق ہے پھر آگے چل کر فرماتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا نماز جنازہ میں قرأت کو سنت قرار دینا تو اس سے سنت مصطلحہ یعنی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت مراد نہیں...... ذخیرہ احادیث میں کئی مقامات ایسے ملتے ہیں جہاں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے لفظ سنت استعمال کیا ہے، لیکن وہاں اس سے سنت لغویہ مراد ہیں۔ سنت مصطلحہ مراد نہیں،

(حدیث اور اہل حدیث ص۸۶۸، ۸۷۴۔)

الجواب: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جب سنت کا لفظ کسی حکم شرعی پر بولتے ہیں تو اس سے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ و اسوہ ہی مراد ہوتا ہے، اس کے خلاف ایک مثال بھی نہیں دی جاسکتی ہیں تجربہ کر کے دیکھیے

قیامت تک مہلت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انوار صاحب پوری کوشش کے باوجود ناکام رہے ہیں اس ناکامی کے باوجود پورے دھڑلے سے کہتے ہیں ذخیرہ احادیث میں کئی مقامات ایسے ملتے ہیں، اس پر سوائے اس کے اور کیا کہا جاسکتا ہے۔

باندھی ہے تو نے زیر فلک جھوٹ پر کمر۔

علامہ زیلعی فرماتے ہیں۔

واعلم ان لفظة السنة يدخل في المرفوع عندهم ، قال ابن عبد البر في التقصي، واعلم ان الصحابي اذا اطلق اسم السنة فالمراد به سنة النبي ﷺ ۔

جان لینا چاہئے کہ ان کے نزدیک سنت کا لفظ مرفوع میں داخل ہے؟۔ امام ابن عبد البر التقصی، میں فرماتے ہیں کہ معلوم ہو کہ صحابی کسی چیز کو سنت کہتا ہے تو اس سے مراد نبی مکرم ﷺ کی سنت ہوتی ہے۔ (نصب الرایہ ص۳۱۴ ج۱)۔

اس بات کا اعتراف مولانا ظفر احمد صاحب نے بھی، (اعلاء السنن ص۱۹۳ ج۲) میں (قواعد فی علوم الحدیث ص۱۲۷) میں کیا ہے۔ مزید تفصیل کے لئے دین الحق ص۶۷۱ کی مراجعت کریں،

خلاصہ کلام: انوار صاحب ایک بھی مرفوع حدیث پیش نہیں کر سکے کہ نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ نہیں پڑھنی چاہئے، ایک بھی صحابی کا قول ثابت نہیں کر سکے کہ نماز جنازہ میں فاتحہ کو نہ پڑھا جائے۔ کسی تابعی کا قول بھی پیش کرنے سے عاجز رہے ہیں۔ بایں ہمہ اتنے بلند و بانگ دعوے کرتے ہیں کہ۔ مدینہ طیبہ، کوفہ، بصرہ، مین کوئی قرأت کا قائل نہ تھا۔ ان امور سے روز روشن کی طرح واضح ہو رہا ہے کہ خیر القرون کے دور میں نماز جنازہ میں قرأت کا بالکل رواج نہیں تھا۔ (حدیث اور اہل حدیث ص۸۷۳۔)

محترم غصہ تھوک دیجئے یہ انسان کو پاگل کر دیتا ہے، یہ تمام دعوے آپ کا محض خبط بے ربط ہیں ہم فصل اول میں ان چاروں شہروں کے فقہاء سے نماز جنازہ میں قرأت فاتحہ ثابت کر آئے ہیں۔ آپ اپنی کسی دلیل پر انگلی رکھ کر نشان دہی کیجئے جو سنداً صحیح ہو اور اس میں نماز جنازہ کے اندر سورۃ فاتحہ کی قرأت سے منع کیا گیا ہو جبکہ ہم نے نماز جنازہ میں فاتحہ کے ثبوت پر متعدد مرفوع احادیث پیش کر دی ہیں۔ جب کے آپ نے ایک دلیل بھی درج نہیں کی اور جس سے استدلال کیا ہے۔ اسے حنفی علماء نے غلط قرار دیا ہے، اس سے بڑھ کر آپ کی کیا عاجزی ممکن ہے۔

(۷۷) باب نماز جنازہ بلند آواز سے پڑھنا

فصل اول

(۱) عن عوف بن مالك قال صلى رسول الله ﷺ على جنازة فحفظت من دعائه وهو يقول اللهم اغفرله وارحمه وعافه واعف عنه واكرم نزله ووسع مدخله واغسله بالماء والثلج والبرد ونقه من الخطايا كما نقيت الثوب الابيض من الدنس وابدله داراً خير من داره واهلا خيرا من اهله وزوجا خيرا من زوجه وادخله الجنة واعذه من عذاب القبر ومن عذاب النار، قال حتى تمنيت ان اكون انا ذلك الميت۔

سیدنا عوف بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک میت پر نماز جنازہ پڑھی تو میں نے آپ کی دعا سے یہ دعا یاد کی اور آپ علیہ السلام کہہ رہے تھے

اللهم اغفرله وارحمه وعافه واعف عنه واكرم نزله ووسع مدخله واغسله بالماء والثلج والبرد ونقه من الخطايا كما نقيت الثوب الابيض من الدنس وابدله داراً خير من داره واهلا خيرا من اهله و زوجا خيرا من زوجه وادخله الجنة واعذه من عذاب القبر ومن عذاب النار،

سیدنا عوف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی علیہ السلام نے اس قدر رقت سے دعا کی میں نے خواہش کی کہ کاش یہ میرا جنازہ ہوتا۔

(صحیح مسلم کتاب الجنازۃ باب الدعاء للمیت فی الصلاۃ، الحدیث ۲۲۳۲)۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ نبی مکرم ﷺ نے بلند آواز سے نماز جنازہ پڑھایا تب ہی تو سیدنا عوف رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے آپ علیہ السلام کی دعا سے یہ حصہ یاد کرلیا اور کسی سے سن کر یاد تب ہی ہوتا ہے جب وہ بلند آواز سے کوئی چیز پڑھے۔

(۲) سیدنا شداد بن الہاد رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ نبی مکرم ﷺ ایک شہید صحابی پر نماز جنازہ پڑھائی تو یہ دعا بلند آواز سے پڑھی،

اللهم هذا عبدك خرج مهاجرا فى سبيلك فقتل شهيدا أنا شهيد على ذلك۔

الٰہی تیرا یہ بندہ تیری راہ میں مہاجر بن کر آیا تھا اب شہید ہوگیا ہے، میں اس کا گواہ ہوں،

(سنن نسائی کتاب الجنائز باب الصلاۃ علی الشھدا، رقم الحدیث ۱۹۵۵)

اور ایسا ہی سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے بلند آواز سے جنازہ پڑھنا ثابت ہے جیسا کہ گزشتہ باب کی حدیث نمبر۴ میں وضاحت ہے، اور سیدنا مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ بھی بلند آواز سے نماز جنازہ پڑھا

کرتے جیسا کہ گزشتہ باب کی حدیث نمبر۱۴ میں صراحت ہے۔ پھر گزشتہ باب کی تمام روایات وآثار جن میں، قرأ، وغیرہ کے الفاظ ہیں وہ بھی جہری نماز جنازہ پر دلالت کرتے ہیں کیونکہ قرأ کا لفظ جب مطلق آئے تو جہر پر محمول ہوتا ہے۔ جیسا کہ کتب لغت میں صراحت ہے، دین الحق میں مسئلہ اٰمین بالجہر میں اس کی تفصیل عرض کردی گئی ہے وہاں سے ایک نظر دیکھ لیا جائے۔

ہاں البتہ اس بات کا ہم اعتراف کرتے ہیں کہ دلائل کے اعتبار سے سری پڑھنا قوی ہے جہری کے جواز کا انکار محض تقلیدی ضد ہے علمائے اہل حدیث کا بھی یہی موقف ہے کہ سری بحیثیت دلیل قوی اور راجح ہے، تفصیل تحفہ حنفیہ ۳۶۶ ج۱ میں دیکھی جاسکتی ہے۔ عوام میں نوے فیصد حضرات کو جنازہ آتا ہی نہیں جہری پڑھنے سے وہ بھی پڑھ لیا کرتے ہیں۔ بلکہ ہمارے ہاں تو ایک واقعہ ایسا بھی پیش آیا تھا کہ بریلوی امام کو جنازہ کی دعا نہیں آتی تھی، تفصیل پہلے کسی باب میں راقم نے عرض کردی ہے۔ الغرض حالات کے مطابق آج بلند آواز سے ہی جنازہ پڑھنا چاہئے تاکہ مقتدی بھی ساتھ ساتھ پڑھ لیا کریں اس سے انکار حالات سے چشم پوشی کرنا ہے۔

فصل دوم

ادعو ربکم تضرعا و خفیة انه لا یحب المعتدین (۷-۵۵)

پکارو اپنے رب کو چپکے چپکے، اس کو خوش نہیں آتے حد سے تجاوز کرنے والے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص۸۷۷)

الجواب: اولاً مفسرین کرام نے ادعوا کے دو معنی کئے ہیں عبادت اور دعا، انوار صاحب نے پہلے معنی کی بجائے دوسرے کو ترجیح دی ہے مگر اس کی کوئی وجہ ترجیح بیان نہیں کی، پھر خفیہ کے معنی میں بھی یہ قول مروی ہے کہ دل کا خشوع ہو اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا یقین ہو۔ امام ابن جریر نے اسی قول کو اختیار کیا ہے۔ (تفسیر ابن جریر ص۲۴۳ ج۸)۔

قطع نظر اس کے ہم تسلیم کرتے ہیں کہ خفیہ کا معنی چپکے ہی ہے لیکن نبی مکرم ﷺ سے بلند آواز میں دعا کرنا ثابت ہے۔ تفصیل مسئلہ اٰمین میں گزر چکی ہے۔ لہٰذا سنت فعلی نے اس کا معنی بیان کردیا کہ خفیہ کا یہ مطلب ہے کہ چیخ چیخ کر دعا نہ کی جائے۔

ثانیا: جنازہ خالص دعا نہیں بلکہ نماز ہے نبی مکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ **فصلو علی اخیکم** اپنے بھائی پر نماز جنازہ پڑھو۔

(بخاری رقم الحدیث ۳۸۷۷)۔

(ا) عن ابی امامة قال السنة فی الصلاة علی الجنازة ان یقرأ فی التکبیرة الاولیٰ بام

القرآن مخافتة ثم یکبر ثلثا والتسلیم عند الاخرة۔

(نسائی ص۲۱۸)۔

حضرت ابو امامہ بن سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نماز جنازہ میں سنت یہ ہے کہ پہلی تکبیر کے بعد سورۃ فاتحہ آہستہ آواز میں پڑھی جائے، پھر تین تکبیریں کہی جائیں جن میں سے آخری کے بعد سلام پھیرا جائے۔ (حدیث اور اہل حدیث ۸۷۷)

الجواب: اولاً متن حدیث کا خود انوار صاحب نے یہ معنی کیا ہے کہ پہلی تکبیر کے بعد سورۃ فاتحہ آہستہ آواز سے پڑھی جائے اس سے ثابت ہوا کہ تکبیر کہہ کر سورۃ فاتحہ کی قرأت کی جائے، مگر حنفی فاتحہ کی بجائے ثناء پڑھتے ہیں، مگر اس حدیث سے ثناء پڑھنے کا رد اور فاتحہ پڑھنا ثابت ہوا، لیکن حنفی اسے تسلیم نہیں کرتے۔ انوار صاحب نے اس سے پلہ چھڑانے کے لئے یہ عذر کیا ہے کہ ہمارے نزدیک نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ کا بطور حمد وثناء کے پڑھنا جائز ہے، لہٰذا اگر کوئی سورۃ فاتحہ ثناء کے ساتھ پڑھنا چاہیے تو آہستہ آواز ہی سے پڑھے ص ۸۸۱۔

حالانکہ حدیث میں ثناء کے ساتھ فاتحہ پڑھنے کا ذکر ہی نہیں بلکہ صرف فاتحہ پڑھنے کو مسنون قرار دیا گیا ہے۔ پھر یہ کہنا کہ بطور ثناء پڑھی جاسکتی ہے اور بطور قرأت نہیں، یہ تقسیم صرف جناب کی بیان کردہ ہے، قرآن وسنت اور آثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں اس کا کوئی ثبوت نہیں، جو اس کا مدعی ہے وہ ثبوت دے ورنہ شریعت سازی سے باز آئے، اسے اللہ سے ڈرنا چاہیئے کہ وہ دین میں ایک ایسی بات کہہ رہا ہے جو اللہ عز وجل نے نہیں کہی، چلو آپ بطور حمد وثناء ہی پڑھ لیا کریں، اس اعتراف کے بعد آپ کا ترک القرأة فی الصلاة الجنازة، کا باب باندھنا بے کار ہے شاید انوار صاحب کہہ دیں کہ ہم نے قرأت کا انکار کیا ہے ثناء سے نہیں، اس نالائق کو آج تک یہ بھی خبر نہیں کہ قرأت پڑھنے کو کہتے ہیں خواہ وہ بنیت تلاوت ہو یا بنیت حمد وثناء ہو، بہر حال اسے پڑھنا ہی کہتے ہیں جسے عربی زبان میں قرأة کہتے ہیں۔ (القاموس الجدید ص۲۱۳)۔

مگر انوار صاحب کہتے ہیں کہ اگر تلاوت کی نیت سے ہو تو قرأت ہے اگر حمد وثناء کی نیت سے ہو تو تب قرأت نہیں۔ لاحول ولا قوة الا باللہ العلی العظیم۔

حضرت ہمارا مشورہ ہے کہ تدریس کی بجائے کسی فاضل سے پہلے عربی زبان کو سیکھ لیں، یا صرف کتب فروشی پر ہی اکتفا کرلیں!۔

ثانیا: بلاشبہ اس حدیث سے نماز جنازہ کا آہستہ پڑھنا صریحا ثابت ہوتا ہے۔ اور ہماری پیش کردہ احادیث سے جہراً ثابت ہوتا ہے اور ان کے درمیان موافقت کی یہ صورت ہے کہ آہستہ پڑھنا افضل اور دلیل کے اعتبار سے قوی ہے اور بلند آواز سے پڑھنا جائز ہے۔

(۲) عن جابر قال ما اباح لنا رسول الله ﷺ ولا ابو بكر ولا عمر في شئى ما اباحوا في الصلاة على الميت يعني لم يوقت۔

(ابن ماجه ص۱۰۹ مسند احمد ص۳۵۷ ج۳)۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ حضرت ابو بکر حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے ہمارے لئے نماز جنازہ میں کوئی چیز مقرر نہیں فرمائی۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ، التلخیص الحبیر ص۱۲۳ ج۲ میں فرماتے ہیں کہ حدیث میں لفظ اباح کی تفسیر قدر سے کی ہے، (یعنی مقرر نہیں کیا) لیکن جہاں تک میری معلومات ہیں اباح معنی جہر کے ہیں گویا معنی یہ ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت ابو بکر حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے نماز جنازہ میں دعاء اونچی آواز سے نہیں پڑھی، (حدیث اور اہل حدیث ص۸۷۸)

الجواب: اولاً آپ نے جو متن روایت کا ترجمہ کیا ہے اس میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے معنی کو رد کردیا ہے ورنہ ترجمہ روایت میں اسے ضرور ملحوظ رکھتے۔ حقیقت یہ ہے کہ اباح، کا معنی قدر ہی ہے۔ اورمسند احمد کے الفاظ اس معنی کی تائید کرتے ہیں ابو زبیر کہتے ہیں کہ سئل جابر عمایدعی للمیت، یعنی سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے سوال ہوا کہ میت کے لئے کون سی دعا کی جائے۔ اس پر انہوں نے کہا کہ, ما اباح لنا، یعنی کسی چیز میں اتنی چھوٹ نہیں دی گئی جتنی نماز جنازہ میں دی گئی ہے بلفظ دیگر کوئی بھی دعا کی جا سکتی ہے۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ ایک روایت دوسری کی تفسیر کرتی ہے۔

ثانیا: یہ روایت ضعیف ہے سند میں حجاج بن ارطاۃ اور ابو زبیر دو راوی مدلس ہیں۔ (طبقات المدلسین ص۴۹، ۴۵)۔ اور سماع کی صراحت نہیں بلکہ صیغہ عن سے مروی ہے۔ الغرض یہ روایت ضعیف ہے۔

الزام تراشی: فرماتے ہیں کہ صرف شیعہ حضرات نماز جنازہ اونچی آواز سے پڑھتے ہیں اور غیر مقلدین اس عمل میں ان کی تقلید کرتے ہیں۔ (حدیث اور اہل حدیث ۸۸۲)

سوال یہ ہے کہ آیا سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بھی شیعہ تھے، کیا رسول اللہ ﷺ بھی شیعہ تھے۔ جن سے نماز جنازہ بلند آواز سے پڑھنا ثابت ہے۔

محترم الزام تراشی سے مسئلہ حل نہیں ہوا کرتا اگر اس طرح ہی مسائل کا حل ممکن ہے تو سنئے شیعہ مسجد میں نماز جنازہ پڑھنا مکروہ کہتے ہیں (توضیح المسائل ص۹۷)۔ اور آپ نے آگے مستقل باب مسجد میں نماز جنازہ پڑھنے کے رد پر لکھا ہے تو کیا آپ شیعہ ہیں پھر غور کریں اور جلوت وخلوت میں غور کریں بعض جزوی وفروعی مسائل میں اتفاق سے فکر ونظر میں اتحاد ثابت کرنا کوتاہ فہمی کی دلیل ہے، کیا شیعہ صرف بلند آواز سے جنازہ ہی پڑھتے ہیں یا ان کا کوئی اور بھی مسئلہ امتیازی ہے، اگر ہے تو اس

جزوی مسئلہ سے ہمارا شیعہ ہونا لازم نہیں آئے گا۔ اب سنئے چند مسائل میں اتفاق۔

شیعہ	سنی
(۱) جنازہ میں تکبیریں کہتے ہیں۔	سنی بھی کہتے ہیں۔
(۲) ثناء پڑھتے ہیں۔	سنی بھی پڑھتے ہیں۔
(۳) درود پڑھتے ہیں۔	سنی بھی پڑھتے ہیں۔
(۴) میت کے لیے دعا کرتے ہیں۔	سنی بھی کرتے ہیں۔
(۵) سلام پھیرتے ہیں۔	سنی بھی پھیرتے ہیں۔
(۶) کعبہ کی طرف منہ کرتے ہیں۔	سنی بھی کرتے ہیں۔
(۷) وضو کرتے ہیں۔	سنی بھی کرتے ہیں۔
(۸) مرد و عورت پر ضمیریں بدلتے ہیں۔	سنی بھی بدلتے ہیں۔
(۹) باجماعت پڑھتے ہیں۔	سنی بھی پڑھتے ہیں۔
(۱۰) امام و مقتدی دونوں دعائیں کرتے ہیں۔	سنی بھی اسی طرح پڑھتے ہیں۔

تلك عشرة كاملة ان دس کے علاوہ بھی کئی صورتیں ہیں جن سے ہم صرف نظر کرتے ہیں۔

(۷۸) باب مسجد میں نماز جنازہ پڑھنا مکروہ نہیں

فصل اول

(۱) عن ابی سلمة بن عبد الرحمن ان عائشة لما توفی سعد بن ابی وقاص، قالت ادخلوا به المسجد حتی اصلی علیه فانکر ذلك علیها، فقالت واللہ! لقد صلی رسول اللہ ﷺ علی ابنی بیضاء فی المسجد سهیل واخیه۔

ابو سلمہ عبدالرحمٰن سے روایت کرتے ہیں کہ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا۔ ان کی میت کو مسجد میں لاؤ تاکہ میں ان پر نماز جنازہ پڑھ لوں! اس پر بعض لوگوں نے اعتراض کیا تو انہوں نے فرمایا اللہ کی قسم رسول اللہ ﷺ نے بیضاء کے دو بیٹوں سیدنا سہل رضی اللہ عنہ اور ان کے بھائی سیدنا سہیل رضی اللہ عنہ) کے جنازوں کی نماز مسجد میں پڑھی تھی۔

(مسلم کتاب الجائز باب الصلاة علی الجنائز فی المسجد، الحدیث ۲۲۵٤)۔

(۲) عن عائشة زوج النبی ﷺ انها امرت ان یمر علیها سعد بن ابی وقاص فی المسجد حین مات، فتدعوله، وانکر ذلك الناس علیها، فقالت عائشة ما اسرع الناس، ما صلی رسول اللہ ﷺ علی سهیل بن بیضاء الا فی المسجد۔

نبی مکرم ﷺ کی زوجہ محترمہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ انہوں نے حکم دیا کہ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا جنازہ مسجد میں ان پر سے گزارا جائے تاکہ وہ ان کے لئے دعا کرسکیں، (نماز جنازہ پڑھیں) کچھ لوگوں نے آپ رضی اللہ عنہا کی اس بات پر نکارت کی تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا لوگ کس قدر جلد بازی کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا سہیل ابن بیضاء رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ مسجد میں ہی پڑھی تھی۔

(موطا امام مالك ص ۲۱۱ کتاب الجائز باب الصلاة علی الجنائز فی المسجد)۔

(۳) عن عبادة بن عبد اللہ ابن الزبیر یحدث عن عائشة انها لما توفی سعد ابن ابی وقاص، ارسل ازواج النبی ﷺ ان یمروا بجنازته فی المسجد فیصلین علیه ففعلوا، فوقف به علی حجرهن یصلین علیه، اخرج به من باب الجنائز الذی کان الی المقاعد فبلغهن ان الناس عابوا ذلك وقالوا ما کانت الجنائز یدخل بها المسجد فبلغ ذلك عائشة فقالت ما اسرع الناس الی ان یعیبوا اما لا علم لهم به! عابوا علینا ان یمر بجنازة فی المسجد! وما صلی رسول اللہ ﷺ سهیل بن بیضاء الافی جوف المسجد۔

عباد بن عبد اللہ بن زبیر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے بیان کرتے ہیں کہ جب سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی تو نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے کہلا بھیجا کہ ان کا جنازہ مسجد میں سے لے جاؤ تاکہ ہم بھی ان کی نماز پڑھیں، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اوران کے حجروں کے سامنے جنازہ رکھ دیا گیا تاکہ وہ بھی نماز پڑھ لیں اور پھر جنازہ کو باب الجنائز سے جو کہ مقاعد کی طرف تھا، باہر لے گئے، اور انہیں لوگوں کے متعلق علم ہوا کہ وہ اس پر عیب جوئی کررہے تھے۔ کہ کبھی جنازے بھی مسجد میں لے جائے گئے ہیں۔ جب سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس کی خبر ہوئی تو آپ نے فرمایا لوگوں کو جس چیز کا علم نہیں اس پر عیب جوئی کرنے میں کتنی جلدی کرتے ہیں ہم پر تو جنازہ کو مسجد سے گزارنے پر نکتہ چینی کی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو سیدنا سہیل بن بیضاء رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ مسجد کے درمیان پڑھی تھی۔

(صحيح مسلم كتاب الجنائز باب سابق الحديث ٢٢٥٣)۔

انوار خورشید کا پہلا اعتراض: فرماتے ہیں کہ سب صحابہ کرام نے اس پر اعتراض کیا اور کہنے لگے کہ پہلے تو جنازے مسجد میں داخل نہیں کئے جاتے تھے (حدیث اور اہل حدیث ۸۹۲)۔

الجواب: سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کی تاریخ وفات کے بارے اصحاب سیر کا اختلاف ہے۔ چنانچہ عمرو بن علی الفلاس نے ۴۵ھ واقدی نے ۵۵ھ اور ابونعیم نے ۵۸ھ لکھا ہے۔

(الاصابه ص٣١ الاستعياب ص٢٥ ج٢)۔

مہاجرین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے سب سے آخر میں فوت ہوئے جیسا کہ امام عامر بن سعد بن ابی وقاص نے صراحت کی ہے۔

(سير اعلام النبلاء ص٧٧ ج٣، تاريخ دمشق لابن عساكر ص٢٥١ ج٢٢)۔

اس زمانے میں تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کیسے اعتراض کرلیا کیا وہ فوت ہونے کے بعد دوبارہ اعتراض کے لئے دنیا میں تشریف لائے تھے۔ پھر روایت میں، الناس، کا لفظ ہے جو عوام الناس پر بولا جاتا ہے اگر کوئی قابل ذکر ہستی اعتراض کرتی تو حدیث میں اس کی وضاحت ہوتی، اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بھی انہیں جواب دیتے ہوئے کہا ہے کہ **ما اسرع الناس الی ان یعیبوا مالا علم لھم بہ**۔ ان الفاظ پر غور کریں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے انہیں لاعلم قرار دیا بلفظ دیگر جاہل کہا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ معترضین کا گروپ اعرابی اور بدو لوگ تھے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کوئی نہ تھا۔ اگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کوئی ایک بھی ہوتا تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا انہیں ان الفاظ سے مخاطب نہ کرتیں۔ اس سے امام ابن حزم کے مؤقف کی تائید ہوتی ہے۔ کہ معترضین عام جاہل یا اعرابی لوگ تھے (المحلی بالآثار ص۳۹۲ ج۳) اور کیا دین کے مسائل پر جاہل و نادان لوگوں کے اعتراضات سے ہی دینی مسائل میں سقم ہوجایا کرتا ہے عوام الناس تو ایسے ایسے فضول اعتراض کرتے ہیں کہ اہل علم سر پیٹ کررہ جاتے ہیں۔

ثانیاً: ممکن ہے کہ انوار صاحب یہ کہہ دیں کہ جاہل و نادان ہی سہی مگر اعتراض تو مدینہ منورہ میں ہوا، لہٰذا حدیث میں سقم آگیا، محترم اس سے لازم آئے گا کہ اہل مدینہ کا تعامل سنت پر فائق ہے، اور جب ان دونوں کے درمیان اختلاف ہو تو سنت کو ترک کر دیا جائے گا، اور اہل مدینہ کے تعامل کو مضبوطی سے پکڑلیا جائے گا، حالانکہ یہ آپ کا مسلک نہیں، اگر ہے تو میدان میں آئیے۔

سرے دست محمد بن حسن شیبانی کی کتاب **الحجة علی اهل المدينة**، کا رد کریں اور اس کا مسودہ تیار کر کے خاکسار کے پاس لے آئیے اور نماز میں ہاتھ باندھنے کی بجائے ارسال پر عمل کر کے نماز پڑھ کر دکھایئے تا کہ ہمیں یقین ہو جائے کہ انوار صاحب کا امام محمد کا رد کرنا منافقت نہیں بلکہ یہ واقعی سنت کے بالمقابل تعامل اہل مدینہ کو اہمیت دیتے ہیں، اگر آپ ایسا نہیں کریں گے تو ثابت ہوا کہ آپ وہ چیز منوا رہے ہیں جس پر آپ کا دل راضی نہیں، وہ کہہ رہے ہیں جو آپ کا مؤقف نہیں، اس چیز کو دلیل بنا کر ہمیں مطعون کر رہے ہیں جو آپ کے ہاں دلیل نہیں۔

دوسرا اعتراض: فرماتے ہیں جنازہ تو معمول کے مطابق موضع جنائز میں خارج المسجد ہی ہوئی تھی۔ البتہ اس موقع پر جمع ہونے والے لوگ زیادہ ہونے کی وجہ سے مسجد میں آگئے تھے۔ اس سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا یہ سمجھیں کہ نماز جنازہ مسجد میں ہوئی تھی۔ (حدیث اور اہل حدیث ۸۹۲)

الجواب: یہ تمام افسانہ محض بیہودہ اور بکواس ہے حدیث رسول کو رد کرنے کے لئے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف وہ بات منسوب کی جا رہی ہے جو انہوں نے قطعاً نہیں کہی، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا یہ نہیں فرماتیں کہ میرا گمان ہے کہ جنازہ مسجد میں ہوا، بلکہ وہ پورے جزم و یقین کے ساتھ کہتی ہیں کہ اور اللہ تعالیٰ کی قسم اٹھا کر حدیث بیان کرتی ہیں، اس نالائق کو آج تک یہ بھی معلوم نہیں کہ جس بات پر قسم اٹھائی جائے اس کی تاویل نہیں ہوتی، ورنہ قسم کا کوئی مطلب ہی نہیں رہ جاتا، پھر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا تو حلفاً یہ کہتی ہیں کہ۔

لقد صلی رسول الله ﷺ علی ابن بيضاء فی المسجد، یعنی ابن بیضاء کی میت پر نبی مکرم ﷺ نے نماز جنازہ مسجد میں پڑھی، مگر انوار صاحب یہ دعوی کرتے ہیں کہ نہیں صاحب نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مسجد سے باہر میت پر نماز جنازہ پڑھی تھی، ہاں البتہ بوجہ کثرت افراد چند لوگ مسجد میں بھی کھڑے ہوئے تھے۔ **لا حول ولا قوة الا بالله العلی العظيم**۔

دلیل اس پر یہ قائم کرتے ہیں کہ کسی صحابی سے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کی تصدیق منقول نہیں، اے جی کسی سے تردید منقول ہے تو وہ بیان کر دیجئے، محترم معترضین کو جب سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا تو لوگ خاموش ہو گئے، جو تصدیق ہے مگر آپ کی لغت میں شاید یہ تردید ہو، صحیح مسلم کی حدیث کا ہم نے مکمل متن درج کر دیا ہے، اعتراض پر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے حدیث بیان کی ہے۔ اور اس پر کسی

نے اعتراض نہیں کیا مکرر حدیث کو پڑھ لیجئے حدیث بیان کرنے پر اعتراض ہوتا تو آپ کے عذر میں کوئی معقولیت بھی ہوتی، مگر حدیث بیان ہونے پر لوگوں کی طرف سے کوئی اعتراض کرنا ثابت نہیں ہے۔ جو اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے جواب سے لوگ مطمئن ہوگئے ، مگر افسوس انوار صاحب ابھی تک اس میں کیڑے نکال رہے ہیں۔

(٤) عن ابن عمر قال صلی علی عمر فی المسجد۔

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ سیدنا عمر فاروق کی نماز جنازہ مسجد میں پڑھی گئی تھی۔

(موطا امام مالک ص ٢١١ و مصنف عبد الرزاق ص٥٢٦، ج٣ رقم الحدیث ٦٥٧٦)۔

(٥) عن هشام بن عروه قال رای ابی الناس یخرجون من المسجد لیصلوا علی جنازة فقال ما یصنع هولاء؟ والله ما صلی علی ابی بکر الا فی المسجد۔

ہشام بن عروہ سے مروی ہے کہ میرے والد سیدنا عروہ بن زبیر رحمۃ اللہ علیہ نے لوگوں کو دیکھا کہ نماز جنازہ پڑھنے کے لئے مسجد سے باہر نکل رہے ہیں تو فرمایا یہ لوگ کیا کر رہے ہیں؟ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ تو مسجد کے اندر پڑھی گئی تھی۔

(مصنف عبدالرزاق ص٥٢٦ ج٣ رقم الحدیث ٦٥٧٦)۔

(٦) عن عروة ما قال صلی علی ابی بکر الافی المسجد۔

امام عروہ بن زبیر فرماتے ہیں کہ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ مسجد میں پڑھی گئی۔

(مصنف ابن ابی شیبه ٣٦٤ ج٣)۔

(٧) عن المطلب بن عبد الله بن حنطب قال صلی علی ابی بکر و عمر تجاه المنبر۔

امام مطب بن عبد اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سیدنا ابو بکر اور عمر فاروق رضی اللہ عنہم کی نماز جنازہ مسجد نبوی کے منبر کے پاس پڑھی گئی۔

(مصنف ابن ابی شیبه ٣٦٤ ج٣)۔

مذکورہ احادیث و آثار سے ثابت ہوا کہ مسجد میں نماز جنازہ ادا کرنا جائز و مباح ہے۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سہیل رضی اللہ عنہ اور ان کے بھائی سیدنا سہیل رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ مسجد میں ادا فرمائی، امام بخاری رحمہ اللہ نے صحیح بخاری میں ایک، باب الصلاة علی الجنائز بالمصلیٰ والمسجد، قائم کیا ہے۔ امام نووی امام بغوی امام مالک، امام ابو داؤد، امام نسائی، امام بیہقی وغیرہ نے باب ما جاء فی الصلاة علی الجنائز فی المسجد یا اس کے ہم معنی باب قائم کیا ہے۔ یہ جلیل القدر محدثین اور علماء اپنی تصانیف میں مذکورہ باب کے تحت ان احادیث کو لائے ہیں، گویا انہوں نے اس سے مسجد میں نماز جنازہ کو ادا کرنے کے جواز کو ثابت کیا ہے۔

یہ بات ملحوظ رہے کہ سیدنا سہیل رضی اللہ عنہ کی وفات مدینہ طیبہ میں ۹ھ کو ہوئی تھی جب رسول اللہ ﷺ غزوہ تبوک سے واپس تشریف لائے تھے۔ (سیر اعلام النبلاء ص ٢٤٠ ج ٣)۔

گویا نبی مکرم ﷺ نے ان بزرگوں کی نماز جنازہ اپنی عمر مبارک کے آخری دور میں پڑھائی تھی۔ پھر سیدنا ابوبکر کی وفات نبی مکرم ﷺ کی وفات کے سوا دو سال بعد ہوئی ہے جب جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم زندہ تھے، تو ان کی نماز جنازہ مسجد نبوی میں ادا کی جاتی ہے، کسی صحابی نے اعتراض نہیں کیا۔

خلیفہ راشد سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ بھی سیدنا صہیب رضی اللہ عنہ نے مسجد میں کروائی ہے، لیکن کوئی معترض نہیں ہوا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پہلے اور دوسرے خلیفہ راشد کی نماز جنازہ بالا تفاق مسجد میں ادا کی ہے، اگر اس میں کوئی شرعی قباحت ہوتی تو وہ ضرور انکار کرتے، مگر کسی نے انکار نہیں کیا جو اجماع سکوتی کی دلیل ہے۔ امام ابن حزم فرماتے ہیں کہ۔ اس کا خلاف کسی صحابی سے ثابت نہیں ہے۔ (المحلی بالاثار ص ٣٩١ ج ٣)۔

علامہ ابن عبد البر فرماتے ہیں کہ، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث صحیح ہے۔ جسے ثقہ راویوں نے دو اسناد سے روایت کیا ہے۔ اور سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کرنے میں صالح مولیٰ تو امہ راوی منفرد ہے، اور وہ بوجہ ضعیف حجت نہیں ہے۔ اگر اس کی حدیث صحیح بھی ہو تو تب بھی اس میں کراہت کی دلیل نہیں جیسا کہ ابھی ہم نے اس کی تاویل بیان کی ہے اور اس تاویل کی روشنی میں یہ روایت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کے مخالف و معارض نہیں، اور اس تاویل کی صحت پر یہ چیز دلالت کرتی ہے کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے مسجد میں پڑھائی تھی۔ اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ سیدنا صہیب رضی اللہ عنہ نے مسجد میں پڑھائی تھی، اجل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں بغیر کسی نکیر کے اور بعد والوں کا اس سے انکار کرنا پہلوں پر حجت نہیں ہے لہٰذا ہم نے جو بیان کیا ہے وہ ایک طریقہ ہے جس پر قدیم سے عمل ہوا ہے اس لئے اس کی مخالفت جائز نہیں ہے۔ (التمہید لما فی الموطا من المعانی والاسانید ص ۲۲۲ ج ۲۱)۔

جمہور امت کا یہی موقف ہے کہ مسجد میں نماز جنازہ پڑھنی مباح ہے جیسا کہ امام نووی نے (شرح صحیح مسلم ص ۳۱۳ ج ۱) میں صراحت کی ہے اس میں صرف امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام مالکؒ کو اختلاف ہے، قاضی ابویوسف سے بھی ایک روایت ہمارے موافق ہے، بعض اکابر احناف بھی جواز کے قائل ہیں علمائے دیو بند سے بھی بعض کا فتویٰ جواز کا ہی ہے تفصیل فصل دوم میں آ رہی ہے۔ لہٰذا انوار صاحب کا اسے صرف غیر مقلدین (اہل حدیث) کی طرف منسوب کرنا درست نہیں۔

فصل دوم

(ا) عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ من صلی علی جنازۃ فی المسجد فلا شئی له۔

(ابوداؤد ص٩٨ ج٢، ابن ماجه ص١١٠ مصنف عبد الرزاق ص٥٢٧ ج٣)۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے مسجد میں نماز جنازہ پڑھی اس کے لئے کوئی اجر نہیں ہے (حدیث اور اہل حدیث ص٨٨٢)

الجواب: اولاً اس کی سند میں صالح مولی التوامہ راوی ہے، امام شعبی اس سے روایت نہیں کرتے تھے۔ بلکہ منع کرتے تھے۔ یحیٰی بن سعید کہتے ہیں کہ ثقہ نہیں، یہی امام مالک نے کہا ہے، امام ابو زرعہ، امام نسائی نے ضعیف کہا ہے ابو حاتم کہتے ہیں کہ قوی نہیں۔ (تہذیب الکمال ص٤٣٩ ج٣) ابن حبان فرماتے ہیں کہ یہ خبر باطل ہے (المجروحین ص٣٦٦ ج٢)۔ امام بغوی فرماتے ہیں کہ یہ روایت سنداً ضعیف ہے (شرح السنہ ص٣٥٢ ج٥)۔ امام نووی فرماتے ہیں کہ یہ روایت ضعیف ہے، اور اس سے استدلال درست نہیں، امام احمد کا قول ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔ اور صالح کا تفرد ہے اور وہ ضعیف ہے۔ یہی بات امام ابن منذر، امام خطابی اور امام بیہقی کہتے ہیں (نصب الرایہ ص٢٧٦ ج٢)۔ امام ابن جوزی فرماتے ہیں یہ حدیث صحیح نہیں، اس کے راوی صالح کی امام مالک نے تکذیب کی ہے۔ (العلل المتناہیہ ١٤١ ج١)، مولانا عبد الحی لکھنوی نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔ (النافع الكبير ص٤٨٢)۔

ثانیاً: محترم نے فلا شئی له، کے الفاظ کو ابو داؤد کی طرف بھی منسوب کیا ہے حالانکہ ابو داؤد کے بعض صحیح نسخوں میں، فلا شیء علیه، کے الفاظ ہیں۔ (ابو داؤد رقم الحدیث ٣١٩١)۔ مطبوعۃ دار السلام۔

ابو دواؤد کا جو نسخہ مولانا محمود حسن خاں صاحب کی تصحیح سے شائع ہوا تھا اس میں بھی نسخہ کی علامت دے کر حاشیہ میں علیہ کی وضاحت موجود ہے (ص٩٨ ج٢ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان)۔ مولانا خلیل احمد سہارنپوری نے بھی اس کی صراحت کی ہے۔ (بزل المجہود ج ص٢٠٣ ج٥)۔ محدث عظیم آبادی فرماتے ہیں کہ میرے پاس دو پرانے اور معتبر نسخے ہیں جن میں، علیہ، کا لفظ ہے (عون المعبود ص١٨٢ ج٣)۔ لفظ علیہ، کو ملحوظ رکھا جائے۔ تو حدیث کا معنی یہ بنتا ہے کہ مسجد میں نماز جنازہ پڑھانے میں کوئی گناہ نہیں، اور اگر لہ بھی تسلیم کیا جائے تو تب بھی کوئی مضائقہ نہیں، کیونکہ لہ بمعنی علی بھی عربی زبان میں مستعمل ہے۔ ملا علی القاری فرماتے ہیں کہ **فلا شئی له**، کے الفاظ **فلا شی علیه** پر محمول ہیں اور میں نے اس پر ایک مستقل رسالہ لکھا ہے۔

(موضوعات کبیر ص١٢١ مطبوعه میر محمد کراچی)

علامہ محمد بابرتی حنفی فرماتے ہیں کہ:

وعندنا اذا كانت الجنازة خارج المسجد لم يكره ان يصلي الناس عليها في المسجد۔

جب میت مسجد سے باہر ہو تو ہمارے نزدیک مسجد میں نماز جنازہ پڑھنا مکروہ نہیں ہے

(عناية على هامش فتح القدير ص ٩٠ ج ٢ مطبوعه مكتبة الرشيدية كوئٹه)۔

علامہ عالم بن العلاء انصاری دھلوی فرماتے ہیں کہ۔

وقال الشافعي لانكره وعن ابي يوسف روايتان في رواية كما قال الشافعي وفي رواية اذا كانت الجنازة خارج المسجد والامام والقوم في المسجد فانه لا يكره۔

امام شافعی نے کہا ہے کہ مسجد میں نماز جنازہ مکروہ نہیں ہے، امام ابو یوسف سے دو روایتیں ہیں ایک امام شافعی کے قول کے مطابق ہے دوسری روایت میں ہے جب جنازہ مسجد سے باہر ہو اور امام اور قوم مسجد میں ہوں تو پھر مسجد میں نماز جنازہ مکروہ نہیں ہے۔

(فتاویٰ تاتارخانیه ص١٧٩ ج٢ مطبوعه ادارة القرآن کراچی ١٤١١ھ)

اکابر احناف کی ان عبارات سے دو باتیں ثابت ہوئیں، پہلی بات تو یہ کہ مسجد میں نماز جنازہ پڑھنا مکروہ تنزیہی ہے، جو جواز کو ثابت کرتی ہے دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ اگر میت مسجد سے باہر ہو تو تب مکروہ نہیں ہے۔

اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ مذکورہ روایت سے استدلال خود انوار صاحب کے بعض فقہاء کے خلاف ہے۔

ثالثاً: فقہائے کرام نے صراحت کی ہے کہ اگر کوئی عذر ہو تو تب مسجد میں نماز جنازہ پڑھنا مکروہ نہیں۔ علامہ شامی فرماتے ہیں کہ مسجد میں نماز جنازہ بلا عذر مکروہ (تنزیہی) ہے اور اگر عذر ہو تو مکروہ نہیں ہے بعض عذر یہ ہیں کہ بارش، ولی یا جس کا حق نماز پڑھانا ہو اس کا معتکف ہونا، اور بالتتبع دیگر نمازیوں کا معتکف ہونا (فتاویٰ شامی ص٢٢٦ ج٢)۔

بارش وغیرہ اگر عذر ہیں تو جگہ نہ ہونا بھی عذر ہے۔ لہٰذا مذکورہ روایت خود احناف کے خلاف ہے، مولانا تھانوی فرماتے ہیں کہ عذر کی وجہ سے مسجد میں نماز جنازہ ہمارے نزدیک جائز ہے۔

(اعلاء السنن ص ٨٨٢ ج٨)

(٥) عن كثير بن عباس قال لا عرفن ما صليت على جنازة في المسجد۔

(مصنف ابن ابی شیبه ص٣٦٥ ج٣ مصنف عبد الرزاق ص٥٢٧ ج٣)۔

حضرت کثیر بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ مجھے خوب معلوم ہے کہ (عہد نبوی میں) کسی بھی جنازہ کی نماز مسجد نبوی میں نہیں پڑھی گئی۔ (حدیث اور اہل حدیث ص٨٨۴)

الجواب: اولاً کثیر بن عباس صحابی نہیں تابعی ہیں، امام ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ نبی مکرم ﷺ کی وفات سے چند مہینے پہلے پیدا ہوئے، انہیں نبی علیہ السلام کی رویت حاصل نہیں۔

(الاستیعاب ٣/١٣٠٨) علامہ ذہبی فرماتے ہیں کہ تابعی ہیں (سیر اعلام النبلاء ص٥١٦ ج٤)

مگر حیرت ہے کہ انوار صاحب تابعی پر صحابی کی علامت، رضی اللہ عنہ ڈال رہے ہیں پھر متن روایت کا یہ ترجمہ کرتے ہیں کہ عہد نبوی میں کسی بھی جنازہ الخ...... انا للہ وانا الیہ راجعون۔

محترم عہد نبوی میں کثیر چند دنوں کا بچہ تھا، اسے خوب کیسے معلوم ہوا؟۔

ثانیاً: کثیر سے روایت کرنے والا راوی ابن ابی شیبہ میں سعید بن سمعان ہے۔

عبدالرزاق کی روایت میں۔ عن رجل سماہ یقال لہ مسلم، ہے، المحلی لابن حزم ص۳۹۱ ج۳، کی سند میں، سعید بن ایمن ہے، پر لطف بات یہ ہے کہ تینوں کتابوں کی اسناد ابن ابی ذئب سے مروی ہیں، الغرض سند میں اضطراب ہے جو ضعف کی دلیل ہے، مولانا اعظمی نے، مصنف کی تعلیق میں اس اضطراب کو دور کرنے کی کوشش کی ہے مگر دور کرنے کے بجائے اسے مزید الجھا دیا ہے۔

مزید گزارش ہے کہ ان تینوں راویوں میں سے کسی ایک کی یا تینوں کی ہی عدالت وثقات ثابت کی جائے ہم نے کتب رجال کی مراجعت کے بعد یہ نتیجہ نکالا ہے کہ کتب رجال ان کے تراجم سے خالی ہے۔

(٦) عن وائل بن داؤد قال سمعت قال لما مات ابراهيم بن النبي ﷺ صلى عليه رسول الله ﷺ في المقاعد۔

(ابو داؤد ص٩٨ ج٢)۔

حضرت وائل بن داؤد فرماتے ہیں کہ میں نے...... سنا انہوں نے فرمایا کہ جب نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صاحبزادے ابراہیم کی وفات ہوئی تو آپ نے ان کی نماز جنازہ مقاعد (مصلی جنائز) میں پڑھی تھی (حدیث اور اہل حدیث ص۸۸۵)

الجواب: اولاً محترم نے اس سے یہ استدلال کیا ہے کہ جنازہ گاہ میں نماز کا پڑھا جانا مسجد میں ادا کرنے کی نفی کرتا ہے حالانکہ ہم مسجد میں نماز جنازہ پڑھنے کو واجب نہیں کہتے صرف جواز کے قائل ہیں۔

ثانیاً: یہ روایت بوجہ مرسل ہونے کے ضعیف ہے۔

(٧) انباء ابن جريج قال قلت لنافع أكان ابن عمر يكره ان يصلي وسط القبور قال لقد صلينا على عائشة و ام سلمة رضی اللہ عنہا وسط البقيع والامام يوم صلينا على عائشة رضی اللہ عنہا ابو هريرة رضی اللہ عنہ وحضر ذلك عبد الله بن عمر۔

(سنن كبرىٰ بيهقي ص٤٣٥ ج٢ مصنف عبد الرزاق ٥٢٥ ج٣)۔

نماز مسجد سے باہر پڑھانی ثابت کر کے یہ دعویٰ کردے کہ مسجد میں نماز پڑھانی ناجائز ہے پس جو جواب انوار صاحب ایسے مجتہد کو دیں گے وہی ہماری طرف سے نماز جنازہ کو مصلیٰ جنائز میں پڑھنے کا تصور کرلیں۔ یہ محض دعویٰ نہیں بلکہ متعدد احادیث سے نبی مکرم ﷺ کا مسجد سے باہر امامت کروانا ثابت ہے، اگر اعتبار نہ ہوتو حدیث کی کسی کتاب سے صلاۃ المسافرین کے ابواب کا مطالعہ کرلینا۔ اور واقعہ تعریس تو حدیث کے کسی طالب علم سے مخفی نہیں ہے

(۳) عن عبد الله بن عمران اليهود جاء الى النبی ﷺ برجل منهم وامراة زنيا فامربهما فرجما قريبا من موضع الجنائز عند المسجد۔

(بخاری ص۱۷۷ ج ۱)۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ یہودی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس اپنے ایک مرد وعورت کو لائے جنہوں نے زنا کیا تھا، آپ ﷺ نے ان کے بارے میں سنگسار کرنے کا حکم دیا چنانچہ انہیں موضع جنائز کے قریب مسجد نبوی سے متصل سنگسار کیا گیا۔

(حدیث اور اہل حدیث ص۸۸۹)

الجواب: اس حدیث سے ثابت ہوا کہ اگر کافر بھی زنا کرے اورزانی شادی شدہ ہوتو اسے رجم کردیا جائے گا مگر افسوس کہ انوار صاحب کے تقلیدی مذہب میں اس کی سزا رجم نہیں بلکہ کوڑے ہیں امام ابوحنیفہ کا یہ قول فقہ کی معروف کتابوں میں منقول ہے۔ تفصیل کے لئے۔ (بدائع الصنائع ص ۳۸ ج ۷ المبسوط ص ۳۹ ج ۹ فتاویٰ شامی ص ۱۶ ج ۴) کی مراجعت کریں۔ افسوس جو مسئلہ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کا انوار صاحب بوجہ تقلید انکار کرتے ہیں اورجس کا نماز جنازہ سے کوئی تعلق ہی نہیں، اس کا اثبات کرتے ہیں۔

ثانیا: موضع جنائز کا ہونا، مسجد میں جنازہ پڑھنے کی کراہت کو مستلزم نہیں ہمارے گاؤں میں بھی موضع جنائز ہے تو کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے نزدیک مسجد میں جنازہ مکروہ ہے؟ کسی چیز کے لئے کوئی مخصوص جگہ کرلینے سے یہ لازم نہیں آتا کہ دوسرے مقامات پر وہ فعل کرنا حرام ہے۔ غسل خانے کا یہ مطلب بیان کرنا کہ نہر اور تالاب میں غسل کرنا ناجائز ہے؟ آپ جیسے فقہی حضرات کا ہی کام ہے۔ مساجد خالص عبادت کے لئے تعمیر کی جاتی ہیں تو کیا اس کا معنی یہ ہے کہ کسی اور جگہ عبادت جائز نہیں؟ اللہ تعالیٰ کا خوف نہیں تو بدنامی سے ہی ڈر جایئے۔

سوالات انوار: آخر میں انوار صاحب نے چند سوالات بھی کیے ہیں جو دراصل ان کی پوری بحث کا خلاصہ ہیں۔ ان کے جواب دینے کی ہم چنداں ضرورت محسوس نہیں کرتے کیونکہ یہ فضول اور بے

کار سوال ہیں اگر ان میں سے کسی ایک میں بھی جان ہوتی تو ہم ضرور جواب تحریر کرتے ، یہ سوالات نہیں خبط ہے یہاں پر ہم صوفی عبدالحمید سواتی صاحب کی ایک تحریر نقل کرتے ہیں، فرماتے ہیں: اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر کوئی عذر بھی نہ ہو اور مسجد سے باہر جگہ بھی ہو تو پھر افضل یہی بات ہے کہ جنازہ اسی مقام میں پڑھا جائے ، بعض فقہاء نے مسجد میں ہر صورت میں نماز جنازہ پڑھنا مکروہ قرار دیا ہے۔ یہ درست نہیں، بلکہ ایک قسم کا تشدد یا تعمق ہے جو شریعت کے مزاج کے منافی ہے , جو حدیث اس بارہ میں پیش کی جاتی ہے کہ جو مسجد میں نماز جنازہ پڑھے گا اس کی نماز نہیں یا اس کو ثواب نہیں ملے گا۔ اس روایت کو محقق ابن ہمام اور دیگر حضرات نے بھی ضعیف قرار دیا ہے اس سے استدلال درست نہیں چنانچہ ملا علی القاری نقایہ کے اس متن کی شرح میں لکھتے ہیں کہ اگر میت مسجد سے باہر رکھی جائے اور امام بھی باہر ہی کھڑا ہو، اور اس کے ساتھ ایک صف بھی مسجد سے باہر ہو تو اس میں مشائخ کا اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ مکروہ نہیں کیونکہ اس میں مسجد کی تلویث کا خطرہ نہیں ہے اور بعض نے کہا ہے پھر بھی مکروہ ہے کیونکہ مسجد تو فرائض کے ادا کرنے کے لئے بنائی گئی ہے۔ فرائض کے علاوہ دیگر کئی باتیں عذر کی حالت میں ادا ہوسکتی ہے ورنہ نہیں لیکن پہلی وجہ (عدم کراہت) زیادہ اولیٰ ہے کیونکہ مسجد میں نوافل اور دوسری انواع طاعات اور اضاف دعوات مکروہ نہیں (نماز مسنون ص ۷۶۸، ۷۲۹) مولوی غلام رسول سعیدی حنفی بریلوی کا بھی یہی مؤقف ہے فرماتے ہیں کہ ہماری تحقیق یہ ہے کہ نماز جنازہ کا اصل اور مسنون طریقہ یہ کہ جنازہ گاہ میں نماز جنازہ پڑھی جائے لیکن اگر تمام رشتہ داروں، محلّہ داروں اور مسجد کے تمام نمازیوں کا جنازہ گاہ میں جانا لوگوں کو اپنی اپنی مصروفیات کی وجہ سے مشکل ہو جیسا کہ اکثر ہوتا ہے تو ایسی صورت میں جنازہ (میت) کو مسجد سے باہر رکھ کر نماز (مسجد میں) پڑھ لی جائے۔ تو اس میں کوئی کراہت نہیں۔ (شرح صحیح مسلم ص ۱۰۳۲ ج ۲ طبع فرید بک سٹال لاہور ۱۹۹۴ھ)۔

خلاصہ کلام: انوار صاحب نے کل دلائل مکررات کے ساتھ ۱۳ نقل کئے ہیں۔ نمبر چار تک تو سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے ایک مرفوع حدیث نقل کی ہے جس کو صالح مولیٰ توامہ کی وجہ سے آئمہ محدثین اور خود اکابر احناف نے ضعیف قرار دیا ہے۔

مزید برآں یہ کہ انوار صاحب نے اس کا معنی بھی درست نہیں کیا۔ پانچویں دلیل ایک تابعی کا قول ہے دلیل نمبر ۶، ۷، ۱۲، ۱۳ میں مسجد سے باہر نماز جنازہ ادا کرنے کا بیان ہے۔ اور دلیل نمبر ۹، ۱۰، ۱۱ بلا سند ہیں، اور دلیل نمبر ۸ میں مسجد میں جنازہ پڑھنے کا بیان ہے، جس کے متعلق خود انوار صاحب بیان کرتے ہیں کہ سوائے ایک واقعہ کے جو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ذکر کرتی ہیں مسجد میں جنازہ پڑھنا منقول نہیں۔ (حدیث اور اہل حدیث ۸۹۵)

محترم اس ایک واقعہ سے بیان جواز ثابت ہوا اور آپ کا دعویٰ کراہت کا رد ہوگیا، اور یہی ہمارا مطلوب ہے۔

اے میرے مولیٰ پیارے مولیٰ راقم نے یہ کتاب خالص تیری رضا اور تیرے دین کی حمایت اور تیرے پیارے رسول سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ کی سنت کے احیاء کے لئے تحریر کی ہے اسے قبول فرما اور ان ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں برکت ڈال دے میرے لئے اسے توشہ آخرت اور کفارہ سئیات بنادے، اور اس عمل حسنہ کے وسیلہ سے تیرے تقدس و رحمت کا دامن پکڑ کر تیری جناب میں ملتجی ہوں کہ میری اولاد کو اپنے دین کا خادم بنا، الٰہی اگر تو انہیں اپنے دین کے خدام میں کرلے تو تیری رحمت سے کیا بعید ہے، اے اللہ میں ایک نالائق انسان ہوں میری خطاؤں پر پردہ ڈال دے اور اپنی رحمت سے انہیں معاف فرمادے۔

تمت

الحمد لله الذی تتم به الصالحات و صلی الله علی خیر خلقه محمد و آله و اصحابه۔

ابوصہیب محمد داؤد ارشد، کوٹلی ورکاں نزد نارنگ منڈی ضلع شیخوپورہ۔
۶ صفر المظفر ۱۴۲۶ھ موافق ۱۷ مارچ ۲۰۰۵ء

ولا تلبسوا الحق

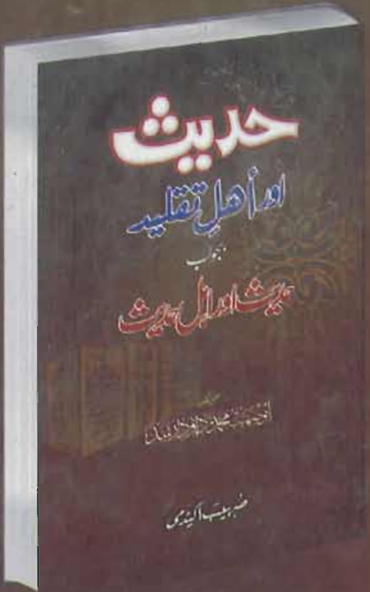

حدیث

اور أھلِ تقلید

بجواب

حدیث اور اہل حدیث

ضربِ حدیث اکیڈمی

مکتبہ اہلِ حدیث

امین پور بازار فیصل آباد

041-2624007

0300-6628021